دو دو باتیں

مجھے بہت افسوس ہے کہ اس نئے ملک اور نئے دور میں ایک پرانی چیز آپ لوگوں کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ ''افشاں'' وقتی میں پیدا ہوئی اور شروع شروع میں اس کی اٹھان بھی اپنی دونوں بڑی بہنوں ''شمع'' و ''تصویر'' کی طرح خاصی تسلی بخش تھی۔ مگر جس انقلاب نے بڑے بڑے طاقتوروں کو نیست و نابود کر دیا۔ اس کی لپیٹ میں اس بیچاری نے گردن ڈال دی اور چار سال تک آنکھ نہیں کھولی۔ مگر آہستہ آہستہ لاہور کی آب و ہوا نے اپنا اثر دکھایا اور خدا کا شکر ہے ''افشاں'' بھی اپنی بڑی بہنوں کے ساتھ شریک ہوگئی۔

میں اپنے تمام پڑھے لکھے بھائی بہنوں سے نہایت ادب کے ساتھ معافی چاہتی ہوں، کیونکہ نہ میں نے کسی اسکول میں تعلیم حاصل کی نہ کسی استاد سے پڑھا اور نہ کسی دوسری زبان کے ناول یا افسانوں کا مطالعہ کیا۔ ''شمع'' میری پہلی تصنیف ہے، ایک سال تک اس کا مسودہ پڑا رہا مگر چھپوانے کی ہمت نہ ہوئی۔ مجھے ڈر تھا کہ پڑھے لکھے لوگ میرے اوپر پتھراؤ نہ کریں۔ مگر میں اپنے تمام بھائی بہنوں کی ممنون ہوں جنہوں نے ''شمع'' پڑھ کر میرے اوپر پھول برسائے، میرا حوصلہ بڑھ گیا اور میں نے ''تصویر'' پر قلم اٹھایا اس کو بھی عام طور پر پسند کیا گیا۔ اب کئی سال کے بعد ''افشاں'' آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہی ہے۔ اس کے پینتیس باب ہندوستان میں لکھے جا چکے تھے۔ پاکستان آنے کے بعد حالات نے اجازت نہیں دی کہ یہ مکمل ہو سکے۔ جو کچھ میں لکھنا چاہتی تھی وہ چار سال کی بے سروسامانی میں دماغ سے نکل گیا۔ آخری حصہ میری مرضی کے مطابق نہیں لکھا جا سکا۔ ''افشاں'' کا نہ کوئی پلاٹ ہے نہ کوئی اور خاص بات اس میں ہے۔ البتہ دلی کی زبان اور دلی کی زندگی کا نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ 1944ء میں ''افشاں'' وجود میں آئی تھی۔ اس وقت وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ یہ دلی کی یادگار ہو کر رہ جائے گی ورنہ اس کا نام ''صبح

دلی" رکھا جاتا۔

میں آپ لوگوں کی زیادہ سمع خراشی کرنا نہیں چاہتی۔ میں جانتی ہوں کہ لکھنے والے کی زندگی اور اس کے حالات سے پڑھنے والوں کو کسی قسم کی دلچسپی یا ہمدردی نہیں ہوتی، وہ تو شروع کے چند صفحات پر سرسری نظر ڈال کر پلٹ دیتے ہیں، گویا مصنف کی طرف سے آنکھیں پھیر کر قصہ کو آنکھوں سے لگاتے ہیں اور یہی مصنف کی کامیابی ہے۔

والسلام

اے۔آر۔خاتون

30 جون 1952ء

پہلا باب

بوڑھا سوداگر غیظ و غضب کا ایک مجسمہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے زردی مائل سفید رخساروں پر خون کی سرخی دوڑ رہی تھی۔ اس کی چھوٹی چھوٹی نیلگوں آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ اس کی سفید سن کی چمک وار داڑھی تھوک کے چھینٹوں سے مرصع ہو گئی تھی، وہ اپنے ڈھیلے ڈھالے سیاہ عبا کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کمرہ میں ٹہل رہا تھا۔ اس کی خوفناک اور کرخت آواز سے کمرہ گونج رہا تھا۔ ''چلے جاؤ میرے گھر میں سے۔ دور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔ میں تمہاری منحوس اور ناپاک صورتیں دیکھنی نہیں چاہتا۔ تم نے مجھے لوٹ لیا۔ برباد کر دیا۔ میری عزت آبرو خاک میں ملا دی۔ میری ناموس پر دھبہ لگایا۔ میں اپنی قوم کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ تم مار آستین ثابت ہوئے۔ تمہاری صورتوں نے مجھے دھوکہ دیا۔ تم احسان فراموش اور نمک حرام نکلے۔ میری لڑکی بہت بھولی اور فرشتہ صفت تھی، تم نے اس کو اپنے دام فریب میں گرفتار کر لیا۔ مجھے مجبور اور بے بس ہونا پڑا۔ اب میں تمہیں ایک منٹ یہاں نہیں ٹھہرنے دوں گا۔ اسی وقت چلے جاؤ اور اپنا نامہ اعمال بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ مجھے ضرورت نہیں۔ میں اپنے گھر میں زہریلے سانپ کی اولاد کو ہرگز نہیں رکھوں گا...... آہ میری زندگی کا سرمایہ۔ میری بڑھاپے کا سہارا۔ میرے جگر کا ٹکڑا تمہاری بھینٹ چڑھا۔ دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہے۔ آج میرے گھر کا چراغ گل ہو گیا۔ بوڑھے نے ایک لمبا سانس لے کر کمرے میں حسرت بھری نظریں ڈالیں۔ ایک سنگ مرمر کی میز پر دیسی روشنی کا لیمپ جل رہا تھا۔ سامنے کرسیوں پر دو نوجوان خاموش بیٹھے تھے۔ کمرے کے دروازے میں ایک حبشی غلام سرنگوں کھڑا تھا۔ بوڑھا چیختے چیختے تھک کر آرام کرسی پر پڑ گیا...... ایک نوجوان کرسی سے اٹھا اور بوڑھے کے قریب جا کر کہا۔ ''آپ کی لڑکی نے اپنی مرضی اور آپ کی اجازت سے شادی کی تھی۔ ہمارے اوپر آپ کا غصہ بے جا ہے، ہم ابھی جانے کو تیار

نہیں تاوقت کہ ''نجم السحر'' کی طرف سے یکسوئی نہ ہو جائے۔''

بوڑھے نے غضب آلود نگاہوں سے نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ تمہارا اب اس سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ اگر اپنے حق میں بہتری چاہتے ہو تو اسی وقت روانہ ہو جاؤ۔''

نوجوان نے ذرا آگے بڑھ کر آہستہ سے کہا''آپ کو معلوم ہے ''نجم السحر'' مسلمان ہو گئی تھی۔ ہم اس کو اپنے مذہب کے طریقہ پر دفن کرنا چاہتے ہیں۔''

بوڑھے نے زور سے میز پر ہاتھ مار کر کہا''میں ہرگز ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ تمہیں کوئی حق نہیں رہا۔ وہ اب میرے اختیار میں ہے تم کو اسی وقت جانا پڑے گا۔''

نوجوان نے کہا''ابھی ہمیں اپنا انتظام کرنا ہے۔ ایسی بے سرو سامانی کی حالت میں نہیں جا سکتے۔''

بوڑھا سوداگر غصے کی حالت میں کھڑا ہو گیا۔نہیں صبح ہونے سے قبل تمہیں جہاز پر سوار ہونا پڑے گا۔ میں نے پہلے ہی تمہارا انتظام کر دیا ہے۔ گاڑی پھاٹک پر کھڑی ہے۔''

نوجوان نے کہا۔''ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں، ہماری خطا کیا ہے؟''

بوڑھے نے جواب دیا''مجھے اب تم لوگوں کی ضرورت نہیں، سب کام ختم ہو گئے''

دوسرا جوان طیش میں آ کر کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر کہا''چلو ہم خود اب ایک منٹ یہاں نہیں ٹھہریں گے۔ ہم کسی کی سخت کلامی نہیں سن سکتے۔ ہمارے اوپر کسی کا احسان نہیں ہے۔ ہم کسی کے غلام نہیں ہیں، نمک حرامی کا طعنہ ہم ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم خود اپنی اولاد کو ایک زہریلے سانپ کے منہ میں چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اگر ہم چاہیں تو ''نجم السحر'' کی لاش کو مفتی اعظم کے ذریعے بڑی آسانی سے لے جا سکتے ہیں۔ وہ میری منکوحہ بیوی تھی۔ مجھے پورا حق ہے کوئی زبان نہیں ہلا سکتا۔ ہمیں پردیسی اور غریب الوطن نہ سمجھنا۔ ہماری قوم

ہمارے ساتھ ہے۔ شہر میں بلوہ ہو جائے گا۔ بیسیوں جانیں جائیں گی، سینکڑوں زخمی ہوں گے، تمہاری بدنامی نہیں چاہتے احسان فراموشی ہماری شیوہ نہیں۔ نہ ہم ''نجم السحر'' کے جنازہ کی بے حرمتی گوارا کر سکتے ہیں۔ ہمارا مذہب فتنہ وفساد کی اجازت نہیں دیتا۔'' نوجوان غصہ اور جوش کی حالت میں آگے بڑھتے بڑھتے بالکل بوڑھے کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس کے ساتھی نے ہاتھ پکڑ کر اس کی اپنی طرف کھینچ لیا۔ کمرہ میں کچھ دیر سکوت رہا۔ بوڑھا سوداگر خاموش بیٹھا سگار پی رہا تھا۔

ایک حبشی غلام نے آگے بڑھ کر بوڑھے سے کہا ''آقا ' بحرین ' جہاز ہندوستان جانے کے لیے تیار کھڑا ہے، صبح لنگر اٹھا جائے گا۔''

بوڑھا ابھی کوئی جواب دینے نہ پایا تھا کہ دونوں نوجوان تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئے ایک حبشی غلام گردن جھکائے ان کے پیچھے گیا اور نہایت رنجیدہ لہجہ میں کہا آپ کا سب سامان گاڑی میں رکھ دیا گیا ہے۔'' دوسرا نوجوان بغیر کچھ جواب دیئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔

پہلے نوجوان نے غلام کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا ' الماس! خدا حافظ تین سال میں اگر کوئی ہماری بات تمہیں ناگوار گذری ہو تو معاف کرنا۔'' بڈھے حبشی نے روتے ہوئے نوجوان کے پیر پکڑ لیے...... نوجوان کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے...... کچھ دیر دونوں برآمدہ میں کھڑے آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے ...... دوسرے نوجوان نے اندر سے آواز دی۔'' علی کیوں دیر لگا رہے ہو جلدی آؤ۔'' بڈھے حبشی نے گاڑی کے اندر منہ کر کے روتے ہوئے کہا'' آقا میری خطاؤں کو معاف کرنا خدا آپ کو زندہ وتندرست رکھے اور آپ بعافیت اپنے وطن پہنچیں۔''

نوجوان خاموش ہو گیا۔ پہلا نوجوان اور بڈھا حبشی پھر چپکے چپکے باتیں کرنے لگے۔ دونوں میں کسی اہم معاملہ پر گفتگو ہو رہی تھی۔

کمرے میں بوڑھے سوداگر نے دوسرے غلام کو اپنے پاس بلا کر ایک چک دیتے ہوئے کہا ''یہ ممتاز کو دے دینا۔'' دوسرا چک دیا۔ ''یہ علی کو دے دینا۔ اچھی طرح دیکھ لو۔ تم کو عدن تک ساتھ جانا ہے۔ نرس کو میں نے ہدایت کر دی ہے اور تم بھی سمجھا دینا وہ صرف بمبئی تک جائے گی۔ جانے کی ضرورت نہیں خود اپنا انتظام کریں گے۔

دوسرا باب

جہاز نے ایک مہیب سیٹی کے ساتھ ساحل کو الوداع کہا۔ رات بھر کے تھکے ہارے خستہ حال نوجوان کو کچھ غنودگی آ گئی تھی۔ گھبرا کر اس نیا آنکھیں کھول دیں۔ اپنے ساتھی کو قریب نہ پا کر وہ چاروں طرف دیکھنے لگا۔ لیکن اس وقت وہ کیبن میں تنہا تھا۔ جہاز نے آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیا تھا۔ نوجوان باہر نکل آیا اور سیدھا ڈک پر چڑھ گیا۔ حبشی غلام جہاز کے کٹہرے پر کھڑا رومال ہلا رہا تھا۔ نوجوان نے اس سے پوچھا "علی کہاں ہیں؟"

غلام نے ایک کشتی کی طرف اشارہ کیا جو تیزی سے ساحل کی سمت جا رہی تھی۔

نوجوان نے غصہ کے لہجہ میں کہا۔ "میں علی کو پوچھ رہا ہوں۔"

غلام نے ایک خط نوجوان کو دیتے ہوئے کہا "علی یہ خط آپ کو دے کر چلے گئے۔"

نوجوان نے متعجب ہو کر پوچھا "کہاں چلے گئے؟"

غلام نے جواب دیا "اس کشتی میں جا رہے ہیں۔"

نوجوان نے جھلا کر لفافہ دور پھینکا اور غصہ میں دانت پیستا ہوا کٹہرے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ کشتی بہت دور نکل گئی تھی۔ جہاز نے بھی اپنی رفتار بڑھا دی تھی۔ علی کا رومال ایک چڑیا کے پر کی طرح اڑتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ نوجوان غصہ اور مایوسی کے عالم میں علی کا خط اٹھا کر واپس اپنے "کیبن" میں آ گیا۔ لفافہ چیر کر دور پھینکا اس کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔ تیز تیز نظروں سے خط پڑھنا شروع کیا "پیارے محسن! خدا تمہارا محافظ و مددگار ہے۔ تم جانتے ہو میں ابھی ہندوستان نہیں جا سکتا۔ عدن پر جدائی لازمی تھی۔ اس وقت مصلحتاً یہاں ٹھہر رہا ہوں۔ چلتے وقت "الماس" نے مجھے ایک اچھی رائے دی تھی۔ میں اس پر عمل کر رہا ہوں۔ ممکن ہے صبح تک بوڑھے سوداگر کا غصہ کم ہو جائے اور وہ اپنی اس ذلیل حرکت پر پشیمان ہو۔ یہ میں جانتا

ہوں کہ تمہیں میرے اوپر بہت غصہ آئے گا۔ مگر مجھے تمہاری اولاد کی آئندہ بہبودی کا خیال ہے۔ تم زیادہ رنج نہ کرنا۔‘‘

محسن نے جلدی جلدی پورا خط پڑھ ڈالا۔ وہ غصہ میں آپے سے باہر ہو گئے۔ لعنت ہے اس مردود پر اور اس کی دولت پر۔ میں زندگی بھر اس بڈھے کی صورت نہیں دیکھوں گا۔ نہ کبھی ادھر کا رخ کروں گا۔ علی نے مجھے دھوکا دیا۔ بے دست و پا کر کے چھوڑا۔ وہ میرے بچپن کے ساتھی ہونے کے علاوہ چچا زاد بھائی اور میری بہن کے شوہر بھی ہیں۔ مجھے ان سے ہرگز امید نہ تھی۔ ایک غلام کے کہنے میں آ کر وہ اتنا بڑا کام کر بیٹھے خود بھی ذلیل ہوں گے اور مجھے بھی اس بڈھے کی نگاہوں میں ذلیل کریں گے۔ میں ان سے بھی قطع تعلق کرتا ہوں۔ جائیں سب جہنم میں دغا باز فریبی۔ جب ان کو میرے ساتھ ہمدردی نہیں ہے تو میری اولاد کی بہبودی کا کیا خیال ہوگا۔ یہ سب ان کی چالاکی کی باتیں ہیں۔ ضرور اپنا ذاتی فائدہ دیکھا ہے۔ انہوں نے مجھے بیوقوف بنایا۔ بڈھے کو میرے خلاف بھڑکا کے مجھے وہاں سے نکلوایا۔ اب خود میرے قائمقام بن کر بیٹھنا چاہتے ہیں۔ اف میں نے بڑا دھوکہ کھایا۔‘‘

محسن غصہ اور پریشانی کی حالت میں باہر نکلے اور سیدھے نرس کے پاس پہنچے۔ سفید گرم کپڑوں میں لپٹا ہوا ایک چھوٹا سا بچہ نرس کی گود میں تھا۔ محسن نے غصہ کے لہجے میں کہا۔ ’’اس بچی کو بھی علی کے ساتھ بھیجدیا ہوتا میں اس کا کیا کروں گا۔‘‘

نرس نے بچی کے منہ پر سے کپڑا ہٹاتے ہوئے کہا۔ ’’وہ کہہ گئے ہیں یہ آپ ہی کے ساتھ جائے گی۔‘‘

محسن نے اس سے پہلے بھی چھوٹے بچے دیکھے تھے۔ مگر یہ کشش۔ یہ جاذبیت کسی میں نہیں تھی۔ اس کی صورت دیکھ کر چند منٹ کے لیے ان کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ انہوں نے فرط محبت سے اس کے گلے پر انگلی لگائی۔ بچی کی صورت ہنسی کی سی بن گئی۔ محسن نے متحیر ہو کر نرس سے کہا ’’کیا تین دن کا بچہ ہنسنے لگتا ہے؟‘‘

نرس نے کہا۔ "قدرت کے کھیل ہیں۔"

محسن تھوڑی دیر تک خاموش کھڑے بچی کی صورت دیکھتے رہے۔ وہ اس وقت بہت پریشان اور گھبرائے ہوئے تھے۔ نرس سے بچی کے متعلق دو چار باتیں کر کے اپنے کیبن میں واپس چلے گئے۔ علی کا خط ابھی تک کھلا پڑا تھا...... محسن کو پھر غصہ آ گیا۔ وہ اس وقت قلم اور کاغذ لے کر جواب لکھنے بیٹھ گئے۔ ان کے سر پر جنون سوار تھا۔ وہ ایسے ایسے الفاظ لکھ گئے جو انہیں نہ لکھنے چاہیے تھے۔ ان کی عقل اس وقت بیکار تھی۔ انہوں نے آیدہ کا کچھ خیال نہیں کیا۔ جب خط پورا کر چکے تو فتح مندانہ انداز سے اس کو دوبارہ پڑھا اور آپ بولنے لگے۔ اگر ان کی طبیعت میں ذرا سی بھی خودداری ہے۔ اور کچھ بھی حیا ہے تو کبھی گھر کا رخ نہ کریں گے۔ مجھے کسی کی پرواہ نہیں چاہے بہن کی زندگی برباد ہو یا ان کی اولاد تباہ ہو۔ میں اپنے دل کی بھڑاس ضرور نکالوں گا۔ اس وقت علی نے جیسی چالاکی میرے ساتھ کی ہے وہ میرا دل ہی جانتا ہے۔ ہیرا اپنی مٹھی میں دبا لیا پتھر میرے سر پر دے مارا۔ مگر میں بھی اپنے نام کا ایک ہوں ان کو ایسا مزہ چکھاؤں گا کہ زندگی بھر یاد کریں۔"

محسن نے خط لفافہ میں بند کر کے احتیاط سے رکھ لیا...... وہ تمام دن فکر و پریشانی کی حالت میں رہے دوسرے دن ان کا غصہ کچھ کم ہو گیا تھا...... وہ دن میں کئی بار بچی کو جا کر دیکھتے تھے۔ ایک نا تجربہ کار نوجوان کے لیے یہ کام بہت دشوار تھا۔ لیکن خدا نے اس کٹھن وقت کو بھی آسان کر دیا۔ نرس کی جانفشانی اور خیر خواہی سے بچی زندہ سلامت بمبئی تک پہنچ گئی اس کا کام اب ختم ہو گیا تھا۔ وہ واپس اپنے گھر جانا چاہتی تھی...... محسن نے بچی کو اسپتال میں داخل کر دیا اور خود ہوٹل میں ٹھہرے، گذشتہ واقعات کا اثر ان کے دل و دماغ سے ابھی تک زائل نہیں ہوا تھا۔ وہ شروع سے خود رائے اور ضدی طبیعت کے واقع ہوئے تھے۔ وہ اپنی مرضی کے خلاف معمولی بات بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں اپنی ذلت و توہین کا انتہائی رنج تھا۔ وہ تمام

دن اپنے کمرہ میں خاموش پڑے رہتے تھے...... ہوٹل کی گہما گہمی اور شور وغل سے انہیں کوئی مطلب نہیں تھا...... وہ دن میں ایک مرتبہ صبح کے ناشتہ کے بعد بچی کو دیکھنے اسپتال جاتے تھے۔ برابر کے کمرہ میں بہت سے لوگ آئے اور چلے گئے۔ مگر انہوں نے کسی کی شکل تک نہ دیکھی۔ البتہ ایک متمول اور آزاد خیال کشمیری خاندان ایسا آیا جس نے محسن کی خاموش زندگی میں آواز پیدا کر دی۔

ایک دن صبح کے ناشتہ سے فارغ ہو کر محسن آئینہ کے سامنے کھڑے ٹائی باندھ رہے تھے۔ اتفاقاً ان کی نگاہیں دروازہ کی طرف اٹھ گئیں۔ بیرا ناشتہ کے برتن لے جا رہا تھا۔ مقابل کے کمرہ کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ ایک سرخ سفید معمر شخص آرام کرسی پر پڑے حقہ پی رہے تھے اور ان کی نگاہیں محسن کے چہرہ پر گڑی ہوئی تھیں۔ محسن کچھ جھینپ گئے۔ انہوں نے بیرا سے کہا تم سے پچاس مرتبہ کہا ہے ہمارے کمرے کا دروازہ بند کر دیا کرو۔"

محسن روزانہ اس وقت بچی کو دیکھنے اسپتال جایا کرتے تھے۔ کپڑے پہن کر باہر نکلے وہی شخص اپنے کمرہ کے دروازہ میں کھڑے تھے۔ محسن نیچی نظریں کیے لاپرواہی کے انداز میں کمرہ میں قفل لگا کر آگے بڑھنے لگے۔ ان صاحب نے اپنی بھاری گونج دار آواز میں کہا۔ "میاں صاحبزادے ذرا ایک بات سنتے جائیے۔"

محسن نے واپس لوٹتے ہوئے کہا۔ جی فرمائیے۔

"کیا آپ کسی کارخانہ میں ملازم ہیں؟"

محسن: "جی نہیں۔ میں کہیں ملازم نہیں ہوں۔"

"میں کئی روز سے غور کر رہا ہوں آپ ٹھیک سات بجے ہوٹل سے چلے جاتے ہیں۔"

محسن کو یہ سوال کچھ ناگوار گذرا انہوں نے ان اجنبی شخص سے اپنا پیچھا چھڑاتے ہوئے کہا۔

’’میں ذرا سمندر کے کنارے چہل قدمی کے واسطے جاتا ہوں۔‘‘

’’کیا تفریحاً؟‘‘

محسن:۔جی نہیں ڈاکٹر نے بتایا ہے۔‘‘

’’اوہو۔تو کیا خدانخواستہ آپ کی صحت کچھ خراب ہے۔؟‘‘

محسن:۔جی ہاں۔میں کافی عرصہ تک بیمار رہا تھا۔‘‘

اب تو کوئی شکایت نہیں؟‘‘

محسن:۔جی نہیں اب تو اچھا ہوں۔‘‘

شکر ہے۔اچھا آپ تشریف لے جایئے میں نے آپ کا بہت وقت ضائع کیا۔ معاف کیجئے گا۔پھر کسی وقت مفصل بات چیت ہوگی۔میرے لڑکے کو آپ سے ملنے کا بہت شوق ہے وہ دوسرے کمرے میں مقیم ہے آپ ہی کی ہم عمر ہوگا۔‘‘

محسن اس سے معذرت کرکے چلے گئے۔وہ بڑی دیر تک سوچتے رہے۔عجیب قسم کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔جان نہ پہچان۔خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ گئے۔اب ہوٹل کا رہنا بھی دشوار ہوجائے گا۔ان کا لڑکا میری پرسکون زندگی میں مخل ہوگا۔آج کل میرا دماغ صحیح نہیں ہے۔میں کسی سے ملنا جلنا نہیں چاہتا۔دیکھنے میں تو پڑھے لکھے معقول آدمی معلوم ہوتے ہیں۔کافی عمر رسیدہ ہیں مگر میں دیکھتا ہوں بڑھاپے میں انسان سٹھیا جاتا ہے۔ان کو مجھ سے اس قسم کے سوالات کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔مجھے اب جلدی یہاں سے چلا جانا چاہیے۔میں نے ابھی تک گھر پر کوئی اطلاع نہیں کی ہے ایسا نہ ہو علی وہاں سے تمام قصہ لکھ کر بھیج دیں۔مگر میں نے غلام کے ہاتھ ان کو ایسا خط بھیجا ہے کہ ذرا بھی غیرت دار ہوں گے تو میرے معاملہ میں دخل نہ دیں گے......لیکن افسوس جو کچھ ان کو کرنا تھا کر چکے۔جس وقت خیال آتا ہے خون کا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہوں میرے ساتھ سخت چالاکی اور دھوکہ کیا گیا۔‘‘......محسن انہیں خیالات میں غرق اسپتال پہنچے......بچی اب تین مہینے کی ہوگئی تھی وہ اپنے باپ

کی صورت دیکھ کر ہنس دیا کرتی تھی۔ اسپتال میں وہ سب کا کھلونا بنی ہوئی تھی۔ اس کی معصول اور بھولی صورت پر ساری نرسیں جان دیتی تھیں۔ وہ بڑی غریب اور صابر تھی۔ کئی کئی گھنٹے خاموش پڑی انگوٹھا چوسا کرتی تھیں۔

آج محسن قصداً دیر کر کے واپس ہوٹل پہنچے۔ برابر وال کمرہ مقفل تھا وہ کنکھیوں سے ادھر دیکھتے ہوئے اپنے کمرہ میں داخل ہوئے۔ بیرا کو بلا کر کھانا منگوایا وہ کسی طریق سے برابر والے لوگوں کا حال معلوم کرنا چاہتے تھے۔ کھانا کھانے میں انہوں نے بیرا سے پوچھا۔ ''سامنے والے کمرہ میں جو صاحب ٹھہرے ہوئے تھے کیا وہ گئے؟''

بیرا نے جواب دیا۔ ''نہیں صاحب وہ لوگ شاید بازار گئے ہوئے ہیں۔''

محسن:۔ تم ان کا نام جانتے ہو؟''

بیرا:۔ جی ہاں۔ ان کا نام سر آغا محمد جان ہے۔''

محسن:۔ ان کے ساتھ اور لوگ بھی ہیں؟''

بیرا:۔ جی ہاں۔ ایک ان کے لڑکے ہیں، دو لڑکیاں ہیں ایک چھوٹا سا بچہ ہے۔ کوئی تین چار برس کا۔ باقی نوکر چاکر ہیں۔''

محسن نے کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''اچھا شام کو صرف چار لانا اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔''

بیرا برتن لے کر چلا گیا۔ محسن کمرہ کا دروازہ بند کر کے لیٹ گئے وہ بڑی دیر تک کچھ سوچتے رہے...... شام کو چار بجے بیرا چار لے کر آیا اور کہا۔ ''سر آغا محمد جان صاحب

کریں۔“

بیرا واپس چلا گیا۔ محسن نے چارپی کر شیو کیا پھر بکس کھول کر ایک اچھی قسم کا سوٹ نکالا۔ کپڑے پہن کر وہ آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر بال وغیرہ درست کرنے لگے ۔محسن کی عمر چھبیس یا ستائیس سال کی ہو گی بہت وجیہہ اور خوشرو جوان تھے باوجود ایک بچی کے باپ ہونے کے ابھی تک کنوارے معلوم ہوتے تھے۔ وہ کچھ دیر خاموش کھڑے سوچتے رہے۔ میں کیا بات چیت کرونگا۔ اپنا صحیح حال کیسے انجان لوگوں کو بتاؤں گا۔ یہ تو بری طرح میرے پیچھے پڑے۔ اگر انکار کر دیتا تو بد اخلاقی کی بات تھی۔ خیرات تو ملنا ہی پڑے گا۔

محسن تیار ہو کر باہر نکلے آغا صاحب کا نوکر دروازہ پر منتظر تھا۔ پردہ ہٹا کر ان کو کمرہ میں پہنچایا۔ بڑے تپاک سے محسن کا خیر مقدم ہوا۔ آغا صاحب نے اپنے بیٹے سے کہا۔”محمد سلطان سب کا تعاف کراؤ۔“ محمد سلطان نے اپنے باپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محسن سے کہا۔” آپ میرے والد سر محمد جان ہیں۔“ محسن ان سے پہلے ہی مصافحہ کر چکے تھے۔ محمد سلطان نے ایک لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔”میری بڑی بہن زرتاج بیگم ہے۔“ دوسری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔” یہ میری چھوٹی بہن مہر تاج بیگم ہیں اور میرے متعلق آپ خود سمجھ گئے ہوں گے۔ والد صاحب کا خادم ہوں۔“ سب ہنسنے لگے۔ آغا صاحب نے محسن کو اپنے قریب کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔” آپ کا اسم گرامی؟“

محسن نے مسکرا کر کہا۔”میرا نام محسن ممتاز ہے۔“

آغا صاحب نے گردن ہلا کر کہا۔” ماشاءاللہ نام بھی آپ کا شاندار ہے۔“

حسن نے کچھ شرمندہ ہو کر کہا۔”عزت افزائی کا شکریہ۔“

محمد سلطان نے پوچھا۔”محسن صاحب آپ کا وطن کہاں ہے؟“

محسن:۔ دہلی۔“

آغا صاحب اچھل پڑے۔ ”کیا واقعی آپ دہلی کے رہنے والے ہیں۔ وہ تو آپ کی وضع وقطع اور شکل وصورت ہی دیکھ کر میں سمجھ گیا تھا۔ ہمارے آباؤ واجداد بھی شروع میں کشمیر سے آ کر دہلی میں رہے تھے۔“

محسن:۔ آجکل آپ کی سکونت کہاں ہے؟“

آغا صاحب:۔ میں ریاست بڑودہ میں ہوں۔ ایک ماہ گذرا میری اہلیہ کا انتقال ہو گیا بچوں کو اپنی والدہ کا بے حد رنج ہے ان کے خیالات تبدیل کرنے کی غرض سے میں نے چھ ماہ کی رخصت لی ہے یورپ جانے کا قصد ہے۔“

محسن نے افسوس کے لہجہ میں کہا۔ ”واقعی ان لوگوں کو بہت صدمہ ہو گا۔ آپ کا خیال نہایت مناسب ہے۔“

محمد سلطان نے پوچھا۔ ”آپ یہاں ہوٹل میں کب سے مقیم ہیں؟“

محسن:۔ تین مہینے سے۔“

محمد سلطان:۔ تعجب سے آپ تین مہینے سے ہوٹل میں ہیں۔ کیا کسی خاص کام سے ٹھہرے ہیں؟“

محسن:۔ (دبی زبان سے) جی ہاں کام ہی ہے۔“

آغا صاحب:۔ آپ کی تعلیم تو ختم ہو گئی ہو گی۔“

محسن:۔ جی ہاں عرصہ ہوا۔“

محمد سلطان:۔ کیا آپ یہاں ملازمت کے سلسلہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں یا تجارت کے؟“

محسن:۔ جی نہیں۔ میں تو قاہرہ سے واپس آ کر کچھ دن کے لیے یہاں ٹھہرا ہوں۔
“

آغا صاحب: (تعجب سے) کیا آپ مصر ہو آئے ہیں؟“

محسن:۔ جی ہاں۔ میں تین سال وہاں رہا۔“

محمد سلطان کیا تعلیم کی غرض سے آپ مصر گئے تھے؟''

محسن :۔ میں ملازمت کے سلسلے میں گیا تھا۔وہاں میں نے شادی کرلی۔''

آغا صاحب کا چہرہ اداس ہو گیا انہوں نے جلدی سے کہا۔اچھا تو آپ شادی شدہ ہیں۔لیکن آپ کی صورت سے نہیں معلوم ہوتا۔''

محمد سلطان :۔کیا مسز محسن بھی ساتھ ہیں؟''

محسن :۔جی نہیں واپسی میں جہاز پر میری بیوی کا انتقال ہو گیا۔''

آغا صاحب کا چہرہ پھر بحال ہو گیا۔لیکن انہوں نے غمگین صورت بنا کر کہا۔'' افسوس صد افسوس یہ تو بہت دل خراش بات آپ نے سنائی۔کیا مرحومہ پہلے سے کچھ علیل تھیں؟''

محسن :۔جی نہیں ایک مہینے کی بچی کو لیکر ہم لوگ چلے تھے۔''

آغا صاحب کی لڑکیاں ابھی تک خاموش بیٹھی تھیں۔بچی کا ذکر سن کر ان کی بڑی لڑکی زرتاج بیگم نے پوچھا۔آپ کی بچی اب کہاں ہے۔؟''

محسن :۔میں نے یہاں اس کو اسپتال میں داخل کر دیا ہے۔

آغا صاحب :۔دہلی میں تو آپ کے عزیز ہوں گے وہاں بچی کو آپ کیوں نہیں لے گئے؟

محسن :۔دلی میں تو میرا تمام خاندان ہے والدین بھائی ،بہنیں مگر بچی کمزور بہت تھی۔اس وجہ سے کچھ دن میں نے اس کو اسپتال میں رکھنا مناسب سمجھا اب اس کی صحت ٹھیک ہوگئی ہے آٹھ دس روز میں دلی جانے کا ارادہ ہے۔

آغا صاحب کی چھوٹی لڑکی مہر تاج نے اپنے باپ سے کہا۔ابو جان مجھے چھوٹے بچے بہت پیارے لگتے ہیں میں اسپتال میں جا کر محسن صاحب کی بچی کو دیکھوں گی۔
''

آغا صاحب :۔ضرور ضرور میں بھی چلو گا۔وہ بچی تو خدا کی قدرت کا ایک نمونہ

ہے۔"

محمد سلطان:۔محسن صاحب۔آپ کی بچی تو بڑی خوبصورت ہو گی؟"

محسن:۔مسکرا کر اپنا بچہ تو ہر ایک کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔آپ بے شک اس کو دیکھ کر کوئی رائے قائم کر سکتے ہیں۔

محمد سلطان:۔(ہنس کر)اگر آپ کی ہم شکل ہے تو ضرور اچھی ہو گی۔

محسن کا رنگ کچھ متغیر ہو گیا۔"نجم السحر" کی حسین صورت ان کی نظروں کے سامنے تھی۔دو سال کے گزرے ہوئے واقعات یاد آ گئے۔پھر اپنی روانگی سے ایک روز پہلے کا منظر آنکھوں میں گھومنے لگا۔فلسطین کا بڑا اسپتال رات کا وقت ڈاکٹروں اور نرسوں کا ہجوم۔مسہری پر سیاہ ریشمی چادر میں نجم السحر کا سفید نورانی چہرہ۔اس کی بڑی بڑی خوبصورت بند آنکھیں۔پتلے پتلے سفید ہونٹ ایک دوسرے سے پیوستہ۔لمبی گردن ایک طرف کو ڈھال۔اس کی بڑی بڑی ریشم سے زیادہ چمکدار دو چوٹیاں تکیے پر دونوں طرف پڑی ہوئی۔کمرہ میں سکوت کا عالم۔اپنی بے بسی۔بوڑھے سوداگر کی بے مروتی۔اور سب سے آخر میں علی کی چالاکی اور بے وفائی......محسن چند منٹ تک خاموش بیٹھے رہے۔آغا صاحب نہایت عقل مند اور جہاندیدہ شخص تھے وہ سمجھ گئے کہ بچی اپنی ماں کی ہم شکل ہو گی۔محسن کو اس وقت بیوی کا خیال آ گیا ہے۔انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا۔بیٹا بچوں کی شکل کا کیا پوچھنا بچپن میں کچھ اور ہو جاتی ہے اور جوانی میں تو بالکل بدل جاتی ہے۔

مہر تاج نے اپنے بھائی سے کہا۔سلطان بھائی کل صبح ہم لوگ بھی محسن صاحب کے ساتھ چلیں گے۔"

زرتاج بیگم بولی "پہلے محسن صاحب سے دریافت کر لو۔اگر ان کو کوئی اعتراض نہ ہو تو چلنا۔"

محسن ابھی تک اپنے خیالات میں غرق خاموش بیٹھے تھے انہوں نے زرتاج بیگم

کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ "مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے آپ لوگ بڑی خوشی سے چلئے گا۔"

بیرا ناشتہ لیکر آتا محسن نے بہت عذر کیا۔ مگر آغا صاحب اور ان کے لڑکے کے اصرار سے مجبور ہونا پڑا۔ ناشتہ نہایت پر تکلف تھا۔ آغا صاحب کی بڑی لڑکی زرتاج بیگم نے سب کو چاہ بنا کر دی۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھ کر محسن نے جانے کے لیے اجازت مانگی۔ آغا صاحب نے کہا۔ شوق سے جایئے۔ لیکن بچوں سے ملتے رہا کیجئے۔ ان لوگوں پر بھی صدمہ پڑا ہوا ہے۔ آپ بھی غمگین اور رنجیدہ رہتے ہیں۔ بات چیت کرنے سے ذرا دل کا بار ہلکا ہوتا ہے۔ انسان کی دوا انسان ہے۔ تنہائی میں خیالات کا ہجوم آدمی کے دماغ پر خراب اثر ڈالتا ہے۔ آپ ابھی نو عمر ہیں اپنی طبیعت بہلانے کی کوشش کیجئے جس وقت دل چاہے یہاں آجایا کیجئے۔ یا ان لوگوں کو اپنے کمرہ میں بلا لیا کیجئے۔

محسن نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ آپ کی شفقت بزرگانہ کا بہت بہت شکریہ میں ضرور حاضر ہوا کروں گا۔

محمد سلطان نے کہا، ہم لوگ خود ہی اب آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔"

محسن ان سب کا شکریہ ادا کر کے اپنے کمرہ میں واپس چلے گئے۔

آغا صاحب کسی گہری سوچ میں بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ ان کے لڑکے لڑکیاں دوسرے کمرے میں محسن کے متعلق آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ مہر تاج نے اپنے بھائی سے کہا۔ سلطان بھائی مجھے تو محسن صاحب بہت پسند آئے آپ کا کیا خیال ہے؟"

سلطان :۔ آدمی تو نہایت معقول اور شریف معلوم ہوتے ہیں مگر کچھ وحشت زدہ ہیں۔ کیوں زرتاج باجی؟"

زرتاج بیگم اس وقت کچھ کھوئی کھوئی سی معلوم ہو رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے بھائی

کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ سلطان نے ان کا شانہ ہلا کر کہا۔ باجی آپ میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

زرتاج نے ذرا سنجیدگی سے کہا۔ کیا تم نے مجھ سے کچھ کہا تھا؟''

مہرتاج:۔ (مسکرا کر) ارے باجی آپ کا دماغ کہاں کھو گیا ہے؟''

سلطان:۔ محسن صاحب کے کمرہ میں جا کر ڈھونڈوں شاید ان کے جوتوں کے فیتوں میں کہیں الجھا ہوا چلا گیا ہے۔

مہرتاج:۔ خدانخواستہ جوتوں میں کیوں الجھنے لگا۔ ٹائی میں، چشمے میں یا بالوں میں ہو گا۔''

زرتاج:۔ تم لوگوں نے میر اندا ق کیوں بنالیا۔ میں نہ معلوم کس خیال میں تھی۔''

سلطان:۔ باجی مذاق کی بات نہیں ہے۔ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ آپ جس خیال میں تھیں وہ مجھے معلوم ہے۔

مہرتاج:۔ بھئی ایمان کی بات ہے محسن صاحب آدمی بے ڈھب ہیں۔

سلطان:۔ (قہقہہ لگا کر) یہ تو بڑا غضب ہوا دونوں ایک ہی رنگ میں رنگ گئیں۔''

مہرتاج: (ہنس کر) ایسا نہ کہیے وہ میرے بھائی کی طرح ہیں۔''

سلطان:۔ کیوں زرتاج باجی؟ آپ بھی بھائی کی طرح ہیں۔''

زرتاج:۔ (بگڑ کر) اب زیادہ بدتمیزی کی باتیں نہ کرو۔ مذاق کی بھی حد ہوتی ہے پھر مجھے غصہ آجائے گا تو ابو جان سے کہہ دوں گی۔''

سلطان:۔ میں تو اس وقت کوئی بدتمیزی کی بات نہیں کی آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ محسن صاحب کو بھائی بنائیں گی۔

زرتاج:۔ ایسے ایسے راہ چلتوں سے رشتہ جوڑنا تمہیں مبارک ہو۔''

سلطان:۔ نہیں باجی راہ چلتے نہ کہو۔ محسن صاحب میں ایک خاص کشش ہے۔ ابو جان کو تو وہ بہت ہی پسند آئے ہیں اور میں بھی پہلی ہی ملاقت میں ان کا گرویدہ ہو گیا

۔اب آپ کو اپنی ضد چھوڑ دینی چاہیے۔ ابو جان آپ کی طرف سے بہت فکر مند رہتے ہیں۔ آج صبح بھی ناشتہ پر بڑی دیر تک آپ ہی کے متعلق باتیں کرتے رہے۔

زرتاج:۔ خیر دیکھا جائے گا اب اس ذکر کو چھوڑو۔

مہرتاج:۔ سلطان بھائی پہلے تو محسن صاحب کو شیشے میں اتارنا ہے کیا خبر وہ اراضی ہوں گے یا نہیں۔"

سلطان ابھی کوئی جواب نہیں دینے پائے تھے کہ آغا صاحب کا ملازم ان کو بلا کر لے گیا۔ آغا صاحب نے بیٹے سے پوچھا۔ کیوں بھئی یہ نئے دوست تمہیں پسند آئے؟"

سلطان:۔ جی ہاں بہت شریف آدمی ہوتے ہیں۔"

آغا صاحب:۔ ہاں دیکھنے میں تو نہایت شریف اور نیک لڑکا ہے۔ اب تم ان سے راہ و رسم بڑھاؤ۔ ابھی دل شکستہ معلوم ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اس کی دلجوئی کی ضرورت ہے۔ رفتہ رفتہ خاندانی حالات معلوم کرنا۔ اگر اچھے گھرانے کا ہوا تو میں خود دہلی جا کر تحقیق کروں گا مصر کیوں گئے تھے اور وہاں شادی کیسے کر لی۔ غالباً وہ بھی خلافت کے جھگڑے میں انہوں نے بھی ترک وطن کیا ہو گا۔ تین سال پہلے نوجوان لڑکوں میں اس کا بہت جوش تھا۔"

سلطان:۔ دو چار ملاقاتوں میں سب باتیں معلوم ہو جائیں گی۔

آغا صاحب:۔ ہاں کوئی عجلت نہیں ہے اپنی طرف سے ابھی ایسی بات نہ کرنا کہ ان کو شبہ ہو۔ ہاں زرتاج کو ضرور آگاہ کر دینا۔ اب وہ اپنے معاملہ کے نشیب و فراز پر غور کر لیں مجھے مہرتاج سے زیادہ ان کی طرف سے پریشانی رہتی ہے۔ ابھی تک کوئی لڑکا میری سمجھ میں نہیں آیا تھا اس وجہ سے میں بھی خاموش تھا۔ محسن کے اور زرتاج کے حالات قریب قریب یکساں ہیں۔ ان کے ایک لڑکی ہے ان کا ایک لڑکا

ہے۔‘‘

سلطان:۔ جی ہاں۔ میں باجی سے ذکر کروں گا۔‘‘

آغا صاحب:۔ ہاں تم زرتاج کا عندیہ لو بلکہ سمجھاؤ۔‘‘

سلطان بہت اچھا کہہ کر کھڑے ہو گئے۔

آغا صاحب کی بڑی لڑکی زرتاج بیگم کی شادی ایک دولت مند شخص سے ہو گئی تھی۔ لیکن شادی کے دو سال بعد ہی ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ ان کا ایک لڑکا ’’شہریار‘‘ چار سال کا تھا۔ آغا صاحب نے ہر چند کوشش کی کہ ان کا عقد ثانی کر دیں مگر زرتاج برابر انکار کرتی ہیں۔ روپیہ پیسہ کی انہیں کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ اپنی آئندہ زندگی آزادانہ گذارنا چاہتی تھیں۔ ان کا ارادہ تھا کہ اپنے بچے کو شروع سے یورپ میں تعلیم دلوائیں اور خود بھی وہیں رہیں لیکن محسن کی پہلی ہی ملاقات میں ان کے خیالات نے ایک دم پلٹا کھایا۔ آغا صاحب کی تو پہلے ہی یہ خواہش تھی کہ ان کی شادی ہو جائے۔ انہوں نے اپنے یورپ کے سفر کا ارادہ بھی کچھ دنوں کے لیے ملتوی کر دیا۔ محسن شروع شروع میں بہت گھبرائے لیکن رفتہ رفتہ ان کی طبیعت کی وحشت بھی دور ہوتی گئی۔ آغا صاحب کی چکنی چپڑی باتیں۔ محمد سلطان کی ہمدردی مہرتاج کا خلوص اور سب سے بڑھ کر زرتاج بیگم کی محبت آمیز گفتگو انہوں نے انتہائی کوشش محسن کا دل ہاتھ میں لینے کی کی۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ کے اندر محسن ان کے پھندے میں ایسے پھنسے کہ پچھلے تمام واقعات خواب و خیال سے زیادہ نہیں رہے۔

زرتاج بیگم اور مہرتاج ہر دوسرے تیسرے دن بچی کو دیکھنے اسپتال جاتی تھیں اس کے واسطے قیمتی فراک اور بہت سے کھلونے خرید دیئے تھے وہ اس کو اپنے پاس لا کر رکھنے کی خواہش مند تھیں لیکن محسن راضی نہ ہوئے۔ اس کے علاوہ آغا صاحب برابر بیٹی کو سمجھاتے تھے کہ ایسی بیوقوفی کبھی نہ کرنا۔ بچی کو اس کے دادا دادی کے پاس جانے دو۔ تمہارا لڑکا موجود ہے نہ معلوم آئندہ کیا واقعات پیش آئیں۔

آغا صاحب دو مہینے محسن کو پرکھتے رہے جب اپنا پورا اطمینان کر لیا تو ایک دن صاف لفظوں میں زرتاج بیگم کے نکاح کا تذکرہ کر دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میرا لڑکا انگلستان جا رہا ہے میں چاہتا ہوں تم بھی بیرسٹری کی ڈگری لے آؤ۔ کچھ دنوں کے واسطے میں اور میری لڑکیاں بھی تم دونوں کے ساتھ چلیں گے۔

محسن آغا صاحب اور ان کی لڑکی کے جال میں ایسے گرفتار ہوئے تھے کہ انکار کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ وہ خود بھی بیرسٹری کرنا چاہتے تھے۔ بوڑھے سوداگر کا دیا ہوا روپیہ ان کے پاس تھا آغا صاحب کی رائے کو انہوں نے پسند کیا اور بچی کو لے کر دلی چلے گئے۔ وہ بمشکل ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ اپنے گھر ٹھہرے انگلستان جانے کا بہانہ کر کے واپس بمبئی آ گئے۔ آغا صاحب نے نہایت سادگی سے بمبئی ہی میں زرتاج بیگم کا عقد محسن سے کر دیا اور سب کو لے کر یورپ چلے گئے۔

تیسرا باب

اس کو بچپن سے بندوق کا شوق تھا۔ وہ اپنی چھوٹی سی ہوائی بندوق کندھے پر رکھے سارا دن کوٹھی کے احاطہ میں مارا مارا پھرتا تھا۔ اس کی عمر اس قدر کم تھی کہ بندوق کا گھوڑا ابھی نہیں دبا سکتا تھا۔ وہ اپنی انگلی اس کے اوپر رکھ کر خوب زور لگاتا تھا اور جب مایوس ہو جاتا تو خود ہی زور سے ''ٹھائیں'' کرتا۔ وہ بار بار ایسا ہی کرتا اور جب تھک جاتا تو درختوں کے نیچے سے چڑیاں کے پر جمع کر کے اپنی ماں کے پاس لے جاتا۔ اور سب گھر والوں کو خوش ہو ہو کر اپنا شکار دکھاتا۔ یہ اس کے تنہائی کے مشغلے تھے۔ لیکن جب برابر والے بچے ساتھ ہوتے تو وہ اپنی بندوق کسی کے پیٹ اور کسی کی پیٹھ میں چبھو کر ٹھائیں کرتا تھا۔ چھوٹے بچے ڈر کر رونے لگتے تھے اور بڑے بچے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی ماں کے پاس لے جاتے تھے وہ اس کو ڈرا دھمکا دیا کرتی تھیں......

مگر جب سے گھر میں ایک چھوٹی سی بچی آ گئی تھی۔ اس کی نگرانی سختی سے کی جانے لگی تھی۔ اکثر اس کی ماں بندوق چھپا دیا کرتی تھیں۔ جب وہ بہت روتا اور ضد کرتا تو اس کو اس وعدہ پر بندوق دی جاتی کہ چھوٹی بچی کے پاس نہ آئے۔ لیکن وہ ہمیشہ موقعہ کی تاک میں رہتا تھا۔ ایک دن سب کی آنکھ بچا کر اس نے سوتی ہوئی بچی کے کان پر بندوق چھوڑ دی۔ بچی چیخ کر روئی اور یہ اپنی بندوق پھینک کر بھاگا۔ اس کی ماں پیچھے دوڑی۔ ''ٹھہر تو جا بڑا لفٹنٹ بنا پھرتا ہے آج میں اچھی طرح تیری خبر لوں۔'' وہ سیدھا باہر گیا۔ رات کو جب وہ سونے کے لیے پلنگ پر لیٹا تو اس نے اپنی ماں سے پوچھا امی جان لفٹنٹ کون ہوتا ہے؟''

اس کی ماں کو اپنا کہا ہوا فقرا یاد آ گیا۔ اس نے لاپرواہی سے کہا۔ ''میں نہیں جانتی کون ہوتا ہے۔''

اس نے دوبارہ بڑے بھولپن سے پوچھا۔ ''امی جان کیا لفٹنٹ کتے سے بڑا ہوتا ہے؟''

اس کی ماں نے مسکرا کر کہا۔اس وقت تو چپکے سو جاؤ صبح کو بتا دوں گی۔"

وہ تھوڑی دیر تک آنکھیں بند کیئے پڑا رہا اس کے چھوٹے سے دماغ میں بہت شکلیں پھرنے لگیں۔کتا، بلی، بندر۔گائے، گھوڑا مگر اس کی سمجھ میں کوئی چیز نہیں آئی سوچتے سوچتے وہ ایک دم اچھل پڑا اور اپنی ماں سے پوچھا۔"امی جان وہ شملہ میں خالہ اماں کے ہاں کالے لنگور آتے تھے کیا وہ لفٹنٹ ہوتے ہیں؟"

بیٹا! لفٹنٹ تو آدمی ہوتے ہیں؟"

اس نے کہا۔میں بھی آدمی ہوں۔آپ نے مجھے یہ کیوں کہا تھا کہ لفٹنٹ بنا پھرتا ہے۔کیسے بنتے ہیں لفٹنٹ؟"

اس کی ماں نے پوچھا۔تم نے کبھی فوج دیکھی ہے۔؟"

اس نے خوش ہو کر کہا۔"ہاں میرٹھ میں بڑے ماموں جان کے ہاں گیا تھا وہاں بہت سی فوج دیکھی تھی۔"

اس کی ماں نے کہا۔"فوج میں ایک افسر لفٹنٹ بھی ہوتا ہے۔"

اس نے پوچھا۔"امی جان افسر کس کو کہتے ہیں؟"

اس کی ماں نے جواب دیا۔"بہت سے آدمی ایک آدمی کے حکم پر چلتے ہیں اس کا کہنا مانتے ہیں۔وہ کہتا ہے کھڑے ہو جاؤ تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں وہ کہتا ہے بیٹھ جاؤ سب بیٹھ جاتے ہیں اس کے کہنے کے خلاف نہیں کرتے وہ سب کا افسر ہوتا ہے۔"

اس نے اپنی ماں کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا۔"اچھی امی آپ مجھے لفٹنٹ بنوا

کے بچے منگوا دیجیے۔

اس کی ماں نے کہا۔ ''اچھا اس وقت تو سو جاؤ صبح اپنے نانا ابا سے کہنا۔'' وہ آنکھیں بند کر کے سو گیا۔

دوسرے دن صبح اس نے اپنی ماں سے پھر تقاضا کیا جب اس کے نانا نے یہ باتیں سنیں تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے اس کے واسطے خاکی نیکر اور خاکی قمیض بنوا دی۔ اب وہ اپنے آپ کو لفٹنٹ سمجھنے لگا تھا۔ وہ شروع سے اپنے نانا کے ہاں رہا تھا۔ سید ممتاز علی صاحب دلی کے معزز لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ وہ ملازمت کے سلسلہ میں ہمیشہ دلی سے باہر رہے ان کے چار اولادیں تھیں دو لڑکے۔ احسن ممتاز اور محسن ممتاز دو لڑکیاں۔ روشن آرا اور حسن آرا۔ اس سب کی شادیاں سید صاحب کے زمانہ ملازمت ہی میں ہو گئی تھیں۔ سب سے بڑی روشن آرا تھیں۔ یہ اپنی پھوپھی کے بیٹے عابد حسن سے بیاہی ہوئی تھیں۔ اس سے چھوٹے احسن ممتاز تھے ان کی شادی اپنے ماموں کی بیٹی شوکت آرا سے ہوئی تھی۔ حسن آرا اپنے چچا کے بیٹے رضا علی سے بیاہی تھیں۔ البتہ محسن ممتاز نے اپنی دونوں شادیاں اپنی مرضی ہی سے کی تھیں۔

سید صاحب پنشن کے بعد دلی آ کر رہے۔ باپ دادا کے زمانہ کی دو دو حویلیاں موجود تھیں مگر ساری عمر شہر سے باہر کوٹھی میں گذری تھی۔ گلی کوچوں میں رہنے کی عادت جاتی رہی تھی۔ انہوں نے شہر سے باہر کوٹھی بنوا کر سکونت اختیار کی۔ بڑے لڑکے احسن ممتاز محکمہ ڈاک خانہ میں ملازم تھے۔ روشن آرا کے شوہر ڈپٹی کلکٹر تھے۔ وہ لوگ ہمیشہ دلی سے باہر رہتے تھے۔ صرف سید صاحب کی چھوٹی لڑکی حسن آرا ان کے پاس تھیں۔ رضا علی کو چند وجوہات کی بنا پر وطن چھوڑنا پڑا تھا۔ حسن آرا کا اکلوتا بچہ فرخ رضا تھا۔ نانا نانی اس کو اپنی آنکھوں کا تارا سمجھتے تھے۔ فرخ ایک تندرست اور شریر بچہ تھا راہ چلتے اس کو پیار کرتے تھے۔ وہ نہایت ذہین اور حاضر جواب تھا۔ وہ

اپنی عمر سے زیادہ عقل اور سمجھداری کی باتیں کرتا تھا۔ سید صاحب ہمیشہ اس کو اپنی نگرانی میں رکھتے تھے وہ اس کی ہر ضد اور ہر خواہش پوری کرتے تھے۔ نوکر چاکر۔ آیا گیا سب اس کے گرویدہ تھے۔ حالانکہ سید صاحب کے بڑے لڑکے احسن ممتاز اور بڑی لڑکی روشن آرا کے بچے بھی تھے مگر وہ کبھی سال چھ مہینے میں مہمانوں کی طرح آتے تھے۔ تین سال تک فرخ گھر میں اکیلا رہا اور سب کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ لیکن جب سے احسن ممتاز کی ننھی سی بچی گھر میں آئی فرخ کو وہ پہلی سی آؤ بھگت اور چاہت کم ہوگئی۔ محسن بچی کو اپنی والدہ عالم آرا بیگم کے سپرد کر گئے تھے۔ حالانکہ وہ بیٹے سے غیر ملک میں شادی کرنے کی وجہ سے ناخوش تھیں۔ لیکن ننھی سی معصوم کو دیکھ کر ممتا کا جوش آ گیا اور انہوں نے اس بن ماں کی بچی کو کلیجہ سے لگا لیا۔ سید صاحب بے شک بیٹے سے ناراض تھے ان کی توجہ شروع شروع میں پوتی کی طرف بالکل نہیں تھی۔

محسن ممتاز کی بچی، انجم افشاں کی دیکھ بھال اور پرورش کی تمام ذمہ داری حسن آرا کے اوپر تھی وہ رات دن اس کے کام میں مصروف رہتی تھیں۔ فرخ اب زیادہ تر اپنے نانا کے پاس رہتا تھا۔ اور نانی کی آنکھ بچا کر کبھی تو بچی کے چٹکی لے لیا کرتا تھا اور کبھی اپنی چھوٹی سی بندوق تان کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ اکثر پیار کرتے کرتے اس کی انگلی کاٹ لیا کرتا تھا۔ ان باتوں پر اپنی ماں کے ہاتھ سے بہت مار کھاتا تھا۔ یہ باتیں اس کی تین سال کی عمر کی تھیں۔

جب فرخ سات برس کا ہوا تو افشاں بھی چار برس کی ہوگئی تھی۔ اب اس کے تمام کھلونے اس کے قبضہ میں تھے اس کی وہ چھوٹی سی ہوائی بندوق جس کو کندھے پر رکھ کر وہ لفٹنٹ بنا ہوتا تھا اس کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔

ایک دن افشاں نے چپکے چپکے اس کے پیچھے جا کر کان کے پاس بندوق چلا دی وہ اچھل پڑا۔ اس کو بہت غصہ آیا۔ اس نے اپنی ماں سے شکایت کی۔ انہوں نے ہنس

کر کہا۔ وہ اپنا بدلہ لیتی ہے تم بھی تو اس کو بہت ستایا کرتے تھے۔''

اس نے منہ پھلا کر کہا۔ لڑکیاں بھی کہیں بندوق چلاتی ہے آپ نے میری بندوق ان کو کیوں دے دی؟''

حسن آرا نے ہنس کر کہا۔ میری بچی تو اب کیپٹن بنے گی میں اس کے واسطے چھوٹی سی وردی بنوا کر دوں گی۔''

اس نے تیوری پر بل ڈال کر اپنی ماں سے پوچھا۔ ''پٹن کون ہوتا ہے؟''

حسن آرا نے مسکرا کر کہا۔ ''کیپٹن تو لفٹنٹ سے بھی اونچا ہوتا ہے۔''

اس نے جواب دیا۔ یہ مجھ سے اونچی کہاں ہیں۔ دیکھئے میرے کندھے کے برابر ہیں۔''

حسن آرا نے ہنس کر کہا۔ ''کیپٹن لفٹنٹ کا افسر ہوتا ہے۔''

اس نے بگڑ کر کہا۔ ''پھر آپ نے مجھے کیپٹن کیوں نہیں بنوایا تھا۔ میں تو آپ کا لڑکا ہوں۔ یہ چھوٹے ماموں جان کی لڑکی ہیں۔ آپ ان کو میرا افسر بنوائیں گی؟''

اس کی ماں اور سب گھر کے لوگ ان باتوں پر ہنسنے لگے۔ وہ غصہ میں بھرا ہوا سیدھا اپنے نانا کے پاس پہنچا۔ افشاں بھی بندوق ہاتھ میں لیے اس کے پیچھے پیچھے گئی۔ فرخ نے سید صاحب سے کہا۔ ''دیکھئے نانا ابا میرے سارے کھلونے امی جان نے افشاں کو دے دیئے اور میری چھوٹی سی بندوق بھی اب یہی چلاتی ہیں۔ امی جان کہتی ہیں۔ افشاں کو کیپٹن بنوائیں گی۔''

سید صاحب نے مسکرا کر کہا۔ ''اوہو! پھر تو یہ تم سے ایک درجہ اونچی ہو جائیں گی۔''

سید صاحب نے کہا۔ ''بندوق چھین کر کیا کرو گے میں تمہیں میجر بنا دوں گا وہ کیپٹن سے بھی بڑا ہوتا ہے۔''

فرخ نے فاتحانہ انداز میں افشاں کو چڑاتے ہوئے کہا۔ ''لو اب رہ گئیں۔ بڑی کیپٹن بنی تھیں میرے اوپر بندوق چلا رہی تھیں۔''

سید صاحب نے افشاں سے کہا۔ ’’بیٹی تم نے فرخ کے اوپر بندوق کیوں چلاتی تھی۔ اس کے چوٹ لگ جاتی۔ بندوق سے تو چڑیاں مارتے ہیں آدمیوں کے اوپر نہیں چلاتے۔‘‘

افشاں نے بڑے بھولپن سے کہا۔ ’’داوا ہم نے ان کو مارا تھوڑی تھا ٹھائیں کرکے ڈرایا تھا۔‘‘

فرخ نے کہا۔ ’’نانا ابا یہ مجھے بہت ستاتی ہیں پڑھنے جاتا ہوں تو یہ بھی میرے پیچھے جاتی ہیں اور وہاں ماسٹر صاحب کے پاس بیٹھ کر رونے لگتی ہیں۔‘‘

افشاں بولی۔ ’’داوا ابا فرخ ہمارے چٹکیاں لیتے ہیں تو ہم روتے ہیں۔‘‘

سید صاحب نے کہا۔ کیوں بیٹا تم چھوٹی بہن کے چٹکیاں لیتے ہو؟‘‘

فرخ نے افشاں کی طرف غصہ سے دیکھ کر کہا۔ ’’یہ بھی تو میری کتابوں کی تصویروں پر اپنی میلی انگلیاں لگاتی ہیں۔‘‘

افشاں نے اپنے ہاتھ سید صاحب کو دکھا کر کہا۔ ’’دیکھئے داوا ابا ہماری انگلیاں تو فرخ سے زیادہ سفید ہیں۔‘‘

فرخ نے اپنے نانا کی آنکھ بچا کر افشاں کی انگلی مروڑ دی۔

’’افشاں نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ داوا ابا دیکھئے انہوں نے انگلی مروڑ دی۔‘‘

سید صاحب نے فرخ کو سمجھایا نہ بیٹا اب تم بڑے ہو گئے ہو ایسی بدتمیزی کی باتیں نہ کیا کرو۔ تھوڑے دن میں اسکول میں داخل ہو جاؤ گے۔ وہاں بہت سے لڑکے ہوتے ہیں اگر اپنے سے چھوٹے اور کمزور کے چٹکی لوگے تو تم سے بڑے اور طاقتور لڑکے تمہیں گھونسا ماریں گے۔ اٹھا کر پٹخ دیں گے۔ ہمیشہ اپنے ساتھیوں اور برابر والوں سے مل جل کر رہنا چاہیے۔ خبردار آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔‘‘

فرخ کچھ نہیں بولا اس کو اس وقت افشاں کے اوپر بہت غصہ آ رہا تھا وہ اس کو گھورتا ہوا باغ کی طرف چلا۔ دونوں بچے اس وقت باغ میں کھیلا کرتے تھے۔ افشاں بھی

اس کے پیچھے گئی۔ سید صاحب مسکرانے لگے۔فرخ نے مڑ کر افشاں کو دیکھا اور اپنے سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن دانت میں اٹکا کر کہا۔کٹی جاؤ اب ہم تم سے نہیں بولیں گے۔افشاں نے بھی اسی طرح کٹی کا جواب دیا اور پیٹھ موڑ کر پھول توڑنے لگی۔فرخ تیتریاں پکڑ لے گا.........افشاں کو تیتریاں بہت پسند تھیں مگر اس کے ہاتھ ایک بھی تیتری نہیں آتی تھی روز فرخ سے پکڑ وایا کرتی تھی۔آج دونوں میں کٹی ہوگئی تھی۔افشاں کنکھیوں سے تیتریوں کو دیکھتی جاتی تھی جو فرخ نے ایک جالی کی قندیل میں جمع کی تھیں اور افشاں کو للچانے کے لیے بار بار اس کے پاس سے لے کر گذرتا تھا۔افشاں کا دل بہت سی رنگ برنگی تیتریاں دیکھ کر نہیں مانا وہ اپنی پھولوں والی ٹوکری لے کر فرخ کے قریب گئی اور ایک بڑا سا گلاب کا پھول اس کو دکھا کر کہا۔''بھائی فرخ نے تمہارے واسطے بہت سے پھول توڑے ہیں۔''

فرخ:۔ ہم تمہارے بھائی وائی نہیں ہیں تم نانا ابا سے ہماری شکایت کرتی ہو۔''

افشاں:تم بھی تو ہماری شکایت کرنے گئے تھے۔

فرخ:۔تم یہاں سے بھاگ جاؤ،ہم تم سے نہیں بولتے۔

افشاں:۔اچھا اب کبھی تمہاری شکایت نہیں کریں گے۔ملاپ کرلو۔

فرخ:۔تمہیں یہ بھی خبر ہے اب ہم میجر ہوگئے ہیں اگر کبھی ہماری شکایت نانا ابا سے کی تو ہم چھرے والی بندوق سے تمہیں ماریں گے۔

افشاں:۔جیسے چڑیوں کو مارتے ہو؟

فرخ:۔ ہاں۔

افشاں:پھر ہم مر جائیں گے تو کیا کروگے؟

فرخ:۔تمہارا گوشت پکوائیں گے۔

افشاں:۔کیا چولھے کے اوپر پکواؤ گے۔

فرخ:۔(مسکرا کر)ہاں۔

افشاں:۔کیا چولہے میں آگ جلواؤ گے؟

فرخ:۔ہاں

افشاں منہ پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی۔

فرخ:۔روتی کیوں ہو؟

افشاں۔ہم آگ سے جل جائیں گے۔

فرخ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔اس نے افشاں کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔"اچھا اب ملاپ کر لو۔

افشاں:اب تو ہمیں کبھی چھرے والی بندوق سے نہیں مارو گے؟"

فرخ۔نہیں

افشاں:قسم کھاؤ۔

فرخ:۔اللہ کی قسم اب نہیں ماریں گے۔

اس قسما قسمی کے بعد دونوں میں پھر ملاپ ہو گیا۔فرخ نے رنگ برنگی تیتریوں کی قندیل افشاں کو دیتے ہوئے کہا۔"دیکھو میجر ہو گیا ہوں۔مجھے بھائی فرخ نہ کہا کرو۔

افشاں۔پھر کیا کہیں؟۔"

فرخ:۔میجر صاحب کہا کرو۔

افشاں:۔اور تم ہمیں کیا کہو گے؟

فرخ:۔میں تمہیں کیپٹن کہوں گا۔

افشاں۔کیپٹن صاحب نہیں کہو گے؟

فرخ۔کوئی تم میری افسر تھوڑی ہو جو میں تمہیں صاحب کہوں۔"

افشاں۔تم تو میجر ہو افسر کہاں ہو؟

فرخ۔میجر ہی تو کیپٹن کا افسر ہوتا ہے۔

افشاں۔افسر کیا کرتا ہے؟

فرخ۔افسر کیپٹن کی بندوق چھین لیتا ہے اس کو مارتا ہے۔

افشاں۔اگر میجر صاحب کہیں تو نہیں مارتا؟

فرخ۔نہیں پھر تو انعام دیتا ہے۔

افشاں۔تم بھی ہمیں انعام دوگے؟۔

فرخ۔ہاں آج شام کو بازار جاؤں گا تو تمہارے لیے بہت سی مٹھائی لاؤں گا۔

افشاں۔مٹھائی نہیں ایک منی سے گڑیا لانا۔

فرخ۔کپٹن کہیں گڑیاں تھوڑی کھیلتے ہیں۔

افشاں۔اچھا تو پھر ایک گڈا لا دینا۔

فرخ۔میں تو میجر ہوں گڑیاں گڈے نہیں خریدوں گا۔

افشاں خاموش ہوگئی۔وہ اب فرخ کے حکم پر چلتی تھی۔اس کے اشاروں پر کٹ پتلی کا سا ناچ ناچتی تھی۔وہ اس کو اور کسی بچوں کے ساتھ نہیں کھیلنے دیتا تھا۔روشن آرا اور محسن ممتاز کے بچے جب کبھی دلی آتے تھے فرخ کی اسی بات پر سب سے لڑائی ہوا کرتی تھی۔

چار برس کی عمر تک افشاں لڑکوں کے سے کپڑے پہنے فرخ کے ساتھ لفٹ رائٹ کرتی پھرتی تھی۔اس عرصہ میں محسن ممتاز صرف ایک مرتبہ انگلستان سے واپس آ کر بچی کو دیکھنے آئے تھے۔انہوں نے اپنے خسر آغا محمد جان کی رائے سے پونا میں پریکٹس شروع کی تھی۔زرتاج بیگم کے ہاں دو جڑواں لڑکیاں ہوئی تھیں۔یہ افشاں سے صرف ڈیڑھ سال چھوٹی تھیں۔ایک ''گوہرتاج'' دوسری ''جواہرتاج''

افشاں اپنی دادی پھوپھی کے واسطے ایک کھلونا بنی ہوئی تھی۔انہوں نے اس کی ساڑھے چار برس کی عمر میں بسم اللہ پڑھوائی۔عالم آرا بیگم اور سید صاحب محسن کی دوسری شادی سے اور زیادہ ناراض ہوگئے تھے۔انہوں نے کبھی زرتاج بیگم کو دلی

بلانے کی خواہش ظاہر نہیں کی نہ محسن کو خود لے کر آئے۔ افشاں کی بسم اللہ کے موقع پر روشن آرا اور حسن آرا نے اپنے ماں باپ کی منت خوشامد کر کے انہیں راضی کیا۔ زر تاج بیگم خود اپنے سسرال والوں کو دیکھنا اور ان سے تعلقات پیدا کرنا چاہتی تھیں وہ ایک مرتبہ کے بلانے پر تیار ہو گئیں۔ محسن نے بہت مخالفت کی مگر وہ نہیں مانیں۔ زرتاج بیگم کو محسن کے خاندان کے حال معلوم تھا انہوں نے دلی آنے کے لیے ایک سیاہ ریشمی ترکی برقعہ بنوایا وہ اپنے سسرال والوں کے لیے بہت کچھ سوغاتیں اور تحائف لے کر آئیں افشاں کے واسطے جوڑے اور زیور آیا تھا۔

بسم اللہ خوب دھوم دھام سے ہوئی تمام خاندان کی بیویاں جمع ہوئیں۔ افشاں کو گلابی رنگ کا کارچوبی جوڑا پہنایا گیا۔ ہاتھ پیروں میں مہندی لگی پھولوں کا گہنا پہنا کر دلہن بنایا۔ عالم آرا بیگم کے پیر صاحب نہایت بزرگ اور خدا رسیدہ شخص تھے انہوں نے افشاں کو بسم اللہ پڑھائی ایک چھوٹی سی چاندی کی تختی پر بسم اللہ اور اقرار لکھی ہوئی تھی۔ مہمان بیویوں نے بچی کو روپے دیئے مٹھائی تقسیم ہوئی۔ سفید چینی کی طشتریوں میں چار چار بالوشاہیاں گلابی رومالوں میں لپٹی ہوئی سب مہمانوں کو دی گئیں۔

زرتاج بیگم حالانکہ دو بچوں کی ماں بن کر آئی تھیں مگر ان کو بھی خاندان کی اکثر بیویوں نے منہ دکھائی کے روپے دیئے۔ عالم آرا بیگم نے محسن کی شادی کے لیے جو چڑھاوے کا زیور بنوا کر رکھا تھا۔ اس میں سے دو چیزیں جھومر اور جھلنیاں بہو کو پہنائیں۔ نندوں اور جٹھانی نے بھی زیور دیئے۔

زرتاج بیگم آٹھ روز میں گھبرا گئیں وہ بچپن سے آزاد ہی تھیں یہاں ان کو سخت پردہ کرنا پڑا ان کے نوکروں کو بھی اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ دلی کے شرفاء عموماً اور سید صاحب کے خاندان میں خصوصاً ابھی تک پردہ کا سختی سے رواج تھا۔ عالم آرا بیگم بہت پرانے خیالات کی عورت تھیں۔ ان کو اپنی بہو بیٹیوں کے ساڑھی باندھنے

پر بھی اعتراض تھا۔ ان کو کھڑا پانچایا غرارہ بھی ناپسند تھا وہ تو صرف تنگ پاجامہ پسند کرتی تھیں۔ انہوں نے زرتاج بیگم کو پہلے ہی دن سمجھا دیا تھا کہ جب دلی آیا کرو برقعہ اوڑھ کر آیا کرو ہمارے ہاں تا تو ڈولی میں آتے جاتے ہیں یا برقعہ اوڑھ کر تانگہ موٹر میں جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں نوکروں سے بھی پردہ ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم پہلی مرتبہ آئی تھیں انہوں نے ساس کی بات پر ''جی ہاں'' اور ''بہت اچھا'' کے علاوہ کچھ نہیں کہا۔ مگر ان کا دم گھٹ گھٹ گیا۔ وہ اپنی عمر میں پہلی مرتبہ بڑے شوق سے یہاں ڈولی میں بیٹھیں مگر جس وقت کہاروں نے اپنی تیز چال سے ان کو جامنوں کی طرح اچھالنا شروع کیا تو ان کا سانس رک رک گیا۔ آیندہ انہوں نے کان پکڑا۔ باوجود ان تمام باتوں کے وہ اپنی ساس نندوں اور خاندان والی دوسری بیویوں گرویدہ ہوگئیں۔

دلی کی جاہن ان بڑھ بیویاں ہنر، سلیقے، بات چیت، ہنسی مذاق غرض ہر چیز میں کسی سے پیچھے نہیں تھیں۔ بحث مباحثے میں بھی زرتاج بیگم کو ہمیشہ ان سے نیچا دیکھنا پڑا۔ بڑی بوڑھیاں اور بھی ایک قدم آگے تھیں۔ قرآن، حدیث، مسئلے مسائل، علاج معالجہ، کتر بیونت، کوئی ایسی بات نہیں تھی جو انہیں معلوم نہ ہو۔

زرتاج بیگم کی بڑی لڑکی گوہر تاج کئی مہینے سے بیمار تھی ڈاکٹروں نے جگر کی خرابی تجویز کی تھی۔ علاج برابر ہو رہا تھا مگر خاص فائدہ نہ تھا۔ عالم آرا بیگم نے ایک چٹکی بنا کر کھلائی چند ہی روز میں بچی بحال ہوگئی۔ دو تولہ سونف، ایک تولہ ملوخشک، ایک تولہ تخم کاسنی۔ ایک تولہ گل بنفشہ کوٹ چھان کر اس کے ہموزن مصری ملا کر صبح شام دینی شروع کی پہلے تو زرتاج بیگم پریشان ہوئیں کہ ان عطائی دواؤں سے کہیں بچی کی طبیعت زیادہ خراب نہ ہو جائے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ لڑکی کے دستوں میں بھی کمی ہے بھوک بھی لگنے لگی۔ حرارت کو بھی فائدہ ہے تو وہ نسخہ لکھ کر اپنے پاس رکھ لیا۔ ایک دن چھوٹی جواہر تاج کو بدہضمی کی شکایت ہوگئی حسن آرا نے فوراً سونف

بڑی الائچیاں، سوکھا پودینہ جوش کر کے مصری لا کر پلایا۔ بچی کی پیاس میں بھی کمی ہو گئی قے دستوں کو بھی فائدہ ہوا۔ نہ ڈاکٹر کو بلایا نہ حکیم کو دکھایا۔ اسی قسم کی بیسیوں دوائیں بڑی بوڑھیوں کو یاد تھیں۔ زرتاج بیگم مشکل سے پندرہ روز دلی رہیں۔ جاتے وقت وہ اپنی ساس وغیرہ کو اپنے ہاں بلانے کا بہت اصرار کر گئیں۔

....

چوتھا باب

وقت کے ساتھ ساتھ فرخ اور افشاں بھی اپنی عمر کی منزلیں طے کرتے گئے۔ بچپن کا دور ختم ہوا۔ لڑکپن کا زمانہ آیا۔ اب دونوں خاصے سمجھدار ہو گئے تھے۔ افشاں آٹھ برس کی اور فرخ گیارہ سال کا تھا۔ دونوں کی پرورش ایک ہی گود میں ہوئی۔ ایک ہی گھر میں اور ایک ہی ماحول میں ہوش سنبھالا۔ دونوں نے ایک ہی فضا میں نشو ونما پائی ایک کے بغیر دوسرے کے چین نہیں آتا تھا۔ افشاں کی انگلی میں پھانس چبھ جاتی تو فرخ تڑپ جاتا اور اگر فرخ کی کوئی تکلیف ہوتی تو افشاں بیقرار ہو جاتی۔ مگر جس طرح بچپن میں وہ ایک دوسرے کی کاٹ میں رہتے تھے یہی حال اب تھا۔ خصوصاً "فرخ" وہ ہمیشہ افشاں کو ستا کر خوش ہوتا تھا۔ اس کو رلا کر ہنستا تھا۔ وہ اپنی گڑیوں کے کپڑے سی کر رکھتی یہ چپکے سے اٹھا کر لے جاتا اور کہتا "آج تمہاری گڑیوں کے

کے کپڑے سی کر رکھتی یہ چپکے سے اٹھا کر لے جاتا اور کہتا "آج تمہاری گڑیوں کے

ہاں ڈاکہ پڑ گیا۔ پولیس میں اطلاع کراؤ" اور خود ہی کپتان پولیس بن کر آتا۔ کبھی پیسے اور کبھی مٹھائی لے کر کپڑے دیتا تھا۔ اکثر گڑیوں کا ڈاکٹر بن کر کسی کی ٹانگ کاٹ دیتا۔ کسی کا ہاتھ اڑا دیتا۔ کسی کا پیٹ چاک کر دیتا اور پھر افشاں سے کہتا۔ "یہ تو مرگئی اب دفن کرادو۔" اسی طرح اس کی ساری گڑیاں گڑھے کھود کھود کر دبا دیتا۔ جب وہ اپنی دادی پھوپھی سے شکایت کرتی تو وہ اس کو فرخ کے ساتھ کھیلنے کو منع کرتیں۔ کبھی کبھی افشاں بھی موقع پا کر چپکے سے فرخ کے کوٹ کے بٹن کاٹ دیا کرتی یا اس کی سائیکل کے پہیے میں سوراخ کر دیتی تھی۔ ایک دن وہ اسکول سے آیا تو اس کے ہاتھوں میں لال روشنائی کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ افشاں نے پوچھا۔ "تمہارے ہاتھوں میں کیا ہوا۔"

فرخ نے منہ بنا کر کہا "ماسٹر صاحب نے چاقو مارے ہیں خون نکل رہا ہے۔"

افشاں نے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔ "چاقو کیوں مارے ہیں؟"

فرخ نے جواب دیا۔ ''آج اسکول پہنچنے میں دیر ہوگئی تھی۔''

افشاں نے کہا ''تم دیر میں اسکول کیوں جاتے ہو؟''

فرخ نے کہا۔ ''میں کیا کروں تم ہی تو میری سائیکل کی ہوا نکال دیتی ہو۔ ماسٹر صاحب نے آج کہہ دیا ہے اگر پھر کبھی دیر میں آؤ گے تو تمہارا گلا کاٹ دوں گا۔

افشاں سہم گئی وہ بہت ڈرپوک اور بھولی بچی تھی۔ اس نے پھر کبھی فرخ کی سائیکل کو ہاتھ نہیں لگایا نہ کبھی اس کے کوٹ کے بٹن کاٹے بلکہ فرخ کے اسکول جانے سے پہلے وہ جلدی جلدی اس کا کام خود کرنے لگتی تھی۔ کہیں جرابیں لا کر دیتی، کہیں اس کی کتابیں پنسلیں جمع کرتی پھرتی۔ غرض جب تک وہ اسکول نہ چلا جاتا یہ پریشان پھرتی رہتی۔

ایک دن فرخ کو اسکول سے واپس آنے میں دیر ہوگئی وہ کہیں کھیل وغیرہ میں چلا گیا تھا۔ افشاں پہلے تو ادھر ادھر گھبراتی ہوئی پھرتی رہی جب بالکل ہی شام ہوگئی اور فرخ نہیں آیا تو وہ کمرے میں جا کر اپنے بستر پر لیٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ آخر تھک کر سو گئی۔ گھر میں کسی کو خیال بھی نہیں آیا کہ بچی کہاں ہے۔ مغرب کی نماز کے واسطے جس وقت اس کی دادی نے بلایا تو کہیں پتہ نہیں انہوں نے اپنی مغلانی سے کہا۔ ''بنیادی خانم میں نے ہزار دفعہ منع کیا ہے کہ تمہاری نواسی میری بچی کو شام کے وقت باغ میں لے کر نہ جایا کرے، اب دیکھو دونوں وقت مل رہے ہیں اور وہ پھول توڑنے نکلی ہوئی ہے۔''

بنیادی خانم نے کہا، بیگم صاحب شہزادی تو آج صبح سے بخار میں پڑی بلبلا رہی ہے ننھی بیگم اپنی گڑیوں کے پاس ہوں گی۔''

عالم آرا نے اپنی بیٹی سے کہا۔ ''حسن آرا ذرا دیکھو تو افشاں کہاں ہے وہ تو ہر نماز کے وقت بغیر کہے وضو کر کے میرے پاس آ بیٹھتی ہے۔''

حسن آرا نے کمروں میں جا کر ڈھونڈا تو معلوم ہوا کہ افشاں رضائی اوڑھے سو

رہی ہے۔

انہوں نے وہیں سے کہا۔ ''اماں بی افشاں تو سو رہی ہے۔''

عالم آرا بیگم نے کہا۔ ''وہ تو کبھی ناوقت نہیں سوتی پنڈا تو دیکھو کیسا ہے؟''

حسن آرا نے رضائی کے اندر ہاتھ ڈال کر ٹٹولتے ہوئے کہا۔ ''اماں پنڈا تو پھیکا پھیکا ہو رہا ہے۔''

عالم آرا بیگم نے کہا ''اے ہے کہیں میری بچی کے دشمنوں کو بخار تو نہیں ہو گیا۔''

حسن آرا نے کہا۔ ''آپ کہیں تو میں تھرمامیٹر لگا کر دیکھ لوں؟''

عالم آرا بیگم نے کہا۔ ''نہیں ابھی اس کو نہ چھڑو میں خود نماز پڑھ کر آتی ہوں۔''

اسی وقت فرخ بھی آ گیا وہ بھی اپنی نانی کے ساتھ افشاں کے پاس گیا۔ عالم آرا بیگم نے افشاں کے منہ پر سے رضائی ہٹا کر دم کیا اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ فرخ پلنگ کے پاس کھڑا تھا افشاں نے آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔ ''فرخ بھائی ماسٹر صاحب نے تمہارا گلا تو نہیں کاٹا؟''

عالم آرا بیگم۔ اے بیٹی خیر مانگ اس کے دشمنوں کا گلا کٹے یہ کیسی باتیں کر رہی ہے۔''

حسن آرا۔ شاید کچھ خواب دیکھ رہی تھی۔

افشاں۔ نہیں پھپھی جان۔ خواب تھوڑی دیکھ رہی تھی۔

فرخ ہنستا ہوا وہاں سے بھاگا۔

عالم آرا بیگم۔ افشاں بیٹی ہوشیار ہو جاؤ کیا کہہ رہی تھیں۔

افشاں۔ دادی اماں فرخ نے منع کر دیا تھا۔ کسی سے کہنا نہیں۔

عالم آرا بیگم۔ کس بات کو فرخ نے منع کر دیا تھا؟

افشاں۔ گلا کاٹنے کی بات کو۔

عالم آرا بیگم۔ (پریشانی کے لہجہ میں) اے بیٹی حسن آرا دیکھو تو بچی کیسی بہکی بہکی

باتیں کر رہی ہے قرآن شریف کی ہوا دو۔ ذرا اپنے ابا کو باہر سے بلواؤ میرے تو اوسان خطا ہوئے جاتے ہیں۔ یہ اس کو ہو کیا گیا۔

حسن آرا۔ اماں آپ گھبراتی کیوں ہیں۔ ماشاء اللہ اچھی ہے۔ مجھے تو کچھ فرخ کی شرارت معلوم ہوتی ہے۔

عالم آرا بیگم۔ فرخ تو صبح کا گیا گیا ابھی میری ساتھ آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی کیا شرارت ہو گی۔

مغلانی بنیادی خانم بھی یہیں کھڑی تھیں، انہوں نے عالم آرا بیگم سے کہا۔ ''بیگم مجھے تو ننھی بیگم کے دشمنوں پر کچھ اوپری اثر معلوم ہوتا ہے۔ سورہ جن پڑھ کر دم کیجیے، خدا رکھے پھول سا پنڈا ہے۔ ہر وقت اکیلی بیٹھی گڑیاں کھیلا کرتی ہیں۔ یہ موئیاں دونوں وقت ملتے چھلی پیریاں بن جاتی ہیں۔''

عالم آرا بیگم۔ اے بی تم ایسی باتیں نہ کرو میرا آپ جی پریشان ہو رہا ہے۔

حسن آرا۔ ٹھہرے اماں میں ابھی فرخ کو بلا کر پوچھتی ہوں۔ سب حال معلوم ہو جاتا ہے۔ فرخ بلایا گیا۔ حسن آرا نے پوچھا۔ ''سچ سچ بتاؤ افشاں ابھی تم سے کیا کہہ رہی تھی؟''

فرخ۔ (ہنس کر) امی جان۔ آپ نے بھی تو سنا تھا یہ کہہ رہی تھیں۔ ماسٹر صاحب نے تمہارا گلا تو نہیں کاٹا؟''

حسن آرا۔ یہ کیوں کہہ رہی تھی؟

فرخ۔ مجھے کیا خبر۔ انہوں نے خواب میں دیکھا ہو گا کہ ماسٹر صاحب نے میرا گلا کاٹ دیا۔

حسن آرا۔ وہ کہتی ہے فرخ نے منع کر دیا تھا۔ کسی سے کہنا نہیں۔ دیکھو سچ بتا دو تم نے اس سے کیا کہا تھا نہیں تو میں تمہیں ابھی ابا جان کے پاس لے جاتی ہوں۔

فرخ نے افشاں کی طرف دیکھ کر منہ چڑاتے ہوئے کہا'' واہ۔ واہ۔ ہو بڑی

بیوقوف مذاق کی بات سمجھ گئیں۔

عالم آرا بیگم۔ (فرخ سے) بیٹا وہ کون سی بات تھی بتا تو سہی۔

فرخ۔ نانی اماں۔ ایک دن تو اسکول سے آیا تو میرے ہاتھوں میں لال روشنائی لگی ہوئی تھی۔ افشاں نے پوچھا تمہارے ہاتھوں میں کیا ہوا۔ میں نے کہا تم نے میری سائیکل کی ہوا نکال دی تھی۔ اسکول پہنچنے میں دیر ہوئی ماسٹر صاحب نے میرے ہاتھوں میں چاقو مارے ہیں۔ اور کہا ہے آئندہ پھر کبھی دیر میں آؤ گے تو تمہارا گلا کاٹ دیں گے۔ آج جو مجھے اسکول سے آنے میں دیر ہوئی تو یہ سمجھی ہوں گی کہ میرا گلا کاٹ دیا۔

عالم آرا بیگم نے مسکرا کر اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ اوئی بیوی کیا پاجی لڑکا ہے۔ بھلا وہ معصوم کیا جانے۔ وہ سچ سمجھی"

حسن آرا نے افشاں کو گلے لگا کر۔ "میری بچی کیسی پریشان ہوئی معلوم ہوتا ہے خوب روئی ہے آنکھیں اور منہ سوج رہا ہے۔"

فرخ۔ (عالم آرا بیگم سے) نانی اماں۔ افشاں اتنی بڑی ہوگئی ہیں۔ آٹھ برس کی۔ مگر بیوقوف کس قدر ہیں۔

حسن آرا۔ بیوقوف کیوں ہونے لگی وہ تو بھولی ہے۔ تمہاری طرح چالاکی کی باتیں نہیں جانتی۔ اپنا کام بنانے کے لیے جھوٹی جھوٹی باتیں دل سے گھڑتے ہو ابا جان کو معلوم ہوگا تو بہت ناراض ہوں گے۔

فرخ۔ ناراض کیوں ہونے لگے۔ میں کہہ دوں گا افشاں روز میری سائیکل کی ہوا نکال دیا کرتی تھیں میں نے ان کو ڈرانے کے لیے کہہ دیا تھا۔

افشاں۔ تم نے تو کہا تھا اب کبھی ہماری شکایت دادا ابا سے نہیں کرو گے۔"

فرخ۔ اگر امی جان میری شکایت کریں گی تو میں بھی کہہ دوں گا۔"

افشاں۔ (حسن آرا سے) اچھی پھوپھی جان آپ دادا ابا صاحب سے کچھ نہ کہیے

گا۔"

حسن آرا نے افشاں کے منہ پر سے بال ہٹاتے ہوئے اس کو پیار کر کے کہا "اب کبھی یہ تم سے اس قسم کی باتیں کرے تو مجھ سے کہہ دینا میں اسے ٹھیک بناؤں گی۔"

فرخ۔ آؤ افشاں دیکھو آج مجھے کھیل میں انعام ملا ہے میں دوڑ میں سب سے آگے نکلا تھا۔ چھ رومال ملے ہیں دو تم کو دوں گا۔"

افشاں خوشی خوشی فرخ کے پیچھے دوڑی۔ دادی پھوپھی بھی ہنسنے لگیں۔

افشاں نے نو برس کی عمر میں قرآن شریف ختم کیا۔ اسی سال اس کو پہلا روزہ رکھوایا گیا۔ دو لڑکیوں نے ساتھ روزہ رکھا تھا۔ ایک افشاں نے دوسری اس کی چچا زاد بہن فرحت آرا نے یہ دونوں ہم عمر تھیں۔ افشاں کی بڑی پھوپھی روشن آرا بھی دلی آئی ہوئی تھیں روزے کی تقریب خاصی دھوم دھام سے ہوئی۔ ایک دن پہلے صرف دو چار خاص خاص بیویوں کو بلایا تھا۔ ایک تو سید صاحب کی چچی تھیں۔ جن کو بوڑھے بچے سب چچی کہتے تھے۔ یہ بڑی دلچسپ اور زندہ دل بیوی تھیں۔ دوسری سید صاحب کی بہن اشرف بیگم تھیں۔ یہ روشن آرا کی ساس تھیں۔ تیسری فرخ کی پھوپھی نصیرہ بیگم تھیں یہ سید صاحب کی سگی بھتیجی تھیں۔ گھر ہی گھر کے سب مل کر چالیس پچاس آدمی تھے۔ سحری کے واسطے دو بجے سے سب اٹھ گئے۔ موسم خاصا جاڑے کا تھا۔ کھانا گرم کیا گیا۔ دو مامائیں پراٹھے پکانے بیٹھیں دستر خوان بچھا۔ کھانا چنا گیا۔ چینی کے پیالوں میں دودھ جلیبیاں، دودھ پھینیاں، کھجلے رکھے گئے۔ نمکین کھانوں میں شامی کباب بھنے ہوئے پسندے، قیمہ ساگ، چار بجے

کا دے دو اور منہ سلونا کرنے کو دو شامی کباب اور پراٹھا ذرا نرم سا دیکھ کر دینا۔ تھوڑا قیمہ ساگ بھی رکابی میں رکھ دینا۔"

روشن آرا نے کہا "پسندے بھی تو چکھیے نصیرہ بیگم نے بڑے تعریفی پکائے ہیں۔"

چچی جان بولیں۔ "ہاں بی پسندے تو ضرور چکھوں گی۔ نصیرہ کے ہاتھ کے پسندے تو ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی زبان چاٹتا رہ جائے۔"

سید صاحب نے مسکرا کر کہا۔ "چچی جان آپ چائے نہیں پئیں گی؟"

چچی جان نے جواب دیا۔ "واہ میاں بغیر چاء پیے تو ہاتھ پیروں میں دم ہی نہیں آتا اسی کے زور سے چل رہی ہوں کھانا تو برسوں سے چھوٹ چکا۔"

روشن آرا کے بڑے لڑکے شاہد نے کہا۔ "چچی جان چاء کی گنجائش آپ کے پیٹ میں کہاں رہے گی۔"

چچی جان بولیں۔ "اپنی خبر لو۔ اناڑی کی بندوق کی طرح بھر رہے ہو۔ اگر صبح کو کھٹی ڈکار آ گئی تو روزہ مکروہ ہو جائے گا۔

سب لوگ چچی جان کی بات پر ہنسنے لگے۔ کھانے کے بعد زردہ والی بیویوں نے جلدی جلدی پٹاریاں کھلولیں۔ پان کھانے شروع ہوئے۔ سحری کا آخری گولا چلتے ہی سب نے کلی غرارہ کیا۔ عالم آرا بیگم نے دونوں بچیوں کو روزہ کی نیت کرا لی۔

تھوڑی دیر میں صبح کی آذان کی آواز آئی۔ چچی جان نے اپنے منہ کا پان تھوکا لوٹے میں گرم پانی لے کر کلی کرنے اٹھیں۔ اشرف بیگم نے کہا۔ "اے چچی جان آپ ابھی تک پان ہی کھا رہی تھیں۔ صبح کی آذان ہو گئی۔"

چچی جان نے لاپرواہی سے کہا۔ "آذان سے کیا ہوتا۔ ملا کو اپنے گھر جانے کی جلدی ہو گی۔ ان لوگوں کا یہی قاعدہ ہے سحری کھائی اور آذان کے لیے کھڑے ہو ابھی تو خاصی رات پڑی ہے۔"

عالم آرا بیگم نے کہا۔ اب تو کالی دھاری اور سفید دھاری نظر آنے لگی صبح صادق

کی روشنی دکھائی دے رہی ہے۔

چچی جان بولیں۔ اے بی تم مولویوں کی سی باتیں نہ کرو جب تک رونگٹا نظر نہ آئے سحری کا وقت رہتا ہے۔ میں کبھی ان ملاؤں کی آذان کا یقین نہیں کرتی۔''

فرخ نے کہا۔ چچی جان آپ کو تو مرغ کی آذان کا یقین ہوگا۔''

چچی جان بولیں۔ ''لو اور سنو'' لکا میں چھوٹے سے چھوٹا وہ بھی باون گز کا۔''

نصیرہ بیگم نے کہا۔ ''چچی جان اب جلدی کیجئے پو پھٹ رہی ہے۔''

چچی جان نے کھڑی ہوتے ہوئے کہا۔ ''ابھی تو میں وضو کر کے دو تسبیاں درود شریف پڑھوں گی جب کہیں صبح کی نماز کا وقت ہوگا۔

عالم آرا بیگم نے اسی وقت ایک آدمی کو پھل اور ترکاریاں خریدنے سبزی منڈی بھیج دیا۔ سب نے صبح کی نماز پڑھی۔ کوئی قرآن شریف کی تلاوت کرنے لگا۔ کوئی تسبیح لے کر بیٹھ گیا۔ بچوں نے شور مچا رکھا تھا۔ ان کو زبردستی سونے کے لیے بھیجا گیا باورچی خانہ میں ابھی سے کام کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایک ماما دہی بڑوں کے لیے ماش کی دال دھونے بیٹھ گئی۔ ایک مصالحہ پیسنے لگی۔ ایک نے سموسوں کا میدہ گوندھنا شروع کیا۔ کھانے کا انتظام باہر مردانے میں تھا گھر میں صرف افطاری کی تیاری تھی۔ صبح آٹھ بجے سے عالم آرا بیگم خود دلان میں تختوں پر رضائی اوڑھ کر بیٹھ گئیں۔ مغلانی بنیادی خانم اور ان کی بیٹی آبادی سے کھانے کا سامان تلوانے لگیں۔ چچی جان اور اشرف بیگم بھی انہیں کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ چچی جان نے عالم آرا بیگم سے پوچھا۔ اے بوا کھانے میں کیا کیا پکوا رہی ہو۔''؟

عالم آرا بیگم۔ ''قورمہ، بریانی، آلو کا سالن، ڈبل روٹی کے شاہی ٹکڑے۔''

اشرف بیگم۔ اے بی شاہی ٹکڑوں کی کیا ضرورت تھی کھیر پکوا لی ہوتی۔''

عالم آرا بیگم۔ جاڑے کا موسم ہے۔ کھیر ٹھنڈی ہوتی ہے خدانخواستہ کسی کو نقصان کرے تو اور مشکل ہو۔''

اشرف بیگم۔ ہاں بی کھلانے کا نام نہیں رلانے کا نام ہو جاتا ہے۔ اس وقت تو مزے میں آ کر کھانے والے کئی کئی خوانچہ فرنی کے کھا لیتے ہیں۔ اوپر سے پانی پیتے جاتے ہیں احتیاط تو کم ہی لوگ کرتے ہیں اچھا کیا کھیر نہیں پکوائی شہر میں نمونیہ پھیلا ہوا ہے۔

چچی جان۔ اے بی باقر خانیاں بھی پکوائی ہیں۔"

عالم آرا بیگم۔ ہاں چچی جان باقر خانیاں بھی پکوائی ہیں۔"

اشرف بیگم۔ قورمہ کا جوڑ باقر خانیاں۔ آلو کے سالن کے ساتھ خمیری روٹی۔"

چچی جان۔ (ٹھٹھا لگا کر) اے بی! اس کا تو گیت گلی کے لونڈوں نے جوڑ رکھا ہے قوالی کی دھن میں ایسے مزے سے گاتے ہیں کہ تمہیں کیا بتاؤں"

اشرف بیگم۔ کیا گیت جوڑا ہے؟

چچی جان۔ اے بی میرا روزہ مکروہ ہو جائے گا نہیں تو میں تمہیں گا کر سنا دیتی۔

اشرف بیگم۔ خیر اس کے بول ہی بتا دیجئے۔

چچی جان۔ آلو کا سالن خمیری روٹی۔ مغز میں چمچہ پھرا کے مارا۔

عالم آرا بیگم۔ (مسکرا کر) یہ بھی کوئی چیز ہے گانے کی۔ اس کی دھن ہی کیا ہوگی۔

چچی جان۔ اے بی! تم کیا جانوں نہ تمہیں قوالی کا شوق نہ کسی دھن کی خبر اس قوالی پر تو لوگ ایسا کھیلتے ہیں کہ آدھی جان کے ہو جاتے ہیں۔ اب کے سترہویں پر دو آدمی ایسے بے قابو ہوئے تھے کہ ان کا سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ بنیادی خانم سے پوچھو کیسی ہاہا چل مچی تھی۔

بنیادی خان چاول تولتے ہوئے بولیں۔ اے بیگم معلوم ہوتا تھا لوٹن کبوتر کا جوڑا پر الوٹ رہا ہے۔ اپنے تن بدن کے ہوش نہیں تھے۔ اللہ کے آگے توبہ ہے۔ اب کیا کہوں بدن کے کپڑے تک اتار کر پھینک دیئے تھے۔ میں نے تو اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔"

عالم آرا نے اپنی بہو کو آواز دی۔ اے بی شوکت آرا کہاں بے فکری سے بیٹھی ہو چٹکی بجاتے شام ہو جائے گی۔ ایک تو ورتی سموسوں کا جھگڑا نکال لیا ہے۔ آخر یہ سب کام کیسے ہوں گے۔

شوکت آرا نے باورچی خانہ میں سے آتے ہوئے کہا۔ ''پھوپھی اماں آپ کیوں گھبراتی ہیں سب کچھ ہو جائے گا۔''

عالم آرا بیگم۔ ہو کیسے جائے گا سموسوں کا بننا کوئی آسان کام ہے۔ سارا دن اسی کام میں گزر جائے گا۔

اشرف بیگم۔ بھلا افطاری میں سموسوں کی کیا ضرورت تھی۔ ایسے کاموں سے میرا بھی دم الٹتا ہے۔

عالم آرا بیگم۔ بہتیرا منع کیا مگر یہ شوکت آرا نہیں مانیں۔ دوسری نصیرہ بیگم ان کی ہاں میں ہاں ملانے بیٹھ گئیں پانچ سیر میدہ کے سموسے بنتے بنتے ہی شام ہو جائے گی دیکھو میں اب بھی کہتی ہوں قیمہ بھرنے تکونے بنالو سموسوں کا جھگڑا نہ کرو۔

شوکت آرا۔ (ہنس کر) پھوپھی اماں اب تو آدھے کے قریب سموسے بن گئے آپا نصیرہ نے صبح کی نماز پڑھتے ہی بنانے شروع کر دیئے ہیں۔

عالم آرا بیگم۔ اکیلی نصیرہ تھک کر پست نہ ہو جائیں گی۔

شوکت آرا۔ اکیلی کیوں ہونے لگیں۔ لڑکیاں ان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔

عالم آرا بیگم۔ اے بی تم نے بھی لڑکیوں کے ہاتھ ڈال دیا وہ کیا خاک بنائیں گی پان سیر میدہ کا ستیاناس کر کے رکھ دیں گی۔

شوکت آرا۔ ستیاناس کیوں کرنے لگیں لڑکیاں تو صرف بیل رہی ہیں اور میں اور آپا نصیرہ بنا رہے ہیں۔ آپ نے آواز دی میں یہاں چلی آئی۔

عالم آرا بیگم۔ خیر۔ تم جانو تمہارا کام جانے۔ مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ سموسے بھاری بھاری کچ لوندے نہ ہوں۔ پرت خوب کھلیں۔ کوئی ہوشیار آدمی تلنے بیٹھے نہ

زیادہ سرخ ہوں نہ کچے رہیں۔ بادامی رنگ کے ہوں۔

روشن آرا بولیں "توبہ ہے اماں، سموسوں کا ذکر سنتے سنتے ناک میں دم آ گیا نصیرہ بیگم کے ہاتھ کے سموسے مشہور ہیں کوئی اناڑی تو ہیں نہیں کہ خراب کر دیں گی۔

عالم آرا بیگم۔ میں کب کہتی ہوں کہ وہ اناڑی ہیں۔ میں نے سمجھا دیا تو کونسی قباحت ہوئی۔ جس کام میں دس ہاتھ لگتے ہیں وہ ہمیشہ خراب ہو جاتا ہے۔

روشن آرا۔ سیر آدھ سیر کے تو ہیں نہیں کہ ایک آدمی بنا لے۔

عالم آرا بیگم۔ اسی لیے تو منع کر رہی تھی۔

روشن آرا۔ بس۔ اماں خدا کے لیے اس ذکر کو چھوڑیے اب تو بن گئے۔

عالم آرا بیگم۔ بن تو گئے مگر سارا گھر اسی میں لگ گیا۔ معلوم ہوتا ہے حسن آرا ابھی وہیں ہیں بھتیجی کو روزہ رکھوانے کا تو بڑا شوق تھا۔ اب ساری ذمہ داری میرے اوپر آ پڑی۔

روشن آرا۔ کیا کام ہے آپ مجھے بتائیے۔

عالم آرا بیگم۔ کوئی ایک کام ہے جو تمہیں بتا دوں۔ بیسیوں کام پڑے ہیں۔ میں تو سرے سے مہمانداری ہی کرنے کے خلاف تھی۔

اشرف بیگم۔ اور وہ بھی روزہ کی اگر افطار کے وقت ایک منٹ کی بھی دیر ہو گئی تو ساری لاگت اکارت گئی اور شرمندگی اٹھانی پڑی وہ الگ۔

عالم آرا بیگم۔ خدا تمہارا بھلا کرے تم نے میرے دل کی بات کہہ دی۔

چچی جان۔ اے بی پرسوں ہی کی تو بات ہے مچھلی والوں میں چھموں بیگم کی لڑکی کا روزہ تھا میں بھی گئی تھی۔ ان کے ہاں اس قدر بدانتظامی تھی کہ توبہ گولہ چل گیا مگر دستر خوان پر افطاری کا پتہ نہیں۔ بیویاں پانی کے گھونٹ سے روزہ کھول کھول کر نماز کو کھڑی ہو گئیں۔

عالم آرا بیگم۔ میں تو چاہتی ہوں چار بجے سب چیزیں تیار ہو جائیں۔ آخر دو چار

مسجدوں میں بھی افطاری جائے گی۔ پہلے اللہ کے نام بھیج کر ٹھیک پانچ بجے دستر خوان پر لگادی جائے۔

روشن آرا۔ آپ کی مرضی کے مطابق سب کچھ ہو جائے گا۔ آپ تو آرام سے بیٹھی دیکھے جایئے۔

عالم آرا بیگم۔ کیا خاک آرام سے بیٹھوں۔ بغیر میرے بولے یہاں کوئی بھی کام ہوتا ہے۔ اب دیکھو باہر سے باورچی کھانے کا سامان مانگ رہے ہیں مگر کسی کے کان پر جوں نہیں چلتی تم بھی بیٹھی سن رہی ہو۔

روشن اارا۔ اے تو اماں بی میں آپ کے انتظام میں کیسے دخل دوں۔ سارا سامان باورچی خود بازار سے تلوا کر لائے تھے۔ اب آپ دوبارہ بیٹھی ان کا وزن کرا رہی ہیں۔ آپ تو خود کام بڑھاتی ہیں۔

عالم آرا بیگم۔ اے بی تم مجھے نصیحت نہ کرو۔ میں تم لوگوں کی طرح باورچیوں اور دکانداروں کے بھروسے پر نہیں رہتی۔ اگر اس وقت ان چیزوں کا وزن نہ کراتی تو لگی لگائی لاگت اکارت جاتی۔ ایک من چاولوں کی بریانی کے لیے آٹھ سیر گھی رکھا ہے۔
چچی جان تسبیح پڑھتے پڑھتے بولیں۔ ”واہ کیا خاک بریانی ہوتی موا دھویا پلاؤ ہو جاتا۔“

اشرف بیگم۔ کم سے کم دس گھی ہونا چاہیے۔ عام طور پر سیر میں پاؤ سیر گھی ڈالا جاتا ہے۔ اگر تعریفی پکوائی جائے تو سیر بھر چاولوں میں ڈیڑھ پاؤ گھی اور ڈیڑھ سیر گوشت ورنہ عموماً برابر کا گوشت پڑتا ہے۔

عالم آرا بیگم۔ حسب میں دس سیر گھی لگا ہے بھلا بے ایمانی کی بھی حد ہوگئی نہ آدھ سیر کا فرق نہ پاؤ سیر کا اکٹھا دو سیر کم کر دے کم بخت آنکھوں میں خاک جھونکتے ہیں۔

اشرف بیگم۔ بھلا نگاہ بھی تو کوئی چیز ہے وہ تو دیکھنے ہی میں کم معلوم ہو رہا ہے۔
بنیادی خانم نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔ بیگم رات کو پراٹھوں اور شامی کبابوں کے

لیے اسی میں سے تو دو سیر گھی نکالا تھا۔

عالم آرا بیگم۔ اتنی دیر سے چپکی بیٹھی سن رہی ہو پہلے ہی کیوں نہ بولیں۔

بنیادی خانم۔ اے بیگم صاحب میں کیا بولتی آپ نے خود ہی تو رات کو کہا تھا کہ بریانی والا گھی اچھا ہے۔ اس کے پراٹھے پکانا صبح گھر کے گھی میں سے دو سیر ملا دینا آپ بھی بھول گئیں۔

عالم آرا بیگم۔ میرا دماغ کوئی ایک طرف رہتا ہے۔ چاروں طرف سے بوٹیاں نوچی جاتی ہیں۔ کس کس بت کو یاد رکھوں۔ تم نکالنے والی نہتی تھیں۔ اسی وقت کیوں یاد نہیں دلایا میں دیکھتی ہوں روزہ میں تمہارے حواس بالکل جاتے رہے۔

چچی جان نے ٹھٹھ لگا کر کہا ''اے بی زردہ والے سب ہی بے اوسان ہو جاتے ہیں''

عالم آرا بیگم۔ نہیں چچی جان یہ بنیادی خانم کو کسی کام ہی کی نہیں رہیں۔ دس بجے تو سو کر اٹھتی ہیں تو دیکھو جمائیوں پر جمائیاں آرہی ہیں۔ آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے معلوم ہوتا ہے ہاتھ پیروں میں دم ہی نہیں۔

بنیادی خانم۔ بیگم ہاتھ پیروں میں دم کہاں سے آئے گا آخر میری بھی تو بڑھاپے کی جان ہے دو بجے رات سے یہ وقت آیا کمر سیدھی کرنے کی فرصت نہیں ملی۔

عالم آرا بیگم نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔ ''دو بجے رات سے تم کون سے کام کر رہی تھیں میں بھی تو سنوں۔؟

بنیادی خانم۔ بیگم صاحب کوئی ایک کام ہو تو بتاؤں بیسوں کام تھے اندر سے باہر تک سارے نوکروں کو سحری کا کھانا ہی بانٹتے بانٹتے دولہ چل گیا ایمان سے کہتی ہوں دو نوالے بھی نہیں کھائے تھے جو اذان ہو گئی زردہ کھانا نصیب بھی نہیں ہوا۔

عالم آرا بیگم۔ اے بی تم اس طرح سے نہ کہو خدا میرے بچوں کے دم رکھے میں نے تم کو کیا منہ دیکھنے کے لیے رکھا ہے۔ بارہ مہینے آرام کرتی ہو سوائے پلنگ پر بیٹھے

چھالیہ کترنے کے اور تم سے ہوتا کیا ہے۔ جب سے آنکھیں گئیں سوئی پکڑنا تمہیں ختم ہوگیا ہے آج ذرا سا کام نکل آیا تو لگیں بسورنے۔ جاؤ اپنے گھر بیٹھو مجھے ایسے آدمی کی ضرورت نہیں۔

بنیادی خانم۔ بیگم آپ تو ناراض ہونے لگیں۔ خدا بچوں کی ہزاری عمر کرے۔ بیاہ شادی کی گھڑیاں آئیں میں کام سے تھوڑی گھبراتی ہوں میں نے تو ایک بات کہی تھی۔

روشن آرا نے بنیادی خانم سے کہا۔ ''جاؤ مغلانی تم کمروں میں اجلی چاندنیاں بچھوا دو ابھی تک گھر میں جھاڑو بھی نہیں ملی۔''

بنیادی خانم آنسو پونچھتی ہوئی چلی گئیں۔

عالم آرا بیگم نے اپنی نند اشرف بیگم سے کہا۔ ''دیکھا بوا تم نے بنیادی خانم کی یہ حالت ہوگئی ہے۔ کام کے نام سے تو دم نکلتا ہے۔ ذرا سا کچھ کہہ دو تو آنسو بہانے لگتی ہیں۔''

روشن آرا۔ اماں۔ آخر ان کا بھی بڑھاپا ہے۔ کل سے چک پھری کی طرح پھر رہی ہیں آپ کو تو روزہ میں خواہ مخواہ غصہ آتا ہے۔ نہ خود آرام کریں نہ کسی کو آرام کرنے دیں۔

عالم آرا بیگم۔ دیکھو روشن آرا۔ تم میرے روزہ کا نام بدنام نہ کرو۔ میں تم لوگوں کے پیچھے نہ خدا کی رہی نہ رسول کی آج قرآن شریف بھی پڑھنا نصیب نہ ہوا۔

چچی جان۔ اے بی تمہیں بھی اپنی جان مارنے کی عادت ہے خدا رکھے بہو بیٹیاں موجود ہیں ذرا سا انتظام نہیں کرسکتیں۔ اے بیٹی روشن آرا بیگم اماں کو آرام کرنے دو۔

روشن آرا۔ چچی جان آپ بھی ایسی باتیں کرتیں ہیں۔ میں نے کیا اماں کو منع کیا ہے میں تو خود کہہ رہی ہوں کہ آپ لیٹ جائیے۔ کھانے کا سامان باہر چلا ہی گیا اب

تو افطاری بنتی ہے بارہ بجے سے سب اس میں لگ جائیں گے۔

چچی جان۔ہاں بیٹی تم ٹھیک کہتی ہو خدا رکھے اتنی لڑکیاں بالیاں ہیں افطاری بننے میں کیا دیر لگتی ہے۔امرود تو منگوا دو میں ابھی سے چھیلنے بیٹھ جاؤں۔

عالم آرا بیگم کچھ نہیں بولیں وہیں پلنگ پر رضائی اوڑھ کر لیٹ گئیں۔کوئی منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ روشن آرا اور نصیرہ بیگم کی لڑکیوں نے کہا۔"نانی اماں افشاں اور فرحت کے مہندی لگائی جائے گی پہلے ہمارا نیگ دے دیجئے پھر آپ سوئیے۔"

عالم آرا بیگم نے مسکرا کر چچی جان سے کہا۔"دیکھا آپ نے مجھے کوئی آرام کرنے دیتا ہے۔"

چچی جان نے ان کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر ٹھٹھا لگا کر کہا۔"اے بوا خدا تمہاری باغ بہاری کو رہتی دنیا تک رکھے۔بھلا زندگی میں کہیں ان سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔"

عالم آرا بیگم نے اپنی بڑی نواسی چمن آرا سے کہا۔"بیٹی سردی ہے صرف ہاتھوں میں مہندی لگا دو پیروں میں نہ لگانا۔"

چمن آرا۔دھوپ میں بٹھا کر لگا دیں گے۔

اشرف بیگم۔نہیں بیٹی دھوپ میں نہ بٹھانا بچیوں کا پہلا روزہ ہے کہیں پیاس نہ لگ آئے۔

چچی جان۔اے بیٹی دو چار لونگیں پیس کر مہندی میں ملا لو اور ذرا گرم کر کے لگا دو

عالم آرا بیگم نے اپنی صندوقچی کھول کر نیگ کے گیارہ روپے دیئے۔لڑکیاں خوشی خوشی مہندی لگانے گئیں۔پانچ منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ چمن آرا کی چھوٹی بہن گلشن آرا نے آ کر کہا۔"نانی اماں فرخ مہندی نہیں لگانے دیتے۔"

عالم آرا بیگم۔فرخ وہاں کیوں گئے ہیں ان کا لڑکیوں میں کوئی کام نہیں۔

گلشن آرا۔فرخ کہتے ہیں نانا ابا نے منع کیا ہے۔کسی لڑکی کے مہندی نہ لگائی جائے گناہ ہوتا ہے۔

عالم آرا بیگم۔ تم فرخ کو میرے پاس بھیجو میں پوچھوں۔

گلشن نے ہنس کر کہا۔ ”آپ نے مجھے نیگ کیوں نہیں دیا۔“

عالم آرا بیگم۔ نیگ لڑکیوں کا ہوتا ہے۔ لڑکوں کو نہیں ملتا۔

فرخ۔ امی جان کے کوئی لڑکی نہیں ہے اس کے بدلے کا مجھے ملنا چاہیے۔

چچی جان نے ہنس کر کہا۔ اے بی لڑکا ٹھیک تو کہتا ہے۔ یہی دستور ہے جس کے لڑکی نہیں ہوتی اس کے لڑکے کو نیگ ملتا ہے۔ میاں انور بوڑھے ہونے کو آئے مگر کنبے میں اسے اب تک ان کا نیگ آتا ہے۔

فرخ۔ چچی میرا نیگ بھی ہر جگہ سے آتا ہے۔ اس وقت نانی اماں ٹالنے کے لیے کہہ رہی ہیں۔

عالم آرا بیگم نے مسکرا کر اپنی صندوقچی کھول کر سوا روپیہ فرخ کو دیا۔

فرخ۔ سوا روپیہ تو آپ نے لڑکیوں کو دیا ہے میں تو لڑکا ہوں مجھے پانچ روپے دیجیے۔

عالم آرا بیگم نے اپنی صندوقچی گھٹنے کے نیچے رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں نے جو سب کو دیا ہے وہی تم کو دے دیا نیگ میں لڑکے لڑکیاں سب برابر ہوتے ہیں۔“

فرخ نے چچی جان سے کہا۔ ”اچھی چچی جان ایک ہی روپیہ دلوا دیجیے۔“

چچی جان نے عالم آرا بیگم سے کہا۔ ”اے دے دیو! بچہ خوشامد کر رہا ہے۔“

عالم آرا بیگم نے فرخ سے کہا۔ ”نیگ لینے کے لیے تو سب سے پہلے موجود ہو گئے کبھی بہنوں کو کچھ لا کر بھی دیتے ہو؟“

فرخ۔ اچھا تو میں نیگ نہیں لیتا آپ مجھے دس روپے دے دیجیے میں افشاں اور فرحت کے لیے بازار سے کچھ تحفہ لاؤں گا۔

عالم آرا بیگم نے فرخ کو روپے دیتے ہوئے کہا۔ ”کوئی کار آمد چیز لانا روپے پھینک نہ آنا۔“

فرخ۔ نہیں نانی اماں میں ایسا بیوقوف تھوڑا ہوں۔ دیکھئے گا ایسی چیز لاؤں گا کہ سب خوش ہو جائیں گے۔

عالم آرا بیگم۔ اکیلے نہ جانا آج الوداع کا دن ہے بازار میں بہت بھیڑ ہو گی۔

فرخ۔ اکیلا تو میں کبھی نہیں جاتا نانا ابا کے ساتھ جامع مسجد جاؤں گا واپسی میں رحیم اللہ کے ساتھ چاندنی چوک چلا جاؤں گا۔

عالم آرا بیگم خاموش ہو گئیں۔ فرخ ہنستا ہوا اپنی بندوق لے کر باہر چلا گیا۔

عالم آرا بیگم نے اشرف بیگم سے کہا۔ ''خدا رکھے بارہ برس کا ہو گیا ہے۔ مگر ننھے بچوں کی طرح مچل کر بیٹھ جاتا ہے۔''

اشرف بیگم۔ جیتا رہے خدا حسن آرا کو اسد کی بہار دکھائے۔

چچی جان۔ آمین اللہ۔ مجھے تو میاں ممتاز علی کی ساری اولاد میں فرخ ہی پیارا لگتا ہے۔

حسن آرا نے آ کر کہا۔ ''اماں چلئے لڑکیوں کے مہندی لگ رہی ہے۔''

تینوں بیویاں اٹھ کر اسی کمرہ میں جا بیٹھیں۔ گیارہ بجے کے قریب سب مرد الوداع کی نماز کو گئے فرخ نے ایک کاغذ کا ڈبہ چمن آرا کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ ''جلدی سے لو میں نماز کو جا رہا ہوں یہ افشاں اور فرحت کے تحفے ہیں سب کے سامنے نکالنا۔''

چچی جان نے عالم آرا بیگم سے کہا۔ ''بولی وہ نماز سے پہلے ہی لے آیا۔''

گلشن نے اپنی بہن کے ہاتھ سے ڈبہ لیتے ہوئے کہا۔ ''لاؤ میں کھولوں''۔

چچی جان۔ اے بیٹی یہاں لاؤ میں بھی تو دیکھوں کیا کیا چیزیں ہیں۔

گلشن نے ڈبے کے اوپر بندھی ہوئی ڈوری کھول کر ڈھکنا اوپر اٹھایا اور ایک چیخ مار کر ڈبہ وہیں پھینک دیا۔ اک پرکٹا کوا پھڑ پھڑا کر چچی جان کی آستین میں لٹک گیا چچی جان نے غل مچانا شروع کیا۔ ''اے بی عالم آرا بیگم یہ کیا بلا میرے چمٹ گئی۔

خدا کے لیے اس کو چھٹاؤ۔ اے حسن آرا تم چپکی بیٹھی تماشا دیکھ رہی ہو۔ وہ نصیرہ کہاں ہیں آ کر بھتیجے کے کرتوت دیکھیں۔ ذرا میاں سید کو باہر سے بلاؤ لاڈ میں نواسے کا ستیاناس کر دیا۔ اے لوگو سب بیٹھے دیکھ رہے ہو کوئی چھٹاتا نہیں گھر کی تمام عورتیں کمرہ میں جمع ہو گئیں۔ مگر کوے کو پکڑنے کی کسی میں ہمت نہیں تھی۔ بڑی مشکل سے نصیرہ بیگم نے ٹاٹ کی بوری ڈال کر کوے کو پکڑا۔ چچی جان کی آستین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے لڑکیاں ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ گئیں۔ چچی جان نے سینکڑوں فضیحتیاں سب کی کر ڈالیں۔" اے بی ایسی بدتمیز لڑکیاں کہیں نہیں دیکھیں۔ بزرگوں کا مذاق اڑاتی ہیں۔ میری تو جان پر بنی ہوئی تھی اور یہ ساری کی ساری ٹھی ٹھی ہنس رہی تھیں وہ تو یہ غنیمت ہے کہ میں موٹا کرتا پہنے تھی نہیں تو وہ خاک میں بوٹی اتار لیتا میں خوب سمجھتی ہوں گلشن نے جان بوجھ کر ڈبہ میری طرف پھینکا۔ نانی دادی بھی تو یہیں بیٹھی تھیں وہ موا اور کسی کو نہ چمٹ گیا۔"

گلشن نے کہا" اللہ کی قسم چچی جان آپ تو خود ہی جھکی ہوئی دیکھ رہی تھیں۔ اس نے آپ کی آستین پکڑ لی۔"

چچی جان نے کھڑے ہوتے ہوئے کہ۔" خیر آنے دو میاں سے کو نماز پڑھ کے دیکھو کیسی اس فرخ کی خبر لواتی ہوں۔"

بڑی دیر تک چچی جان غصہ کرتی رہیں۔ بارہ بجے افطاری کی تیاری ہونے لگی کوئی امرود چھیلنے بیٹھا۔ کسی نے آلو کے کچالو بنانے شروع کیے۔ چچی جان کا غصہ بھی اتر چکا تھا۔ بیٹھی کچالوؤں کے مصالحہ بتا رہی تھیں۔ امرودوں کے کچالوؤں میں سرخ مرچیں۔ سیاہ مرچیں، شکر سفید زیرہ، نمک ڈالو۔ اوپر سے نیبو نچوڑ دو۔ آلو کے کچالوؤں میں سیاہ مرچیں اور شکر نہیں پڑتی چنے کی دال میں بھی یہی مصالحہ پڑتا ہے۔"

کسی لڑکی نے پوچھا۔" چچی جان آپ ناک پر دوپٹہ کیوں رکھے ہیں۔"

چچی جان نے جواب دیا۔ "بیٹی کچالوؤں کے مصالحوں کو خوشبو سے منہ سے پانی بھر آتا ہے میں تو ہمیشہ ناک پر کپڑا رکھ لیتی ہوں۔ کہیں روزہ مکروہ نہ ہو جائے۔"

سب لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

چار بجے کھان افطاری سب چیزیں تیار ہو گئیں۔ پہلے اللہ کے نام مسجدوں میں ہر چیز بھیجی گئی۔ اپنے رشتہ داروں اور گہرے دوستوں کے ہاں سے افطاری کے خوان آئے مہمان بیویاں بھی سب آ گئیں۔ افشاں اور فرحت کو کپڑے پہنائے گئے۔ دونوں کے یکساں جوڑے بنے تھے۔ سبز پوتھ کے پاجامے گلابی ملینے کی قمیصیں اسی رنگ کے جارجٹ کے ٹھپہ کرن ٹکے، دوپٹے پھلوں کا گہنا پہنا کر دونوں بچیوں کو بڑے کمرہ میں لا کر بیٹھایا گیا۔ سب بیویوں نے روپے دیئے، بڑی پھوپھی روشن آرا نے دونوں کو سبز کارچوبی دوشالے اوڑھائے۔ حسن آرا نے کانوں میں چھوٹی چھوٹی بجلیاں پہنائیں۔ بچیوں کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ مگر بھوک پیاس کا نام زبان پر نہیں لائیں۔ پانچ بجے دستر خوان بچھا کر افطاری لگائی گئی۔ بیویاں وضو کے لئے کھڑی ہوئیں۔ دونوں لڑکیوں کو بھی وضو کرا کر بیچ میں بیٹھایا گیا۔ سب کے سامنے افطاری کی طشتریاں رکھی گئیں۔

اس کے علاوہ بڑی رکابیوں میں الگ الگ چیزیں بھی رکھی تھیں۔ کسی میں کچالو۔ کسی میں سموسے کسی میں دہی بڑے، پھلکیاں، تلی دالیں وغیرہ۔

گولہ چلتے ہی عالم آرا بیگم نے دونوں بچیوں کو روزہ کھولنے کی دعا پڑھوائی، سب بیویوں نے روزہ افطار کیا۔ اکثر اپنے اپنے گھر سے روزہ کھولنے کے لیے چیزیں ساتھ لائی تھیں۔ کسی نے خمیرہ گاؤ زبان جواہر والا نکالا۔ کسی نے بادام مصری، منقی، چاندی کے ورق سے روزہ کھولا۔ کسی نے آب زمزم کی شیشی نکالی۔ قطرہ قطرہ اپنے پاس بیٹھنے والی بیویوں کے حلق میں بھی ٹپکایا۔ کسی نے کاغذ کی پڑیا میں سے ایک مدینہ منورہ کی کھجور نکال کر بھورا بھورا سب کے منہ میں دیا۔ دو چار بیویوں نے صرف

نمک کی کنکری سے روزہ افطار کیا۔ اب افطاری کا نمبر آیا۔ زیادہ تر بیویاں ایسی تھیں جنہوں نے بے تکلفی سے ہر چیز کھائی۔ بعض تکلیف والیوں نے روزہ کھول کر جلدی جلدی نماز پڑھی تاکہ مہمانوں کے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے دسترخوان پر کھانا لگا دیا جائے۔ ایک ایک خمیری روٹی ایک ایک باقر خانی۔ چھوٹی طشتریوں میں ڈبل روٹی کے ٹکڑے۔ ایک خالی پلیٹ چمچے پہلے قرینہ سے لگا دیئے گئے۔ باقی کھانا ڈونگوں اور رکابیوں میں رکھا گیا۔ نصیرہ بیگم حسن آرا، شوکت آرا برابر کھڑی ہوئی گرم بریانی منگوا منگوا کر سب کے سامنے رہی تھیں۔ کئی عورتیں پانی پلانے کو کھڑی تھیں۔ ایک بیوی خاصے بڑے گھرانے کی دیکھنے میں معقل ایسی بے تکلف تھیں کہ دوسروں کے نام سے گرم بریانی اور باقر خانیاں منگواتی تھیں۔ اور سب کی آنکھ بچا کر پیچھے اپنی ماما کو دے دیتی تھیں وہ گٹھڑی باندھ کر اپنے برقعہ میں چھپا لیتی تھی۔

کھانے سے فارغ ہو کر سب مہمان رخصت ہوئے۔ گھر والیاں تھک کر پست ہو گئی تھیں۔ بارہ بجے کے قریب اپنے اپنے بستروں پر لیٹیں۔ شوکت آرا پڑے پڑے بولیں۔ آپا نصیرہ ماموں شریف کی بیوی کو دیکھا تھا خدا جھوٹ نہ بلوائے تو کوئی آٹھ باقر خانیاں اور چار رکابیاں بریانی کی صاف اڑا دیں میرے تو اوسان جاتے رہے۔''

نصیرہ بیگم۔ اے بی آج کوئی نئی بات تھی وہ تو ہر محفل میں یہی کرتی ہیں۔''

شوکت آرا۔ باقر خانیاں تو خیر خشک تھیں کپڑے میں لپیٹ کر رکھ لی ہوں گی مگر بریانی کہاں رکھی۔

نصیرہ بیگم۔ ان کی ماما کے پاس بڑا سا کٹورا دان ہوتا ہے بریانی اس میں بھر لی ہو گی۔

حسن آرا۔ اور چلتے وقت ماما اور بچوں کا حصہ الگ لیا۔

شوکت آرا۔ خدا کسی کی نیت خراب نہ کرے۔

نصیرہ بیگم۔ کی بڑی لڑکی رشیدہ نے کہا اور افطاری کی کسی کو خبر ہی نہیں، اکیلے نارنگیاں، تلی دالیں خوب اپنے کسے میں بھری تھیں۔

نصیرہ بیگم۔ سب خبر ہے۔ بڑا سا گٹھر اماں کی بغل میں تھا۔

عالم آرا بیگم۔ اے بی نصیرہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کسی کو مہمان بلا کر اس طرح اس کی ذلت نہیں کرتے۔

نصیرہ بیگم۔ چچی اماں۔ میں کیوں ذلت کرنے لگی۔ ایسی عادت میں انسان خود ہی ذلیل ہوتا ہے۔ ایک دفعہ بھری محفل میں بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔

عالم آرا بیگم۔ بس چپکی سو جاؤ۔ آگے کچھ نہ کہنا۔ کسی کا پردہ فاش نہیں کرتے۔ گناہ کی بات ہے۔

نصیرہ بیگم۔ چچی اماں، سب کو معلوم ہے، میرے چھپانے سے کیا ہوتا ہے۔

چمن آرا اور گلشن آرا نے نصیرہ بیگم سے پوچھا۔ ''اچھی خالہ جان بتایئے کیا ہوا تھا۔''

عالم آرا بیگم نے ڈانٹا۔ ''خبردار نصیرہ لڑکیوں کے منہ میں بات نہ ڈالنا۔ رشتہ داری کا معاملہ ہے۔ وہ ملنا جلنا چھوڑ دیں گی۔ اب میں کسی کے بولنے کی آواز نہ سنوں۔ دو وہ چپکی ہو کر۔''

سب لڑکیاں خاموش ہو گئیں۔

دوسرے دن نصیرہ بیگم۔ اشرف بیگم چچی جان سب اپنے اپنے گھر گئیں۔ سب کو عید کی تیاری کرنی تھی۔

حسب کے مطابق چاند انتیس کا ہونا چاہیے تھا۔ یعنی جوان عید ہونے کو تھی۔ تیس کے چاند کی عید کو لوگ بڑھیا عید کہتے ہیں۔ ایک روزہ کی تو کوئی بات نہیں ہوتی جہاں انتیس رکھے وہاں تیسواں روزہ رکھنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ مگر بڑے بڑوں کی ہمتیں پست ہو جاتی ہیں۔ خوشی خوشی چاند دیکھنے اپنی چھتوں پر چڑھتے ہیں اور حتی المقدور

پوری کوشش چاند دیکھنے کی کرتے ہیں۔ جس کو سب سے پہلے نظر آتا ہے۔ سب اس کے پاس جمع ہو جاتے ہیں۔ ''کہاں ہے۔؟'' ''کہاں ہے۔''

''ارے بھئی وہ رہا میری انگلی کے سیدھ میں نیم کے درخت کیا اوپر۔''

''ہمیں تو ابھی تک نظر آیا نہیں''

''بھئی باریک بہت ہے۔ وہ دیکھو نا! تارہ کے اوپر جہاں سے ابھی ایک گوا اڑکر گیا ہے۔

''ہاں ہاں اب دیکھ لیا''

فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھ جاتے ہیں۔ آپس میں سلام وآداب ہونے لگتے ہیں۔ چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور اگر چاند نہیں ہوتا تو خاموش منہ لٹکائے نیچے اتر آتے ہیں اور کھسیانے ہو کر کہتے ہیں۔ ''خیر بھئی جہاں انتیس رکھے ہیں وہاں اللہ ایک اور آسان کرے گا۔''

یہ سب تو مطلع صاف ہونے کی باتیں ہیں۔ اور اگر کہیں بادل ہو تو تمام رات لوگوں کو یہی خیال رہتا ہے کہ شاید دوسری جگہ سے چاند کی اطلاع آجائے۔ یہاں تک کہ تیسواں روزہ کھولتے کھولتے سب یہی کہتے ہیں کہ بھئی آج کا روزہ تو زبردستی کا ہے عید کا دن معلوم ہو رہا ہے۔

آج بھی انتیس تاریخ تھی مگر چاند نظر نہیں آیا اتفاق کی بات ہے تمام دن تو مطلع صاف رہا مگر شام کے وقت کہیں سے بھولا بھٹکا ایک بادل کا ٹکڑا عین چاند کی جگہ ایسا آکر جما کہ ٹلنے کا نام نہیں لیا سب لوگ مایوس ہو گئے۔

عالم آرا کے ہاں بھی آج خوب چہل پہل تھی بچے عید کی خوشیاں منا رہے تھے مگر چاند نہ ہونے کی وجہ سے سب کی خوشی کرکری ہو گئی جو چیزیں بازار سے آنی باقی رہ گئیں تھیں وہ بھی کوئی نہیں لاتا۔ شیر خرمے کی تیاری ہوئی نہ چھوہارے دودھ میں بھگوئے گئے۔ وہی روز کی طرح آج بھی کھانا کھا کر سب تراویح پڑھنے کھڑے

ہو گئے۔ بچے بھی پڑ پڑ کر سو گئے۔ رات کو دو بجے سید صاحب نے آ کر سب کو جگایا۔ ارے بھئی لڑکیوں! اٹھو چاند ہونے کی اطلاع میرٹھ سے آ گئی۔ صبح عید کی نماز ہو گی۔ گھر میں کھلبلی مچ گئی بچے خوشی سے اچھلنے لگے۔ لڑکیوں نے سید صاحب کو آ کر گھیر لیا۔ کسی نے کہا میرے موزے نہیں آئے کسی نے کہا میری شیروانی میں بٹن نہیں ہیں۔ کسی نے کہا میرے پاس رومال نہیں ہے غرض سب کے پاس کسی نہ کسی چیز کی کمی تھی۔

سید صاحب نے مسکرا کر کہا۔ ''یہ سب چیزیں تو کل ہی آ جانی چاہیے تھیں۔''

روشن آرا کے بڑے بیٹے شاہد نے جواب دیا۔ نانا ابا یہ چیزیں تو چاند رات کو آیا کرتی ہیں،۔

سید صاحب نے کہا۔ ''ہاں بھئی ہم لوگ بھی کسی زمانہ میں ایسی چیزیں رات ہی کو لایا کرتے تھے۔ بازاروں میں جو رونق اور چہل پہل آج کی رات ہوتی ہے۔ وہ پھر ایک سال تک نظر نہیں آتی۔ فرخ نے ذرا ٹھنک کر کہا۔ نانا ابا میرے پاس نہ موزے ہیں نہ رومال ہے۔''

سید صاحب نے شاہد سے کہا۔ ''اکبر مرزا چاند کی خبر لے کر آئے تھے کہتے تھے تمام دکانیں کھل گئے ہیں تم بچوں کو لو کر چلے جاؤ۔ رحیم اللہ کو ساتھ لے لینا۔''

لڑکے جلدی جلدی بازار جانے کو تیار ہونے لگے۔ عالم آرا بیگم نے اسی وقت شیر خرمے کا میوہ اور سویاں نکلوائیں۔ ایک آدمی دودھ والے کے پاس بھیجا۔ شوکت آرا اور حسن آرا تاگا لے کر بیٹھ گئیں۔ کسی کی قمیض میں کاج بٹن نہیں ہوئے تھے۔ کسی کے پاجامے میں نیفہ نہیں لگا تھا۔ کسی کے دوپٹہ پر ٹھپہ ٹکنا باقی تھا۔ بنیادی خانم ایک

خورما، پکوانے کو رکھوایا۔ روشن آرا نے پوچھا۔ ''اماں آپ سیر بھر دودھ میں کتنی سویاں ڈالتی ہیں۔''

عالم آرا بیگم نے جواب۔ ''میں تو ایک چھٹانک ڈالتی ہوں۔ دس سیر دودھ میں ڈھائی پاسویاں ڈلوائی ہیں۔ اگر رات کو اطمینان سے پکواتی تو آدھ سیر سویاں ڈالتی اور آدھ پاؤ باریک پسے ہوئے چاول ڈالتی۔''

شوکت آرا نے تعجب سے کہا۔ ''آپ چاول بھی ڈالتی ہیں۔''

عالم آرا بیگم نے کہا۔ ہاں چاولوں سے شیرخرما لعاب دار اور یک جان ہوتا ہے بغیر چاولوں کے دودھ الگ اور سویاں الگ رہتی ہیں۔

روشن آرا نے پوچھا۔ شکر کس حساب سے پڑتی ہے۔''

عالم آرا نے کہا۔''اوئی بیوی تم لڑکیاں اپنے اپنے گھروں میں کیا کرتی ہو۔ شکر کا کیا ہے یہ تو اپنی اپنی پسند ہے کوئی زیادہ مٹھاس پسند کرتا ہے کوئی کم۔ میں تو اپنے اندازے سے ڈلواتی ہوں۔ سیر میں کوئی آدھ پاؤ۔

شوکت آرا نے ہنس کر کہا۔ ''اور میوہ آپ کیا کیا ڈالتی ہیں۔''

عالم آرا بیگم نے کہا۔ میں تو صرف پستے باداموں کی ہوائیاں ڈالتی ہوں۔''

عالم آرا بیگم نے کہا نہیں بی کھوپرا تو دانتوں کے نیچے کچر کچر کرتا ہے۔ کشمش بھی پھول کر عجب شکل کی ہو جاتی ہے۔ چھوہاروں سے شیرخرمے کی نفاست اور آبداری میں فرق آتا ہے۔ مزا گنارد ہو جاتا ہے۔ چھوہارے تو الگ دودھ میں بھگوئے جاتے ہیں۔ عید کے دن سب سے پہلے اسی سے روزہ کھولتے ہیں۔ میں تو رات ہی کو ثابت چھوہارے دودھ میں بھگوا کر رکھ دیتی تھی آج چاند کی گڑبڑ کی وجہ سے دیر میں بھیگے نرم نہیں ہوں گے۔

روشن آرا نے کہا، خیر شیرخرمے اور سویوں کے آگے چھوہارے کھاتا ہی کون ہے وہ تو سنت سمجھ کر ذرا ذرا چکھ لئے جاتے ہیں۔''

ابھی خاصا اندھیرا ہی تھا کہ بنیادی خانم نہا دھو نئے کپڑے پہن سوسو کرتی عالم آرا بیگم کے سلام کو پہنچیں انہوں نے کہا۔ اے بی تمہیں ایسی کیا توائی پڑی تھی دن تو نکلنے دیا ہوتا۔''

بنیادی خانم نے کہا۔ ''بیگم صاحب سنا ہے عید والے دن صبح کی نماز سے پہلے نہانے کا بڑا ثواب ہے۔''

عالم آرا بیگم بولیں۔ ''شاباش ہے تمہاری محبت کو یہاں تو یہ حال ہے کہ وضو کرنا بھی دوبھر معلوم ہوتا ہے۔''

بنیادی خانم کو نئے کپڑے پہنے دیکھ کر لڑکیاں بھی اپنے اپنے کپڑے نکالنے دوڑیں۔ چھوٹی بچیاں تو اپنے لال سبز جھم جھم کے کپڑوں سے خوش تھیں نہ انہیں جوڑ توڑ کی خبر نہ اصلی نقلی کی تمیز۔ مگر بڑی لڑکیاں اپنے کپڑوں پر ناک بھوں چڑھا رہی تھیں۔ شوکت آرا کی بڑی لڑکی زینت نے اپنے پاجامہ کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ میں تو کبھی بھی یہ آنکھ کے نشہ کا پاجامہ نہیں پہنوں گی۔ بنیادی خانم کی نواسی کا بھی ایسا ہی ہے۔

گلشن بولیں۔ ''خیر تمہارے قمیض پاجامہ کا رنگ تو ایک ہے میرے تو موئے تین رنگ کے کپڑے ہیں آپا کا جوڑا دیکھو کیسا خوبصورت ہے اور پاجامہ کافوری دوپٹہ ویسی ہی قمیض۔''

چمن آرا نے ہنس کر کہا۔ ''تمہارے نئے کپڑے ہیں میں نے امی جان کے جہیز کے کپڑوں کو ٹھیک کیا ہے، تمہیں یہ اودا پاجامہ پسند ہی کب تھا تم نے تو کہہ دیا تھا کہ میں پرانے کپڑے نہیں پہنوں گی۔''

گلشن نے جل کر کہا۔ ''ہاں تو بڑے پانچوں کا پاجامہ پہن کر مجھے اپنا تماشہ تھوڑا ہی بنانا تھا۔''

چمن آرا نے کہا۔ ''یہ وہی تو پاجامہ ہے میں نے اس کو کھڑے پانچوں کا بنالیا۔''

گلشن نے نزہت سے کہا۔ ''ذرا ان کا فیشن دیکھو۔ اوودی صدری بھی بنائی ہے۔''

جمن آرا نے مسکرا کر کہا۔ یہ تو اپنا اپنا سلیقہ ہے پاجامہ میں سے کلیاں بچی تھیں میں نے اس کی صدری سی لی۔'

گلشن نے کہ۔ ''سلیقے کی کیا بات ہے تم بڑی بھی تو ہو تمہیں سینا آتا ہے۔ مجھ سے پرانے دھرانے کپڑے نہیں سیے جاتے یہ تو تمہیں خود خیال کرنا چاہیے تھا۔''

چمن آرا نے کہا۔ ''تم نے تو یہ پاجامہ اٹھا کر پھینک دیا تھا کہ میں ایسے ردی کپڑے نہیں پہنتی۔''

گلشن نے رضائی اوڑھ کر لیٹتے ہوئے کہا۔ ''جاؤ میں کپڑے ہی نہیں بدلوں گی۔''

نزہت بھی پھول کر پڑ گئیں۔ حسن آرا نے چھوٹی بچیوں کے کپڑے بدلوائے۔ چوٹیاں گوندھیں سرمہ لگایا۔ پھر وہ بڑی لڑکیوں کے پاس آئیں۔ حسن آرا نے کہا۔ ''اے ابھی تک تم لڑکیوں کے کپڑے نہیں بدلے چلو اماں بلا رہی ہیں۔ اپنی اپنی عیدیاں لے لو۔ ابا جان بھی تیار ہو کر آ گئے۔ سب کو بلا رہے ہیں۔''

گلشن نزہت نے اپنے اپنے کپڑوں کی شکایت کی۔ حسن آرا نے دونوں کو بہلا پھسلا کپڑے بدلوائے۔ سید صاحب بھی بڑے کمرہ میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔ سب بچے بلائے گئے عالم آرا بیگم نے پانچ پانچ روپے بہو بیٹیوں کو عیدی کے دیے دو دو روپیہ بچوں کو سب نے جھک جھک کر آداب کیا۔ حسن آرا نے دستر خوان بچھا کر چینی کے پیالوں میں شیر خرما سب کے آگے رکھا۔ ایک پلیٹ میں سادی سویاں بڑے دودھ دان میں دودھ۔ شکر دان میں پسی ہوئی چینی۔ ایک بڑے پیالہ میں دودھ چھوہارے بھی رکھے تھے۔ سید صاحب نے سب سے پہلے ایک چھوہارا کھایا، پھر دو

پہلے چار چار چوڑیاں خالصی رنگ کی عالم آرا بیگم کو پہنائیں پھر روشن آرا وغیرہ نے اپنی اپنی پسند کی پہنیں۔ چمن آرا کی نسبت اپنے چچا کے بیٹے سے اسی سال ٹھہری تھی ان کی سسرال سے چوڑی مہندی آئی تھی۔ سب لڑکیوں کو وہی چوڑیاں پہنائی گئیں۔ منہاری کو اس کا نیگ دے دیا عالم آرا بیگم نے کہا۔ اب جا کر نصیرہ اور ان کی بچیوں کو چوڑیاں پہنا دے۔"

روشن آرا نے کہا۔ "اماں آپ نے نصیرہ بیگم کے ہاں سویاں نہیں بھیجیں۔"

عالم آرا نے کہا۔ "الوداع والے دن تمہارے سسرال اور نصیرہ کے ہاں ساتھ ہی بھیجی تھیں میں تو جب تک زندہ ہوں اپنے پرانے دستور نہیں چھوڑوں گی پانچ سیر سویاں سوا سیر چینی دو روپیہ دودھ کے پانچ روپیہ چوڑیوں کے نام کے تمہاری ساس کے پاس بھیج دیتی ہوں۔ تم شہر میں ہو یا نہ ہو۔"

روشن آرا نے ہنس کر کہا۔ "روپیہ تو امہ جان مجھے بھیج دیتی ہیں۔"

ساڑھے دس بجے سب مرد نماز پڑھ کر واپس آئے۔ بچوں کے ہاتھوں میں کھلونے تھے نوکر نے خستہ کچوریاں اور مٹھائی کی ٹوکریاں لا کر دیں۔ دوپہر کو چمن آرا کی سسرال سے کئی خوانوں میں کچوریاں اور پھل وغیرہ آئے۔ نصیرہ بیگم اپنے چچا چچی کے سلام کو آئیں شام کو روشن آرا اپنی ساس کے ہاں گئیں۔ باہر مردانہ میں عید ملنے والوں کا تانتا بندھا رہا عطر پانوں سے سب کو تواضع ہوئی۔ عید کا سارا دن اسی چہل پہل میں گزرا۔"

پانچواں باب

زمانہ تیز رفتاری سے گزرتا چلا گیا۔ پانچ سال کا عرصہ آنکھ بند کرتے ختم ہو گیا۔ اب ایک نیا دور شروع ہوا۔ افشاں کی عمر چودہ سال کی ہو گئی۔ گویا اب اس کی نظر بندی کا وقت آ گیا۔ دادی، پھوپھی، مغلانی، مامائیں، گھر کی جتنی عورتیں تھیں سب کی نگاہیں اس کو اپنی حراست میں لیے رہتی تھیں۔ وہی فرخ جو بچپن سے سایہ کی طرح اس کے ساتھ رہتا تھا۔ جو گھنٹوں باغ میں اس کو لیے گھوما پھرتا تھا۔ جس کے ساتھ ہر وقت چھیڑ چھاڑ اور مار کٹائی رہتی تھی اب اگر کسی وقت پاس آ کر بیٹھ جاتا تو دادی آنکھوں ہی آنکھوں میں ایسا گھورتیں کہ اسکا خون خشک ہو جاتا وہ چپکی وہاں سے اٹھ کر چلی جاتی۔ ہر وقت نصیحت ہوتی تھی۔

ہمارے ہاں کا یہ دستور نہیں کہ جوان لڑکیاں لڑکوں میں گھس گھس کر بیٹھیں۔''

''ہمیں یہ آزادی پسند نہیں کہ لڑکوں سے ہنسی مذاق کی باتیں ہوں۔''

اگر ایک منٹ کے لیے آنکھ سے اوجھل ہو جاتی تو بیسیوں سوال شروع ہو جاتے''

کہاں تھیں؟ اکیلے کمرہ میں کیوں بیٹھی تھیں؟ کس سے باتیں کر رہی تھیں؟''

غرض بات بات پر زبان پکڑی جاتی تھی اور قدم قدم پر ٹوکا جاتا تھا۔''ن اے بیٹی تم راستہ چلتی ہو معلوم ہوتا ہے زلزلہ آ گیا۔''

منیہاریوں کی طرح زمین پر جوتی گھسیٹ کر نہ چلا کرو شریفوں کی بیٹیوں کی یہ چال نہیں ہوتی۔''

سر ڈھانک کر دو پٹہ اوڑھا کرو عورت کا سر کھلا دیکھ کر فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔''

بن بیاہی لڑکیاں بڑوں کی بات میں دخل نہیں دیتیں۔''

''خبردار جو ادھر کی بات ادھر لگائی مثل مشہور ہے۔ چوٹی آئی چیز چھپاؤ لتری آئی بات چھپاؤ۔ ایسی لڑکیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ سب ان سے نفرت کرنے لگتے ہیں وغیرہ وغیرہ......

عالم آرا بیگم پرانے خیال کی بیوی تھیں وہ افشاں کو اسکول میں پڑھوانے کے بہت خلاف تھیں مگر سید صاحب اور حسن آرا کے مجبور کرنے سے خاموش ہو گئیں مگر کبھی اس کو تنہا نہیں جانے دیا۔ ہمیشہ بنیادی خانم ساتھ جاتی تھیں۔

اول تو افشاں بڑی ہو کر خود ہی بہت کم سخن اور سنجیدہ ہو گئی تھی۔ دوسرے اس کی پرورش ایسے گھر میں ہوئی جہاں سوائے ایک بڑھیا دادی اور دل شکستہ پھوپھی کے اور کوئی نہ تھا۔ حسن آرا کی عمر کچھ زیادہ نہیں تھی مگر وہ اپنے شوہر کی لاپرواہی اور بے رخی سے ایسی مردہ دل ہو گئی تھیں کہ ان کو دنیا کی کسی تفریح سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی سارا وقت اپنی ماں کے گھر کے انتظام اور عبادت الٰہی میں گزرتا تھا۔ وہ اپنے رشتہ کنبہ میں بھی بہت کم جاتی تھیں۔

افشاں کے چچا اور بڑی پھوپھی کی لڑکیاں کالجوں میں پڑھتی تھیں۔ ان کے اوپر بے جا پابندیاں اور سختیاں نہیں تھیں وہ خاصی آزاد بھی تھیں اور اپنے آپ کو نئے زمانہ کے سانچہ میں ڈھالنے کو کوشش کر رہی تھیں وہ پردہ ضرور کرتی تھیں لیکن ان کو اپنی سہیلیوں ہمجولیوں سے ملنے کی اجازت تھی وہ برقع اوڑھ کر کھیل تماشوں اور سینما دیکھنے بھی جاتی تھیں برخلاف اس کے افشاں اپنی چھوٹی پھوپھی اور دادی کے نقش قدم پر چلتی تھی۔ اس نے اپنی عمر میں شاید ایک یا دو فلم دیکھے تھے۔ وہ بھی جب کبھی اس کے چچا اور پھوپھی کی لڑکیاں دلی آتی تھیں تو اس کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لے جاتی تھیں۔ اس نے خود کبھی کسی کھیل تماشے میں جانے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔

اس کے چچا اور بڑی پھوپھی کبھی مہینہ پندرہ دن کو اپنے ہاں بلانا چاہتے تو وہ بغیر دادی پھوپھی کے نہیں جاتی تھی یہاں تک کہ وہ اپنے باپ کے ہاں بھی آٹھ دس روز سے زیادہ کبھی نہیں رہی علاوہ اس کے محسن ممتاز نے خود ہی کبھی اس کو اپنے پاس رکھنے کا خیال ظاہر نہیں کیا۔ سال دو سال میں ان کی بیوی زرتاج بیگم مہمانوں کی طرح اس کو بلاتی تھی مگر عالم آرا بیگم نے کبھی تنہا نہیں بھیجا خود لے کر جاتی تھیں اور

اپنے ہی ساتھ واپس لاتی تھیں ان کو محسن کے ہاں کی آزادی بے پردگی بہت ناپسند تھی۔ وہ ایک ہفتہ سے زیادہ کبھی ان کے ہاں نہیں رہیں۔ افشاں اپنی بہنوں سے بہت محبت کرتی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ کچھ دن اپنے باپ کے ہاں رہے۔ لیکن اپنی دادی کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتی تھی وہ ان کی نگاہ پہچانتی تھی اس کی طبیعت میں شرم اور مزاج میں خودداری بہت تھی۔ جس بات کو اس کی دادی ایک مرتبہ منع کر دیتی تھیں وہ کبھی بھول کر وہ کام نہیں کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اب فرخ سے دور دور رہتی تھی۔

فرخ کی عمر بھی اب سترہ برس کی تھی۔ اس نے بھی اسی گھر میں پرورش اور تربیت حاصل کی تھی وہ بھی حسن آرا جیسی پژمردہ ماں کے پاس رہتا تھا۔ اسکو بھی نانی ہر موقع پر ٹوکتی تھیں لیکن دونوں کی طبیعت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ افشاں حد سے زیادہ شرمیلی اور ڈرپوک فرخ انتہائی بے جھجک اور نڈر وہ جتنی کم سخن اور سنجیدہ تھی اتنا ہی یہ باتونی اور شریر تھا وہ جتنی حساس اور غیرت دار تھی یہ اتنا ہی لاپرواہ اور چکنا گھڑا تھا۔ ان تمام باتوں کے علاوہ یہ لڑکا تھا اور وہ لڑکی ہر کھیل تماشہ میں سب سے آگے ہوتا تھا۔ بڑے سے بڑے خطرہ میں بے دھڑک گھس جاتا تھا وہ کئی بار کرکٹ کی ٹیم میں لاہور، بمبئی۔ بڑودہ، وغیرہ جا چکا تھا۔ اس کی اٹھان اور صحت ایسی اچھی تھی کہ دیکھنے والے بیس بائیس برس سمجھتے تھے یہ سب کچھ تھا لیکن مزاج میں ابھی تک بچپن باقی تھا۔ افشاں کو چھیڑنے اور ستانے سے اب بھی باز نہیں آتا تھا۔ چلتے چلتے کبھی اس کے سر پر سے دوپٹہ گھسیٹ لیتا۔ کبھی کتاب چھین کر پھینک دیتا کبھی چوہیا اور چھپکلی پکڑ کر اس کے اوپر ڈال دیتا غرض اسی قسم کی بہت سی شرارتیں کرتا رہتا تھا۔ عالم آرا بیگم اس کی ان باتوں پر خفا ہوتی تھیں مگر وہ قصداً انہیں کے سامنے ایسی حرکتیں کرتا تھا۔

ایک دن افشاں اپنی دادی پھوپھی کے ساتھ کہیں مہمان گئی تھیں شام کو واپس آ کر

اس نے اپنے کپڑوں کا بکس کھولا تو اس میں ایک آدھ بندریا کا بچہ بیٹھا تھا اس کے منہ سے بیساختہ چیخ نکل گئی وہ ننگے سر بھاگی سارے گھر میں شور مچ گیا۔ عالم آرا بیگم نے رات کو سید صاحب سے فرخ کی شکایت کی انہوں نے جوابدیا ''بچہ ہے تم خواہمخواہ اسکے پیچھے پڑی رہتی ہو۔''

عالم آرا بیگم۔خدا رکھے سترہ برس کی عمر ہوگی تمہارے نزدیک ابھی بچہ ہے۔

سید صاحب۔عمر سے کیا ہوتا ہے میں تو اسکو بچہ ہی سمجھتا ہو۔

عالم آرا بیگم۔تم نے اس کی آج کی حرکت نہیں سنی کہیں سے ایک بندریا کا بچہ پکڑ کرا فشاں کے بکس میں بند کر دیا۔

سید صاحب۔پھر تمہارا کیا نقصان ہوا وہ تو بچپن سے ایسی ہی شرارتیں کرتا ہے۔مذاق کیا ہوگا۔

عالم آرا بیگم۔مجھے یہ باتیں پسند نہیں جوان لڑکوں کو لڑکیوں سے ہنسی مذاق کی ضرورت نہیں تم فرخ کو سمجھا دینا میرا کہنا وہ نہیں سنتا۔''

سید صاحب۔میں تمہاری طرح جہالت کی باتیں نہیں کرتا ابھی سے بچوں کے دماغ میں یہ احساس پیدا کرنا کہ تم جوان ہوگئے یہ کام کرو یہ نہ کر۔مہربانی کر کے تم جرخ سے اس قسم کی لغو اور بیہودہ بات نہ کرنا۔

عالم آرا بیگم۔میں کہتی ہوں تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے میں کون سی بیہودہ اور لغو بات فرخ سے کرتی ہوں۔

سید صاحب یہی کہ تم بڑے اور جوان ہو گئے یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔دیکھو انگریزوں کے لڑکے لڑکیاں۔اٹھارہ اٹھارہ بیس بیس برس کے بچے کہلاتے ہیں۔''

عالم آرا بیگم۔ان کے ہاں کہلاتے ہوں گے ہمارے ہاں تو اس عمر میں دو دو بچوں کے ماں باپ بن جاتے ہیں۔

سید صاحب۔ان کو بنایا جاتا ہے اس وجہ سے بن جاتے ہیں میں تو یہ کہتا ہوں کہ

چھوٹی عمر کے بچوں کو بری صحبت میں بیٹھانا مضر ہے ویسا ہی یہ طریقہ خراب ہے کہ ہر وقت ان کو جوان کہہ کر ان کی خواہشات کو ابھارا جائے اور اس میں ہیجان پیدا کیا جائے۔

عالم آرا بیگم۔بس تمہاری منطق کے آگے کون بول سکتا ہے۔اب بڑھاپے میں نئی باتیں سیکھی ہیں اپنے بچوں پر تو ہر قسم کی سختیاں اور پابندیاں تھیں نواسے کے لیے ایسے آزاد خیالی خیال بن گئے۔

سید صاحب: ہاں اب تجربہ ہو گیا ہے اپنی سختی اور روک ٹوک کا خمیازہ بھگت لیا محسن اور رضا علی نے سبق پڑھا دیا۔فرخ تو اپنے باپ سے زیادہ تیز طبع اور اگر اس کے ساتھ بھی وہی طریقہ اختیار کیا گیا تو سوائے کفِ افسوس کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

عالم آرا بیگم: کیا فرخ کو اسی طرح آزاد چھوڑے رکھو گے۔

سید صاحب: کونسی آزادی تم نے اس کی دیکھی ہے۔پڑھتا نہیں۔لکھتا ہے

عالم آرا بیگم: پڑھنے لکھنے سے کیا ہوتا ہے جہاں اس کا دل چاہتا ہے جاتا ہے نہ کسی کھیل تماشہ میں جانیں سے روکو۔نہ سینما دیکھنے کو منع کرو۔

سید صاحب: کھیل تماشوں میں لڑکے جاتے ہی ہیں۔سینما میں کبھی اس کو اکیلا نہیں جانے دیا۔اکبر مرزا کے ساتھ جاتا ہے۔

عالم آرا بیگم: اوئی۔اکبر مرزا سینما دیکھتے ہیں اب بڑھاپے میں عقل ماری گئی ہے۔

سید صاحب: دنیا کی ہر نئی ایجاد سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

عالم آرا بیگم: بس حد ہو گئی۔"ناؤس نے ڈیوئی۔" خواجہ خضر نے "معلوم ہوتا ہے تم بھی دیکھتے ہو۔

سید صاحب: آخر ان فضول باتوں سے تمہارا مطلب کیا ہے۔

عالم آرا بیگم: دیکھو تمہاری انہی باتوں کی وجہ سے میں اس کو علیگڑھ بھیج رہا تھا مگر

اس کی بھی تم نے ہی مخالفت کی۔

عالم آرا بیگم: مخالفت کیسے نہ کرتی۔ رضا علی اور محسن علیگڑھ ہی میں پڑھ کر غارت ہوئے نہ وہاں جاتے نہ خلافت کے جھگڑے میں پڑتے۔

سید صاحب: خیر ایک سال کی بات اور ہے ذرا ایف اے پاس کر لے تو جس طرف اس کا رجحان ہے اسی لائن میں اس کو لگا دوں گا۔

عالم آرا بیگم: اس کا رجحان تو فوج کی طرف ہے۔ کیا تم لڑکے کو فوج میں بھرتی کرا دو گے۔

سید صاحب: بھرتی کیسی! میں اس کو فوجی اسکول میں ڈیرہ بھیج دونگا باقاعدہ تعلیم پائے گا اس کے بعد سیکنڈ لیفٹیننٹ ہو جائے گا۔

عالم آرا بیگم: بھاڑ میں جائے سیکنڈ لیفٹنٹی کہیں تم ایسا غضب کرنا۔ اس کا ایک ہی بچہ ہے حسن آرا تو رو رو کر برا حال کر لے گی۔ دیکھنے والے کہیں گے نانا کے اوپر دو بھر تھا فوج میں بھیج دیا۔

سید صاحب۔ تم بیوقوفی کی باتیں نہ کرو۔ بڑے بڑے رئیسوں اور امیروں کے لڑکے فوج کے لیئے ناک رگڑتے ہیں۔ اس سے زیادہ عزت اور ناموری کی نوکری اور کوئی نہیں ہوتی۔

عالم آرا بیگم: ایسی ناموری کو کیا لے کر چاٹنا ہے۔ ہر وقت جان ہتھیلی پر رہتی ہے چوبیس گھنٹے کمر کسی ہوئی نہ کھانے کا وقت نہ سونے کی فرصت۔ نا بابا سلام ہے ایسی نوکری کو میں ہرگز ہرگز بچے کو فوج میں نہیں جانے دوں گی۔

سید صاحب: تم کیا نہیں جانے دو گی وہ خود چلا جائے گا۔

عالم آرا بیگم: یہی تو جھینکتی ہوں آخر تم نے اس کو ایسا خود مختار اور آزاد کیوں رکھا ہے۔

سید صاحب: میں کیا کروں اس کی طبیعت کی افتاد ہی ایسی ہے۔

عالم آرا بیگم: افتاد کیا ہوتی ہے تم نے خود شروع سے ڈھیلی ڈور چھوڑ رکھی ہے دیکھو اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔ کچی لکڑی ہے جس طرف موڑو گے مڑ جائے گی۔ اگر تمہارا کہنا نہیں مانتا تو لڑکوں سے کہو وہ سمجھائیں۔

سید صاحب: لڑکے کون؟ محسن کو جانتی ہو وہ فرخ کے نام سے گھبراتے ہیں۔ احسن کی وہی رائے ہے جو میری۔

عالم آرا بیگم: لو یہ اور سنو مجھے خبر تک نہیں یہاں چپکے چپکے صلاح مشورے بھی ہو گئے میں تو خیر تمہارے نزدیک کسی گنتی ہی میں نہیں ہوں مگر حسن آرا سے تو اجازت لی ہوتی۔ وہ سنیں گی تو کیا کہے گی۔ اگر فرخ کا باپ یہاں ہوتا تو کیا اپنے اکلوتے بچے کو فوج میں بھیج دیتا۔

سید صاحب: اگر اس کا باپ یہاں ہوتا تو میں بھی تمہارا ہی ہم خیال ہوتا۔ لیکن اب مصلحت یہی ہے فرخ کو فوجی خدمات حاصل کرنی چاہییں تاکہ اس کے باپ سے جو غلطی ہو گئی تھی اس کی تلافی ہو جائے اور وہ اپنے وطن واپس آ سکے۔

عالم آرا بیگم: بس معاف کرو جوان بچے کی بھینٹ دیکر ہمیں انکو یہاں بلانے کی ضرورت نہیں۔

سید صاحب: دیکھو تم اس قسم کے کلمات زبان سے نہ نکالو۔ یہ زمانہ لڑائی کا نہیں ہے۔ آج کل تو فوجی ملازمت میں بڑے ٹھاٹھ ہیں۔

عالم آرا بیگم: لڑائی چھڑتے کیا دیر لگتی ہے۔ سنتی ہوں چین جاپان میں ٹھنی ہوئی ہے۔

سید صاحب: خیر دیکھا جائے گا۔ مردوں کو خدا نے اسی واسطے پیدا کیا ہے۔ لیکن ایک بات میں کہے دیتا ہوں۔ حسن آرا سے الٹی سیدھی نہ کہہ دینا ابھی کیا ٹھیک ہے پہلے ایف اے تو پاس کر لے۔

عالم آرا بیگم: (ٹھنڈا سانس لیکر) میری زبان سے حسن آرا کے آگے یہ باتیں

کیسے نکلیں گی البتہ آج میری برسوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔

سید صاحب: کون سی امیدیں خاک میں مل گئیں۔

عالم آرا بیگم: یہ تو تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ افشاں کی شادی خاندان میں اور کسی لڑکے سے نہیں ہو سکتی۔ کوئی نہیں جانتا اس کی ماں کون تھی شہر یار سے میں کروں گی نہیں چاہے محسن اور ان کی بیوی کتنا بھی کہیں۔ میں تو اپنے دل میں ٹھانے ہوئے تھی کہ فرخ ہی سے کروں گی۔

سید صاحب: ہاں ہاں۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ انشاءاللہ فرخ ہی سے ہو گی۔

عالم آرا بیگم: کیا خاک ہو گی۔ اس وقت میرا جی کھٹا ہو گیا۔ میں تو چاہتی تھی جلدی سے اس کی شادی کر دوں۔

سید صاحب: یعنی تعلیم کے زمانہ میں جس طرح حسن آرا کی تھی۔

عالم آرا بیگم: تم ہمیشہ حسن آرا کا طعنہ دیا کرو۔ کیا اس نے رضا علی کو سکھایا تھا کہ تم خلافت کے کاموں میں حصہ لو یا گورنمنٹ کے خلاف مضمون لکھو۔

سید صاحب: خیر اس قصہ کو چھوڑا۔ میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ شہر یار کی عمر کیا ہے میں نے اس لڑکے کو آج تک نہیں دیکھا۔

عالم آرا بیگم: میں نے خود اس کو ایک دفعہ دیکھا ہے وہ ماں کے پاس رہتا ہی کب ہے میرے فرخ سے کوئی سال بھر بڑا ہے۔ وہ بھی اپنے نانا ہی کے پاس رہتا ہے صورت شکل کا بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔ سنا ہے اس کے باپ حیدر آباد دکن کے جاگیر داروں میں سے تھے۔

سید صاحب: کیا لڑکے کی ددھیال میں کوئی نہیں ہے۔

عالم آرا بیگم: ہیں کیوں نہیں، چچا پھوپھیاں سب ہیں۔

سید صاحب: ان لوگوں نے لڑکے کو نہیں رکھا؟

عالم آرا بیگم: جب اس کے باپ کا انتقال ہوا ہے تو دو برس کا تھا، اپنی ماں کے

پاس رہا اس کے علاوہ آغا صاحب نے ان لوگوں سے مقدمہ بازی کر کے شروع ہی میں قطع تعلق کر لیا تھا۔ سنتی ہوں۔ پچاس ہزار بیٹی کے لئے لیے تھے۔

سید صاحب: اور لڑکے کو باپ کی جاگیر میں سے کچھ نہیں ملا۔

عالم آرا بیگم: ان سب باتوں کی مجھے خبر نہیں تم جانتے ہو محسن تو ایسے گم صم ہو گئے ہیں کہ کسی بات کو جواب ہی نہیں دیتے۔ جب کبھی میں نے پوچھا وہ ٹال گئے یہاں تک کہ افشاں کی ماں کی کبھی بھی مفصل حال نہیں بتایا۔ بہنوں نے گھنٹوں خوشامدیں کیں۔ میں نے بہتر کرید کرید کر پوچھا مگر ہمیشہ یہی جواب دیا کہ گزرے ہوئے واقعات دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں میں نے بھی زیادہ زور نہیں دیا کیونکہ اس ذکر سے اس کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اب تک بیوی کا غم ہے۔

سید صاحب: اگر بیوی کا غم ہوتا تو لڑکی سے نفرت کیوں کرتے؟

عالم آرا بیگم: نفرت تو نہیں کرتا بیشک اس کو دیکھ کر رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ اس کی ماں کا خیال آ جاتا ہوگا۔

سید صاحب ایسا ہی اس کی ماں کا خیال ہوتا تو تین مہینے کے اندر دوسری شادی کیوں کر لیتے۔

عالم آرا بیگم: اے میں کہتی ہوں تم باپ ہو کر ایسی طنز کی باتیں کرتے ہو گویا وہ تمہارے برابر ہے۔

سید صاحب: جو صحیح بات ہے وہ کہہ رہا ہوں۔

عالم آرا بیگم: کیا خاک صحیح کہہ رہے ہو چودہ برس گزر گئے مگر تم نے کبھی شفقت اور محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھر کر پوری حقیقت نہیں پوچھی نہ اور کسی ذریعہ سے وہاں کا حال دریافت کرایا۔

سید صاحب: لڑکے سے پوچھنا تو تمہارا کام تھا رہا دوسرا ذریعہ تو سوائے رضا علی کے اور وہاں میرا کون جاننے والا بیٹھا ہے۔ تم کو معلوم ہی ہے کہ پچاس مرتبہ میں

نے رضا کو لکھا مگر وہ ہمیشہ محسن کے ذکر کو ٹال گئے۔

عالم آرا بیگم: میں تو جانتی ہوں رضا علی ہی سے کچھ لڑ جھگڑ کر آئے ہیں۔

سید صاحب: اس میں شک ہی کیا ہے چودہ برس کے عرصہ میں میں نے تو کبھی محسن کی زبان سے رضا علی کا نام سنا نہیں اور ان کی تحریر سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں میں سخت کشیدگی ہے۔

عالم آرا بیگم: (ٹھنڈا سانس لیکر) یہ حسن آرا کب تک صبر کیئے بیٹھی رہے گی۔ رضا علی کسی کا خون کر کے تو نہیں بھاگا۔ دو چار لفظ گورنمنٹ کے خلاف ہی تو لکھ دیئے تھے وہ ایسا کون سا بڑا مجرم تھا آج کل تو کھلے بندوں ''گورنمنٹ مردہ باد'' انگریز نکل جائیں۔'' خبر نہیں کیا کیا کہتے پھرتے ہیں۔ ان کو کوئی نہیں جلاوطن کرتا۔

سید صاحب: وہ خود اپنی بیوقوفی سے جلاوطن ہو گئے۔ میں نے تو ہر چند کوشش کی کہ نہ جائیں۔ معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔ لیکن ان دونوں کے سر پر تو اس وقت بھوت سوار تھا۔ وہ چاہتے تھے سب ان کے ہم خیال ہو جائیں۔ بھائی بھی نوکری چھوڑ دے بہنوئی بھی استعفیٰ دے دیں میں بھی گلے میں جھولی ڈال کر فقیری لے لوں

عالم آرا بیگم: خیر وہ تو نادانی اور لڑکپن کی باتیں تھیں۔ اب تم ان کو یہاں بلانے پر کیوں نہیں زور دیتے۔

سید صاحب: ہزار مرتبہ لکھ چکا ہوں وہ نہیں آتے تو کیا کروں۔

عالم آرا بیگم: میرے خیال میں تو انہوں نے بھی وہاں شادی کر لی ہے گھر بار چھوڑ کر کیسے آئیں۔

سید صاحب نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔'' شادی تو اس نے نہیں کی۔ مجھے اچھی طرح معلوم'' عالم آرا بیگم نے اپنے کمرے میں جاتے ہوئے کہا'' اب بھتیجے کی طرف سے ہی بولتے ہیں شادی تو اس نے نہیں کی۔ ہمیں کیا مطلب کریں یا نہ کریں

لڑکی کی زندگی تو برباد کردی کوئی دوسری ہوتی تو باوا کو ناک چنے چبوا دیتی وہ تو ایسی ہی صابر اور غم خور ہے کہ منہ سے اف تک نہیں کرتی، اب اس کے بچہ کو فوج میں بھیجیں گے۔"

عالم آرا بیگم آپ ہی آپ بولتی ہوئی چلی گئیں۔ سید صاحب نے ان کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔

چھٹا باب

پرانے خیالات کے شرفاء میں اب تک یہ دستور آتا ہے کہ اگر خاندان میں لڑکے لڑکیاں موجود ہوں تو شادی بیاہ آپس میں کرتے ہیں۔ پہلے زمانہ میں بچہ پیدا ہوتے ہی اس کی نسبت ٹھہرادی جاتی تھی۔ بلکہ ان کا وجود بھی نہیں ہوتا تھا اور بڑی بوڑھیاں اپنی رائے قائم کر دیتی تھیں، مگر زمانہ کی رفتار کو دیکھتے ہوئے اب لڑکے لڑکی کا عندیہ لے کر شادی کی جاتی ہے۔

یہاں اس مسئلہ پر تو کوئی بحث ہی نہیں کہ آئندہ نسلوں کے واسطے یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط لیکن ایسے خاندانوں میں جہاں ابھی تک پردہ کا رواج باقی ہے یہ دستور ایک حد تک اچھا ہے کیونکہ لڑکے لڑکیاں بچپن سے ایک ساتھ رہے ہوئے دیکھے بھالے ہوتے ہیں۔ نہ ان کی شکل وصورت ایک دوسرے سے چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ نہ عادات واطوار پوشیدہ۔ اگر ان کے بزرگ ذرا عقلمندی اور دوراندیشی سے کام لیں تو ایسی شادیاں زیادہ تر کامیاب رہتی ہیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ لڑکا کانوں پر ہاتھ رکھ رہا ہے اور لڑکی اندر ہی اندر گھلی جارہی ہے مگر ماں باپ اپنی خوشی اور خاندان کے لحاظ سے جبر وسختی سے کام لیتے ہیں کنبے رشتے والے قطع تعلق کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ دوست احباب مجبور کرتے ہیں غرض چاروں طرف سے دباؤ ڈالا جاتا ہے اور زبردستی شادی کی جاتی ہے۔ ایسے رشتے ناکام نہ ہوں تو تعجب ہے۔ سید صاحب کے خاندان میں بھی یہی دستور تھا انہوں نے اپنے بچوں کی شادیاں بھی کنبے ہی میں کیں اور اب پوتا پوتی، نواسا، نواسی کا وقت آیا تو یہ اصول مدنظر رکھا۔

سید صاحب کی بڑی لڑکی روشن آرا کے چار بچے تھے۔ بڑا لڑکا شاہد حسن اس سے چھوٹی دو لڑکیاں چمن آرا، گلشن آرا، سب سے چھوٹا لڑکا حامد حسن تھا۔ چمن آرا کی شادی اپنے چچا کے بیٹے سے ہو گئی تھی۔ شاہد حسن کی ملازمت کا انتظار تھا۔ اس سال وہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہو گئے تھے۔ روشن آرا اپنے بڑے بھائی احسن ممتاز کی لڑکی سے

شاہد کی شادی کرنا چاہتی تھی احسن ممتاز کے تین بچے تھے۔ بڑا لڑکا محمود ممتاز اس سے چھوٹی دو لڑکیاں نزہت آرا اور فرحت آرا۔ ابھی باقاعدہ کسی کی نسبت طے نہیں ہوئی تھی۔ اس وجہ سے کوئی لڑکی کسی لڑکے سے پردہ نہیں کرتی تھی۔ آج کل بڑے دن کی تعطیل میں سب دلی آئے ہوئے ہیں۔ اس موقع پر روشن آرا شاہد کی نسبت اپنی بھتیجی نزہت آرا سے ٹھیرانی چاہتی ہیں۔ انہوں نے پہلے اپنی والدہ عالم آرا بیگم سے ذکر کیا۔ عالم آرا بیگم نے جواب دیا ''بیٹی پہلے اپنے لڑکے کی مرضی معلوم کر لو۔ اس کے بعد کچھ منہ سے نکالنا۔ آج کل کا زمانہ ایسا نہیں ہے۔''

روشن آرا: اماں میں نے اس سے پوچھ کر آپ سے ذکر کیا ہے۔ میرے لئے جیسی گلشن ویسی نزہت۔ شاہد راضی ہے۔ آپ حسن آرا سے پوچھ لیجئے۔ میں نے انہیں کے سامنے اس سے کہا تھا۔''

حسن آرا: اماں آپ شاہد کی طرف سے اطمینان رکھیئے وہ بہت خوش ہیں۔

عالم آرا بیگم: اچھی بات ہے میں احسن ممتاز اور شوکت آرا سے کہوں گی۔

روشن آرا: پہلے ابا جان سے کہہ دیجئے۔

عالم آرا بیگم: وہ تو خود ہی چاہتے ہیں کہ لڑکیاں خاندان سے باہر نہ جائیں کل ہی مجھ سے کہہ رہے تھے کہ اگر احسن اور روشن آرا کو یہ کام کرنا ہے تو دیر لگانے سے کیا فائدہ!

روشن آرا: آپ کو معلوم ہی ہے میرا تو شروع سے یہی خیال ہے صرف شاہد کی ملازمت کا انتظار تھا خدا کا شکر ہے وہ اپنا گھر سنبھالنے کے قابل ہو گئے۔

عالم آرا بیگم: آج میں کسی وقت احسن اور شوکت آرا سے ذکر کروں گی۔

روشن آرا: آپ ضرور پوچھ لیجیے اگر وہ راضی ہوں تو میں نزہت کو انگوٹھی پہنا دوں

رات کو عالم آرا بیگم نے تنہائی میں اپنے بیٹے اور بہو سے ذکر کیا۔

احسن ممتاز نے جواب دیا ''آپ کو اختیار ہے نزہت کے حق میں آپ اور ابا جان جو

مناسب سمجھیں کریں مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔

عالم آرا بیگم: خیر بیٹا یہ تمہاری سعادتمندی ہے مگر بیٹی کا معاملہ ہے تم اور شوکت آرا اپنی ٹھیک ٹھیک رائے بتا دو۔ روشن آرا کی خواہش ہے کل لڑکی کو انگوٹھی پہنائیں۔

احسن ممتاز: انگوٹھی کی کیا ضرورت ہے گھر کا معاملہ ہے آپ بھائی حابد اور آپا سے کہہ دیجیے ہم لوگوں کو منظور ہے۔

عالم آرا بیگم نے اپنی بہو سے کہا۔ ''شوکت آرا تم کیوں چپکی بیٹھی ہو تم بھی اپنی رائے بتاؤ''

شوکت آرا: پھوپھی اماں بات یہ ہے میں چاہتی ہوں لڑکی کی بھی مرضی معلوم ہونی چاہیے:

عالم آرا بیگم: ہاں ہاں! ضرور خدا اور رسول کا بھی یہی حکم ہے تم اپنے اپ لڑکی سے پوچھو۔

شوکت آرا: دوسری بات اور ہے جس کی وجہ سے میں شش و پنج میں پڑی ہوئی ہوں۔ آپ کو معلوم ہی ہے میرا خیال بھی گلشن کے واسطے تھا اور کئی مرتبہ باجی جان سے بھی ہنسی ہنسی میں کہہ چکی ہوں کہ گلشن میری ہے اب مشکل یہ آ پڑی ہے کہ محمود راضی نہیں میں اسی فکر میں ہوں کہ باجی جان کو معلوم ہوگا تو وہ کیا خیال کریں گی۔ ممکن ہے وہ بھی اپنا ارادہ بدل دیں۔ پہلے آپ اس معاملہ کو صاف کر دیجیے میں اس سے بہت شرمندہ ہوں۔

عالم آرا بیگم نے کچھ سکوت کے بعد پوچھا ''محمود کیا کہتا ہے۔''

احسن ممتاز: آج کل کے لڑکوں کے خیالات خراب ہو گئے ہیں اپنے ماں باپ اور بزرگوں کی کوئی حقیقت ان کی نگاہ میں نہیں رہی۔ یہی حال محمود کا ہے۔

عالم آرا بیگم: وہ کہاں چاہتا ہے؟

احسن ممتاز: مجھے تو کچھ خبر نہیں یہ بیٹھی ہیں۔ انہیں کو معلوم ہوگا۔

شوکت آرا: پھوپھی اماں وہ کہیں بھی نہیں چاہتا۔ شادی ہی کرنے سے انکار کرتا ہے۔

عالم آرا بیگم: اے بی ابھی اس کی بساط ہی کیا ہے یہ سب لڑکپن کی باتیں ہیں تم نے اس کے کہنے کا یقین کیوں کر لیا۔

شوکت آرا: نہیں پھوپھی اماں ایسا بچہ تھوڑی ہے۔ اس سال ایم اے کر لے گا۔ وہ کانوں پر ہاتھ رکھتا ہے۔

عالم آرا بیگم: میں دیکھتی ہوں تم خود ڈانواں ڈول ہو رہی ہو گلشن جیسی لڑکی چراغ لے کر ڈھونڈو گی تو نہیں ملے گی۔ صورت، شکل ہنر، سلیقہ تعلیم کس بات میں وہ کم ہے۔

شوکت آرا: پھوپھی اماں خدا کی قسم یہ بات نہیں ہے۔ میری تو دلی تمنا ہے۔

عالم آرا بیگم: اپنے لڑکے کو سمجھاتیں کیوں نہیں۔

شوکت آرا: میرا تو دماغ چٹ ہو گیا ہے اس کی سمجھ ہی میں نہیں آتا۔

عالم آرا بیگم نے احسن ممتاز سے کہا۔ ''بیٹا تم کیوں نہیں کہتے۔''

احسن ممتاز: اماں میں اس معاملہ میں اس سے گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔

عالم آرا بیگم: بیٹا! تمہاری تو وہی باوا کی سی عادتیں ہیں پوری ذمہ داری ماں کے اوپر ڈال دی جاتی ہے۔ عابد حسن کو دیکھو اپنے لڑکوں سے کیسی دوستانہ باتیں کرتے ہیں۔ مجھے ان کا طریق بہت پسند ہے تم تو وہی پرانی لکیر کے فقیر بنے رہے کہ کھلائے سونے کا نوالہ اور دیکھے شیر کی نظر، بچے باپ کو ہوا سمجھنے لگتے ہیں۔

احسن ممتاز: (مسکرا کر) آپ خود کیوں نہیں سمجھاتیں۔

عالم آرا بیگم نے شوکت آرا سے کہا۔ ''ذرا بلاؤ تو محمود کو میں بھی تو سنوں اس کا کیا خیال ہے؟

احسن ممتاز نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا ''اچھا آپ بات کیجیے میں جاتا ہوں۔''

شوکت آرا اپنے لڑکے کو بلا کر لائیں۔ علام آرا بیگم نے پوتے کو اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا "بیٹا سال چھ مہینے میں تو کبھی تم دلی آتے ہو اس پر بھی یہ حال ہے کہ دس منٹ میرے پاس آ کر نہیں بیٹھتے۔

محمود: دادی اماں ابھی کھانے پر ہی تیس منٹ آپ کے پاس بیٹھ کر گیا ہوں۔"

عالم آرا بیگم: کھانے سے کیا ہوتا ہے ویسے بھی تو کبھی آیا کرو۔

محمود: میں تو برابر گھر میں آتا جاتا رہتا ہوں۔

عالم آرا بیگم: میرے پاس تو آ کر نہیں بیٹھتے

محمود: (ہنس کر) اچھی بات ہے اب خاص طور پر آپ کے پاس آ کر بیٹھا کرونگا

عالم آرا بیگم: تمہارا امتحان کب ہے۔

محمود: وہی اپریل، مئی میں۔

عالم آرا بیگم نے محمود کے سر پر ہاتھ پھرتے ہوئے اپنی بہو سے کہا "شوکت آرا امتحان کے بعد محمود کی نسبت ٹھیرا دو۔"

محمود: (مسکرا کر) دادی اماں میں تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ اس وقت آپ کا دست شفقت مصنوعی ہے۔

عالم آرا بیگم نے مسکرتے ہوئے شوکت آرا سے کہا۔

"تم نے میری بات کو جواب نہیں دیا۔"

شوکت آرا: میں کیا جواب دوں آپ کو اختیار ہے۔

عالم آرا بیگم: اگر مجھے اختیار دیتی ہو تو میں کل ہی اختیار ہے

محمود: (ہنس کر) اسی وقت کیوں نہ ٹھیرا دیں۔

عالم آرا بیگم: اگر تم چاہو تو اس وقت بھی ٹھیر سکتی ہے۔

محمود: آپ کس سے ٹھیرانا چاہتی ہیں۔

عالم آرا بیگم: جس سے بچپن سے خیال ہے۔

محمود: میں بھی تو سنوں آپ کا کس سے خیال ہے۔

عالم آرا بیگم: تم ابھی کس گنتی میں ہو۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش۔

محمود: دادی اماں اب وہ وقت نہیں رہا۔

عالم آرا بیگم: یہ تو میں بھی جانتی ہوں اسی وجہ سے تم سے پوچھا جا رہا ہے۔ بغیر تمہاری مرضی کے نہیں کیا جائے گا اور مجھے یقین ہے جو لڑکی تمہارے واسطے منتخب کی ہے تم بھی اسے ضرور پسند کرو گے۔

محمود: آپ اس لڑکی کا نام تو بتائیے۔

عالم آرا بیگم: کیا گلشن تمہیں پسند نہیں۔

محمود: بہت پسند ہے مگر شادی کے لیے نہیں۔

عالم آرا بیگم: کیوں؟

محمود: میں اپنے خاندان میں نہیں کروں گا۔

عالم آرا بیگم: کس وجہ سے؟

محمود: میں طے کر چکا ہوں آپ کے ہاں کی اس رسم کو توڑوں گا۔

عالم آرا بیگم: بیٹا تم کیا توڑو گے۔ تمہارے چچا نے اٹھارہ انیس برس پہلے ہی اس رسم کو توڑ دیا۔ مگر کسی فلاح کو نہ پہنچے۔

محمود: دادی اماں اس سے زیادہ اور کیا فلاح کو پہنچے۔ چچا جان کی زندگی قابل رشک ہے۔ آپ کے ہاں۔ ان کے مقابلے کا کوئی نظر نہیں آتا۔

عالم آرا بیگم: ہمارے نزدیک تو محسن نے ایسی حماقت کی ہے جو آج تک کسی نے نہ کی ہو گی محمود نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”وہی حماقت اب میں کروں گا۔“

عالم آرا بیگم: اے بیٹا۔ تم چلے کہاں، ابھی تو مجھے بہت کچھ کہنا ہے۔

محمود نے کمرہ سے باہر جاتے ہوئے کہا۔ ”دادی اماں مجھے بہت پڑھنا ہے۔ ان فضول باتوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ میں تو امی جان کو ہزار بار کہہ چکا

ہوں۔ انہوں نے خواہ مخواہ آپ کو بیچ میں ڈالا۔"

محمود کے جانے کے بعد عالم آرا بیگم بڑی دیر تک خاموش بیٹھی رہیں۔ شوکت آرا نے کہا "دیکھیے پھوپھی اماں یہ حالت ہے۔"

عالم آرا بیگم: اے بی حالت کیا ہے۔ وہی مثل ہے "ایک انڈا وہ بھی گندا۔ میں تو یہی کہوں گی تم نے شروع سے اسکو دبا کر نہیں رکھا۔ خدا رکھے اکلوتے بیٹے کیا ہیں اپنے کو افلاطون سمجھتے ہیں۔ یہاں تھوڑی دیر بیٹھنا بھی گوارا نہ کیا۔ یہ تو محسن سے بھی سوا ہاتھ اونچا ہے۔ میں تو علیگڑھ ہی کے لڑکوں کو بے سرا سمجھتی تھی مگر یہ تو الہ آباد میں رہ کر بالکل ہی ستیاناس ہو گیا۔ اب مجھے تمہاری لڑکی کی طرف سے بھی فکر ہے۔ اس نے بھی لاہور میں تعلیم پائی ہے۔ تم پہلے اپنی لڑکی کی مرضی معلوم کر لو۔ اس کے بعد کچھ روشن آرا کو جواب دوں گی۔

شوکت آرا: نہیں پھوپھی اماں لڑکی تو ایسی نہیں ہے بے شک اس کے کان میں ڈالنا ضروری ہے۔

عالم آرا بیگم: نہیں بیوی کان مین ڈالنا کیسا۔ جواب زبانی لو۔

شوکت آرا خاموش وہاں سے اٹھ گئیں۔

دوسرے دن عالم آرا بیگم نے لڑکی کی طرف سے اطمینان کر کے مفصل حال روشن آرا کو سنا دیا۔ محمود کے خیالات معلوم ہو کر روشن آرا کو بھی بہت افسوس ہوا۔ لیکن اپنی لڑکی کا معاملہ تھا وہ ایسی چھچھوری نہیں تھیں کہ فوراً اس کا اظہار کر دیتیں۔ انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے کہا "میں تو شوکت آرا کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے پہلے سے بات کو صاف کر دیا۔

عالم آرا بیگم: وہ دونوں میاں بیوی تم سے بہت شرمندہ ہیں۔ بلکہ شوکت آرا کا خیال ہے کہ شاید تم بھی اپنے لڑکے کی نہ کرو۔

روشن آرا: شوکت آرا کچھ دیوانی ہوئی ہیں جو یہ خیال کرتی ہیں کہ میں اپنی رائے

بدل دوں گی۔ اول تو میرا لڑکا راضی ہے۔ دوسرے میں گلشن کے بارے میں نزہت کو تھوڑی لے رہی تھی۔ آپ نے ان کو سمجھایا ہوتا۔ باقاعدہ نسبت تو نہیں ٹھہری تھی صرف خیال ہی تھا۔ اور وہ بھی کسی غیر جگہ کا نہیں۔

عالم آرا بیگم: میں پہلے سب کچھ کہہ چکی ہوں۔ مجھے خود آمنے سامنے کا رشتہ پسند نہیں۔

روشن آرا: اچھا تو آج یا کل جب آپ کہیں میں لڑکی کو انگوٹھی پہنا دوں۔

عالم آرا بیگم: احسن کہتے ہیں انگوٹھی پہنانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ رسمیں تو غیروں میں ہوا کرتی ہیں۔

روشن آرا: ان کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں تو باقاعدہ منگنی کروں گی۔ جوڑا بنا کر لائی ہوں اماں جان کی خوشی ہے کہ سارے کنبے میں مٹھائی تقسیم کی جائے۔

عالم آرا بیگم: اے بی تم یہ جھگڑا نہ کرنا۔ اشرف بیگم کی تو عقل ماری گئی ہے۔ ہمارے خاندان میں آج تک کسی کی منگنی نہیں ہوئی۔ یہ نئی نئی رسمیں کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بس چپکے سے انگوٹھی پہنا دو۔ تمہاری ساس اور جٹھانی آ جائیں گی۔ چچی جان کو بلانا ضروری ہے۔ نصیرہ اور انکی بچیوں کو بلا لینا۔ تھوڑی سی مٹھائی منگوا کر سب کا منہ میٹھا کر دینا کنبہ رشتے میں حصے بخرے بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

روشن آرا: لڑکیوں کو تو مہینوں سے خوشی لگی ہوئی ہے۔ آپ کا کیا حرج ہے۔

عالم آرا بیگم: نہیں بیٹی اس وقت موقع نہیں ہے۔ شوکت آرا اور احسن کو اپنے انکار کرنے سے بہت رنج ہے۔

روشن آرا خاموش ہو گئیں۔ ان کے دل میں جو خوشی اور ارمان تھے وہ بھی محمود کے انکار سے ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ اس وقت صرف اپنی بات کی پچ پر یہ سب کچھ کر رہی تھیں۔

دوسرے کمرہ میں شاہد اور فرخ میں کچھ رازدارانہ گفتگو ہو رہی تھی۔ چمن آرا اور

گلشن آرا بھی وہاں پہنچ گئیں ان دونوں کو آتا دیکھ کر شاہد خاموش ہو گئے۔ چمن آرا نے پوچھا۔ ”بھائی جان یہاں کیوں چھپے بیٹھے ہو۔

فرخ: کل منگنی جو ہو رہی ہے اس کی فکر میں بیٹھے ہیں۔

چمن آرا: فکر کی کیا بات ہے۔

شاہد: اے بھائی نزہت کی رائے کیسے معلوم ہو۔

چمن آرا: نزہت کی رائے معلوم کرنے کی آپ کو کیا ضرورت ہے انکے ماں باپ جانیں۔

شاہد: میں اسکا قائل نہیں ماں باپ اپنی خوشی کے واسطے لڑکیوں کو مجبور کر سکتے ہیں۔

چمن آرا: پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔

شاہد: میں چاہتا ہوں خود نزہت سے بات چیت کروں۔

چمن آرا: توبہ کرو بھائی جان۔ اس گھر میں یہ ناممکن ہے۔

شاہد: ابھی تو نزہت میرے سامنے آتی ہیں پردہ ہونے کے بعد بیشک ناممکن ہو جائیگا۔

فرخ: صاحب بہادر سے کہیے با قاعدہ کورٹ شپ کرا دیں گے۔

شاہد: صاحب بہادر کون؟

فرخ: آپ کے سالے صاحب محمود ممتاز۔

شاہد: تم تو بیہودہ ہو میں تو صرف عندیہ لینا چاہتا ہوں۔

فرخ: میں آپ سے گھنٹہ بھر سے کہہ رہا ہوں نزہت راضی ہیں خوش ہیں۔

شاہد: تمہاری بات کی کیا سند؟

فرخ: اچھا تو میں آپ سب کے سامنے انکی مرضی معلوم کرا دوں۔ کیا انعام دیں گے؟

شاہد: جو مانگو گے۔

فرخ: اچھی بات ہے آج دوپہر کو جس وقت نانی اماں سوتی ہونگی یہ کھیل کھیلا جائے گا۔

گلشن: نزہت ایسی بیوقوف نہیں ہیں کہ سب کے سامنے اپنی مرضی کا اظہار کر دیں۔

فرخ: اگر کہو تو تمہارے متعلق بھی کوئی ترکیب سوچوں۔ صاحب بہادر بھی موجود ہیں۔

گلشن: میں تمہارے منہ پر ایک تھپڑ رسید کروں گی۔

چمن آرا: دیکھو فرخ نانی اماں کے کان تک بھنک پہنچ گئی تو غضب ہو جائے گا۔ ہزاروں فضیحتیاں کر ڈالیں گی۔

شاہد: نانی اماں سے کون کہے گا۔

فرخ: ہاں بھئی میں اس کا ذمہ نہیں لیتا۔ یہاں ایک لتری بھی رہتی ہے۔ وہ نانی اماں کے بہت سر چڑھی ہے۔

شاہد: وہ کون ہے؟ مغلانی بنیادی خانم کو کہہ رہے ہوں گے۔

فرخ: ماشاء اللہ آپ بھی خوب عقلمند ہیں یہ نہیں سمجھتیں کہ بنیادی خانم ہماری پارٹی میں کیسے آسکتی ہیں۔

گلشن: پھر وہ کون سی لتری ہے۔

فرخ: ارے بی وہ جو نانی اماں کی لاڈلی پوتی ہے۔

فرخ: (ہنس کر) ذرا آپ کو دیکھے کس قدر بے تاب ہیں۔ ارے شاہد بھائی میں تو مذاق کر رہا تھا۔ آپ کیا سچ سمجھے۔

شاہد: (جھینپ کر) بڑے بدمعاش ہو ایک گھنٹہ سے بیٹھے میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔

گلشن: فرخ اگر واقعی کوئی ترکیب سوچی ہے تو بتاؤ ورنہ جاؤ یہاں سے۔

فرخ: بھئی غیر شادی شدہ لڑکیوں کو ان پیچیدہ معاملات میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔

گلشن: اوہو! تمہاری تو گویا چار شادیاں ہو چکی ہیں۔

چمن آرا: فرخ کیوں پریشان کر رکھا ہے کوئی ترکیب ہو تو بتاؤ۔

فرخ: میں تو پہلے ہی شاہد بھائی سے کہہ چکا ہوں انکار کر دیں۔

چمن آرا: خدانخواستہ انکار کیوں کر دیں۔

فرخ: نزہت کا رنگ دیکھنے کے لیے۔

چمن آرا: اور سارے گھر والوں کا رنگ کون دیکھے گا۔

شاہد نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ یہ تو گدھوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔"

فرخ نے شاہد کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "اچھا آپ ذرا شیر بن جائیے میں گھوڑوں کی سی باتیں کرتا ہوں۔"

شاہد مسکرا کر بیٹھ گئے۔ فرخ نے شاہد اور دونوں لڑکیوں کو کچھ پٹی پڑھا کر کہا۔" دوپہر کو میرے کمرے میں تاش کھیلنے کے بہانے تم سب جمع ہو جانا۔"

چمن آرا: (مسکرا کر) ترکیب تو خاصی ہے مگر......

فرخ: (بات کاٹ کر) اگر مگر نہ کیجئے۔ آپ خاصی کہتی ہیں۔، میری تعریف نہیں کرتے ان کے دل کی بات معلوم ہو جائے گی اور کسی گھر والے کو خبر تک نہ ہوگی۔

شاہد: اچھا خیر یہی سہی۔

فرخ: نہیں اگر آپ تنہائی میں نزہت سے بات کرنی چاہتے ہیں تو میں یہ بھی کر سکتا ہوں۔ اپنے کمرہ میں دونوں کو بند کردوں پھر آپ جانیں اور نانی اماں

چمن آرا: (گھبرا کر) خدا کے لیے کہیں ایسا نہ کر بیٹھنا۔

شاہد: (ہنس کر) بھئی یہ تو بڑا خطرناک معلوم ہوتا ہے۔

فرخ: شاہد بھائی اگر ایسا کردوں تو بڑا مزا آئے۔

شاہد: تمہارے اوپر خوب جوتے پڑیں۔

فرخ: اور آپ کی منگنی کا کیا ہو۔

چمن آرا: بس بھائی جان تم اس خیال کو چھوڑو مجھے فرخ سے ڈر ہی لگتا ہے۔

فرخ: تمہاری تو شادی ہو چکی ہے، تم کیوں ڈرتی ہو۔

چمن آرا: نہیں بھئی میں ایسی باتوں سے دور بھاگتی ہوں۔

فرخ: مگر تاش کھیلنے میں تمہیں ضرور شریک ہونا پڑے گا ورنہ چار آدمی کیسے ہوں گے

چمن آرا: میں تو دور سے تماشہ دیکھوں گی۔ حامد کو کھیل میں شریک کرلو۔

گلشن: اے ہے چمن آپا تم حامد کی عادت نہیں جانتیں۔ ان کے پیٹ میں بات کب ٹھہرتی ہے۔ امی جان تو امی جان وہ ابا جان تک سے کہہ دیں گے۔

چمن آرا: میں بھی بیٹھ جاؤں گی مگر کسی کو خبر نہ ہو۔

فرخ: تم تو خواہ مخواہ ڈرتی ہو روزانہ میرے کمرے میں تاش ہوتے ہیں سب لڑکیاں ہوتی ہیں۔ میں ہوتا ہوں حامد ہوتے ہیں۔

گلشن: ہاں ہاں فرخ سب بیٹھیں گے سوائے ہم چار آدمیوں کے اور کسی کو اس راز کی کیا خبر۔

دوپہر کے بعد روشن آرا تو اپنی ساس کے ہاں چلی گئیں۔ حسن آرا اور شوکت آرا حامد کو ساتھ لے کر کسی اور کام سے گئیں۔ چمن آرا اور گلشن نزہت کو لے کر فرخ کے

کمرہ میں پہنچیں فرخ اپنے پلنگ پر رضائی اوڑھے اس طرح پڑے تھے گویا سو رہے ہیں۔ چمن آرا نے ان کا شانہ ہلا کر کہا۔ ''روز تو اس وقت خوب اودھم مچایا کرتے تھے آج میں کھیلنے آئی تو سو رہے ہو اٹھو''

فرخ نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ ''ارے چمن آپا تم نے جگا دیا میں اس وقت بڑا مزے دار خواب دیکھ رہا تھا۔''

چمن آرا: خیر اٹھو کہاں رکھے ہیں پتے۔''

فرخ: نہ حامد نہ شاہد بھائی ہیں۔ ایک آپ اناڑی قسم کی کھیلنے والی آ گئیں کھیل میں کیا لطف آئے گا۔

چمن آرا: تم کیسے کھلاڑی موجود ہو مجھے اپنی طرف رکھنا۔ گلشن نزہت ایک طرف ہوں گی۔

فرخ: مگر ایک شرط پر کھیلوں گی بازی بد کر ہو گی۔

نزہت: بڑی خوشی سے کیا ہم ڈرتے ہیں مگر یہ بتاؤ کیا کھلاؤ گے۔

فرخ: پانچ روپیہ کا حبشی حلوا سوہن۔

نزہت نے تاش پیٹتے ہوئے کہا۔ ''آؤ پھر اسی بات پر میں اور گلشن جب ایک طرف ہوتے ہیں تو بڑے بڑے کھیلنے والے پتے ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں۔

افشاں اور فرحت نے بھی دبے پاؤں آ کر جھانکا۔ فرخ نے ہنس کر کہا۔ ''آؤ آؤ آج بازی بد کر ہو رہی ہے کوئی تماشائی بھی تو ہو۔''

کچھ دیر بعد شاہد نے دروازہ کے پاس آ کر کہا۔ ''فرخ تم یہاں کیا کر رہے ہو میں تمہارے انتظار میں بیٹھا تھا۔''

فرخ: آیئے آیئے میں ذرا یہاں بیٹھ گیا ہوں۔ گلشن اور نزہت کو اپنے اوپر بڑا ناز ہے۔ آج ان سے مٹھائی لوں گا۔

شاہد: تم تو میرے ساتھ بازار چل رہے تھے۔

فرخ: بس ابھی چلتا ہوں۔ آپ بھی ذرا میرا کھیل دیکھیے۔

شاہد نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''تم سے کون جیت سکتا ہے۔ مٹھائی تو تمہاری ہو گئی گلشن کو روپیہ نکالنے چاہییں۔''

گلشن: چمن آپا بالکل اناڑی ہیں۔ فرخ کبھی نہیں جیت سکتے۔

شاہد: اگر فرخ کو کسی نے ہرا دیا تو میں اسے انعام دوں گا۔

گلشن: مجھے آپ کی بات کا اعتبار نہیں جب سے نوکر ہوئے ہیں کبھی کوئی چیز لا کر نہیں دی۔

شاہد: اچھا اس وقت فرخ کو ہرا دو جو کہو گی وہ لا دوں گا۔

چمن آرا نے جان بوجھ کر کھیل بگاڑنا شروع کیا۔ شاہد چمن آرا کے قریب کھسکے گلشن نے بگڑ کر کہا۔ ''دیکھیے بھائی جان آپ اپنی جگہ پر بیٹھے رہیے۔ بتانے کی شرط نہیں ہے۔ میں پتے پھینک دوں گی۔

شاہد نے اپنا سر کھجاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے بازار جانے کو دیر ہو رہی ہے یہاں تو معاملہ گڑبڑ نظر آتا ہے۔

گلشن: آپ کو بیٹھنا پڑے گا۔ انسان کی زبان ایک ہوتی ہے۔

شاہد نے جیبیں ٹٹولتے ہوئے کہا۔ ''دیکھوں کچھ ہے بھی یا نہیں۔''

فرحت بولیں۔ ''اس وقت تو بازار جا رہے ہیں جیبیں بھری ہوں گی۔''

شاہد مسکرا کر کہا۔ ''بھئی خدا بچائے ان لڑکیوں سے ایک سے ایک ہوشیار ہیں۔''

گلشن: ہاں فرحت تم اور رافشاں خیال رکھنا کہیں چپکے سے نہ چل دیں۔

گلشن نے روپیہ شاہد کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ ''واہ بھائی جان واہ آپ کو ایک روپیہ دیتے ہوئے شرم نہ آئی۔

فرخ: ایک تو بے ایمانی سے جیتیں دوسرے مہترانیوں کی طرح انعام مانگتے کھڑی ہو گئیں ایک روپیہ نہیں تو کیا سو پچاس لو گی۔''

نزہت نے ذرا آہستہ فرخ سے کہا۔ ''اور وہ پانچ روپیہ کا حبشی حلوا سوہن کب آئے گا۔

فرخ: رات کو ضرور کھلاؤں گا۔ میں زبان دے کر نہیں مکرتا۔

گلشن نے شاہد کو ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ''میں آپ کو جانے نہیں دوں گی کم سے کم دس روپیہ دلوائیے۔''

شاہد: اس وقت جانے دو یہی ایک روپیہ تھا پھر دیدوں گا۔''

گلشن نے شاہد کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ ''یہ کیا چیز ہے۔''

شاہد: ٹھیرو ٹھیرو یہ کیا کرتی ہو۔

گلشن: نہیں میں دیکھوں گی آپ چھین کیوں رہے ہیں

شاہد نے فرخ سے کہا۔ ''ذرا میری مدد کرو۔''

فرخ: معاف کیجئے میں لڑکیوں سے ہاتھ پائی نہیں کرتا۔ افشاں بیٹھی ہیں۔ نانی اماں سے کہہ دیں گی۔

گلشن نے خوش ہو کر کہا۔ ''بس بھائی جان اب آپ جا سکتے ہیں ہمارا انعام مل گیا۔''

شاہد: یہ اچھی زبردستی ہے۔ انگوٹھیاں واپس کرو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔

گلشن: اب میں انگوٹھیاں واپس کرنے والی نہیں۔ دیر ہو رہی ہے۔ تو جائیے آپ کو کون روک رہا ہے۔

چمن آرا: مجھے بھی تو دکھاؤ کیسی انگوٹھیاں ہیں؟۔

گلشن نے ایک انگوٹھی خود پہنی دوسری نزہت کو پہنائی اور انگلی دکھا کر کہا۔ ''دیکھو ایسی ہیں۔

چمن آرا: تم بڑی خوش قسمت ہو اگر ہم جیت جاتے تو یہ انگوٹھیاں ہماری ہوتیں۔

فرخ: قسم خدا کی چمن آپا اس وقت اپنے ہارنے کا بڑا رنج ہوا۔

شاہد: یہ ایک ہی رہی، پرائی چیز پر کسی کو خوشی ہو رہی ہے۔ کسی کو رنج ہو رہا ہے۔

فرخ: (مسکرا کر) یہ غلط ہے انگوٹھیاں آپ ہی نے کل خریدی ہیں پرائی چیز تو نہیں ہے۔

گلشن: (تعجب سے) بھائی جان آپ نے کس کے واسطے خریدی ہیں۔

شاہد: تمہیں اس سے کیا مطلب انگوٹھیاں واپس کرو میں تمہیں اور لا دوں گا۔

فرخ: کل تمام چاندنی چوک اور پورا دریبہ چھان مارا جب کہیں نمونہ کے مطابق یہ انگوٹھیاں ملیں۔

چمن آرا: کیا کسی دوست کی بیوی نے منگوائی ہیں۔

فرخ: (ہنس کر) دوست کی بیوی نے یا خود دوست کے لیے خریدی ہیں۔

چمن آرا: خدا خیر کرے مرد بھی ایسی انگوٹھیاں پہننے لگے۔

فرخ: (ہنسکر واہ چمن آپا بڑی سیدھی ہو کیا مردوں کے دوست مرد ہی ہوتے ہیں۔ عورتیں نہیں ہوتیں۔

چمن آرا: فرخ تم ایسی باتیں نہ کرو۔ خدانخواستہ ہمارے بھائی جان کی عورت دوست کیوں ہونے لگی۔

نزہت خاموش بیٹھی تھی مگر رنگ بدل رہے تھے فرخ نے چمن آرا سے کہا ''مگر

تم سے کبھی کوئی راز کی بات نہیں کہنی چاہیے۔"

فرخ نے بغیر کوئی جواب دیئے جھپٹ کر شاہد کی جیب میں سے تصویر نکال کر گلشن اور نزہت کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "حقیقت میں بڑی حسین لڑکی ہے۔"

نزہت نے اپنی انگلی میں سے انگوٹھی اتار کر گلشن کو دیتے ہوئے کہا۔ "لو اپنی انگوٹھی لو رکھو۔"

شاہد: خیر اب پہن لی ہے تو رہنے دو میں دوسری خرید لوں گا۔ انگلی میں سے اتروانا ذرا برا معلوم ہوتا ہے۔

نزہت: (غصہ سے) کیا میرے پاس انگوٹھیاں نہیں ہیں جو میں پرانی انگوٹھی پہنوں۔

گلشن: دیکھو نزہت تمہیں میری جان کی قسم انگوٹھی چھین لو میں اب شاہد بھائی کو ہر گز یہ انگوٹھیاں نہیں دوں گی۔

نزہت نے کمرہ سے باہر جاتے ہوئے کہا۔ "میں کیوں پہن لوں چمن آپا کو دے دو۔"

فرحت بھی اپنی بہن کے پیچھے چلی گئیں۔ فرخ نے ایک قہقہہ لگا کر کہا۔ "مبارک ہو شاہد بھائی قبول کر لیا۔

شاہد: کیا بکتے ہو تم میری سمجھ میں نہیں آیا۔

فرخ: نزہت کی مرضی معلوم ہو گئی یا نہیں۔ پہلے تو خوشی خوشی انگوٹھی پہن لی۔ دوسری عورت کا نام سن کر جل گئیں۔ میں ان کو صورت دیکھ رہا تھا۔ چہرہ کا ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا۔ تصویر دیکھ کر تو آنکھوں میں آنسو آ گئے فوراً چلی گئیں۔

شاہد: مجھے اس وقت بہت افسوس ہوا۔ بے چاری کو خواہ مخواہ رنج پہنچا۔

چمن آرا۔ اگر نزہت نے ممانی جان سے کہہ دیا تو غضب ہو جائے گا۔

گلشن: نزہت تو شاید نہ کہیں۔ مگر فرحت ضرور کہہ دیں گی۔ل

شاہد: بھئی یہ تو برا ہوا۔ میری طرف سے بدگمان ہو جائیں گے سخت غلطی ہو گئی میں بھی فرخ کے کہنے میں آ گیا۔

چمن آرا: میں تو پہلے ہی منع کر رہی تھی۔

فرخ: بہت خوب کیا کہنے ہیں آپ لوگوں کے شہر میں اونٹ بدنام اب سارا الزام فرخ کے اوپر رکھ دو۔

شاہد: نہیں بھئی بیوقوفی مجھ سے بھی ہوئی اب کسطرح معاملہ کو صاف کیا جائے

فرخ: آپ بھی عجیب ڈرپوک آدمی ہیں۔ معاملہ کیسا ایک مذاق تھا میں ابھی نزہت سب سے کچھ کہے دیتا ہوں۔ یہ لڑکیاں بھی بڑی بیوقوف اور حاسد ہوتی ہیں۔ نہ معلوم کے مرتبہ سینما میں "کانن بالا" کو دیکھ چکی ہوں گی۔ مگر اس وقت مارے غصہ کے ان کی عقل ہی جاتی رہی۔

شاہد: ذرا تم جا کر دیکھو نزہت کہاں ہیں۔"

فرخ نے گلشن سے کہا۔ پہلے تو دیکھوں کہاں ہیں۔"

گلشن نے کہا میں تو ابھی نہیں جاؤں گی۔ ممانی جان نہ آ گئی ہوں۔"

چمن آرا نے افشاں کو بھیجا"

فرخ نے ہنس کر کہا۔ "بہت ٹھیک آدمی کو بھیجا۔ بالکل صحیح خبر لائے گا۔"

افشاں نے آ کر کہا۔ "اپنے پلنگ پر منہ ڈھانکے پڑی ہیں۔"

گلشن نے پوچھا۔ "اکیلی ہیں۔"

افشاں نے جواب دیا۔ "ہاں"

فرخ مسکراتے ہوئے تصویریں لے کر نزہت کے پاس پہنچے۔ پیروں کی آہٹ سن کر انہوں نے منہ کھول کر دیکھا۔

فرخ: ارے نزہت تم رو کیوں رہی ہو۔؟

نزہت: خدا نہ کرے رونے کی کیا بات ہے میرے تو سر میں درد ہو رہا ہے۔

فرخ: خیر بہانہ نہ کرو مجھے بھی تمہارے ساتھ ہمدردی ہے واقعی تمہارے دل کو ٹھیس لگی۔

نزہت: (بگڑ کر) دیکھو فرخ تم مجھ سے اس قسم کی باتیں نہ کرو۔ میں ابھی دادی اماں سے کہہ دونگی۔

فرخ: اسی واسطے میں تمہارے پاس آیا ہوں جو کچھ اپنی دادی اماں یا امی جاس سے کہنا ہو میری معرفت کہلواو رتمہاری زبان سے یہ سب باتیں کیسے نکلیں گی۔

نزہت: کون سی باتیں؟

فرخ: یہی کہ شاہد سے اب تمہاری شادی نہ کی جائے اور کسی اور لڑکی سے محبت کرتے ہیں۔ نزہت نے اپنی ہنسی روک کر کہا۔ ''بدتمیز'' نالائق کہیں کے۔ جاؤ یہاں سے۔ خواہ مخواہ پریشان کرنے آ گئے۔

فرخ: پریشان کرنے تو نہیں آیا معاملہ کو صاف کرنے آیا ہوں۔

نزہت: کیسا معاملہ''

فرخ نے تصویر دکھا کر کہا۔ ''کہیں اس عورت کی جلن میں تم اپنا بچپن کا رشتہ نہ تڑوا دینا۔ یہ تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی تھی۔ ہو بڑی بیوقوف سب کے سامنے اظہار محبت کردیا۔

نزہت: (تیوری چڑھا کر) تم کیا کہہ رہے ہو میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

فرخ: وہ تو میں جانتا ہوں۔ تمہاری سمجھ ذرا موٹی ہے لو اب میں تشریح کرتا ہوں شاہد بھائی چاہتے تھے وہ خود تمہاری مرضی معلوم کریں یہ تصویر تو ''کانن'' کی ہے۔ وہ انگوٹھی تمہارے ہی واسطے آئی ہے۔ کل باقاعدہ تمہیں پہنائی جائے گی۔

نزہت: (جھینپ کر) یہ تو بڑی بے ہودگی میرے ساتھ کی آخر ایسی بدمعاشی کی ترکیب کس نے سوچی تھی۔

فرخ نے فخریہ اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''یہ ترکیب عابدولت کی تھی۔''

نزہت نے فرخ کو گھنسا دکھاتے ہوئے کہا۔ ’’ٹھہر جاؤ تم جاتے کہاں ہو۔‘‘

فرخ نے وہاں سے بھاگتے ہوئے کہا۔ ’’رہنے بھی دو مارے خوشی کے منہ تمتمارہا ہے مجھے مارنے چلی ہیں۔‘‘

نزہت فرخ کے پیچھے دوڑیں۔ عالم آرا بیگم نے اپنے کمرہ میں سے کہا۔ ’’اے کون گھوڑ دوڑ مچا رہا ہے۔ ذرا سی دیر لیٹنا بھی مشکل کر دیتے ہیں۔‘‘

فرخ دو چھلانگیں مار کر اپنے بکمرہ میں پہنچ گئے۔ نزہت چپکے سے دولائی اوڑھ کر لیٹ گئیں۔

عالم آرا بیگم کمرہ سے باہر نکلیں چاروں فرف دیکھ کر بنیادی خانم کو آواز دی وہ برآمدہ مین پلنگ پر لیٹی تھیں۔ ’’اے بی تم کیا گھوڑے بیچ کر سوتی ہو۔‘‘؟

بنیادی خانم: یہ ابھی کون دوڑ رہا تھا؟

عالم آرا بیگم: میں فرخ بھاگے تھے ان کے پیچھے نزہت بیگم دوڑی تھیں۔

عالم آرا بیگم: اور سب لڑکیاں کہاں ہیں۔

بنیادی خانم: خدا رکھے میں فرک کے کمرہ میں ہیں ساری دوپہر دھما چوکڑی مچی رہی ہے سب وہیں ہیں۔

عالم آرا بیگم: کیا حسن اور شوکت آرا بھی وہیں ہیں؟

بنیادی خانم: وہ دونوں تو میں حامد کے ساتھ تانگہ پر کہیں گئی ہیں۔

عالم آرا بیگم: اس وقت جلتی دوپہر میں تانگہ پر کہاں گئی ہیں۔

بنیادی خانم: بیگم مجھے کیا خبر! سن رہی تھی میں شاہد کے واسطے انگوٹھی خریدنے جارہی ہیں۔

عالم آرا بیگم: شاباش ہے ان لڑکیوں کے دیدہ کو اب بازاروں میں سودا خریدنے لگیں کیا روشن آرا بھی گئی ہیں۔

بنیادی خانم: نہیں بیگم وہ تو چچی جان اور بی نصیرہ بیگم کے ہاں بلاوا دینے گئی ہیں

وہیں سے اپنی ساس کے ہاں جائیں گی شام تک آنے کو کہہ گئی ہیں۔

عالم آرا بیگم نے چبوترہ پر جا کر فرخ کے کمرہ کا دروازہ کھول کر جھانکا۔ یہاں نزہت کے اوپر قہقہے لگ رہے تھے۔ ان کو دیکھ کر سب خاموش ہو گئے۔ فرخ نے دروازہ کے پاس آ کر کہا۔ نانی اماں آپ کو کس کی تلاش ہے۔؟

عالم آرا بیگم: تمہاری۔ ذرا یہاں آؤ۔

فرخ نے کمرہ سے باہر نکل کر کہا "کہیئے کیا کام ہے۔؟"

عالم آرا بیگم: آہستہ سے) ابھی نزہت سے کیا مارکٹائی ہو رہی تھی۔

فرخ: آپ تو سو رہی تھیں۔ آپ کو کیسے خبر ہوئی۔؟

عالم آرا بیگم: میں ایسی نہیں سوتی۔ مجھے سب خبر ہے۔ ساری دوپہر یہی حشر برپا رہا ہے۔ بڑی شرم کی بات ہے۔ ایسی ننھی عمریں نہیں ہیں۔

فرخ: نانی اماں ہم لوگ تو یہاں شطرنج کھیل رہے تھے۔ حشر تو کسی نے برپا نہیں کیا۔

عالم آرا بیگم: بیٹا جھوٹ کیوں بولتا ہے۔ ابھی تو وہاں سے بھاگ کر آیا ہے نزہت تیرے پیچھے دوڑی تھیں۔

فرخ: (ہنس کر) وہ ایک اور بات تھی۔

عالم آرا بیگم: وہ کیا بات تھی میں بھی تو سنوں۔

فرخ: نانی اماں آپ تو لوگوں کو ذرا سی آزادی نہیں دیتیں، سنیئے میں مذاق میں نزہت کو انگوٹھی دکھانے گیا تھا۔ وہ مجھے مارنے دوڑیں۔ بس اتنی سی بات تھی جسے بنیا دی خانم نے افسانہ کر دیا۔

عالم آرا بیگم مسکرا کر وہاں سے واپس آ گئیں۔

فرخ نے کمرہ میں جا کر کہا "میں تو اس بڑھیا سے عاجز آ گیا ہوں۔"

شاہد: کیسی بیہودگی کی باتیں کرتے ہو۔

فرخ: (تعجب سے) میں نے اس وقت کیا بیہودگی کی بات کی ہے۔

شاہد: نانی اماں کی شان میں ایسے گستاخانہ الفاظ کہتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔

فرخ: (ٹھٹھہ لگا کر) ماشاءاللہ نزہت اور آپ کا جوڑا معلوم ہوتا ہے عرش پر سے اترا ہے۔ میں تو بنیادی خانم کو کہہ رہا تھا۔ آپ نانی اماں کے متعلق سمجھے۔

چمن آرا: مغلانی خانم نے کیا کیا۔

فرخ: یہ تو مجھے خبر نہیں کیا کہا مگر نانی اماں نے اس وقت مجھے بہت ڈانٹا۔

گلشن: کس بات پر؟

فرخ: وہ کہہ رہی تھی تمام دوپہر تم لوگوں نے سونے نہیں دیا۔ افشاں اور تم چبوترہ پر کبڈی کھیل رہے تھے ڈوب مرنے کی جگہ ہے۔

افشاں نے پریشانی کے لہجے میں کہا۔ ''میں تو کسی کھیل میں شریک نہیں تھی۔ البتہ نزہت آپا کو چپکے سے دیکھنے گئی تھی۔

فرخ: بیچاری مغلانی خانم کو کم نظر آتا ہے۔ نزہت مجھے مارنے دوڑی تھیں۔ انہوں نے سمجھا افشاں تھیں۔

گلشن: یہ بڑھیا بھی بس کی گانٹھ ہے ڈرنا چاہیے اس سے۔

فرخ اور کیا بری زہریلی ہیں۔ اس وقت دالان میں رضائی اوڑھے پڑی تھیں میں سمجھا سو رہی ہیں۔

چمن آرا: تم نے نانی اماں سے کہہ دیا ہوتا نزہت تھیں۔ افشاں غریب کا کیوں نام لگایا۔

فرخ: میری بات کا انہیں یقین ہی نہیں آتا۔ چھوٹا سمجھتی ہیں۔ کہہ رہی تھیں آپ نے وہ

میرے اوپر آ گیا۔ الابلا بگردن ملا۔ میں ابھی جا کر سارا بھانڈا پھوڑ دیتی ہوں۔

چمن آرا: تم اپنی تیزی میں آ کر کہیں ایسا غضب نہ کرنا۔

شاہد: (گلشن سے) تم کیوں بگڑتی ہو۔ الزام تو افشاں غریب پر آ رہا ہے۔

گلشن: میں کیوں نہ بگڑوں میرے ساتھ ہی رہ کر تو افشاں اڑن کبوتر ہو گئی ہیں۔

شاہد: (مسکرا کر) افشاں کے مقابلے میں تو بے شک تم اڑ کبوتر ہو۔

گلشن: (افشاں سے) جاؤ بی بی تم اپنے پر قینچ کرا کے اپنی دادی اماں کے پاس کابک میں بند ہو کر بیٹھو۔

افشاں پہلے ہی سہمی بیٹھی تھی۔ گلشن کے کہنے پر وہ آنکھوں میں آنسوں بھرے کمرہ سے باہر چلی گئی اور دبے پاؤں اپنی دادی کے کمرہ میں جھانکا۔ وہ ظہر کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ اس موقع کو غنیمت جان کر وہ بھی وضو کر کے نماز پڑھنے لگی۔

عالم آرا بیگم نماز وظیفہ سے فارغ ہو کر باہر برآمدہ میں تختوں پر آ کر بیٹھیں۔ انہوں نے افشاں کو پکارا۔ ''بیٹی اب کھیل ختم کرو نماز کا وقت جا رہا ہے۔''

کئی مرتبہ انہوں نے آواز دی۔ مگر جواب نہ ملا۔ گلشن اور نزہت کو پکارا ''اے لڑکیو! کیا کانوں میں تیل ڈال کر بیٹھی ہو۔ کیا کمرہ سے باہر نہیں نکلو گی۔''

فرحت اپنی دادی کی آواز سن کر آئیں۔ چمن آرا اور گلشن بھی آ گئیں۔

عالم آرا بیگم نے فرحت سے پوچھا ''افشاں کہاں ہے۔''؟

فرحت: مجھے خبر نہیں۔ افشاں تو گلشن آپا کے پاس تھیں۔

گلشن: یہ خوب مزے کی بات ہے۔ جو ہے وہ گلشن کا نام لے دیتا ہے۔

عالم آرا بیگم: بیٹی یہ تو کوئی بگڑنے کی بات نہیں۔ وہ تو یہ کہہ رہی ہے گلشن آپ کے پاس تھیں تم غصہ کیوں کرنے لگیں۔

گلشن: نہ میں کسی سے بگڑوں نہ غصہ کروں، مگر آئندہ سے کان پکڑا کبھی افشاں سے بات بھی نہیں کروں گی۔

عالم آرا بیگم: (مسکرا کر) آخر افشاں سے کیا قصور ہوا، کچھ بتاؤ تو؟۔

گلشن: ا! افشاں بیچاری کیا کریگی اس کے اوپر لوگوں نے خود الزام لگایا ہے۔

عالم آرا بیگم: کیا فرحت و نزہت سے کچھ لڑائی ہوئی ہے۔

فرحت: نہیں دادی اماں لڑائی وڑائی تو کسی سے بھی نہیں ہوئی۔ آپا تو سو رہی ہیں۔ میں بھی سوگئی تھی۔

عالم آرا بیگم: (چمن آرا سے) بیٹی کیا ہوا؟ گلشن تو بہت خفا معلوم ہوتی ہے۔

چمن آرا: نانی اماں! گلشن تو ایسی ہی تنگ مزاج ہیں۔ آپ نے ان کے متعلق فرخ سے کچھ کہا تھا۔ وہ ان کو بہت برا معلوم ہوا۔

عالم آرا بیگم: (تعجب سے) میں نے ان کو کیا کہا تھا۔؟

گلشن: اب ایسی تو میں نہیں ہوں کہ چار دن میرے ساتھ رہ کر افشاں کی عادتیں خراب ہو جائیں۔

عالم آرا بیگم: اے بیٹی تو اپنے حواسوں پر سے صدقہ دے۔ میں نے کب گلشن اور افشاں کے نام لیا تھا۔ بلاؤ تو فرخ کو۔ میرے اوپر طوفان اٹھاتا ہے۔

گلشن: فرخ تو یہی کہہ رہے تھے۔ نانی اماں کہتی ہیں چار دن میں گلشن کے ساتھ رہ کر لڑکی کے پر نکل آئے (اڑن) کبوتر ہوگئی۔

عالم آرا بیگم: (ماتھے پر ہاتھ مار کر) اوئی بیوی۔ اس لڑکے میں شیطان کی خصلت کہاں سے آگئی۔ انہونی بات دل سے گھڑتا ہے۔ میرے لیے دونوں آنکھیں برابر ہیں۔ جیسی افشاں ویسی تم اگر تمہاری کوئی بات بری معلوم ہوگی مجھے تو فوراً تمہیں روکوں گی۔ تمہارا یا تمہاری اماں کا مجھے کوئی ڈر تو پڑا نہیں۔ تم کیا غیر ہو کہ افشاں کو تمہارے پاس بیٹھنے سے منع کروں گی۔

گلشن: افشاں تو ڈر کے مارے وہاں سے فوراً چلی آئی۔ اس سے کہنے لگے نانی اماں بہت خفا ہو رہی ہیں۔ مغلانی بنیادی خانم نے ان سے کہا ہے۔ افشاں اور فرخ

کبڈی کھیل رہے تھے۔

عالم آرا بیگم: (مسکرا کر) کہاں کی بات کہاں لگائی۔ اس لڑکے سے تو شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا۔

بنیادی خانم بھی یہیں کھڑی تھیں۔ انہوں نے کہا ''گلشن بیگم اپنے دیدوں کی قسم میں نے نہ تمہارا نام لیا نہ افشاں بیگم کا۔ میں تو یہ کہا تھا......

عالم آرا بیگم نے ان کی بات کاٹ کر کہا بس تم چپکی بیٹھی رہ۔ اپنی صفائی پیش نہ کرو۔ میں کہہ لوں گی۔''

فرخ دبے پاؤں آ کر عالم آرا بیگم کے پہلو سے لگ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے فرخ کی پیٹھ پر ایک زور کا تھپڑ مار کر کہا۔ ''شامت زدہ تو نے گلشن سے کیا جھوٹ بولا تھا۔''

فرخ: (پیٹھ سہلاتے ہوئے) نانی اماں آپ کے اجلاس پر ایسا اندھیر نہیں ہونا چاہیے ملزم کی صفائی پیش ہونے سے پہلے ہی اس کو سزا دے دی گئی۔

عالم آرا بیگم: بس زیادہ باتیں نہ بناؤ میں تمہارے رگ و ریشے سے واقف ہوں جھوٹ تو تمہاری گھٹی میں پڑا ہے۔

فرخ: لیکن اس وقت میں نے مصلحتاً جھوٹ بولا تھا

عالم آرا بیگم: جھوٹ بولنے میں کیا مصلحت تھی۔؟

فرخ: اچھا یہ بتایئے آپ نے مجھے باہر بلا کر ڈانٹا تھا یا نہیں۔؟

عالم آرا بیگم: ڈانٹنے کی بات ہی تھی۔

فرخ: آپ کی ڈانٹ سن کر کمرہ میں گیا تو شاہد بھائی نے پوچھنا شروع کیا نانی

گلشن کے ساتھ رہ کر افشاں اڑن کبوتر ہوگئی۔

فرخ: (ہنس کر) نانی اماں آپ تو سمجھتی نہیں جھوٹ بتانے میں ذرا سا نمک مرچ بھی لگایا جاتا ہے۔

عالم آرا بیگم: ہاں بیٹا تم اس میں خوب منجھ گئے ہو۔

فرخ نے گلشن کی طرف اشارہ کر کے کہا ان کے بھائی صاحب کے وجہ سے آج ایسی ایسی شطرنج کی چالیں چلا ہوں کہ سر میں درد ہونے لگا مگر بجائے انعام کے آپ نے مجھے مارا۔

عالم آرا بیگم: کیا شاہد کو شطرنج کھیلنی نہیں آتی جو تم ان کی طرف سے چال چلے۔؟

فرخ: یہی تو مشکل تھی۔کھیلنے کا تو بہت شوق تھا۔مگر چال میں نے چلی۔

عالم آرا بیگم: کس کے ساتھ کھیل رہے تھے۔؟

فرخ نے اپنا سر کھجاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔سب لڑکیاں موجود تھیں نزہت اور افشاں بھی آ گئی تھیں۔چمن آرا کا رنگ فق ہوگیا کہ اب فرخ بھانڈا پھوڑتے ہیں۔انہوں نے انکھوں ہی آنکھوں میں فرخ کو گھورا۔

فرخ نے مسکرا کر کہا۔"نزہت کے ساتھ بازی لگی تھی۔

عالم آرا بیگم نے فرخ کو پیٹھ پر ایک تھپڑ اور مار کر کہا۔"پھر جھوٹ بولے۔"

فرخ: (ہنس کر) آپ تو جانتی ہی ہیں میں بغیر جھوٹ بولے نہیں رہ سکتا......

مگر دیکھیے چمن آپا سے مجھے پانچ روپے دلوایئے۔شاہد بھائی کہہ گئے تھے۔میں نے انکو جتایا ہے۔

عالم آرا بیگم: ہارا کون تھا۔؟

فرخ: اب میں کس کا نام بتاؤں۔گلشن کا کہوں گا تو وہ پھر خفا ہو جائیں گی۔

عالم آرا بیگم: گلشن کے ڈر سے تم نے نزہت کا نام لے دیا۔

فرخ: کسی کا نام تو لینا ہی تھا۔آپ چمن آپا سے کہیے پانچ روپیہ لا دیں۔

چمن آرا جلدی سے بولیں۔ ”آؤ میں روپیہ دوں“

فرخ: یہاں نانی اماں کے سامنے لاکر دو میں حلوا سوہن لینے جا رہا ہوں نزہت سے وعدہ ہے۔

عالم آرا بیگم: نزہت سے وعدہ ہے۔

فرخ: ان کے ساتھ تاش کھیلنے میں ہار گیا تھا۔ اپنے روپیہ تھوڑی خرچ کردونگا ادھر سے لوں گا ادھر دوں گا۔

چمن آرا نے چپکے سے پانچ روپیہ لاکر فرخ کے ہاتھ میں دے دیئے۔ اس وقت سب لڑکیاں خاموش تھیں۔ نزہت دانت پیستی ہوئی کمرہ میں چلی گئی تھیں...... فرخ ہنستے ہوئے روپیہ کھنکھناتے باہر چلے گئے۔

ساتواں باب

دوسرے دن سہ پہر کے وقت نزہت آرا کو انگوٹھی پہنائی گئی۔ عالم آرا بیگم کے منع کرنے پر بھی رشتہ بھر کی دس بارہ بیبیاں جمع ہو گئیں تھیں۔ بڑے کمرہ میں بیچ میں مسند بچھائی گئی نصیرہ بیگم نے نزہت کو لا کر گاؤ تکیہ سے لگا کر بٹھایا وہ اس وقت روشن آرا کے ہاں کا گلابی کامدانی کا جوڑا پہنے تھیں روشن آرا کی ساس (اشرف بیگم) نے عالم آرا بیگم سے کہا "بھابی جان تم میری طرف سے لڑکی کو انگوٹھی پہنادو۔

عالم آرا بیگم: نہیں بی تم لڑکے کی دادی ہو تمہیں پہنانی چاہیے۔

اشرف بیگم: نہیں بھابی جان مجھے وہم آتا ہے تم ہی پہناؤ آخر لڑکے کی بھی تو نانی ہو۔

چچی جان: ہاں بی عالم آرا بیگم یہ شگون کا وقت ہے۔ خدا تمہارے سہاگ کو رہتی دنیا تک رکھے تمہیں کو پہنانی چاہیے۔

عالم آرا بیگم نے کیس میں سے انگوٹھی نکالتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو ان باتوں کا وہم نہیں ہے خیر سب کی خوشی ہے تو میں ہی پہنائے دیتی ہوں۔"

چچی جان: اے لڑکیو! نزہت کے ہاتھوں میں مہندی نہیں لگائی۔؟

گلشن: کپڑے تو بڑی مشکل سے پہنائے ہیں۔

چچی جان: کیوں؟

گلشن: ہمارے ہاں کا جوڑا پہنتے ہوئے انہیں شرم آ رہی تھی۔

چچی جان نے نزہت کا دوپٹہ ہاتھ میں لے کر گھورتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہارے ہاں کا ہے لکھنو سے کامدانی بنوائی ہو گی۔ معلوم ہوتا ہے پھوار پڑ رہی ہے۔ خدا پہننا نصیب کرے۔

عالم آرا بیگم نے بسم اللہ کہہ کر نزہت کے سیدھے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کر اشرف بیگم اور روشن آرا سے کہا۔ "لو بی مبارک ہو۔ خدا نیک گھڑی سے تمہیں میں شاہد کا

سہرا دیکھا نصیب کرے۔"

چچی جان وغیرہ نے کہا۔آمین"

اشرف بیگم نے نزہت کی بلائیں لے کر روپیہ نچھاور کیے چچی جان نے لڑکیوں سے کہا۔"اے دلہن کا منہ تو میٹھا کرو۔"

چمن آرا: نانی اماں نے بند مصری منگوانے دی۔زبان کے بیڑے بنانے دیے ہمارا تو دل چاہتا تھا باقاعدہ منگنی کریں۔ڈومنیاں بلوائیں۔

چچی جان: بس منگنی میں یہی ہوتا ہے۔اگر مصری نہیں ہے تو اور کوئی میٹھی چیز کھلا دو مقصد تو منہ میٹھا ہونے سے ہے۔ایک ایک پان کا بیڑا سب بہنیں کھلا دیں تو ڈومنیاں نہیں ہے تو کیا ہے بنیادی خانم اور ان کی بیٹی نواسی کو بلاؤ۔مبارکباد گا دیں۔"

عالم آرا بیگم: مصری گھر میں موجود ہے افشاں سے کہو میری الماری میں سے چاندی کے ورق اور مصری نکال لائیں۔مجھے کیا خبر تھی تمہیں اس قدر شوق ہے۔

لڑکیوں نے مصری کی ڈلیوں پر چاندی کے ورق لگائے سات پان کے بیڑے بنا کر سب نے نزہت کو کھلائے۔اس رسم کے بعد دلہن کو دوسرے کمرہ میں پہنچا دیا۔

مغرب کے بعد شوکت آرا کی طرف سے شاہد کو انگوٹھی پہنائی گئی۔اس وقت سب لڑکے موجود تھے سید صاحب نے خود انگوٹھی پہنائی۔ان کے باہر جانے کے بعد لڑکے لڑکیوں سب نے شاہد کے منہ میں خوب مصری کی ڈلیاں اور پانوں کے بڑے ٹھونسے۔

چچی نے شوکت آرا سے کہا۔"بڑی دلہن تم بھی اب میں محمود کی منگنی کر دو۔"

شوکت آرا: چچی جان ابھی کیا جلدی ہے۔نوکر چاکر ہو جائیں گے اس وقت منگنی شادی سب کچھ ہو جائے گی۔

چچی جان: (حسن آرا سے) بیٹی تو فرخ کی بات ٹھہرا دو۔

فرخ نے چچی جان کے منہ میں ایک مصری کی ایک ڈلی دیتے ہوئے کہا۔"لیجئے

میری بات تو آپ سے ٹھہر گئی۔"

حسن آرا نے فرخ کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔"تم اسقدر بد تمیز کیوں ہوتے جا رہے ہو۔"

چچی جان نے فرخ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔"بچہ ہے کہنے دو میں اس کی بات کا برا تھوڑی مانتی ہوں۔

گلشن: (ہنس کر) ذرا بے چارے کا اترانا دیکھو۔ گویا سچ مچ بچہ ہیں۔

بنیادی خانم بھی موجود تھیں ایسے موقعہ پر ان کی زبان کب رکنے والی تھی کہنے لگیں"خدا رکھے ابھی تو مسیں بھیگ رہی ہیں پہلے مونچھوں کو کونڈا ہونا چاہیے پھر منگنی ہو گی۔"

شاہد اور محمود نے قہقہہ لگایا۔ سب لڑکیاں ہنسی کے مارے لوٹ گئیں۔

بنیادی خانم: اے میاں! یہ بھی کوئی ہنسنے کی بات ہے۔

عالم آرا بیگم: اے بی! تم ایسی ہی بیوقوفی کی بات بول اٹھتی ہو۔ بھلا اس وقت مسیں بھیگنے ء کا کیا ذکر تھا۔

فرخ: نانی اماں بس آپ خاموش ہو جایئے یہ گلشن بد تمیز بہت ہین ہنسے جا رہی ہیں۔

چچی جان: ہنسی کی بات ہے بنیادی خانم کہہ رہی ہیں کل فرخ کا مونچھوں کا کونڈا ہو جانا چاہیے۔

محمود: مونچھوں کا کونڈا کیا ہوتا ہے۔

چچی جان: بیٹا اب یہ رسمیں کہاں رہیں۔ پہلے زمانہ میں جہاں لڑکوں کی مسیں بھیگنی شروع ہوئیں۔ اور ان کا مونچھوں کا کونڈا ہوا۔ سویاں ابال کر کونڈے میں رکھی جاتی تھیں اس پر نیاز ہوتی تھی۔ لڑکے کی بہنیں چاندی کی کٹوری میں صندل گھول کر مونچھوں پر لگاتی تھیں نیگ لیتی تھیں۔ اب کہاں وہ باتیں رہیں۔

محمود: لاحول ولاقوۃ کس قدر بیہودہ رسم تھی۔

عالم آرا بیگم: اچھا اب محفل برخاست ہونی چاہیے۔

سوائے چچی جان کے اور سب بیویاں کھانا کھا کر اپنے اپنے گھر گئیں۔ آج لڑکے لڑکیوں نے چچی جان سے کہانی کی فرمائش کی تھی۔ رات کو عالم آرا بیگم کے کمرہ میں سب جمع ہوئے۔ چچی جان عشاء کی نماز وظیفے سے فارغ ہو کر اپنے پلنگ پر آ کر بیٹھیں انہوں نے مسکرا کر عالم آرا بیگم سے کہا۔ ''اے بی دیکھتی ہو خدا رکھے پروانوں کی طرح سب نے مجھے گھیر لیا۔''

شاہد: چچی جان اب شروع کر دیجیے دیر ہو رہی ہے۔

چچی جان: یہ بتاؤ کسی کتاب کا قصہ کہوں یا بڑی بوڑھیوں کی زبانی سنی ہوئی۔

محمود۔ چچی جان۔ کتاب وتاب کا قصہ نہیں بڑی بوڑھوں والی کہیے۔

چچی جان: ایک آدمی ہنکارا بھرتا جائے۔

فرخ: نہیں چچی جان ہنکارا کیسا سب باری باری جی ہاں بہت خوب بجا فرمایا کہیں گے۔

چچی جان: (ہنس کر) میاں شاہد کو بہت شوق ہے۔ اچھا سنو ہمارا تمہارا خدا بادشاہ خدا کا نائب رسول بادشاہ۔ ''کسی زمانہ میں ایک بادشاہ تھا۔''

فرخ بولے اس کے سات بیٹیاں تھیں۔''

چچی جان: دیکھو بیچ میں دخل دو گے تو میں نہیں سناؤں گی۔

فرخ: اچھا سات بیٹے سہی۔

گلشن: فرخ تمہاری بہت خراب عادت ہے بولے جاتے ہو۔

فرخ: خیر بھئی اس بادشاہ کے کوئی اولاد نہیں تھی۔

چچی جان: (بگڑ کر) بس اب تمہیں کہہ لو۔

فرخ: چچی جان خطا ہوئی معاف کر دیجیے۔ اب نہیں بولوں گا۔

شاہد: چچی جان! آپ کہیے اگر اس مرتبہ فرخ بولیں گے تو میں کان پکڑ کر باہر نکال دونگا۔

چچی جان: اچھا بیٹو! سنو بادشہ کے محل کے قریب ہی شاہی جوہری کا مکان تھا اس کا بڑے لاڈ ارمانوں کا ایک ہی بیٹا تھا۔

فرخ: جیسا میں ہوں۔

چچی جان: (مسکرا کر) دیکھو یہ شیطان کا خالو پھر بولا۔

عالم آرا بیگم نے اپنے پلنگ پر سے لیٹے لیٹے کہا "فرخ تم میرے پاس آجاؤ۔"

فرخ: اچھا نانی اماں آپ بھی کہانی میں دلچسپی لے رہی ہیں۔اب نہیں بولونگا۔

شاہد: چچی جان کہیے۔

چچی جان: کیا خاک کہوں فرخ نے کہانی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے کوئی سلسلہ ہی نہیں رہا۔

محمود: خیر ہم سمجھ رہے ہیں آپ شروع کیجئے۔

چچی جان: جوہری بچہ کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ایک دن اس کی بیوی نہا کر اپنے کوٹھے پر کھڑی بال سکھا رہی تھی۔اتفاق کی بات بادشہ بھی اپنے محل کے بالا خانہ پر سیر کرنے آئے دیکھتے کیا ہیں کہ جوہری کے کوٹھے پر سیاہ بادلوں میں سے چودھویں کا چاند چمک رہا ہے۔"

فرخ نے کہا۔ٹھہریے ٹھہریے یہ کیا بات آپ نے کہی وہ تو دھوپ میں کھڑی تھی بادل بھی آگئے اور دن کے وقت چاند بھی نکل آیا۔"

چچی جان: اگر اب کے بولا تو ایک دھموکا تیری پیٹھ پر دوں گی۔

ہزار جان عاشق ہو گئے۔

فرخ نے کہا: ”لاحول ولاقوۃ۔“

چچی جان نے اپنی کہانی کا سلسلہ جاری رکھیت ہوئے کہا۔ ”کسی کل چین نہیں پڑتا دن میں بیسیوں پھیرے بالا خانہ کے کرتے گھنٹوں جھروکوں میں بیٹھے رہتے کہ شاید اس کا دیدار نصیب ہو جائے مگر وہ ایسی غیرت کی پتلی تھی کہ پھر کبھی بھول کر بھی کمرہ کے دروازے نہیں کھولے جب بادشاہ کو اس طرف سے مایوسی ہوگئی تو انہوں نے ایک دن......“

فرخ جلدی سے بولے۔ ”وزیر سے مشورہ کیا۔“

چچی نے کہا۔ ”نہیں بیٹا یہ بات ایسی تھوڑی تھی کہ بادشاہ کسی کے سامنے منہ سے نکالتے۔“

گلشن: توبہ ہے فرخ تمہیں بغیر بولے چین ہی نہیں آتا۔

محمود: ہاں چچی جان آگے کیا ہوا؟

چچی جان: خبر نہیں میں کیا کہہ رہی تھی۔

فرخ: جب بادشاہ کو مایوسی ہوگئی تو انہوں نے ایک دن۔

چچی جان: ہاں۔ ایک دن جوہری کو بلا کر کہا۔ ہمیں فلاں فلاں جواہرات کی سخت ضرورت ہے تم اپنے لڑکے کو بھیج کر منگوا دو۔ جوہری نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ جہاں پناہ خادم خود حضور کا حکم بجالانے کو حاضر ہے۔ لڑکا ابھی ناتجربہ کار ہے۔ اسکو جواہرات کی شناخت نہیں بادشاہ نے کہا تمہاری ضعیفی ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ اس عمر میں دور دراز ملک کے سفر کو بھیجیں علاوہ بریں ہم چاہتے ہیں تمہاری زندگی میں لڑکا بھی ہر کام سے واقف ہو جائے تمہیں ہمارے حکم کی تعمیل میں چون و چرا نہیں کرنی چاہیے۔ بھلا پھر جوہری کی کیا مجال تھی کہ جہاں پناہ کی حکم عدولی کرتا۔ تسلیمات بجالا کر خاموش گھر چلا گیا۔ اتنا ضرور کہا کہ اگر جہاں پناہ اجازت مرحمت فرمائیں۔

خادم بھی لڑکے کے ساتھ چلا جائے بادشاہ نے خوشی سے اجازت دی۔ ان کے واسطے تو میدان بالکل صاف ہو گیا۔ گھر آ کر جوہری نے لڑکے کو بادشاہ کے حکم سنایا۔ سفر کی تیاری شروع ہو گئی۔ جوہری بچہ اپنی بیوی کا عاشق زار تھا ایک پل کی جدائی گوارا نہ تھی۔ یہی حال اس کی بیوی کا تھا۔ مگر حکم حاکم۔ کسی کو دم مارنے کی جگہ نہیں تھی آخر روانگی کی گھڑی آن پہنچی گھر والوں کو روتا دھوتا چھوڑ۔ دونوں باپ بیٹے سفر کو سدھارتے۔

اب ادھر کا حال سنو شاہی کٹنیاں پہلے ہی پل پل کی اطلاع بادشاہ کو دے رہی تھیں۔''

محمود نے پوچھا کٹنیاں کون ہوتی ہیں۔

فرخ نے کہا۔ ''جیسے ہمارے ہاں مغلانی خانم ہیں۔''

بنیادی خانم بیٹھی چھالیہ کتر رہی تھیں۔ انہوں نے عالم آرا بیگم سے۔ ''بیگم مجھے پندرہ سولہ برس آپکے ہاں رہتے گزر گئے اگر میں نے کوئی کٹناپے کی بات کی ہو تو میری آس اولاد کے آگے آئے قیامت کے دن خدا کا دیدار نصیب نہ ہو۔''

اس وقت چچی جان خود اور سب کہانی سننے والے بے اختیار ہنس رہے تھے عالم آرا بیگم نے اپنا منہ رضائی کے اندر کر لیا تھا۔ فرخ نے بغیر مسکرائے بنیادی خانم سے کہا۔

''ارے تم بگڑ کیوں گئیں کیا کٹنی کا لفظ کچھ برے معنوں میں لیا جاتا ہے۔

چچی جان نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ ''بیٹا کٹنیاں بہت خراب عورتیں ہوتی ہیں۔ خدا ان سے پناہ رکھے۔''

فرخ نے بنیادی خانم کے قریب جا کر کہا۔ ''مغلانی بوا معاف کرنا میں سمجھا جس طرح مغلانیاں اور نہ معلوم کیا کیا بادشاہوں کے ہاں ہوتی تھیں۔ اسی طرح شاہی کٹنیاں بھی ہوتی ہونگی میری بیوقوفی سے تمہیں اس وقت بہت رنج ہوا۔''

بنیادی خانم نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ''خیر میں اگر انجان بچے میں کہہ دیا

تو کوئی بات نہیں۔"

عالم آرا بیگم نے اپنے منہ سے رضائی ہٹاتے ہوئے کہا۔ "بیٹا جب ہی تو کہتے ہیں خاموشی بہت اچھی چیز ہے۔"

فرخ ہنستے ہوئے پھر چچی جان کے پلنگ پر آ بیٹھے۔ شاہد نے ہنسکر جرخ کی پیٹھ پر تھپڑ مار کر چچی جان سے کہا۔ "ہاں چچی جان کٹنیوں نے آ کر بادشاہ کو کیا اطلاع دی۔"

چچی جان: اب اس کہانی کو تو پورا کرنا ہی ہے۔ "کٹنیوں نے آ کر خبر دی کہ جوہری بچی کی بیوی کوٹھے پر اکیلی سوتی ہے صرف اس کی انا پاس رہتی ہے۔ بادشاہ کو اطمینان ہوا۔ آج انہوں نے اپنا چھپر کھٹ بالا خانہ پر بچھایا اور سب پہرہ داروں سے کہا کہ ہم تخلیہ چاہتے ہیں۔"

فرخ نے زور سے کہا۔ "ہوں"

چچی جان: بس بیٹا رات کے بارہ بجے کا گجر ہوا اور شہر میں سناٹا چھا گیا۔ تو بادشاہ کمند ڈال کر جوہری کے کوٹھے پر اتر گئے۔

فرخ: کسی چور ڈاکو کو سلطنت مل گئی ہوگی۔ بادشاہوں کا تو یہ کام نہیں۔

چچی جان: بس بچو! اب میں اپنا مغز خالی نہیں کرتی۔ دس دفعہ لڑکے کو منع کیا مگر یہ چپکا بیٹھنے والا نہیں۔"

حسن آرا نے فرخ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "جاؤ تم یہاں سے سارے سننے والوں کا مزا کرکرا کر رہے ہو۔"

فرخ نے چچی جان سے کہا۔ "اس مرتبہ اور معاف کر دیجیے آئندہ کے لیے کان پکڑتا ہوں۔"

محمود: چچی جان اب شروع کیجیے بادشاہ نے جوہری کے کوٹھے پر اتر کر کیا کیا؟

چچی جان: بادشاہ چپکے چپکے کمرہ کے قریب گئے اور دروازہ سے کان لگا کر کھڑے

ہو گئے کمرہ میں بالکل خاموشی تھی سونے والوں کے خراٹوں کی آواز آرہی تھی اور سب دروازے تو بند تھے ایک کھڑکی ہوا کے لیے کھلی ہوئی تھی کمرہ میں گنگا جمنی چھپر کھٹ پر جوہری بچہ کی بیوی زردوزی دوشالہ اوڑھے منہ ڈھانکے سو رہی تھی چھپر کھٹ میں سرہانے سونے کے تاروں کا پنجرہ لٹک رہا تھا اس میں ایک ہیرامن طوطا بیٹھا تھا بادشاہ دبے پاؤں چھپر کھٹ کے پاس پہنچے اور چاہتے تھے کہ دوشالہ ہٹا کر اس لڑکی کی صورت دیکھیں کہ طوطے نے چیخ کر کہا۔

جل مریں جلا داور کا ہے کریں پکار۔ جب حاکم ہوا ایسا تو کس سے کریں فریاد۔

اس آواز کے سنتے ہی بادشاہ الٹے قدموں واپس ہوئے۔ مگر جلدی اور گھبراہٹ میں مہر شاہی انگلی سے نکل کر چھپر کھٹ پر گر گئی دہر جوہری بچہ کی بیوی کی آنکھ کھل گئی اس نے چور چور کہہ کر غل مچایا بادشاہ تو منہ ڈھک کر اپنے محل پر چڑھ گئے۔ یہاں سارا گھر جمع ہو گیا۔ نوکر چاکر بندوقیں تلواریں لے کر آگئے کونہ کونہ لا اور چپہ چپہ ڈھونڈھ مارا مگر کوئی ہو تو ملے سب نے یہی خیال کیا کہ خواب میں ڈر گئی ہو گی اسکی ساس نے کہا مجھے تو آسیب کا خلل معلوم ہتا ہے اب میں بہو کو اکیلے کوٹھے پر نہیں سونے دونگی۔ اسکی انا نے چھپر کھٹ پر بالاپوش ڈالدیا۔ لڑکی شادی اور زیور کا صندوقچہ لیکر نیچے آگئی کمرہ میں قفل ڈالدیا۔

فرخ: مجھے بولنے کی اجازت ہے۔

چچی جان: بس اب تھوڑی سی کہانی باقی ہے ختم ہو جانے دو۔

لڑکیوں نے کہا۔ ”چچی جان آپ کہے جائیے فرخ کی بات کا جواب نہ دیجیے۔“

چچی جان نے کہا۔ ”چھ مہینے اسی طرح گزر گئے۔

فرخ: میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔؟

چچی جان: پوچھو۔

فرخ: شاہی مہر کا کیا ہوا۔

چچی جان: وہ اسی طرح چھپر کھٹ پر پڑی رہی۔

فرخ: بغیر شاہی مہر کے سلطنت کا کاروبار کیسے چلا۔؟

چچی جان: میں کیا جانوں سنی سنائی کہہ رہی ہوں۔

گلشن: کسی نہ کسی بہانے سے بولیں گے ضرور۔

فرخ: بات سنئے تو اس کی تحقیق کر لے یہ کیا کہ بیوقوفوں کے طرح ہاں ہوں کر رہے ہیں۔

عالم آرا بیگم: اے چچی جان بارہ بج چکے ہیں یہ کہانی پوری ہو گی یا ساری رات لے گی۔

چچی جان: میں تو خود چھوٹی سی کہانی کہنے بیٹھی تھی مگر یہ تمہارا نواسا بیچ میں ٹپکے جاتا ہے، میں کیا کروں۔

شاہد: اچھا اب جلدی سے ختم کیجئے۔

چچی جان: چھ مہینے بعد دونوں باپ بیٹے بخیرو عافیت سفر سے واپس آئے گھر میں خوشیاں ہوئیں۔ شادیانے بجائے گئے۔ مبارک سلامت ہوئی۔ کنبے رشتہ داروں کے ہاں سے صدقہ کے تیل ماش اور کونڈے اور ٹکے آئے۔

محمود نے پوچھا: یہ صدقہ کے تیل ماش اور کونڈے کیا ہوتے ہیں۔؟

فرخ: بھئی سب گواہ رہنا اس مرتبہ محمود بھائی بولے۔

چچی جان نے محمود سے کہا۔ ''بیٹا جب کوئی سفر سے واپس آتا ہے یا غسل صحت ہوتا ہے تو حسب حیثیت سب کنبے والوں کے ہاں سے کونڈوں میں مٹھائی اور صدقہ کے واسطے تیل ماش کے بھیجے جاتے ہیں۔''

محمود: تیل ماش اور ٹکوں کا کیا ہوتا ہے۔؟

چچی جان: جس کے واسطے صدقہ بھیجا جاتا ہے۔'' وہ اپنا منہ تیل میں دیکھ لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ تیل اور ماش حلال کوری کو دے دیتے ہیں اور ٹکے خیرات کر دیتے

ہیں۔

شاہد: بھئی ان لوگوں کے سوالوں نے کہانی کا سارا مزا کھو دیا۔

چچی جان نے پھر کہنا شروع کیا۔ ”جوہری بچہ اپنی بیوی کے واسطے **ملک** در **ملک** سے سوغاتیں لایا تھا قیمتی قیمتی کپڑے جواہرات کے زیور مگر پہلے زمانہ میں شرم ولحاظ بہت تھا ماں باپ کے سامنے بیوی سے بات نہیں کرتے تھے۔ جب رات ہوتی تو خوشی خوشی سب چیزیں لے کر کوٹھے پر گیا انا نے اس کی بیوی کو بنا سنوار کر وہاں پہنچا دیا تھا۔ جوہری بچہ جونہی پلنگ پر بیٹھنا چاہا اس کا پاؤں کسی سخت چیز پر پڑا۔ اٹھا کر جو دیکھتا ہے تو شاہی مہر مارے غصہ کے اس کا تو خون کھولنے لگا۔ ایک کہ نہ دو سیدھا نیچے اتر گیا۔

محمود: پہلے زمانے کے لوگ بھی عجیب ہوتے تھے چھ مہینے تک وہ کمرہ اسی طرح پڑا رہا نہ اس کی صفائی ہوئی نہ بستر اٹھا کر جھاڑا گیا۔

شاہد: ارے میاں کہانی قصوں کی باتوں پر تم لوگ کیوں اعتراض کر رہے ہو۔ خاموش بیٹھے سنتے جاؤ۔ ہاں چچی جان آپ کہیے۔

چچی جان: جوہری بچہ کی بیوی حیران کہ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔ ہنسی خوشی آئے تھے چھپر کھٹ پر قدم رکھتے ہی اٹھ کر چلے گئے بات تک نہیں کی۔ بڑی دیر تک وہ اسی انتظار میں رہی کہ شاید اب آتے ہوں مگر ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی اس کو نہ آنا تھا نہ آیا صبح کو انا منہ دھونے کا پانی لے کر گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ لڑکی آنکھیں روتے روتے خون کبوتر ہو رہی ہیں وہ گھبرا گئی نیچے جا کر جوہری کی بیوی سے کہا وہ بھی کوٹھے پر آئیں بہو سے پوچھا گچھا۔ جو بات تھی اس نے ساس کو بتا دی جوہری

باپ الگ پریشان تھے تمام گھر میں اک کھچڑی سی پک رہی تھی کوئی کہتا تھا۔ ''پردیس گئے تھے وہاں کسی عورت سے محبت ہوگئی ہوگی، کوئی کہتا تھا۔ ڈھاکہ بنگالہ کا جادو مشہور ہے۔ ضرور کسی نے جادو کر دیا ہے۔'' غرض جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔

بنیادی خانم: اے ہاں بیگم۔ ڈھاکہ بنگالہ کی عورتیں تو مردوں کو مکھی بنا کر رکھ لیتی تھیں خدا کسی دشمن کو نہ لے جائے۔

لڑکوں نے ایک زور کا قہقہہ لگایا۔ چچی جان نے ہنس کر کہا۔ ''اس وقت تو سات بیٹیوں کی کہانی اصل ہوگئی۔ سب بولیں گے۔''

فرخ نے ہنس کر کہا۔ ''اگر کہانی ختم نہ ہوئی تو اس مرتبہ مرغ کے بولنے کی باری ہے''

بنیادی خانم: میاں اپنے ایمان کی قسم کوئی جھوٹ بات تھوڑی کہہ رہی ہوں ہمارے پردادا بنگال گئے تھے۔ ان کو عورت نے مکھ بنا دیا تھا۔ سارا دن دیوار پر چپکے رہتے رات کو وہ جادوگرنی ان کو آدمی بنا لیا کرتی تھی۔

لڑکوں نے ایک اور زبردست قہقہہ لگایا۔ عالم آرا بیگم نے کہا۔ ''اے بنیادی خانم کچھ تمہاری عقل فاریت رہی ہے خبردار جو کچھ بولیں نہ لڑکوں کا خیال نہ لڑکیوں کا جو منہ میں آیا کہہ دیا۔

محمود: ہاں چچی جان کیا ہوا۔

چچی جان: جوہری بچہ کی ماں کو پکا یقین ہو گیا کہ بہو پر کچھ آسیب کا خلل ہے۔ اس کے سر والے نے میاں کو اس سے نفرت کرا دی ہے۔ شہر در شہر سے ملا سیانے بلائے جانے لگے تعویذ گنڈوں سے بہو کو لاد دیا فلیتوں کی دھونیاں دی جاتی تھیں۔ حاضرات کرائی گئی۔ عاملوں نے کیلیں پڑھ کر کمرہ کے چاروں کونوں میں گاڑیں۔ غرض دنیا کے جتن کیے مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ جوہری ایک جہاندیدہ اور عقلمند آدمی تھا وہ سمجھ گیا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ بادشاہ نے لڑکے کو اصرار کر کے پردیس بھیجا اور اسی

رات کو بہو چور سے ڈری ضرور کچھ دال میں کالا ہے جوہری روزانہ بادشاہ کیساتھ چوسر کھیلنے جایا کرتا تھا ایک دن بادشاہ سے اجازت لے کر اپنے بیٹے کو بھی چوسر میں شریک کیا چار آدمی کھیلتے ہیں۔ایک بادشاہ تھے۔دوسرا وزیر تیسرا جوہری چوتھا اس کا لڑکا جوہری نے بادشاہ سے کہا۔''حضور آج مجھے پہلے پانسہ پھینکنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔بادشاہ نے خوشی سے منظور کیا۔ان کے دل میں چور تھا وہ سمجھ گئے تھے کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔جوہری اپنے بیٹے کو ساتھ لایا۔خیر بھئی! چوسر بچھائی گئی۔پہلے جوہری نے یہ کہہ کر اپنے بیٹے کی طرف پانسہ پھینکا''دائیں پانسہ بائیں پانسہ، پانسہ پڑے سڈھال۔اے مورکھ میں تجھ سے پوچھوں کس گن چھوڑی نار لے پوبارہ۔''

لڑکا سمجھ گیا کہ اس چوسر کھیلنے سے بات کا کیا مطلب ہے۔اس نے پانسہ اٹھا کر اپنے باپ کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔''دائیں پانسہ بائیں پانسہ۔پانسہ پڑے سڈھال اک جواہر سیچوں پانی لاکھوں اس کا مول۔اس گن چھوڑی نار لے پو بارہ۔''بادشاہ خود شرمندہ تھے اس معاملہ کو صاف کرنا چاہتے تھے۔انہوں نے پانسہ ہاتھ میں لے کر جوہری کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔دائیں پانسہ بائیں پانسہ۔پانسہ پڑے سڈھال۔ایک پنچھی پردیس سدھارا رات نہ کیا بسیرا۔ایک جو چور چوری کو گیا پانی نہ پیا تیرا اے پو بارہ۔''وزیر حیران تھا کہ یہ آج کیسی چوسر کھیلی جارہی ہے مگر وزیر تو عقلمند ہوتے ہی ہیں۔معاملہ کی تہہ کو پہنچ گیا۔اب اس کا نمبر تھا پانسے اٹھا کر جوہری بچہ کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔دائیں پانسہ بائیں پانسہ۔پانسہ پڑے سڈھال۔جھوٹا جھگڑا کاہے کا۔جا گھر اپنا سنبھال لے پو بارہ۔بس بھئی۔دونوں باپ بیٹے گھر آئے لڑکے نے چھپر کھٹ پر سے شاہی مہر ملنے کا حال سنایا جوہری نے تخلیے میں وہ انگشتری بادشاہ کو لے جا کر دی۔بادشاہ نے تمام قصہ صاف صاف جوہری کے آگے بیان کر کے کہا تمہاری بہو میری بیٹی کے برابر ہے میں نے اس کی

شکل تک دیکھی نہیں۔طوطے کی اواز پر فوراواپس چلا آیا۔ مجھے اپنی حالت پر بہت افسوس ہوا۔تم اپنے بیٹے کو سمجھا دو اس کی بیوی بیگناہ ہے۔قصہ مختصر جوہری سلام کر کے گھر واپس آیا اور پورا حال اپنے بیٹے کو سنایا جو بدگمانی اس کو اپنی بیوی کی طرف سے ہوگئی تھی وہ جاتی رہی اپنے گھر میں ہنسی خوشی رہنے لگا۔جیسے خدا نے اس لڑکی کے دن پھرے ویسے سب کے پھریں۔"

فرخ: یعنی سب لڑکیوں کے ساتھ ایسے واقعات پیش آئیں۔

چچی جان نے فرخ کی پیٹھ پر ایک تھپڑ مار کر کہا۔"میرا یہ مطلب تھوڑی تھا۔"

عالم آرا بیگم: لڑکو تم نے اس کہانی سے کیا سبق حاصل کیا۔؟

شاہد: نانی اماں اس خیال سے تو نہیں سنی۔

فرخ: نانی اماں آپ چاہتی ہیں قصے کہانیوں سے بھی سبق ہی لیں۔"

عالم آرا بیگم: اور کیا۔ کہانی کہنے اور سننے کا یہ مطلب ہوتا ہے بچوں کی کہانیاں اور قسم کی ہوتی ہیں بڑوں کے سننے کی اور طرح کی۔

فرخ: نانی اماں اس کہانی سے تو لڑکیوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے خصوصا افشاں کو برابر میں رائے صاحب کی کوٹھی ہے کسی دن بال سکھانے جائیں اور وہی واقعہ پیش آجائے۔

عالم آرا بیگم: خدا نے کرے اس کے دشمنوں کے ساتھ پیش ائے۔خبردار جو کبھی آئیندہ ایسی بدفال منہ سے نکالی۔لڑکے کی زبان میں لگام ہی نہیں۔یہ اکبر مرزا ھکلو باز کے پاس بیٹھ بیٹھ کر منہ پھٹ ہوگیا ہے۔

گلشن: تم لڑکیوں کے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہو۔ اپنے آپ کسی چیز سے سبق نہیں لیتے۔

فرخ: اس کہانی سے تو لڑکوں کو بزدل کا سبق ملتا ہے۔ہم ایسے بیوقوف نہیں ہیں۔ میں اگر جوہری بچہ کی جگہ ہوتا تو پہلے بیوی کو قتل کرتا پھر اس بدمعاش بادشاہ کو گولی

مارتا۔

شاہد: اس کی بیوی کا کیا قصور تھا۔

فرخ: مہر شاہی کا ثبوت موجود تھا۔

شاہد: ثبوت سے کیا ہوتا ہے تحقیق کی بھی تو ضرورت تھی۔

فرخ: ایسے پکے ثبوت کے بعد تحقیق کون کرتا ہے۔

عالم آرا بیگم: اسی وجہ سے کہانی قصے سنتے ہیں ان سے سبق حاصل کرتے ہیں انسان کو ہر کام سمجھ بوجھ کر کرنا چاہیے۔ تاکہ بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔

فرخ: ہنس کر۔ جب وہ اپنی بیوی کو قتل کر دیتا اور بادشاہ کو مار ڈالتا۔ تو پھر اس کو کون زندہ چھوڑتا وہ خود پچھتاتا۔

عالم آرا بیگم: تم تو بیوقوف ہو میں اس کا ذکر تھوڑی کر رہی ہوں۔ سننے والوں کو سمجھا رہی ہوں۔ ضبط وتحمل میں بڑے فائدے ہیں۔

فرخ: نانی اماں آپ کی عمر کو پہنچ کر ہر شخص متحمل اور دور اندیش ہو جاتا ہے۔

عالم آرا بیگم: اے بس تم چپکے رہو تمہارے ساتھ کون اپنا مغز خالی کرے میں تو شاہد کو سمجھا رہی ہوں۔

فرخ: جی ہاں ان کو سمجھانے کی ضرورت بھی ہے پولیس کی نوکری ہے کہیں داروغہ نورخاں کی طرح زیور کے لالچ میں بجائے ڈاکو کے اس کی عورت کو پکڑ لائیں۔

عالم آرا بیگم نے مسکرا کر کہا۔ ''اچھا اب جاؤ مجھے سونے دو۔

سب لڑکے لڑکیاں کھڑے ہو گئے۔

آٹھواں باب

صبح کا وقت ہے سید ممتاز علی صاحب اپنے ملاقاتی کمرہ میں بیٹھے ہیں۔ ان کے پرانے دوست رائے صاحب پنڈت راج نرائن وکیل اور مرزا محمد اکبر ایڈیٹر ''نقارہ'' بھی موجود ہیں۔ یہ دونوں سید صاحب کے بچپن کے ساتھی ہیں۔ تینوں نے ایک ہی محلّہ میں پرورش پائی اور ایک ہی اسکول میں تعلیم حاصل کی رائے صاحب اور مرزا صاحب ہمیشہ دلی میں رہے۔ سید صاحب کو جوانی میں ملازمت کی وجہ سے باہر رہنا پڑا لیکن پنشن کے بعد اپنی کوٹھی رائے صاحب کے مشورہ سے ان کی کوٹھی کے نزدیک ہی بنوائی اور اس طرح بڑھاپے میں پھر بچپن کی تاد کو تازہ کیا۔ مرزا صاحب نے اپنا قدیمی مکان چھوڑنا پسند نہیں۔ مگر سید صاحب کے پاس ان کا روز کا ایک پھرا کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا۔ رائے صاحب بھی آجاتے تھے۔ اپنے محلّہ اور شہر کی خبریں بڑی دلچسپی کیساتھ مرزا صاحب سے سنا کرتے تھے۔ اس وقت بھی اسی قسم کی باتیں ہو رہی ہیں۔ سید صاحب نے مرزا صاحب کی طرف حقہ بڑھاتے ہوئے کہ۔ ''کل رات دس بجے تک تمہارا انتظار کرتا رہا مجھے کچھ ضروری کام تھا۔''

مرزا صاحب نے حقہ کا دھواں منہ سے نکالتے ہوئے جواب دیا۔ ''ارے میاں تم لوگ تو اللہ میاں کے پچھواڑہ آ کر رہے ہو تمہیں کیا خبر محلّہ اور گلیوں میں رہنے والوں کی زندگی کس طرح گذرتی ہے۔''

رائے صاحب۔ مسکرا کر۔ کیا کبھی ہم محلّہ میں نہیں رہے؟

مرزا صاحب: جلدی جلدی حقہ کے دو تین کش لے کر۔ میاں وہ زمانہ اور تھا شریفوں کی عزت ہوتی تھی۔ بڑوں کا ادب تھا۔ ہمسایہ کے ساتھ ہمدردی تھی مگر اب

کیا مگر اب تو خدا کی پناہ بڑوں کا ادب نہ چھوٹوں کا خیال پانچ پانچ چھ چھ برس کے لڑکے ایسی فحش گالیاں بکتے ہیں کہ انسان دانتوں میں انگلی دبا لے ایک دو نہیں درجنوں ننگ دھڑنگ ایک کے پیچھے ایک دوڑے پھرتے ہیں اور میاں لڑکیوں کو دیکھو تو ان کی کچھ اور ہی وضع ہے ننگے سر تھیں ململ کا کرتا پہنے میلی چکٹ شلوار آدھا پیر جوتی کے اندر آدھا باہر چھوٹا بھائی بہن گود میں لٹکتا ہوا ڈولیوں کے پردے اچھالتی پھرتی کبھی تانگہ کے پیچھے دوڑتی ہیں سواریوں پر آوازکستی ہیں۔

رائے صاحب: یہ سب جہالت اور افلاس کا نتیجہ ہے اگر مائیں تعلیم یافتہ ہوتیں یا گھر میں پینے کو ہوتا تو اپنے بچوں کی دیکھ بھال کرتیں وہ غریب محنت مزدوری میں لگی رہتی ہیں۔ بچے مارے مارے پھرتے ہیں۔

مرزا صاحب: ارے میاں رہنے دو ہمارے بچپن میں کون سی خوشحالی تھی اس سے زیادہ غربت کا زمانہ تھا پردہ نشین عورتیں گھر کے کونے میں بیٹھی ٹوپیاں کاڑھتی تھیں۔ زردوزی کا کام بناتی تھیں۔ مگر اپنے بچوں کو بے لگام نہیں پھرنے دیتی تھیں۔ محلّہ میں دو ایک اللہ کی بندیاں ایسی بھی ہوتی تھیں جو اپنے گھر میں مکتب کھول لیتی تھیں غریبوں کے بچوں کو راہ خدا کلام پاک پڑھا دیا کرتی تھیں۔ ہم نے بھی اپنے محلّہ کی استانی جی سے قرآن شریف پڑھا ہے۔ اور سید بھی انہیں کے شاگرد ہیں۔ کبھی کسی سے ایک پیسہ نہیں لیا۔ بیچاری معمول حیثیت کی آدمی تھیں اولاد کوئی تھی نہیں۔ میاں کسی عطار کی دکان پر بیس روپیہ ماہوار کے نوکر تھے۔ خود تمام دن زردوزی کا کام بناتی تھیں۔ گوٹہ بنتی تھی۔ غریبوں کی لڑکیوں کو چھٹی کے وقت سینا کاڑھنا بھی سکھاتی تھیں۔ امیروں کے بچوں سے صرف پیسہ روز سقہ کا لیتی تھی۔ نل ان کے گھر میں تھا بچے پانی بہت خرچ کرتے تھے۔ سبق کے وقت جب ہم ان کے ہاں جاتے تو کوئی لڑکی جھاڑو دے رہی ہے کوئی مصالحہ پیس رہی ہے۔ کوئی برتن مانجھ رہی ہے غرض اس طرح ان کو بھی آرام ملتا تھا اور لڑکیوں کو بھی ہر کام کی عادت پڑتی تھی۔ غریبی امیری

کا ان کے ہاں کوئی فرق نہیں تھا باری باری سے ہر لڑکی کام کرتی تھی۔ بازار کا سودا لڑکوں سے منگواتی تھیں کبھی کسی لڑکی کو دکان پر نہیں بھیجا خواہ کنجڑے کی ہو یا قصائی کی۔ گیارہ بجے کھانے کی چھٹی ملتی تھی لڑکے اپنے گھر جا کر کھاتے تھے لڑکیوں کا کھانا ان کے باپ بھائی مامین یا نوکر دے جایا کرتے تھے اجلا دستر خوان بچھوا کر خود بھی بیٹھتی تھیں اور سب لڑکیوں کو ساتھ بٹھاتی تھیں امیروں کی لڑکیوں کی مجال نہیں تھی کہ غریب لڑکیوں کے ساتھ کھانے میں ناک بھوں چڑھائیں یا منہ بنائیں۔ بیسیوں قسم کے کھانے دستر خوان پر ہوتے تھے۔ دال چٹنی سے لے کر پلاؤ قورمہ تک شام کو پانچ بجے سب اپنے گھر جاتے تھے۔

سید صاحب: باوجود ان تمام باتوں کے پانی کبھی کسی کو کسی کا جھوٹا نہیں پینے دیتی تھیں سب کے کٹورے الگ الگ تھے۔

مرزا صاحب: ہاں بھئی آج کل کے لوگوں کے نزدیک جاہل تھیں مگر کس قدر احتیاط پانی کی تھی، صراحیوں کے منہ پر سفید کپڑے بندھے ہوئے جہاں ذرا میلے ہوئے اور انہوں نے شام کو جتا دیا۔ کل اپنی اپنی صراحیوں کے لیے اجلی صافیاں لانا۔

سید صاحب: (مسکرا کر) خدا ان کو جنت نصیب کرے مارتی بری طرح تھیں۔

رائے صاحب: بھئی اس زمانہ کے استادوں کے یہ طریقہ تھا۔

مرزا صاحب: اسی وجہ سے بچے ایسے سرکش اور شورہ پشت نہیں ہوتے تھے۔

سید صاحب: میں تو تم سے یہ پوچھ رہا تھا کہ کل کیوں نہیں آئے تم نے یہ داستان چھیڑ دی۔

مرزا صاحب: بھئی اسی کی تمہید تھی داستان تو اب بیان کرتا ہوں۔

رائے صاحب: کیا کوئی قصہ پیش آ گیا؟

مرزا صاحب: قصے تو روز ہی پیش آتے ہیں کہاں تک تم لوگوں کی سمع خراشی

کروں۔

سید صاحب: کل کونسا واقعہ گذرا؟

مرزا صاحب: کل تمام رات جاگتے گزری میرے کوٹھے کے نیچے جو کلو رنگ ساز رہتا ہے اس میں اور اس کی بیوی میں ایسی لڑائی ہوئی کہ طلاطم ہونے لگی گیارہ بجے رات کے روتی پیٹتی میرے ہاں آئی کہ خدا کے واسطے مرزا صاحب اس مردوئے سے فیصلہ کرادو۔ سالن میں ذرا سا نمک تیز ہوگیا تھا۔ مردے نے مار مار کر نیلا کر دیا۔ میں نے کلو کو بلا کر پوچھا وہ الٹی عورت کی شکایت کرنے لگا۔ میاں صبح کا گیا گیا رات کے آٹھ بجے گھر آتا تھا نہ چراغ نہ بتی معلوم ہوتا ہے گھر میں کتے لوٹ رہے ہیں۔ کھانے کی یہ حالت ہے کہ اس کمبخت کو روپیہ روز دیتا ہوں مگر کسی دن جال ہوا سالن سامنے رکھ دیتی ہے۔ کسی دن روکھی روٹی ہوتی ہے کہہ دیتی ہے دو پیسے کے کباب لے آؤ گوشت بلی کھا گئی۔ اب آپ ہی بتایئے غصہ کیسے نہ آئے۔ اپنی یہ حالت ہے کہ جہاں میں دوکان گیا اور برقعہ سر پر ڈالا سارا دن جوتیاں چٹخاتی پھرتی ہے۔ آج بڑے شوق سے میں نے بھیجے پکوائے تھے۔ اس نے مجھے جلانے کو برابر کا نمک ڈال دیا۔" غرض میں نے دونوں کو سمجھا بجھا کر ان کے گھر بھیجا۔ کوئی بارہ بجے سونے کے لیے پلنگ پر لیٹا تو برابر والے مکان میں میاں کریم الدین کے لڑکوں نے گراموفون بجانا شروع کیا۔ پہلے تو کروٹیں بدلتا رہا کہ شاید نیند آجائے مگر تو بہ کیجئے ایک تو گرمی بلا کی دوسرے سر پر طوفان بدتمیزی ایک ایک ریکارڈ کو پانچ پانچ چھ چھ مرتبہ بجاتے ہیں۔ طبیعت اکتا جاتی ہے۔ آخر مجبور ہو کر بستر بغل میں دبا نیچے اترا۔

سید صاحب: محلّہ والے اس کا انتظام کیوں نہیں کرتے کہ بارہ بجے کے بعد کوئی گراموفون نہ بجائے۔

مرزا صاحب: بھئی تم میرا جی نہ جلایا کرو۔ یہ ولائتی باتیں سول لائن یا چھاؤنی میں

رہنے والوں سے کرنا۔ ہمارے محلّہ میں ایک سے ایک منچلا رہتا ہے۔ رضا علی والے مکان میں جو کرایہ دار ہیں ان کے ہاں ہر مہینہ کی گیارہ تاریخ کو قوالی ہوتی ہے۔ رات کے نو بجے سے صبح کے پانچ بج جاتے ہیں وہ دھما چوکڑی مچتی ہے۔ اور ایسا ایسا حال، کھیلتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے وہما لیے فقیر دودھ ملیدہ اللہ ہی دے گا۔'' کر رہے ہیں۔

سید صاحب: خیر نیچے جا کر آرام سے سو رہے ہو گے۔

مرزا صاحب: زینہ کا دروازہ کھولتے ہی بیوی نے غل مچایا۔ اے ہے مشکل سے تو آج وہ ہاتھ آئی ہے تم نے دروازہ کھول دیا، اب وہ سیدھی کوٹھے پر پہنچ گئی ماما اور اسکی لڑکی الگ چیخیں میں جلدی سے دروازہ بند کر دیجیے وہ ادھر ہی جا رہی ہے، میں حیران کہ یہ ماجرا کیا ہے کوئی چیز نظر تو آ نہیں رہی کھٹا کھٹ لکڑیاں چل رہی ہیں۔ آگے بڑھا تو وہ بدذات میرے پیروں پر چڑھ گئی۔ بستر میری بغل میں دبا تھا ایک ہاتھ میں حقہ، میں بے قابو ہو کر وہیں اوندھے گر پڑا۔ وہ تو خدا نے بڑی خیر کی ورنہ ہاتھ پاؤں ٹوٹ جاتا۔

سید صاحب: وہ چیز کیا تھی جس کی وجہ سے تم گرے۔

مرزا صاحب: ارے میاں گھونس تھی ظالن نے تمام گھر کھود ڈال ہے کئی ماری جا چکی ہیں۔ مگر کسی کی ایسی دعا لگی ہے کہ ان کی نسل ہی نہیں مٹتی۔

رائے صاحب۔ (مسکرا کر) زیادہ چوٹ تو نہیں لگی۔

مرزا صاحب: نہیں بھئی بس گھٹنے اور کہنیاں چھل گئیں۔

سید صاحب: یہاں خبر ہی نہیں ہوئی۔ تمہارے نہ آنے سے خیال لگا ہوا تھا رات سو جا تھا کہ صبح جاؤں گا۔ اس وقت تم خود آ گئے۔

مرزا صاحب: کل میں اپنی چوٹ کی وجہ سے نہیں رکا پیدل آنے کی ہمت نہ ہوتی تانگہ پر آ جاتا مگر بھئی ایک ایسا عبرتناک واقعہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اپنی عمر میں نہ

دیکھا تھا نہ سنا تھا۔

رائے صاحب: کیا واقعہ تھا؟

مرزا صاحب: دوپہر کا کھانا کھا کر یہاں آنے کو تیار کھڑا تھا کہ گنگا رام کہار نے آ کر کہا جس کوٹھڑی میں پاربتی پکھوری والی رہتی تھی اس کا دروازہ تین دن سے کسی نے کھلتے نہیں دیکھا آج وہاں سے ایسی بدبو آ رہی ہے کہ راستہ چلنے والے ناک پر کپڑا رکھ لیتے ہیں۔ سارا محلّہ اکٹھا ہو رہا ہے۔ سب آپ کو بلا رہے ہیں، جب تک آپ نہیں جائیں گے کوئی دروازہ نہیں توڑے گا۔ میں نے اس کو تھانہ پر بھیجا کہ پولیس کو اطلاع کرے اور خود وہاں گیا گلی میں ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ بچے بوڑھے برقعہ والی عورتیں گویا کوئی تماشا ہونے والا ہے۔ میں نے عورتوں اور بچوں کو ڈانٹ کر وہاں سے بھگایا۔ پولیس بھی آ گئی تھی۔ دروازہ توڑا گیا۔ بھئی خدا گواہ ہے ایسی تعفن نکلی ہے کہ لوگوں کو ابکائیاں آنے لگیں۔ ناکوں پر رومال رکھ رکھ کر دور بھاگے پولیس والے بھی الگ کھڑے ہو گئے کون اپنی جان خطرے میں ڈالے۔ کوٹھڑی میں خدا جھوٹ نہ بلوائے تو سینکڑوں موٹے موٹے چوہے گوشت کی بوٹیوں پر لڑ رہے تھے۔ کمبختوں نے سارا گوشت اس بے چاری کا نوچ کھایا تھا۔

سید صاحب: (گھبراہٹ کے لہجہ میں) ہائیں گوشت نوچ کھایا تھا؟ چوہوں نے؟

مرزا صاحب: جی ہاں چوہوں نے۔ ایسے ایسے بخونخوار چوہوں کا اجتماع تھا کہ کوٹھڑی میں قدم رکھنے کی کسی کو جرات نہ ہوتی تھی۔ بمشکل تمام دو آدمیوں کو روپیہ کا لالچ دے کر اندر بھیجا صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہ گیا تھا۔

رائے صاحب: بھئی اس وقت مجھے اس قدر رنج ہوا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا تم نے یہاں اطلاع کیوں نہیں کرائی۔

مرزا صاحب: میاں میں خود خواس باختہ ہو رہا تھا تمہیں کیا اطلاع کراتا۔

سید صاحب: پھر اس کی ہڈیوں کو کیا کیا؟

مرزا صاحب: (ہنس کر) عجائب خانہ بھیجدیا۔

سید صاحب: نہیں بھئی ٹھیک بتاؤ۔

مرزا صاحب: محلّہ کے سب ہندوؤں کو بلا کر ان کے سپرد کر دیا۔ اسی وقت لے جا کر جلا آئے۔

رائے صاحب: (ٹھنڈا سانس لے کر) بہت ہی افسوس ناک واقعہ گذرا۔

مرزا صاحب: میں افسوس کی کیا بات ہے انجام تو اس کا یہ تھا غریبوں کے اپاس اتنا روپیہ کہاں ہوتا ہے کہ باقاعدہ چتا بنائیں دس پانچ لکڑیاں رکھیں وہ پھونک پھانک چلے آئے بعد میں چیل کوے، گدھ بوٹیاں نوچا کرتے ہیں۔ کھوپریاں کتے گھسیٹتے پھرتے ہیں۔ اس غریب کی بوٹیاں تو پردہ پوشی کے ساتھ چوہوں کے بلوں ہی میں رہیں۔ وہ تھی بھی غیرت دار۔

سید صاحب: اس کا وارث کوئی نہیں تھا؟

مرزا صاحب: (ذرا غصے سے) تم لوگوں نے محلّہ کیا چھوڑا وہاں کے ادمیوں کو بھی بھول گئے ارے میاں دہی کچوری والی تھی جو ہم لوگوں کے گھروں میں صبح حلوا، پوری، کچوریاں لایا کرتی تھی اس کا کون وارث تھا سب وارث مر کھپ گئے تھے بچپن میں شادی ہوئی اسی زمانہ میں بیوہ ہوگئی ساری عمر اپنی محنت کا کھایا دو مرتبہ تیرتھ بھی کر آئی تھی۔

سید صاحب: اچھا اچھا اب میں سمجھا وہ تو بڑی نیک عورت تھی۔ یہاں بھی کبھی کبھی آجایا کرتی تھی اب تو ضعیف ہوگئی تھی۔

مرزا صاحب: دو مہینے سے بخار آرہا تھا مگر اب بھی لکڑی ٹیکتی آیا کرتی تھی۔

سید صاحب نے اپنے نوکر کو حقہ بھرنے کے واسطے بلایا مرزا صاحب بولے۔" بھئی رحیم اللہ میری طرف سے گھر میں بھابی سیدانی کو سلام کہلوا دینا اور کہنا اندھی بسم

اللہ خانم کی نواسی کا نکاح پرسوں جمعہ کے دن ٹھہر گیا ہے۔ یتیم لڑکی ہے اگر کچھ خیرا ت زکوٰۃ کا دینا ہو تو ان کو بھجوادیں۔

رائے صاحب: (مسکرا کر) میں کہتا ہوں تمہیں اور بھی کوئی دنیا کا کام ہے کسی کی شادی کسی کا مرنا ہر وقت انہیں فکروں میں رہتے ہو۔

مرزا صاحب: دنیا کا اور کام کیا ہوتا ہے ذرا مجھے بھی تو بتاؤ کیا تم چاہتے ہو اس زمانہ کے بیکار لوگوں کی طرح میں بھی قوم قوم پکاروں؟ گھر گھر چندے مانگتا پھرو؟ شہر در شہر عوتیں اڑاؤں؟ معاف کرو نہ میرے پاس اتنا وقت نہ میں کہیں کا رئیس۔ یہ سب مشغلے پیسے والوں کو مبارک رہیں۔ جن کے پاس کوٹھیاں ہیں۔ موٹریں ہیں بیرے خانساماں اچھے سے اچھا کھانا میز پر لگا دیتے ہیں چار وقت نوش جان کرتے ہیں کلب میں بیٹھ کر غریبوں کی حالت پر آنسو بہاتے ہیں اپنے ملک کی جہالت پر افسوس کرتے ہیں۔"

رائے صاحب: آج تو پارہ بہت چڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

مرزا صاحب: ارے میاں پارہ چڑھے تو کیا ہو۔ ابھی تمہارے بڑے صاحبزادہ کی تقریر اخبار میں پڑھ کر آیا ہوں۔ تن بدن میں آگ لگ گئی۔ لیڈر بننے کا شوق بہت ہے قوم کے ساتھ بڑی ہمدردی جتاتے ہیں۔ غریبوں کے لیے جان فدا کرنے کو تیار ہیں مگر اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نہیں دیکھتے، جرمن عورت سے شادی کر رکھی ہے مہینوں ماں، باپ کو صورت نہیں دکھاتے اپنے محلّہ کے غریب اور لاوارث مر جائیں تو ان کا گوشت چیل کوے کھائیں۔

رائے صاحب: ہاں ہاں مجھے سب معلوم ہے یہ دو کانیں تم نے اپنے بڑے لڑکے کے حصہ میں لکھ دی ہیں جن کو غریبوں اور مزدوروں سے بہت انس ہے اور اس بے چاری بڑھیا سے چار روپیہ ماہوار کے حساب سے ہر مہینہ ان کا کارندہ وصول کر لیا کرتا تھا۔

رائے صاحب۔ متعجب ہوکر) کیا برج نرائن اس سے کرایہ لیتا تھا؟

مرزا صاحب: اور کیا تم سمجھتے تھے وہ بغیر کرایہ کے رہتی تھی؟

رائے صاحب: ہاں میرا تو یہی خیال تھا۔ میں نے اسی وجہ سے وہ سارا علاقہ برج نارائن کے نام لکھا ہے کہ اس کو نیچے طبقہ کے لوگوں سے ہمدردی ہے اور وہاں زیادہ تر یہی لوگ آباد ہیں۔

مرزا صاحب: جی ہاں ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں دکھانے کے اور دو چار ہزار آدمیوں کے اجتماع میں اسٹیج پر کھڑے ہو کر سرمایہ داروں کو برا کہنا اور غریبوں مزدوروں کی حمایت کرنا بہت آسان ہے ہم تو جب جانیں کہ خود بھی اس پر عمل کریں۔

سید صاحب: بھئی بڑے بڑے سوینٹڈ بوینٹڈ گاڑھا پہننے لگے تھرڈ کلاس میں سفر کرنے لگے جیلوں میں چکیاں پیسنے لگے اور کیا چاہتے ہو۔

مرزا صاحب: (قہقہہ لگا کر) یہ بات تم نے خوب کہ کہ گاڑھا پہننے لگے ارے میاں ذرا ان کے گھروں میں جا کر تو دیکھو دنیا میں جس قدر آرام و آسائش ہو سکتا ہے وہ انکو میسر ہے۔ تھرڈ کلاس کا حال بھی مجھے معلوم ہے پورا ڈبہ اپنا ہوتا ہے مخمل کے گدوں پر وکے تکیے لگائے آرام سے بیٹھے ہوتے ہیں یہی جیلوں کا ہے پہلے درجہ میں مزے سے بیٹھے کتب بینی اخبار بینی کرتے رہتے ہیں۔ وہاں بھی غریبوں ہی سے چکیاں پسوائی جاتی ہیں۔

رائے صاحب۔ مسکرا کر۔ بھائی تم تو روس چلے جاؤ۔

مرزا صاحب: جی ایسی کی تیسی روس کی ہمارے اسلام نے جو اخوت و مساوات کی تعلیم ہم کو دی ہے وہ اسٹالین نکوسات جنم میں بھی نصیب نہ ہو گی۔ یہ تو ہماری بدقسمتی ہے کہ اپنے مذہبی اصولوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

سید صاحب: اس میں کیا شک ہے۔

مرزا صاحب: ایک وہ تمہارے چھوٹے صاحبزادہ میاں محسن ہیں۔ خیر اب تو کچھ راہ راست پر آ گئے ہیں۔ کئی سال گذرے ایک دن میرے ہاں گاڑھے کی شیروانی اور گاڑھے کی ٹوپی پہن کر پہنچے تھے۔ میں نے کہا۔ ''بیٹا نہ تمہارے باپ نے کبھی گاڑھا پہنا نہ دادا نے یہ تم نے کیا حلیہ بنایا ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے وہی اپنی چرخے کی روں روں شروع کی۔ میں نے کہا اب بیٹھ پرے ایسے ایسے لونڈے میں نے سیکڑوں پڑھا دیے ہیں اس جواب سے کھسیانی ہنسی ہنس کر کہنے لگا۔'' آپ میری بات تو سنیے میں چاہتا ہوں لباس میں غریبی امیری کا کوئی فرق نہ رہے سب گاڑھا پہننے لگیں۔ میں نے پوچھا اور کھانے کے متعلق بھی کبھی سوچا ہے کہنے لگے جو جس کو میسر آئے کھائے کھانے کو کون دیکھتا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ واہ بیٹا واہ ایسی ظاہر داری کا کیا فائدہ ہم تو جب جانیں کہ اگر ہزار روپیہ مہینہ کی آمدنی ہے تو پانچ آدمیوں میں تقسیم کر دو۔ دو دو سو روپیہ میں پانچ خاندان خوشحال نظر آئیں گے، ہنس کر بولا، چچا جان یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا خبردار جو آیندہ کبھی میرے ہاں یہ حلیہ بنا کر آئے میں تمہارے دادا کا زمانہ دیکھے ہوئے ہوں، جن کا تمام اثاثہ غدر میں برباد ہو گیا تھا صرف نام ہی نام تھا مگر ان کی یہ حالت تھی کہ ہمیشہ تن زیب اور چکن کا انگرکھا پہن کر بازار جاتے تھے۔ گھر میں خواہ ایک وقت دال ہی پکے مگر محلّہ کے غریب بچوں کے واسطے اور کچھ نہیں تو دو چار پیسے کی گنڈیریاں اور بیر ہی لے آتے تھے پہلے ان کو دو دو چار چار بانٹ دیتے تھے بعد میں اپنے بچوں کو دیتے تھے۔

سید صاحب: تمہارے کہنے سے مجھے اسد وقت ابا جان کے زمانہ کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ایک دن دوپہر کو ہاتھ دھو کر کھانے جا رہے تھے۔ سامنے باورچی خانہ میں پکانے والی ماما اپنا کھانا رومال میں باندھ رہی تھی کٹورہ میں دال اور روٹیاں۔ اس کو دیکھتے ہوئے خاموش چلے آئے دسترخوان پر سالن بھی تھا مگر انہوں نے صرف دال کھائی سب نے بہت کہا مگر کچھ نہیں بولے رات کو بھی کھانے پر دال ہی مانگی اماں

جان نے کہا دال تو اس وقت نہیں پکی کیا گوشت کا پرہیز ہے کہنے لگے ماما کے لیے تو پکی ہو گی۔ اماں جان نے جواب دیا میں کوئی ماما کے لیے الگ کھان تھوڑی پکواتی ہوں جو گھر

میں پکتا ہے وہی اس کو دیتی ہوں کہنے لگے، اگر یہی بات ہے تو دوپہر کو اسے سالن کیوں نہیں دیا تھا، اماں جان نے کہا صبح کو سالن کم پکواتی ہوں اتنا نہیں ہوتا کہ ماما کو بھی دوں، کہنے لگے پیسہ دو پیسے میں ہمارے پاس کوئی خزانہ نہیں جڑ جائے گا زیادہ گوشت منگوایا کرو میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ میں اور میرے بچے سالن کھائیں اور وہ غریب جو صبح سے شام تک ہمارے ہاں کام کرے اپنے بچوں کے لیے دال لے کر جائے فقیر سے زیادہ نوکر کا حق ہے وہ کسی دوسری جگہ مانگنے نہیں جاتا روزانہ موٹے مشٹنڈے فقیر دو چار پیسے ضرور لے جاتے ہیں۔ انہیں پیسوں کا گوشت منگوا لیا کرو۔

رائے صاحب: ارے بھئی اگلے لوگوں کا مقابلہ اج کل کے لوگ کیا کھا کر کریں گے۔ میرے والد کی نصیحت تھی کہ جو مزدور روزانہ پر کام کرے اس کی مزدوری کبھی نہ روکنا فوراً شام کو اس کے ہاتھ پر رکھ دینا کیونکہ اس کی جمع پونجی جو کچھ ہوتی ہے وہی دو چار آنہ ہوتے ہیں اگر اسی وقت نہ دیئے گئے تو اس کے گھر میں فاقہ پڑ جائے گا۔ دوسری نصیحت یہ کرتے تھے کہ مزدور کی اجرت پہلے سے طے کر لیا کرو تا کہ بعد میں جھک جھک نہ ہو، اسی طرح جس سواری پر بیٹھو یہ اصول نہایت غلط ہے کہ اپنا کام نکال کر بعد میں اس کو کم پیسے بدیئے جائیں۔

مرزا صاحب: ارے میاں میرے تو دو چار آنہ روزانہ اسی کے بھینٹ چڑھتے

جائے۔ کہار چیخا کرتے ہیں۔ اور گھر میں سے کوئی جواب ہی نہیں ملتا۔ مجبور ہو کر بیٹھک میں سے خود جا کر اس کمی کو پورا کرتا ہوں۔

سید صاحب: بھئی یہ ذکر...... تو اس وقت چھوڑو۔ مجھے تم لوگوں سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔

مرزا صاحب: ہاں ہاں وہ بات تو رہ گئی کیا مشورہ کرنا ہے۔؟

سید صاحب: میں چاہتا ہوں فوجی اسکول سے فرخ کا نام کٹوا کر اس کو علی گڑھ میں داخل کر دوں۔

مرزا صاحب: (متعجب ہو کر) یہ خیال کیوں پیدا ہوا؟

سید صاحب: بھئی اس کی نانی تو پہلے ہی خلاف تھیں میری زبردستی سے ایک سال وہ وہاں رہا اب لوگ ان کو ڈرا رہے ہیں کہ جنگ چھڑنے والی ہے۔

مرزا صاحب: نہیں جی جنگ ونگ کچھ نہیں ہوتی۔ عورتیں بھی ایسی ہی ہوائیاں اڑایا کرتی ہیں۔ کسی کپڑے والی تانگے والی نے کہہ دیا ہوگا۔ تم اپنے ارادہ پر مستحکم رہو۔

رائے صاحب: جنگ تو اب رکنے والی نہیں اس سال نہیں تو آئندہ سال نہیں تو تیسرے سال ہو گی ضرور۔ ہٹلر نے پوری تیار کر لی ہے۔

سید صاحب: ہاں بھئی میرا بھی یہی خیال ہے۔

رائے صاحب: میری تو یہ رائے ہے کہ خرابی صحت کا سارٹیفکیٹ دے کر لڑکے کو چھٹیوں کے بعد نہ بھیجو۔

سید صاحب: یہ تو وہ کہہ رہی ہیں کہ اس وقت موقعہ اچھا ہے اس کو بخار آ رہا ہے۔

مرزا صاحب: میں کہتا ہوں تم لوگ قیامت سے پہلے گریبان کیوں چاک کرنے لگے۔ فوج کی ملازمت لڑکے کی زندگی سنور جائے گی۔

رائے صاحب: بھائی اس ملازمت میں زندگی ہی کا تو سوال ہے۔

مرزا صاحب: لاحول والاقوۃ تم کیسی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔ بھائی نصرت مرزا کو دیکھو جنگ عظیم میں خاص فرانس کے مورچہ پر بھیجے گئے تھے۔ جہاں لاکھوں آدمی روزانہ کٹ رہے تھے مگر خدا کے فضل و کرم سے ان کے کہیں ایک خراش تک نہیں آئی بلکہ ایسے سرخ وسفید اور تندرست ہو کر واپس آئے تھے کہ دیکھ کر تعجب ہوتا تھا اور اب تک ماشاءاللہ ہٹے کٹے موجود ہیں۔ انہیں کا دوسرا بھائی مسرت مرزا اسی زمانہ میں گھر کیا اندر تین روز کے بخار میں چٹ پٹ ہو گیا ہے نہ پولیس کی اب دیکھو سلیم بیگ کے دونوں بیٹے فوج میں ہیں بڑا تو اب کیپٹن ہو گیا ہے میرٹھ میں ہے اگلے مہینہ اس کی شادی ہو رہی ہے۔ پچھلے ہفتہ یہاں آیا تھا دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔

رائے صاحب: ہاں ایک رخ تو بہت چمکدار اور روشن ہے لیکن دوسرا نہایت تاریک اور مدھم۔

مرزا صاحب: میں کہتا ہوں مدھم اور تاریک پہلو پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

رائے صاحب: بھائی میرے یہ انسان کا خاصہ ہے اور خصوصاً عورتیں اور اسی معاملہ میں بہت وہمی ہوتی ہیں۔

سید صاحب: بس یہی بات تو ہے تمہاری بھاوج ہر وقت پیچھے پڑی رہتی ہیں۔ گویا میں لڑکے کا دشمن ہوں۔ اس کے علاوہ افشاں کا معاملہ درپیش ہے ان کو ابھی سے لڑکی شادی کی جلدی ہے۔

مرزا صاحب: جلدی ہے تو شادی کر دیں لڑکا بھی گھر میں لڑکی بھی گھر میں۔

رائے صاحب: (بناوٹی مسکراہٹ سے) عجیب قسم کی مہمل باتیں کرتے ہو یہ کوئی گڈے گڑیا کا کھیل ہے؟ شادی کا جب وقت آئے گا ہو جائے گی۔ اگر ایمانداری سے دیکھا تو فرخ سے زیادہ افشاں کی فلاح و بہبود کا خیال کرنا چاہیے ایک معصوم اور بے زبان جو بالکل اپنے بزرگوں کے اختیار میں ہے اور بھاوج نے شروع سے۔ اس

کی ایسی تربیت کی ہے کہ بقول شخص وہ ایک گائے ہے جس کھونٹے سے باندھ دیا جائے گا۔گردن جھکا کر بندھ جائے گی۔

مرزا صاحب: (مسکرا کر) اور کیا ہمارا فرخ بے ناتھ بیل ہے؟ رسایاں تڑاتا ہے؟ نہیں بھئی وہ بھی بڑا نیک لڑکا ہے۔ہاں طبیعت میں ذرا شوخی ہے۔خدا اس کو اپنے حفظ و اماں میں رکھے دہرہ دون میں تھا تو اس گھر میں سناٹا ہو گیا تھا۔میری بیوی ہر وقت ان کا سبق پڑھتی تھیں روزانہ شام کو اس کا معمول تھا کہ دنیا بھر کی جھوٹی سچی باتیں ان کو سنایا کرتا تھا۔

رائے صاحب: یہ حال بڑی ویدی کا ہے کوئی وقت ایسا ہی جو فرخ کا نام ان کی زبان پر نہ ہو۔فالج کی وجہ سے خود تو چلنے پھرنے سے معذور ہیں فرخ ان کو گود میں اٹھا کر پوری کوٹھی کا چکر کرا دیا کرتا تھا چیختی تھیں غصہ کرتی تھیں مگر وہ تمام کمروں۔ کوٹھڑیوں، باورچی خانہ غرض گھر کا کونہ کونہ جنکاتا پھرتا تھا، اب گویا ایک عادت سی پڑ گئی ہے چاہتی ہیں ہر جگہ جاؤں۔

سید صاحب: ایک دن مجھے بلا کر بڑی دیدی نے بہت سمجھایا تھا کہ لڑکے کا نام فوجی اسکول میں سے کٹوا لو۔

رائے صاحب: خیر فرخ تو اپنی باتوں کی وجہ سے سب کی آنکھوں کا تارا بنا ہوا ہے۔مگر افشاں کے ساتھ ان کی خاص عقیدت ہے کہتی ہیں سید کے گھر میں کسی دیوی نے جنم لیا ہے پرانے خیالات کی آدمی ہیں چھوت چھات بہت کرتی ہیں مگر افشاں کے ہاتھ سے سب کچھ کھا لیتی ہیں۔فرخ ان کے چڑانے کو کہتا تھا۔بڑی دیدی افشاں آپ کو اپنا جھوٹا پانی پلاتی ہیں۔

وہ جواب دیتی تھیں۔رہنے دے مجھے اس کے جھوٹے کا پرہیز نہیں۔

مرزا صاحب: بھئی بڑی دیدی کا فرمانا بالکل درست ہے۔اس زمانہ کی لڑکیوں کو دیکھتے ہوئے وہ شرم و حیا کی دیوی ہے۔

سید صاحب: اسی وجہ سے تو اس کی دادی کو زیادہ فکر ہے اور میں بھی سوچتا ہوں کہ وہ لڑکی کبھی اپنے متعلق کوئی رائے نہیں بتا سکتی تمام ذمہ داری ہم دونوں کے اوپر ہے۔ محسن کا رنگ تم لوگوں کو معلوم ہی ہے۔ شروع سے اس وقت تک اس لڑکی سے کوئی واسطہ ہی نہیں رہا۔

رائے صاحب: یہ تو سب ٹھیک ہے لیکن شادی بیاہ کے موقعہ پر باپ کی موجودگی میں دادا کی رائے نہیں مانی جائے گی نکاح کے وقت تو محسن ہی کی ضرورت پیش آئے گی۔

سید صاحب: جہاں تک میرا خیال ہے محسن اس رشتہ کو پسند نہیں کریں گے۔

مرزا صاحب: محسن کو کس وجہ سے اختلاف ہو گا؟

رائے صاحب: میں نے اپنے گھر میں چھوٹی بہو سے سنا ہے کہ محسن کی بیوی اپنے لڑکے شہریار سے افشاں کی شادی کرنی چاہتی ہیں۔

سید صاحب: نہیں بھئی محسن کی بیوی نے کبھی یہ خیال ظاہر نہیں کیا۔ یہ تو ہمارے خاندان کی عورتیں اپنی طرف سے خیالی پلاؤ کرتی ہیں اور انہیں تمام وجوہات سے افشاں کی دادی متفکر ہیں وہ کہتی ہیں اگر فرخ فوج میں ہو گیا تو محسن اور ان کی بیوی کو ایک بہانہ ہاتھ آ جائے گا۔

رائے صاحب: یہ تو بالکل صحیح ہے۔

مرزا صاحب: ارے میاں تم کسی کو اختلاف کرنے کی مہلت ہی نہ دو بس خدا کا نام لے کر لڑکی کا نکاح پڑھوا دو آگے رہی اس کی قسمت ہم تو اس کے قائل ہیں کہ انسان کو اپنا ارادہ مضبوط رکھنا چاہیے۔ جو خیال تم نے اور بھاوج نے شروع سے قائم کر لیا ہے اس کو ہرگز نہ بدلو خدا کے فضل سے جوان لڑکی ہے اس کا عندیہ معلوم کرالو محسن اور ان کی بیوی کو اطلاع بھی نہ کرو۔ اب ہماری تمہاری عمریں ایسی نہیں ہیں کہ آئندہ کے واقعات کا انتظار کریں۔ بس جو "بندھ گیا سو موتی۔" ہم نے یہ بال دھوپ

میں سفید نہیں کیے۔بہت کچھ دنیا کا نشیب وفراز دیکھے ہوئے ہیں۔

رائے صاحب: (مسکرا کر) مگر تھوڑا سا سٹھیا گئے ہو۔باپ کو خبر نہ کی جائے اور لڑکی کا نکاح کر دیا جائے۔

مرزا صاحب: ارے میاں دنیا میں ہوتی چلی آئی ہے وہ محمد عرجان مرحوم کے بچوں کا قصہ بھول گئے۔ان معصوموں کی کس قدر مٹی پلید ہوئی تین تین جگہ نابالغ بچوں کے نکاح پڑھوا دیئے گئے۔ہر شخص ان کے ولی ہونے کا دعویدار تھا۔ماں باپ کی زندگی میں بچوں نے جن لوگوں کی صورت تک نہ دیکھی تھی وہ عدالت میں وارث بن کر ان کو حاصل کرنا چاہتے تھے اور یہ بھی نہیں کہ ہم جیسے جاہل اور دنیا کے کتنے بلکہ ایک سے ایک عالم۔فاضل۔اسلام کے علمبردار ہمارے راہنما لمبی لمبی داڑھیاں نورانی شکلیں ہاتھوں تسبیحیاں جن کو دیکھ کر انسان درود شریف پڑھنے لگے۔بخار ان کی کیفیت تھی کہ عدالت ایک دوسرے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے سیکڑوں کرایہ کے گواہ سمیٹ لائے تھے۔

رائے صاحب: میں نے کچھ غلط نہیں کہا تھا کہ تم سٹھیا گئے ہو۔

مرزا صاحب: کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔

رائے صاحب: ہے تو سچ۔لیکن وہاں جائیداد کا معاملہ تھا وہ لوگ بچوں کو حاصل کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ روپیہ کے خواہاں تھے۔

مرزا صاحب: بہر حال ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو نابالغ بچوں کو نکاح کر لیتے ہیں۔

رائے صاحب: ارے میاں جائیداد کے پیچھے تو بہت کچھ ہو جاتا ہے۔اس کا ذکر فضول ہے۔

سید صاحب: بھئی نہ یہاں جائیداد ہے نہ علاقہ صرف آپس کے اختلافات کا ڈر ہے۔

مرزا صاحب: میاں تمہیں تو آسان ترکیب بتا دی حق بہ حق دار رسید۔ فرخ میں خدانخواستہ کوئی عیب نہیں۔

سید صاحب: پہلے تو دوسرا مرحلہ درپیش ہے۔ ایسی صورت میں تو وہی خلاف ہیں جن کی برسوں سے تمنا ہے۔

رائے صاحب۔ خیر اس کا انتظام تو ہو جائے گا۔ کوئی فکر کی بات نہیں۔

مرزا صاحب نے جیب سے گھڑی نکال کر دیکھی اور فوراً کھڑے ہو گئے۔ سید صاحب نے کہا۔ خیریت تو ہے یکا یک کیا خیال آ گیا۔"

مرزا صاحب نے جواب دیا۔" بھئی باتوں باتوں میں وقت کا پتہ نہیں چلا۔ ساڑھے بارہ بج گئے میں ٹھیک بارہ بجے کھانا کھا لیتا ہوں۔"

سید صاحب نے کہا۔ کھانا یہیں کھا لو گھر پہنچتے پہنچتے ایک بج جائے گا۔"

مرزا صاحب نے جواب دیا "میرا اصول نہیں ہے بغیر گھر میں خبر کیے خود

نواں باب

آجکل سید صاحب کی کوٹھی میں خوب چہل پہل اور گہما گہمی نظر آتی ہے۔ احسن ممتاز کی بڑی لڑکی نزہت آرا کے بیاہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ شادی میں صرف آٹھ روز باقی ہیں۔ تمام کام پھیلا پڑا ہے۔ بیٹی کا جہیز خواہ پہلے ہی سے تیار کیوں نہ ہو۔ لیکن میں بارات کے دن تک سوئی تاگا ہاتھ میں رہتا ہے۔ یہاں بھی یہی حال ہے۔ شوکت آرا نے نصیرہ بیگم اور ان کی لڑکیوں کو پہلے سے بلا لیا ہے۔ مار مار سلائی ٹکائی ہو رہی ہے بارہ بارہ بجے رات بیٹھے سیا کرتے ہیں۔ چچی جان بھی آئی ہوئی ہیں طرح طرح کے قصے کہانیاں لڑکیوں کو سنایا کرتی ہیں۔

اس وقت رات کے دس بجے ہوں گے۔ کھانے سے فارغ ہو کر سب لڑکیاں اپنا اپنا کام لے کر بیٹھ گئیں۔ نصیرہ بیگم دوپٹہ پر کرن ٹانک رہی ہیں۔ شوکت آرا رضائی کی گوٹ لگا رہی ہیں چچی جان بھی ان کے پاس بیٹھی آہستہ آہستہ باتیں کر رہی ہیں۔ انہوں نے کمرہ میں چاروں طرف دیکھ کر نصیرہ بیگم سے کہا۔ اے بیٹی کل سے افشاں کیوں اپنی دادی کے کمرہ میں بیٹھی رہتی ہے۔؟

نصیرہ بیگم: مجھے کیا خبر۔ لڑکیاں کہہ رہی تھیں وہ اپنے سینے پرونے کا سامان بھی وہیں لے گئیں۔

شوکت آرا۔ شاید پھوپھی اماں نے فرخ سے افشاں کا پردہ کرا دیا ہے۔

چچی جان۔ ہاں بیٹی۔ تمہارا خیال درست ہے جب سے فرخ آئے ہیں۔ افشاں کو میں نے نہیں دیکھا۔

نصیرہ بیگم۔ (رنجیدہ لہجہ میں) آج کو رضا علی یہاں ہوتے تو ہمیں بولنے کا کچھ حق ہوتا مگر اب تو چچا ابا اور چچی اماں کی جو مرضی ہوگی وہ ہوگا۔

چچی جان۔ بھلا تمہارے بولنے کا کیا موقعہ ہے نانا نانی نے پالا پوسا۔ پڑھایا لکھایا شادی بیاہ کا بھی انہیں کو اختیار ہے۔

نصیرہ بیگم: چچا ابا نے جب بچے کو فوجی اسکول میں داخل کیا تھا۔ میں تو اس وقت بھی دل پر پتھر رکھے چپکی بیٹھی رہی۔

چچی جان۔ اے ہاں بیٹی میاں سید کو یہ کیا سوجھی تھی۔ میں نے تو جس وقت سنا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔

نصیرہ بیگم۔ یہاں تو سب یہ کہتے تھے لڑکا خود ضد کر کے گیا ہے پڑھنے سے گھبراتا ہے۔

چچی جان۔ پھر وہاں سے بلا کیوں لیا۔ اب تو سنتی ہوں علی گڑھ میں پڑھتا ہے۔

نصیرہ بیگم: میں کیا جانوں کیا بھید ہیں لڑکے کا ایک سال ضائع ہونا تھا ہوا۔

شوکت آرا۔ پھوپھی اماں تو وہاں داخل کرنے کے پہلے ہی خلاف تھیں بڑی مشکل سے نام کٹوایا ہے۔

نصیرہ بیگم: چچی اماں بڑی عقلمند ہیں سونچا ہو گا اگر فوج میں چلا گیا تو محسن لڑکی کی شادی کی مخالفت نہ کریں۔

چچی جان۔ ایمان کی بات ہے اگر افشاں سے شادی ہوئی تو تمہاری ذات میں بٹہ لگ جائے گا۔ فرخ کی اولاد کنبے رشتہ میں کہیں نہیں بیاہی جائے گی۔

شوکت آرا: چچی جان آپ بھی کیا باتیں کرتی ہیں آجکل کوئی ذات وات نہیں دیکھتا۔ لڑکی خوبصورت ہونی چاہیے لڑکا قابل اور روپیہ والا۔

نصیرہ بیگم: خیر ذات نہ سہی مگر اتنا تو معلوم ہوتا کہ لڑکی کی ماں کون تھی نکاح بھی ہوا تھا یا نہیں۔

چچی جان نے اپنے دونوں کلے پیٹتے ہوئے کہا "اللہ کے آگے توبہ ہے مجھے تو کچھ شبہ ہی ہے۔

نصیرہ بیگم: میرا تو خیال ہے جو چرس بچی کو لے کر آئی تھی۔ لڑکی اسی کے پیٹ سے ہے وہ بھی تو بڑی خوبصورت جوان لڑکی تھی روتی ہوئی گئی تھی گھڑی گھڑی افشاں کو

اٹھا کر پیار کرتی تھی۔ محسن نے اس کو دوسرے ہی دن چلتا کر دیا تھا۔

چچی جان۔ ہاں بیٹی تمہارا خیال درست ہے۔ افشاں کی صورت بھی اسی سے ملتی ہے۔ میں نے بھی دیکھا تھا۔

نصیرہ بیگم: چچی اماں حسن آرا کو تو کچھ نہیں کہتیں انہوں نے تو تین مہینے کی جان کو پالا ہے۔

جس قدر بھی اس کا خیال کریں کم ہے مگر تعجب تو مجھے چچا ابا کے اوپر ہوتا ہے وہ کیسے راضی ہو گئے۔

شوکت آرا۔ وہ کیوں نہ راضی ہوں گے آخر افشاں کی شادی بھی کہیں ہو گی یہ نہیں غیروں میں یہی سوال اٹھے گا فرخ کا معاملہ گھر کا ہے کوئی پوچھنے گچھنے والا نہیں۔

نصیرہ بیگم: (طنزیہ لہجہ میں) تم کیوں نہیں میاں محمود سے کر لیتیں۔ یہ بھی تو گھر ہی کا معاملہ ہے۔ بلکہ فرخ تو پھوپھی کا بیٹا ہے۔ محمود تو چچا کے بیٹے ہیں

شوکت آرا: محمود تو اپنے خاندان میں شادی کرنے ہی کے خلاف ہے۔

نصیرہ بیگم: ہاں بھئی اپنے بچوں کی خوشی کا سب خیال کرتے ہیں۔ یہ تو حسن آرا ہی اپنی اماں کے دباؤ میں ایسی ہو گئی ہیں کہ بیٹے کی مرضی کا بھی خیال نہیں۔

چچی جان۔ (تعجب سے) کیا فرخ کی مرضی نہیں ہے۔؟

نصیرہ بیگم: چچی جان۔ خدا کو کسی نے دیکھا نہیں مگر عقل سے پہچانا ہے۔ بچپن سے لے کر اس وقت تک فرخ کی جو کشھ حالت ہے سب کو معلوم ہے۔ ایک گھر کا رہنا سہنا ہر وقت کا ساتھ اٹھنا بیٹھنا ان دوسرا کوئی لڑکا ہوتا تو خدا جانے کتنی محبت کرنے لگتا مگر اس کا تو یہ حال ہے کہ کبھی سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا اس کے ہر کام میں عیب اور ہر بات میں مذاق اڑاتا ہے۔ ایسی صورت میں شادی کے بعد کیسے آپس میں نباہ ہو گا۔

چچی جان۔ اے بی بڑھاپے میں میاں سید اور عالم آرا بیگم کی عقل کو کیا ہو گیا ہے

دونوں کی زندگی برباد کریں گے۔ میں تو کہتی ہوں حسن آرا کو چاہیے فرخ کی شادی حمیدہ سے کرلیں۔ میں تو ان کو یہی صلاح دوں گی۔ افشاں کا کیا ہے محسن اپنی بیوی کے لڑکے سے کردیں۔ سنا ہے لاکھوں روپیہ کی جائیداد ہے۔

نصیرہ بیگم: نہیں چچی جان آپ حمیدہ کا ذکر نہ کیجئے گا حسن آرا خیال کریں گی میں نے کہلوایا ہے خواہ مخواہ چچی اماں اور چچا ابا تک بات پہنچے۔

چچی جان اے بیٹی ساس میں ہرج کی کیا بات ہے میں تو اپنی طرف سے کہوں گی کیا حمیدہ کسی غیر کی لڑکی ہے۔ تمہارا بھتیجے پر کوئی حق نہیں۔

میرہ بیگم۔ (رنجیدہ لہجہ میں) خدا رضا علی کو جان کی سلامتی میں یہاں آنا نصیب کرے میرا حق تو انکی موجودگی میں ہوتا اب تو کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں۔

شوکت آرا۔ آپا نصیرہ یہ تو تمہارا خیال غلط ہے کیا رضا علی سے حسن آرا کی شادی نہ ہوتی تو پھوپھا ابا سے تمہارا کوئی رشتہ ہی نہیں ہوتا۔

نصیرہ بیگم: یہ میں کب کہتی ہوں خدا چچا ابا کے دم کو رکھے میں ان کو اپنے باپ کی جگہ سمجھتی ہوں البتہ رضا علی کی وجہ سے حسن آرا اور چچی اماں کے سامنے میری نگاہ نیچی رہتی ہے۔

چچی جان۔ اے بیٹی تمہارا اس میں کیا قصور ہے تم نے کوئی حسن آرا کی شادی زبردستی رضا علی سے کی تھی میں ممتاز علی جانے ان کا کام جانے۔

نصیرہ بیگم: یہ تو ٹھیک ہے مگر حسن آرا کی حالت دیکھ کر میرے دل کی بہت تکلیف ہوتی چاہے وہ زبان سے نہ کہیں مگر دل میں تو خیال آتا ہی ہوگا۔

شوکت آرا۔ خیر یہ قصہ تو اب پران ہوگیا۔ حسن آرا بیچاری اپنی اس حالت کی

گئیں۔ ایک تار کا لفافہ محمود نے اپنی ماں کو دکھاتے ہوئے کہا۔ ’’صبح کی گاڑی سے چچا جان آ رہے ہیں‘‘

شوکت آرا۔ کیا اکیلے آ رہے ہیں؟

محمود۔ نہیں مع فیملی کے۔

چچی جان۔ فیملی کیا چیز ہوتی ہے؟

محمود۔ (مسکرا کر) مع بیوی بچوں کے۔

شوکت آرا کیا شہریار بھی آئیں گے؟

محمود۔ میرا خیال ہے آئیں گے۔ وہ ولایت سے واپس آ گئے ہیں۔ ابا جان نے ان کو بھی بلایا ہے۔

شوکت آرا۔ وہ ٹھہریں گے کہاں۔ یہاں تو سب ان سے پردہ کریں گے۔

محمود۔ پردہ کیوں کریں گے؟

شوکت آرا۔ بیٹا سے ہمارا کیا رشتہ ہے۔

محمود۔ رشتہ ہو یا نہ ہو آپ لوگوں کو ان کے سامنے ہونا پڑے گا۔

شوکت آرا۔ خیر میرا کیا ہے۔ پھوپھی اماں باجی جان حسن آرا سامنے ہوتی ہیں میں بھی ہو جاؤں گی مگر لڑکیاں تو پردہ کریں گی۔

محمود۔ خیر یہ بتائیے آپ نے ان لوگوں کے ٹھہرانے کا کیا انتظام کیا۔

شوکت آرا۔ کوئی خاص انتظام تو نہیں کیا۔ ایک کمرہ ایک غسل خانہ ٹھیک کرا دیا ہے۔

محمود۔ ایک کمرہ سے کام کیسے چلے گا کم از کم دو تو ہوتے۔

شوکت آرا۔ بھئی شادی بیاہ کے موقعہ پر ایسا ہی ہوتا ہے محسن کوئی غیر تو نہیں ہیں زرتاج بیگم بھی کئی مرتبہ آ چکی ہیں۔

محمود۔ لیکن شہریار تو پہلی مرتبہ آ رہے ہیں وہ کیا آپ کے ہاں کا رنگ دیکھیں

گے۔

چچی جان۔ اے بیٹا شکر کرو یہاں تو اتنی بڑی کوٹھی ہے سب کا الگ الگ ٹھکانہ ہے۔ ان لوگوں کا خیال کرو جن کے ہاں اے کمرہ ایک دلان میں پورا خاندان رہتا ہے بیماری دکھی شادی غمی سب ہی کچھ ہوتا ہے۔

محمود نے چچی جان کی بات کا کوئی جاب نہیں دیا اپنی ماں سے پوچھا "کونسا کمرہ چچا جان کے واسطے ٹھیک ہوا ہے؟

شوکت آرا۔ فرخ کے کمرہ سے ملا ہوا جو بڑا کمرہ ہے جس میں پہلے تمہارے دادا ابا رہتے تھے۔

محمود۔ فرخ والا کمرہ بھی خالی ہو جاتا تو شہریار اس میں ٹھہر جاتے۔

شوکت آرا۔ فرخ بھی تو آجکل آئے ہوئے ہیں وہ کمرہ خالی کیسے ہو سکتا ہے۔؟

محمود۔ فرخ کا کیا ہے وہ پھوپھی جان کے کمرہ میں چلے جائیں۔ جو دور دراز سے مہمان آرہے ہیں ان کا زیادہ خیال کرنا چاہیے۔

شوکت آرا۔ بھئی مجھ سے جو کچھ ہو سکتا تھا وہ میں نے کر دیا۔ اگر تم فرخ کا کمرہ خالی کرانا چاہتے ہو تو خود جا کر ان سے کہو۔ مجھے برا معلوم ہوتا ہے۔

محمود نے کمرہ سے باہر جاتے ہوئے کہا۔ "مہمانداری کا بڑا شوق ہے مگر مہمانوں کے آرام کا خیال نہیں۔ جانوروں سے بدتر ہمارے ہاں کی حالت ہے۔ ادھر ادھر کی بڑھیوں کو جمع کر لیا اور بیکار باتیں کرنے بیٹھ گئے ایک تو یہ کوٹھی ہی ایسی دقیانوسی قسم کی بنی ہوئی ہے کہ اس کو کوٹھی کہنا ہی حماقت ہے بالکل جیل خانہ معلوم ہوتا ہے۔ خبر نہیں اس کا نقشہ کس نے بنایا تھا۔"

محمود بڑبڑاتے ہوئے فرک کے کمرہ میں پہنچے۔ فرخ اپنے پلنگ پر پڑے ہوئے حلوا سوہن کھا رہے تھے۔ محمود نے کمرہ میں داخل ہو کر کہا۔ "کیا سو گئے فرخ؟"

فرخ نے پلنگ پر پڑے پڑے کہا۔ آیئے آیئے صاحب بہادر آپ نے اس

وقت کیسے تکلیف کی۔"

محمود۔ یہ کٹر کٹر کیا کھا رہے ہو؟

فرخ نے ایک ٹکڑا حلوہ سوہن کا ان کی طرف بڑھاتے ہو کہا۔ "لو تم بھی کھاؤ"

محمود۔ مجھے یہ پپڑی کا حلوہ سوہن پسند نہیں۔

فرخ۔ جانے دو میں بھی اوپری دل سے کہہ رہا تھا۔ آؤ بیٹھو۔

محمود نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کمرہ میں چاروں طرف دیکھ کر کہا۔ "کمرہ تو خوب آراستہ ہے۔ پردے وردے بھی بہت بڑھیا قسم کے پڑے ہوئے ہیں خوب ٹھاٹھ سے رہتے ہو۔"

فرخ۔ تمہارا دل چاہے تو تم بھی ہیں آجاؤ۔"

محمود نے کرسی سے اٹھ کر غسل خانہ کر پردہ ہٹاتے ہوئے کہا۔" اوہو" یہاں پارٹیشن کر کے باقاعدہ ڈریسنگ ٹیبل وغیرہ بھی لگا رکھی ہے۔

فرخ۔ آپ اپنا مطلب بیان کیجئے کونہ کیوں جھانکتے پھرتے ہو۔

محمود۔ میں اس وقت تمہارے پاس ضروری کام سے آیا ہوں۔ میری مدد کرنی ہوگی۔

فرخ۔ کیا کسی سے لڑائی جھگڑا ہو گیا۔ بندوق لے چلوں؟

محمود نے مسکراکر تاردکھاتے ہوئے کہا۔ صبح کی گاڑی سے چچا جان آرہے ہیں۔"

فرخ۔ کیا مجھے اسٹیشن جانے کا حکم ہے؟

محمود۔ صبح اسٹیشن تو میں چلا جاؤں گا اگر تمہارا دل چاہے تم بھی چلنا۔

فرخ۔ صبح چھ بجے اپنے بستر سے اٹھنے کو دل کس بیوقوف کا چاہے گا۔ ہاں اگر ڈیوٹی لگا دو تو چار بجے جا سکتا ہوں۔

محمود تمہیں بھی خبر ہے چچی جان اور لڑکیاں بھی آرہی ہیں۔

فرخ نے آنکھیں پھاڑ کر اپنے تکیے سے سر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "قسم خدا کی یہ تو تم

نے بڑی دلچسپ خبر سنائی۔ پھر کچھ سہرے۔ گھوڑے وغیرہ کا انتظام کروں؟

محمود۔ (مسکرا کر) گھوڑا کیسا؟

فرخ۔ تمہیں دولھا بنا کر کیسے لے جائیں گے۔

محمود۔ تم تو بدتمیز ہو۔ میں تو ایک کمرہ کی فکر میں آیا ہوں۔

فرخ۔ قہقہہ لگا کر۔ شاید میرا کمرہ اپنی دلھن کے واسطے پسند آ گیا ہے۔

محمود (ہنس کر) خیر مذاق کو چھوڑو۔ اگر واقعی تمہارا کمرہ مل جائے تو شہر یار کو اس میں ٹھہرا دیا جائے ایک کمرہ میں ان لوگوں کو تکلیف ہوگی۔

فرخ۔ (سنجیدگی سے) تمہیں پہلے سے نوٹس دینا چاہیے تھا۔

محمود۔ مجھے تو اس وقت معلوم ہوا ہے کہ ان لوگوں کے واسطے صرف ایک کمرہ کا انتظام کیا گیا ہے۔

فرخ۔ ایک ہی خاندان کے لوگ تو ہیں ایک کمرہ کافی ہے۔

محمود۔ ان لوگوں کو اس طرح رہنے کی عادت نہیں ہے۔ خصوصاً شہر یار کو۔

فرخ نے لحاف اوڑھتے ہوئے کہا۔ ''شہر یار کو آنے کی کیا ضرورت تھی۔

محمود۔ (بگڑ کر) وہ تھوڑی آ رہے ہیں ابا جان نے بلایا ہے۔

فرخ۔ پہلے سے کہتے تو کوئی دوسرا انتظام ہو جاتا۔

محمود۔ تم اپنا کمرہ نہیں خالی کر سکتے؟

فرخ نے لحاف کے اندر منہ کرتے ہوئے کہا۔ ''بھائی جان میں بھی ایک مہمان کی حیثیت سے علی گڑھ سے آیا ہوں مجھے تو خود تکلیف ہوگی۔''

محمود سخت غصہ میں کمرہ سے باہر چلے گئے۔ فرخ نے اٹھ کر اپنا سب سامان کبس میں بند کیا اور بستر لپیٹ کر اپنے نانا کے کمرے میں پہنچے۔ سید صاحب اپنے پلنگ پر لیٹے ہوئے حقہ پی رہے تھے انہوں نے پیروں کی آہٹ پوچھا۔ ''کون ہے۔''

فرخ۔ میں ہوں فرخ۔

سید صاحب۔ یہ سامان کس کا ہے۔

فرخ۔ میرا ہے۔

سید صاحب۔ خیر تو ہے؟ اس وقت کہاں جا رہے ہو؟

فرخ۔ جا تو کہیں نہیں رہا یہاں سونے آیا ہوں۔

سید صاحب۔ اپنے کمرہ میں کیوں نہیں سوتے؟

فرخ۔ صبح چھوٹے ماموں جان آ رہے ہیں ان کے واسطے کمرہ کی ضرورت ہے۔

سید صاحب۔ تمہاری نانی نے ان کے واسطے میرا کمرہ ٹھیک تو کروا دیا ہے۔

فرخ۔ شہریار بھی آ رہے ہیں ان کے لیے ایک کمرہ کی اور ضرورت ہے۔

سید صاحب نے کچھ طنزیہ لہجہ میں کہا۔ ''اچھا تو تم اپنے واسطے پلنگ منگوا لو زمین پر نہ سونا بیمار پڑ جاؤ گے سردی زیادہ ہے۔

فرخ۔ اس وقت تو میں قالین پر اپنا بستر بچھائے لیتا ہوں کل سے پلنگ بچھ جایا کرے گا۔

سید صاحب۔ بیوقوفی کی باتیں نہ کرو۔ بیچ کا دروازہ کھول کر اپنی نانی کہوں پلنگ منگوا دیں۔ فرخ نے دروازہ کھول کر دیکھا تو عالم آرا بیگم سو رہی تھیں۔ افشاں بیٹھی اپنا دوپٹہ ٹانک رہی تھی۔ انہوں نے فوجی طریق سے اس کو سلام کیا وہ فوراً اٹھ کر برآمدہ میں چلی گئی۔ سید صاحب دروازہ کی طرف دیکھ رہے تھے انہوں نے فرخ سے پوچھا۔ ''کیا کر رہے ہو؟

فرخ۔ کوئی چیز میرے سر پر گر کر پاؤں میں لپٹ گئی۔

سید صاحب۔ یہاں چھپکلیاں بہت ہو گئی ہیں۔

فرخ نے کمرہ میں جا کر آہستہ سے افشاں کا بستر اٹھا کر نیچے فرش پر رکھ دیا اور اس کا پلنگ اپنے واسطے اٹھا لائے ساتھ ہی جو دوپٹہ ٹانک رہی تھی وہ بھی لیتے آئے۔

سید صاحب نے کہا۔

پلنگ مل گیا؟

فرخ۔ جی ہاں یہ پلنگ خالی پڑا تھا میں اٹھا لایا۔

سید صاحب۔ تمہاری نانی سو گئیں؟

فرخ۔ جی ہاں سو رہی ہیں۔

سید صاحب۔ بجلی کیوں جل رہی ہے؟

فرخ۔ بنیادی خانم بیٹھی کچھ کام کر رہی ہیں۔

سید صاحب۔ اچھا دروازہ کا کھٹکا بند کر کے سو جاؤ۔

افشاں نے کمرہ میں آ کر دیکھا تو پلنگ بھی غائب اور جو دوپٹہ وہ ٹانک رہی تھی وہ بھی ندارد اس کو بہت غصہ آیا مگر کیا کر سکتی تھی۔ دروازہ کا کھٹکا اپنی طرف سے بند کر کے بستر پر لیٹ گئی۔

سید صاحب نے فرخ سے پوچھا۔ "یہ کس چیز کی آواز تھی۔"

فرخ۔ میں نے بنیادی خانم سے کہا تھا اندر سے دروازہ بند کر لیں۔

سید صاحب۔ وہ تو روز کھلا رہتا ہے۔ خیر رہنے دو میں صبح کھلوا لوں گا۔ وضو کے واسطے گرم پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔

فرخ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اپنے بستر پر پڑے ہنستے رہے۔ پھر کچھ سوچ کہا۔ ابا آپ سردی میں گرم پانی لینے باہر نہ جائیے گا جگا دیجئے گا۔"

سید صاحب۔ نہیں بیٹا۔ میں باہر نہیں جاتا تمہاری نانی کے کمرہ میں سے لے لیتا ہوں۔

فرخ نے خیال کیا صبح بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ پھر خود ہی اپنا اطمینان کر لیا۔ "میں پہلے ہی پانی لا دوں گا۔" ادھر افشاں کو یہ فکر ہوئی کہ صبح دادا ابا کو تکلیف ہو گی وہ بڑی دیر تک جاگتی رہی دروازہ کھولنے کی اس کی ہمت نہ ہوئی۔ اپنے دوپٹہ کا بھی افسوس تھا نزہت کی مائیوں میں اوڑھنے کے لیے سب کے زرد رنگ کے دوپٹے بنے تھے وہ

ایک بجے تک اس پریشانی میں جاگتی رہی کہ صبح کو دادی اماں خفا ہوں گی۔ حسن آرا کے کمرہ کا دروازہ عالم آرا بیگم کے کمرہ میں تھا۔ افشاں چپکے سے اپنا بستر لپیٹ کر حسن آرا کے کمرہ میں جا کر سو رہی۔

عالم آرا بیگم حسب معمول صبح سویرے اٹھیں پہلے انہوں نے بجلی جلائی کمرہ میں نہ افشاں تھی نہ اس کا پلنگ وہ حسن آرا کے کمرہ میں دیکھنے گئیں اور آپ ہی باتیں کرنے لگیں۔ ''اے اس لڑکی کا پلنگ تو میرے پاس بچھا ہوا تھا۔ یہ یہاں کب آ کر سوئی؟'' حسن آرا کی آنکھ کھل گئی انہوں نے پوچھا۔ ''اماں کیا کیا بات؟''

عالم آرا بیگم: افشاں کس وقت تمہارے پاس آ کر سوئی؟''

حسن آرا نے منہ پر سے لحاف ہٹا کر کہا۔ ''مجھے تو خبر نہیں۔''

افشاں کی بھی آنکھ کھل گئی تھی مگر وہ چپکی پڑی رہی۔ سید صاحب نے کمرہ کا دروازہ کھٹکھٹایا فرخ گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ لحاف پھینک پھانک جلدی سے اپنے نانا کے ہاتھ سے لوٹا لیا۔ سید صاحب نے بہت منع کیا۔ مگر فرخ نے کہا۔ ''آپ تکلیف نہ کیجئے میں پانی لائے دیتا ہوں۔''

عالم آرا بیگم نے حسن آرا سے کہا۔ ''شاید تمہارے ابا پانی لینے آئے ہیں۔ حسن آرا نے آ کر دروازہ کھولا۔ عالم آرا بیگم بولیں۔ ''اوئی یہ کھٹکا کس نے بند کر دیا تھا؟

فرخ نے کمرہ میں آ کر کہا ''گرم پانی دے دیجئے۔''

عالم آرا بیگم: کیا تم یہاں سو رہے تھے؟

فرخ۔ پہلے پانی دیجئے پھر آ کر اپنا قصہ سناؤں گا۔

عالم آرا بیگم نے حسن آرا سے کہا معلوم ہوتا ہے افشاں کا پلنگ یہی لے گیا ہے۔ دیکھو یہ حرکتیں اچھی نہیں ہیں۔ میں نے اس وجہ سے لڑکی کا پردہ کرا دیا ہے۔ مگر یہ لڑکا اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا۔

فرخ اپنے نانا کو پانی دے کر واپس آئے۔ عالم آرا بیگم نے پوچھا۔ ''تم اپنے

کمرے میں کیوں نہیں سوئے۔

فرخ۔نانی اماں آپ تو نو بجے سے سو جاتی ہیں آپ کو کچھ خبر نہیں۔رات بارہ بجے محمود بھائی نے کھڑے کھڑے میرا کمرہ خالی کرایا ہے۔

عالم آرا بیگم: مجھے سب خبر ہے محمود نے آ کر مجھ سے کہا تھا کہ فرخ کی بہت خوشامد کی مگر وہ کمرہ خالی نہیں کرتے۔

فرخ۔ان سے تو میں نے یہی کہا تھا مگر بعد میں سوچا میرا کیا ہے پھوپھی اماں کے ہاں چلا جاؤں گا رات کو نانا ابا کے کمرہ میں اپنا سامان اور بستر اٹھا لایا۔

عالم آرا بیگم۔کیا افشاں کا پلنگ تم خود لے گئے تھے۔

فرخ۔جی ہاں!

عالم آرا بیگم: بیٹا۔میں نے تو تمہیں منع کر دیا تھا میرے کمرہ میں نہ آیا کرو پردہ ہوتا ہے مہمان آئے ہوئے ہیں

فرخ۔میں خود تھوڑی آیا تھا۔نانا ابا نے بھیجا تھا کہ اپنی نانی اماں سے کہو وہ تمہارے واسطے پلنگ بچھوا دیں۔میں نے دروازہ کھول کر دیکھا تو آپ سو رہی تھیں۔

عالم آرا بیگم۔تم نے مجھے جگا دیا ہوتا؟

فرخ۔میں آپ کو کیوں تکلیف دیتا ایک پلنگ خالی پڑا تھا وہ اٹھا کر لے گیا۔

عالم آرا بیگم: خالی کہاں پڑا تھا افشاں کا بستر بچھا ہوا تھا وہ بیٹھی اپنا دوپٹہ ٹانک رہی تھی میری آنکھ جھپک گئی اتنی دیر میں تم نے یہ گل کھلایا۔

فرخ۔میں نے کمرہ میں آ کر دیکھا تو وہ آپ کو پردہ والی مہمان بڑی بی چادر

رات کو زمین پر سوئی۔

فرخ۔ میں نے بھی اس کے خاندان والوں کے لیے اپنا کمرہ خالی کر دیا۔ اس کو میرا احسان ماننا چاہیے۔

فرخ۔ اے بیٹا تمہاری مثل ہے کہا بس نہ چلا گدھیا کے کان اینٹھے۔

فرخ۔ (ہنس کر) نانی اماں آج آپ نے صحیح نام تجویز کر دیا۔

عالم آرا بیگم: دیکھو میں تمہیں سمجھائے دیتی ہوں زر تاج بیگم اور ان کی لڑکیوں اور شہریار کے آگے میری بچی کا مذاق نہ اڑانا۔

فرخ۔ اچھا آپ نماز تو پڑھیے روشنی نمودار ہو رہی ہے۔

حسن آرا نے فرخ سے کہا۔ ”چا ناشتہ سے فارغ ہو کر میرے کمرے میں آ جانا۔

“

فرخ۔ میں کہیں جا تھوڑی رہا ہوں یہیں نانی اماں کے پلنگ پر سوتا ہوں آج میری نیند نہیں بھری رات کو ایک بجے تک جاگا اب چھ بجے سے اٹھ بیٹھا۔

حسن۔ اپنے پلنگ پر جا کر کیوں نہیں سوتے؟

فرخ۔ نانا ابا کے کمرے میں دن چڑھے تک کیسے سو سکتا ہوں۔ یا تو آپ کے کمرہ میں سوؤں گا یا نانی اماں کے۔

عالم آرا بیگم نے وضو کرتے ہوئے کہا۔ ”میرے ہی پلنگ پر سو جاؤ۔“

فرخ رضائی اوڑھ کر لیٹ گئے۔ حسن آرا بھی نماز پڑھنے چلی گئیں ان کو ناشتہ کا بھی انتظام کرنا تھا۔ افشاں کو قدرتی طور پر اپنے باپ اور بہنوں کے آنے کی خوشی لگی

ہوئی تھی وہ بھی حسن آرا کے ساتھ کام میں لگ گئی محمود اسٹیشن چلے گئے [illegible]

اچھی قسم کا ہو وہی روز والا کچوریاں اور ٹوسٹ نہ ہوں۔"

حسن آرا نے مسکرا کر کہا۔"جیسا تم چاہتے ہو ویسا ہی ہو جائے گا۔اطمینان رکھو۔
"

محمود۔پھوپھی جان مہربانی کرکے ناشتہ وہیں کمرہ میں بھیج دیجیے گا۔وہ لوگ تھکے ہوئے ہوں گے۔کھانے کے کمرہ میں نہ بلوائیے گا۔ایک تو ان کے ٹھہرنے کا ہی کوئی معقول انتظام نہیں ہے کھانا پینا، سونا بیٹھنا سب ایک ہی کمرہ میں کیسے ہوگا۔مجھے سخت کوفت ہو رہی ہے۔

حسن آرا۔میاں ناشتہ تو تم لوگوں کا بھی روزانہ الگ کمروں میں جاتا ہے بھلا ان آنے والوں کو اس وقت کھانے کے کمرہ میں کیوں بلانے لگی فرخ کے کمرہ میں ناشتہ بھیجدوں گی وہ بھی خالی ہو گیا ہے۔"

محمود۔فرخ نے تو مجھ سے صاف انکار کر دیا تھا۔

حسن آرا۔وہ رات ہی کو اپنا سامان اور بستر لے کر ابا جان کے کمرہ میں آ گئے تھے۔

محمود۔یہ کہتے ہوئے چلے گئے۔"فرخ بھی عجیب قسم کے ہیں مجھے تو جواب دے دیا اور آدھی رات کو دادا ابا کے پاس پہنچے وہ خیال کرتے ہوں گے زبردستی کمرہ خالی کرایا۔

عالم آرا بیگم صبح کی نماز کے بعد بڑی دیر تک وظیفہ وغیرہ پڑھا کرتی تھیں۔آج فرخ ان کے کمرے میں سو رہے تھے اس وجہ سے وہ اپنا قرآن شریف لے کر حسن آرا کے کمرہ میں چلی گئیں۔افشاں کو خبر نہیں تھی کہ فرخ وہاں سو رہے ہیں۔وہ اپنے باپ کے آنے کی اطلاع کرنے خوشی خوشی دادی کے پاس آئی۔عالم آرا بیگم اکثر نماز وظیفہ سے فارغ ہو کر اپنے پلنگ پر لیٹ جایا کرتی تھیں۔افشاں نے آ کر کہا۔"دادی اماں ابا میاں آ گئے۔"فرخ جاگ رہے تھے۔انہوں نے رضائی کے اندر ہنستا

شروع کیا۔

افشاں نے پوچھا۔ ''کیا آپ کو سردی لگ رہی ہے دادی اماں لحاف اڑھا دوں؟''

اسی وقت عالم آرا بیگم دوسرے کمرے میں سے قرآن شریف لیے ہوئے آئیں۔ ان کو دیکھ کر افشاں کے حواس جاتے رہے وہ الٹے قدموں وہاں سے بھاگی دادی کو منہ کھانے کی جگہ نہیں رہی فرخ پلنگ پر پڑے پڑے مارے ہنسی کے لوٹے جا رہے تھے۔ عالم آرا بیگم نے کہا۔ ''ہوں ہوں۔ ہنسی کی کیا بات ہے وہ میرے دھوکہ میں آئی ہوگی۔''

فرخ۔ اسی لیے تو ہنس رہا ہوں کہتی کیا ہے دادی اماں ابا میاں آ گئے۔

عالم آرا بیگم۔ اے ہے میری بچی اپنے باپ کے آنے کی خبر مجھے دینے خوشی خوشی آئی ہوگی۔

فرخ۔ مجھے جو رضائی کے اندر ہنسی آئی تو کہنے لگی کیا آپ کو سردی لگ رہی ہے۔ لحاف اڑھا دوں۔

عالم آرا بیگم۔ خبر چپکے ہو جاؤ اس بات کا چرچا نہ کرنا۔

فرخ نے رضائی کے اندر منہ کر کے آہستہ سے کہا۔ ''چرچا تو ضرور ہوگا۔ افشاں کا پردہ کرایا مجھ سے اور بھی کسی سے نہیں۔''

عالم آرا بیگم نے پوچھا۔ ''منہ ہی منہ میں کیا کہہ رہے ہو میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔''

فرخ۔ میں آپ کچھ نہیں کہہ رہا۔

عالم آرا بیگم۔ پھر کیا بڑبڑا رہے تھے۔

فرخ۔ (ہنس کر) میں یہ کہہ رہا تھا نیند خراب ہوئی سر میں درد ہو رہا ہے۔

عالم آرا بیگم۔ اب جا کر اپنی ماں کے کمرہ سو جاؤ۔

فرخ۔ پہلے آپ ڈھنڈورہ پٹوا دیجیے کہ فرخ۔ حسن آرا کے کمرہ میں سو رہا ہے کوئی

گمراہی ہوں نہ جائے آج میں بازار سے ایک بگل لاؤں گا۔وہ بجاتا پھروں گا۔ تا کہ کم عقل لوگ احتیاط سے کام لیں۔

عالم آرا بیگم: (غصہ کے لہجے میں) اے بیٹا میں تو کہہ رہی ہوں کہ اس بات کا چرچا نہ کرو۔تم ہو کہ بگل پھونکنے کو تیار ہو۔

فرخ بغیر کوئی جواب دیئے حسن آرا کے کمرہ میں چلے گئے۔عالم آرا بیگم نے اپنی جرابیں نکال کر پہنیں نماز کی رضائی جو اوڑھے تھیں تہہ کرکے تکیہ کے نیچے رکھی کشمشی اونی چالو کو اوڑھا۔الماری میں سے خمیرہ نکال کر کھایا پھر پان کھانے بیٹھیں۔اسی وقت محسن اور ان کی بیوی وغیرہ ملنے آئے۔

نو بجے کے بعد حسن آرا چاء ناشتہ سے فارغ ہو کر اپنے کمرہ میں آئیں یہاں فرخ لیٹے ہوئے تھے انہوں نے تعجب سے پوچھا۔"تم تو اماں کے پلنگ پر سو رہے تھے یہاں کب آئے۔"

فرخ۔جن لوگوں کا کہیں ٹھکانہ نہیں ہوتا وہ اسی طرح مارے مارے پھرتے ہیں۔

حسن آرا۔تم تو کچھ غصہ میں بھرے ہوئے معلوم ہوتے ہو کیا بات ہوئی؟

فرخ۔امی جان آپ بھی بعض وقت عجیب قسم کی باتیں کرتی ہیں۔ساری رات میری خراب ہوئی۔صبح سے یہ وقت آیا نہ چاء ہے نہ ناشتہ،دس بجنے والے ہیں،میں نے ابھی تک منہ بھی نہیں دھویا،اب آپ انجان بن کر پوچھتی ہیں۔غصہ میں بھرے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔

حسن آرا۔تمہیں منع کس نے کیا ہے اٹھ کر منہ کیوں نہیں دھوتے۔ابا جان تو چاء پر تمہیں پوچھ رہے تھے اماں نے کہا وہ سو رہا ہے۔

فرخ۔میں دیکھتا ہوں اس گھر میں سوائے نانا ابا کے اور کسی کو میرا خیال نہیں۔ آپ تو میری طرف سے بالکل ہی لاپرواہ ہیں۔

حسن آرا۔(مسکرا کر) تم کوئی بچہ ہو کہ میں ہر وقت تمہارے پیچھے پھروں۔

فرخ۔ آپ نے تو بچپن میں بھی میرا خیال نہیں کیا۔

حسن آرا۔ خیر بچپن تو گزر گیا لیکن وقت یہ خیال کیوں آیا؟

فرخ۔ امی جان واقعی آپ نے مجھے بہت چھوٹی عمر میں اپنے سے علیحدہ کر دیا تھا۔

حسن آرا نے فرخ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "بیکار باتیں نہ کرو اٹھ کر منہ دھو ؤ ناشتہ کرو۔"

فرخ۔ میرا ناشتہ یہیں منگوا دیجیے میں اور کسی کمرہ میں نہیں جا سکتا۔ آج اپنا سامان پھوپھی اماں کے ہاں لے جاؤں گا۔

حسن آرا۔ تم ننھے بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ بیاہ شادی کے موقعہ پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ دیکھنے والے کیا کہیں گے مہمانوں کے واسطے تو محلّہ پڑوس کے لوگ اپنے مکان خالی کر دیتے ہیں۔ تم ایک کمرہ کے لیے اپنا دل چھوٹا کر رہے ہو۔

فرخ۔ کمرہ کا کیا ذکر ہے وہ تو میں نے اپنی خوشی سے خالی کیا ہے کسی کی دونس میں آ کر نہیں کیا۔

حسن آرا۔ پھر کیوں پھولے ہوئے ہو؟

فرخ۔ نانی اماں نے جو ایک نیا ڈھونگ رچایا ہے اس کی وجہ سے مجھے سخت کوفت ہو رہی ہے۔ میں اس طرح قیدی بن کر یہاں نہیں رہ سکتا۔

حسن آرا۔ تم تو خاصے آزاد پھر رہے ہو قیدی تو وہ ہو گئی ہے سارا دن اماں کے کمرہ میں بند رہتی ہے آج صبح سے تو خبر نہیں کس کونہ میں چھپی ہوئی تھی فرحت ڈھونڈھ کر لائی ہیں۔

فرخ۔ آج تو کام ہی ایسا کیا تھا۔

حسن آرا۔ کام تو تم نے کیا تھا اس کا پلنگ اٹھا کر لے گئے وہ خواہ مخواہ اماں کے ڈر سے چھپ گئی۔

فرخ۔ جی نہیں صبح ایک اور لطیفہ ہوا تاھ۔ نانی اماں کے دھوکہ میں اپنے ابا کے آنے کی خوشخبری مجھے سنانے آئی تھیں۔ اسی وقت نانی اماں آ گئیں۔

حسن آرا۔ اے ہے میری بے وقوفی سے یہ ہوا میں نے ہی چھوٹے بھائی کے آنے کی اطلاع اماں کو کرائی تھی۔

فرخ۔ اسی وجہ سے تو میں کہہ رہا ہوں کہ پھوپھی اماں کے ہاں چلا جاؤں یہاں تو ہر وقت ایسی ہی بیوقوفیاں ہوا کریں گی۔

حسن آرا۔ ابا جان جو پوچھیں گے کہ کیوں چلے گئے۔

فرخ۔ نانی اماں ان سے کہہ دیں گی پردہ کی وجہ سے چلا گیا۔

حسن آرا۔ کوئی باقاعدہ پردہ تھوڑا ہی ہوا ہے کہ سب کو خبر کی جائے اماں نے تو ایک معمولی بات کہہ دی تھی کہ جس کمرہ میں فرخ ہوا کریں وہاں تم نہ جایا کرو۔ یہ لڑکی ایسی شرمیلی اور غیرت دار ہے کہ پردہ ہی کرنے لگی۔

فرخ۔ لیکن میں تو شرمیلا اور غیرت دار نہیں تھا کبھی بھی پردہ نہ کرنے دیتا جہاں کہیں ہوتی ڈھونڈ ھ نکالتا صرف نانی اماں کے منع کرنے سے احتیاط کر رہا ہوں۔ انہوں نے مجھ سے بھی یہی کہا تھا کہ جس کمرہ میں افشاں ہوا کرے وہاں تم نہ جایا کرو۔ میں نے تو ان سے بہت حجت کی مگر وہ خفا ہونے لگیں۔ آپ کہتی ہیں باقاعدہ پردہ نہیں ہے۔ اچھی بات ہے دیکھوں اب کیسے کیپٹن کا پردہ رہتا ہے۔

حسن آرا۔ دیکھو تمہیں اماں نے ہزار مرتبہ منع کیا ہے کہ تم اسے کیپٹن نہ کہا کرو مگر تمہارے اوپر اثر ہی نہیں۔

فرخ۔ بچپن سے میری زبان پر یہی چڑھا ہوا ہے مجھ سے اور کچھ نہیں کہا جائے گا۔

حسن آرا۔ اچھا مہربانی کرکے پردہ توڑنے کی کوشش نہ کرنا۔

فرخ کوئی جواب دینا چاہتے تھے کہ چچی جان نے دروازہ کے پاس آ کر کہا۔"

حسن آرا بیٹی یہاں ہو؟" فرخ جلدی سے کود کر غسل خانہ میں چلے گئے اور اشارہ سے اپنی ماں کو منع کرتے گئے کہ چچی جان سے ان کا ذکر نہ کریں۔"

حسن آرا نے چچی جان سے کہا۔"آیئے چچی جان۔"

چچی جان ایک ہاتھ میں تسبیح دوسرے میں پن کٹی کا کسنا لیے کمرہ میں داخل ہوئیں۔

حسن آرا۔ آپ کہاں چلی گئی تھیں میں تو ناشتہ پر آپ کے انتظار میں بڑی دیر تک بیٹھی رہیں، چچی جان نے گاؤ تکیہ کے آگے بیٹھتے ہوئے کہا۔"بیٹی میں صبح کے وظیفے سے فارغ ہو کر ذرا میاں محسن سے ملنے ان کے کمرے میں چلی گئی تھی۔ انہوں نے زبردستی ناشتہ پر بٹھالیا۔"

حسن آرا۔ کیا آپ ناشتہ کر چکیں؟

چچی جان۔ نہیں بیٹی بھلا مجھے ایسی چیزیں کھانے کی عادت کہاں۔ دودھ دلیہ تو میں کبھی بیماری میں بھی نہیں کھاتی نہ مجھے توس مکھن پسند ہے۔ ہوا مکھن کیا ہوتا ہے مرہم معلوم ہوتا ہے۔ میں محسن کے کہنے سے صرف چاء کی پیالی پی لی تھی۔

حسن آرا۔ انڈے کچوریاں۔ گاجر کا حلوہ بھی تو میں نے بھیجا تھا وہ آپ نے کیوں نہیں کھایا؟

چچی جان۔ اے بی انڈے بالکل کچے تھے فوج میں ایسے انڈے کھاؤں سارا دن منہ کی بساند نہ جائے خیال کیے سے ابکائی آتی ہے۔

حسن آرا۔ کچوریاں کھالی ہوتیں۔

چچی آرا۔ بٹی تمہارے ہاں بیوڑیاں آتی ہیں میرے دانت نہیں خستہ کچوریاں یا مٹھریاں ہوتی ہیں تو میں چٹکی سے مسل کر کھالیتی ہوں۔ تم تو روغنی ٹکیہ اور کہسن کی چٹنی منگوا دو یہیں تمہارے کمرہ میں ناشتہ کرلوں گی۔

حسن آرا۔ کھانے کے کمرہ میں چلیے یہاں آتے آتے ناشتہ ٹھنڈا ہو جایگا۔

چچی جان۔ نہیں بیٹی ٹھنڈے گرم کا مجھے خیال نہیں۔ میں تو تم سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنی چاہتی ہوں۔

حسن آرا۔ میں آپ کا ناشتہ لے کر آتی ہوں۔

چچی جان۔ نہیں بیٹی ناشتہ کی ابھی کوئی جلدی نہیں ہے۔ اس وقت بڑی مشکل سے تو تم ہاتھ لگی ہو باہر نکلیں اور خدا رکھے کسی نہ کسی کام میں لگیں سارا دن چک پھیری کی طرح پھرتی ہو مجھے اس وقت تعجب ہوا کہ تم یہاں کیسے بیٹھی ہو۔

حسن آرا۔ ہنس کر۔ چچی جان میں ابھی آتی ہوں آپ صبح سے نہار منہ ہیں۔

چچی جان۔ نہیں بالکل نہار منہ نہیں ہوں دو ایک بسکٹ ذرا سا گاجر کا حلوا کھا لیا تھا۔ اے ہاں بیٹی میں ایک بات تو پوچھنی بھول ہی گئی فرخ کے کمرہ کا کیا ہوا؟ رات کو یہاں میں محمود تو اپنی ماں پر بہت غصہ کر رہے تھے کہ کس طرح بھی فرخ کا کمرہ خالی کراؤ"

حسن آرا گھبرائیں کہ چچی جان نہ معلوم کیا کیا باتیں شروع کر دیں فرخ غسل خانہ میں سن رہے ہیں۔ انہوں نے کہا "وہ کمرہ تو پہلے ہی خالی پڑا تھا فرخ نے علی گڑھ سے آکر اپنا بکس رکھ لیا وہ رات ہی کو یہاں لے کر آئے تھے محمود سے مذاق میں کچھ کہہ دیا ہوگا۔

چچی جان۔ سب کے رنگ جدا جدا ہیں میں تو محمود کو بہت نیک اور سیدھا سمجھتی تھی مگر وہ سوا نیزے اونچے ہیں۔ چچا چچی کی خاطر میں بچھے جاتے ہیں۔ زرتاج بیگم کے لڑکے کے آگے پیچھے پھر رہے ہیں۔

حسن آرا۔ چچی جان کوئی اپنے ہاں پہلی مرتبہ مہمان آئے تو اس کی خاطر نہ کی جائے؟ کیا آپ شہریار کے سامنے ہوئیں؟

چچی جان۔ اے بیٹی میرا کیا ہے بڑھاپے میں بچوں سے پردہ کرتی کیا اچھی معلوم ہوں گی۔ میاں محمود تو کہتے ہیں سب کو سامنے ہونا چاہیے۔ کیا افشاں سامنے ہوتی

ہے۔

حسن آرا۔ جی ہاں وہ تو بچپن سے سامنے ہوتی ہے بھائی ہے۔

چچی جان۔ اے بی بھائی کہاں سے آیا۔ سوتیلی اماں کے پہلے خاوند کا بیٹا میں تو سمجھتی ہوں۔ اس سے میاں محسن افشاں کی شادی کریں گے۔

حسن آرا پریشان ہوئیں کہ اب چچی جان کوئی نیا شگوفہ کھلائیں گی۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔ چچی جان غسل خانہ میں فرخ ہے آپ اماں کے کمرہ میں چلئے۔"

چچی جان۔ اے بیٹی یہ کوئی فرخ سے چھپانے کی بات ہے۔

حسن آرا۔ خیر چھپانے کی نہ ہو مگر اس کی عادت سے واقف ہیں سب کے سامنے مذاق اڑاتا پھرے گا۔

حسن آرا چچی جان کا ہاتھ پکڑ کر عالم آرا بیگم کے کمرہ میں لے گئیں وہ اس وقت یہاں نہیں تھیں غسل خانہ سے نکل کر دبے پاؤں دروازہ سے کان لگا کر کھڑے ہو گئے۔

چچی جان نے حسن آرا سے کہا۔ سنو بیٹی ایک نصیحت میری ماننا فرخ کی نسبت ٹھہرانے میں ذرا عقل مندی سے کام لینا یہ نہیں کہ اماں اور باوا کے دباؤ میں آ کر یا بھتیجی کی محبت میں دو زندگیاں برباد کر دو۔"

حسن آرا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اماں باوا کے دباؤ میں یا بھتیجی کی محبت میں دو زندگیاں برباد نہ کرنا۔"

چچی جان۔ میرا مقصد یہ ہے کہ بغیر فرخ کی مرضی معلوم کیے اس کی نسبت افشاں کیساتھ نہ ٹھہرا دینا۔

حسن آرا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں مجھے کوئی عذر ہو سکتا ہے فرخ کی تو قسمت کھل جائے گی، اور میرے لیے دنیا میں سب سے زیادہ خوشی کا یہی موقعہ ہوگا۔

چچی جان۔ یہ تو تمہارا کہنا ٹھیک ہے لڑکی تو ہیرا ہے مگر بیٹی خدا فرخ کی ہزاری عمر کرے تمہارا ایک ہی بچہ ہے باپ دادا کا نام اسی کی اولاد سے چلے گا تم نے اس کے متعلق بھی کبھی سوچا ہے۔

حسن آرا۔ چچی جان یہ کیا سوچنے کی بات ہے۔

چچی جان۔ لو یہ اور سنو اے بیٹی جب تک افشاں کی ماں کے متعلق تحقیق نہ ہو جائے تم ہرگز اپنی خواہش ظاہر نہ کرنا۔ خدا رضا علی کع جان کی سلامتی میں واپس لائے وہ نہ تمہیں الاہنا دیں گے کہ بغیر سوچے سمجھے لڑکے کی شادی ایسی لڑکی سے کر دی جس کے حلالی ہونے میں بھی شبہ ہے۔

حسن آرا۔ دیکھیے چچی جان آپ بزرگ ہیں کہنے تو تو چھوٹا منہ بڑی بات ہے مگر میں اتنا ضرور کہوں گی کہ آپ کو اس قسم کے الفاظ نہیں کہنے چاہییں اس کے دشمن ایسے ویسے ہوں۔ البتہ اس کی ماں دوسرے مذہب کی تھی تو یہ اسلام میں جائز ہے۔

چچی جان۔ اے بیٹی میں کوئی نئی بات کہہ رہی ہوں۔ جب سے لڑکی آئی ہے۔ سارے کنبے کا یہی خیال ہے۔

حسن آرا۔ میں نے آج پہلی مرتبہ آپ کی زبان سے سنا ہے۔

چچی جان۔ بیٹی۔ ایسی باتوں کا کوئی ڈھنڈورہ تھوڑی پیٹتا ہے۔ خاندان کی لاج سب ہی کو رکھنی پڑتی ہے۔ البتہ شادی بیاہ کے موقعہ پر اپنا اپنا پہلو سب بچاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارا فرض ہے کہ تم کو آگاہ کر دیں۔

حسن آرا۔ چچی جان۔ آپ کو معلوم ہی ہے فرخ ابا جان کا بیٹا بنا ہوا ہے۔ میں اس کے کسی معاملہ میں ہرگز دخل نہیں دوں گی نہ اس کے باپ کو کوئی حق ہو سکتا ہے جوان کا دل چاہے گا کریں گے۔ سب سے زیادہ انہیں اپنے خاندان کا خیال ہے۔

چچی جان۔ فرخ کی مرضی بھی تو نہیں معلوم ہوتی۔

حسن آرا۔ آپ سے کس نے کہا؟

چچی جان۔ اپنی عقل بھی تو کوئی چیز ہے تم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے فرخ کو بچپن سے افشاں کے ساتھ للّٰہی بغض ہے۔

حسن آرا۔ خیر یہ بات تو اور ہے لیکن اگر فرخ نے کسی سے کچھ کہا ہو تو آپ کا فرض ہے کہ مجھے آگاہ کر دیں۔

چچی جان نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''نہیں بیٹی میں فرخ کا جھوٹا نام کیوں لوں یہ تو صرف اپنا اپنا قیاس ہے۔

حسن آرا۔ کس کس کا ہے۔ مجھے بھی تو بتائیے؟

چچی جان۔ اب تمہیں کیا بتاؤں گھر والوں ہی کا ہے۔

حسن آرا۔ آخر مجھے بھی تو معلوم ہونا چاہیے۔

چچی جان۔ اے بی انہوں نے مجھے منع کر دیا تھا۔

حسن آرا۔ (مسکرا کر) چچی جان میں کسی سے کہوں گی تھوڑی آپ مجھے بتا دیجیے۔

چچی جان۔ رات کو ایک بجے تک نصیرہ بیگم سے میری بات چیت رہی بے چاری بہت رنجیدہ تھیں۔

حسن آرا۔ رنجیدہ کیوں تھیں؟

چچی جان۔ بیٹی رنج کی بات ہی ہے ان کو اپنے بھائی کا خیال آتا ہے اگر وہ یہاں ہوتے تو ان کا بھی کچھ حق ہوتا یوں دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر تھوڑی پھینک دیتے ان سے بھی صلاح مشورہ کرتے۔

حسن آرا۔ چچی جان آپ ان کی بھی بزرگ ہیں اور میری بھی آپ خود ہی انصاف سے کہیے میں نے کون سا ایسا کام لیا جس میں ان سے صلاح مشورہ کی

ضرورت ہوتی اور میں نے نہ لیا ہوتا۔ رہا فرخ کی نسبت کا معاملہ تو اس کا ابھی کچھ ذکر ہی نہیں ہوا۔ اور ایمان کی بات یہ ہے کہ ابا جان کے آگے میں خود اس کے معاملہ میں نہیں بول سکتی۔

چچی جان۔ وہ خود یہ کہتی ہیں کہ چچا ابا اور چچی اماں کے سامنے میری رائے کیا حقیقت رکھتی ہے۔

حسن آرا۔ ان کی کیا رائے ہے آپ سے تو انہوں نے کہا ہوگا؟

چچی جان۔ ان کو یہ خیال ہے کہ فرخ ہی سے ان کے باپ دادا کا نام چلے گا لڑکی نجیب الطرفین ہونی چاہیے۔

حسن آرا۔ اے چچی جان وہ بات تو رہ ہی گئی آپا نصیرہ نے فرخ کی مرضی کے متعلق کیا کہا تھا؟

چچی جان۔ انہوں نے بھی اپنے قیاس ہی سے کہا تھا فرخ نے ان سے کچھ نہیں کہا۔

حسن آرا۔ وہ کس لڑکی سے چاہتی ہیں؟

چچی جان۔ (مسکرا کر) اے بیٹی مجھے کیا خبر۔

حسن آرا۔ یہ تو میں کبھی نہ مانوں گی ضرور کوئی لڑکی بتائی ہوگی۔

چچی جان۔ نہیں بیٹی انہوں نے کسی لڑکی کا نام نہیں لیا میں نے ہی کہا تھا کہ حسن آرا کو چاہیے حمیدہ سے کر لیں۔

حسن آرا۔ پھر ان کی کیا مرضی معلوم ہوئی؟

چچی جان۔ اے بیٹی یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے ان کی آرزو ہے اس کے علاوہ تمہارے بیٹے کا بھی تو رجحان ہے۔

حسن آرا۔ (تعجب سے) فرخ کا؟

چچی جان۔ تمہار بیٹا اور کون ہے۔

حسن آرا۔ یہ تو عجیب بات آپ نے سنائی۔

چچی جان۔ (ٹھٹھہ لگا کر) اے بی تم کیسی ماں ہو اپنے بچے کی نگاہ نہیں پہنچانتی۔

حسن آرا۔ (دھیمی آواز سے) نہیں چچی جان میں نے کبھی ایسی نگاہوں پر غور نہیں کیا۔

چچی جان۔ تم سے تو آجکل کی کنواریاں لڑکیاں ہوشیار ہیں۔

حسن آرا۔ فرخ کی نگاہ بھی معلوم ہوتا ہے کسی لڑکی نے پہچانی ہے کیا نزہت نے کچھ کہا تھا؟

چچی جان۔ نہیں بیٹی نزہت کا کیا ذکر ہے۔

حسن آرا۔ گلشن نے کچھ کہا ہے۔

چچی جان۔ ان لڑکیوں میں سے کسی نے نہیں کہا۔

حسن آرا۔ رشیدہ نے کہا ہوگا۔

چچی جان۔ اے بی اب بتانے سے کیا فائدہ سنا ہے میاں فرخ حمیدہ کو پڑھانے جاتے تھے۔ سینما ساتھ لے جاتے تھے سوغاتیں لا کر دیتے تھے۔ ہنسی مذاق ہوتے تھے تاڑنے والوں نے تاڑ لیا کہ ان کا دل ادھر ہے۔

حسن آرا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''میں فرخ سے پوچھوں گی وہ ایسے آزاد ہوگئے۔

چچی جان۔ اے بیٹی تم بیٹھو چلیں کہاں۔ فرخ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے آجکل کا یہی دستور ہے جب لڑکیوں کی مائیں ان باتوں کو معیوب نہیں سمجھتیں تو لڑکوں کا کیا قصور ہے۔

حسن آرا۔ چچی جان فرخ نے ابھی ناشتہ نہیں کیا ہے میں ذرا ان کی چاء منگوا دوں۔ آپ چل کر ناشتہ کر لیجئے۔

چچی جان۔ میں بھی فرخ ہی کے ساتھ بیٹھ جاؤں گی۔

حسن آرا ناشتہ کے لیے چلی گئیں۔

چچی جان حسن آرا کے کمرے میں پہنچیں۔فرخ بالوں میں کنگھا کر رہے تھے۔ چچی جان کی طرف پیٹھ تھی انہوں نے قصداً ڈانٹ کر کہا۔"بڑی بی ایک دفعہ تمہیں منع کر چکا ہوں ابھی یہاں جھاڑو نہیں دی جائے گی مگر گھسی چلی آتی ہو کیا بہری ہو۔"

چچی جان۔واہ بیٹا۔واہ بوڑھی نانی کی اچھی قدر کی۔

فرخ نے جلدی سے مڑ کر کہا۔"ارے چچی جان آپ ہیں آداب عرض، معاف کیجئے گا۔غلطی ہوئی میں سمجھا بڑی بی جھاڑو دینے آتی ہیں۔

چچی جان۔جیتے رہو۔عمر دراز ہو کوئی بات نہیں ہے۔ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ بیٹا اب تو تم نظر ہی نہیں آتے کیا مائیوں بیٹھ گئے؟

فرخ۔واہ چچی جان بغیر آپ کے بٹھائیے ہوئے مائیوں کیسے بیٹھ جاؤں گا۔

چچی جان نے فرخ کی بلائیں لے کر کہا۔"خدا تمہاری ہزاری عمر کرے وہ دن بھی دور نہیں مگر یہ تو بتاؤ آجکل چھپے چھپے کیوں رہتے ہو؟

فرخ۔چچی جان مجھے آئے ہوئے دو ہی دن تو ہوئے گھر میں شادی کا ہنگامہ ہے پردہ والوں کی وجہ سے زیادہ تر باہر ہی رہتا ہوں۔پھوپھو اماں بھی یہاں آئی ہوئی ہیں ورنہ ان کے ہاں وقت اچھا گزرتا اب دیکھئے اس وقت میں نے ناشتہ نہیں کیا۔ امی جان کو کچھ خیال ہی نہیں۔

چچی جان۔معلوم ہوتا ہے تمہاری پھوپھی اماں تمہیں بہت چاہتی ہیں۔

فرخ۔جی ہاں۔ان کے ہاں میری بہت آؤ بھگت ہوتی ہے۔لڑکیاں تو میرے اوپر جان چھڑکتی ہیں۔

چچی جان۔(مسکرا کر) ہاں بیٹا یہاں تو سب دھان بارہ بسیری" کے ہیں۔

حسن آرا بھی آگئیں۔ماما نے ناشتہ کی کشتی لا کر رکھی۔

چچی جان نے حسن آرا سے کہا۔"سنا تم نے؟ لڑکا کہتا ہے پھوپھی اماں کی لڑکیاں

میرے اوپر جان چھڑکتی ہیں۔"

حسن آرا۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔

فرخ نے چچی جان سے کہا۔"آپ کی لہسن کی چٹنی تو بہت مزے دار ہے اس کے بنانے کی کیا ترکیب ہے؟

چچی جان۔ ثابت دھنیا۔ سرخ مرچیں نمک سب کو موٹا موٹا پیس کر گھی میں خوب سرخ بھون لیتے ہیں۔

فرخ۔ آپ اس میں بادام نہیں ڈالتیں۔

چچی جان۔ اے بیٹا۔ چٹنی میں بادام کون ڈالتا ہے۔

فرخ۔ حمیدہ کے ہاتھ کی چٹنی اگر آپ کھائیں تو قورمہ کباب بھول جائیں وہ تو اس میں بادام ہی ڈالتی ہیں۔

چچی جان نے حسن آرا سے کہا۔"اے بیٹی میرا بڑھاپا آیا مگر میں نے کبھی لہسن کی چٹنی میں بادام پڑتے نہیں سنے۔

فرخ۔ آپ کل اس چٹنی میں پانچ بادام بھی ڈلوا لیجئے گا۔ پھر دیکھئے گا کیسی لاجواب ہوتی ہے۔

چچی جان۔ ترکیب تو اچھی ہے یہ نصیرہ بیگم کی لڑکیاں بھی نئی نئی ایجادیں کرتی ہیں۔

فرخ۔ چچی جان حمیدہ کے مقابلہ کی کوئی لڑکی نظر نہیں آتی نہایت سلیقہ مند ہے۔

چچی جان۔ مجھے آج معلوم ہوا کہ حمیدہ ایسی سگھڑ ہے۔ جس کے پلے بندھے گی۔ اس کی قسمت کھل جائے گی۔

فرخ۔ (مسکرا کر) اس میں کیا شک ہے مگر ہے میری شاگرد۔

چچی جا۔۔ (ہنس کر) مجھے سب معلوم ہے تم نے اس کو پڑھایا ہے۔

فرخ۔ جی نہیں چچی جان۔ یہ تو آپ نے غلط کہا۔ میں خود ہی پڑھنے سے جان

پڑھاتا ہوں کسی دوسرے کو کیا پڑھاؤں گا۔ حمیدہ کو تو میں نے پتنگ اڑانی سکھائی ہے۔

چچی جان نے آنکھیں پھاڑ کر زور سے کہا۔ "اوئی بیٹا کہیں لڑکیاں بھی پتنگ اڑاتی ہیں۔

فرخ۔ جی حمیدہ تو ایسی پتنگ اڑاتی ہے کہ بڑے بڑے استاد کان پکڑتے ہیں۔

چچی جان۔ اگر پتنگ اڑاتی ہے تو پیچ بھی لڑاتی ہوگی۔

فرخ۔ اور کیا پتنگ اڑانے کا لطف تو پیچ ہی لڑانے میں ہے۔ حمیدہ ایک پتنگ سے آٹھ آٹھ دس دس پتنگیں کاٹتی ہے۔

چچی جان نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "اوئی بھاڑ میں جائے ایسا لطف میں کہتی ہوں۔

نصیرہ بیگم کی عقل کچھ ماری گئی ہے۔ لڑکی کو بے لگام کردیا۔

فرخ۔ اس میں ہرج کی کیا بات ہے جیسے اور کھیل ویسے پتنگ بازی۔

چچی جان۔ نہیں بیٹا لڑکیوں کے لیے بہت معیوب ہے۔ بھلا غضب خدا کا سید امیر علی کی پوتی اور سید امتیاز علی کی نواسی غیر مردوں سے پیچ لڑائے ڈوب مرنے کی جگہ ہے۔

حسن آرا۔ چچی جان آپ بھی کس کی باتوں میں آتی ہیں یہ کبھی سچ بھی بولتے ہیں۔

فرخ۔ چچی جان آپ کہیں پھوپھی اماں سے نہ کہہ دیجئے گا۔ بیچاری حمیدہ کی فضیحتیاں ہوں گی وہ تو میرے ساتھ لڑایا کرتی تھی اب تو کئی سال سے چھوڑ دی۔

چچی جان۔ اے بیٹا تمہاری پھوپھی اماں ایسی ننھی تو نہیں ہیں کہ لڑکی پتنگ بازی کرے اور انہیں خبر نہ ہو یہ کہو آجکل کے زمانہ میں لڑکیوں کو کسی بات پر نہیں روکا جاتا۔ ایک ہمارا زمانہ تھا گوڑی لڑکیوں پر ہر وقت نظر رہتی تھی۔ کیا مجال کہ جوان لڑکی

آنکھ سے اوجھل ہو جائے۔

فرخ۔ کیا آپ کے اوپر بھی ایسی پابندیاں تھیں۔

چچی جا۔ اے بیٹا میرا کیا پوچھتے ہو پوری عقل بھی نہیں آنے پائی کہ شادی ہوگئی۔

فرخ۔ کیا عمر تھی آپ کی؟

چچی جان۔ تیرہواں برس تھا۔

فرخ۔ اتنی چھوٹی عمر میں آپ کی شادی کیوں ہوگئی؟

چچی جان۔ ہمارے وقت میں لڑکیوں کی شادی اسی عمر کر دیتے تھے۔

فرخ۔ کیا آپ کی شادی آپ کی مرضی سے ہوئی تھی۔

چچی جان۔ اوئی خدا نہ کرے میری مرضی سے ہوئی تھی۔

فرخ۔ ارے آپ کی مرضی نہیں تھی زبردستی کر دی تھی۔

چچی جان۔ زبردستی کیسی جہاں میرے ماں باپ کا دل چاہا کر دی۔ میں تو اپنی شادی سے بہت خوش تھی۔

فرخ۔ کیا نانا جان آپ کو پسند آ گئے تھے۔

چچی جان۔ اے بیٹا کیسی بے وقوفی کی باتیں کرتے ہو۔ میں ان بیچارے کو دیکھنے کہاں جاتی۔

تمہارے نانا سید تھے۔ میری ذات مغل کبھی تمہارے گھرانے کی عورتوں کو بھی نہیں دیکھا تھا۔

فرخ۔ پھر آپ شادی سے کیوں خوش تھیں؟

چچی جان۔ اے بیٹا۔ کم عمری اور ناسمجھی تھی مجھے بچپن سے بھاری بھاری کپڑوں زیور، عطر پھولوں کا شوق تھا۔ ہماری دلی میں کنواری لڑکیوں کو نہ دانتوں میں مسی ملنے دیں نہ عطر و پھول کا حکم۔ میں چپکے چپکے دعائیں مانگا کرتی تھی کہ الٰہی میری شادی جلدی سے ہو جائے جو میں بھی پھولوں کی بالیاں کنٹھے پہنوں مسی ملوں عطر

لگاؤں۔ جھومر۔ جھلنیاں۔ بھاری کپڑے پہن کر محفل میں سند پر گاؤ تکیہ کے آگے بیٹھوں بیویاں منہ دکھائی کے روپیہ دے دے کر کہیں" ماشاء اللہ دلہن تو چودھویں رات کا چاند ہے۔"

فرخ۔ (ہنس کر) آپ تو اب بھی چودھویں رات کا چاند ہیں۔

چچی جان۔ اے بیٹا اب کیا خاک رہی کسی زمانہ میں میدہ وشہاب تھی۔

فرخ کوئی جواب دینا ہی چاہتے تھے کہ عالم آرا بیگم نے کمرہ میں داخل ہو کر کہا۔" اے حسن آرا تم کہاں غائب ہو آج کھانے پکنے کی فکر نہیں کیا آسمان سے من و سلویٰ اترے گا۔

حسن آرا۔ اماں گوشت ترکاری کے پیسے کدے کر آئی تھی فرخ نے ناشتہ نہیں کیا تھا۔

عالم آرا بیگم۔ چچی جان آپ کو شوکت آرا بلا رہی ہیں۔ پینڈیوں کا سامان لکھوا دیجیے۔

چچی جان۔ بغیر تمہاری رائے کے میں کیسے لکھوا دوں تم بھی چلو۔

عالم آرا بیگم۔ میری کیا ضرورت ہے پانو پینڈیوں کے حسب سے لکھوا دیجیے۔

چچی جان۔ اے بی۔ مجھے کیا خبر تم سیر کی چار پیڈیاں بنواؤ گی یا چھ۔

عالم آرا بیگم۔ میرے خیال میں تو سیر کی چار مناسب ہوں گی چھ تو موٹی ہوں گی۔

چچی جان۔ اور کیا لڈو معلوم ہوں گے پینڈیاں بنواؤ گی یا چھ۔

عالم آرا بیگم۔ میرے خیال میں تو سیر کی چار مناسب ہوں گی چھ تو موٹی ہوں گی۔

چچی جان۔ اور کیا لڈو معلوم ہوں گے پینڈیان تو پوسیری ہی معقول ہوتی ہیں۔

عالم آرا بیگم۔ باہر شہروں کی پینڈیاں میں نے دیکھی ہیں۔ موتی چور کے لڈوؤں کے برابر ہوتی ہیں۔

چچی جان۔ نہیں بوا دلی والے تو ایسی پینڈیوں پر ہزاروں نام رکھیں یہاں تو موٹے

شیخ ذات اور ٹکے کے مزدوروں کے ہاں بھی ایسی نہیں ہوتیں۔

عالم آرا بیگم۔ وہ تو مثل مشہور ہے دلی کی دل والی۔ منہ چکنا پیٹ خالی۔"

چچی جان۔ اے بی۔ پیٹ کے اندر کی کسے خبر ہوتی ہے۔ بلا سے خالی رہے منہ چکنا سب دیکھتے ہیں۔

عالم آرا بیگم۔ انہیں ڈھکوسلوں کی وجہ سے تو دلی والوں کے پاس پیسہ نہیں اپنی حیثیت سے زیادہ تقریبوں میں خرچ کر دیتے ہیں۔

چچی جان۔ جائے لاکھ اور بنے ساکھ۔

فرخ۔ چچی جان یہ لی کی دل والی کی مثل کیا ہے؟

چچی جان۔ بیٹا۔ ایک گاؤں والی عورت نے دل والی کو طعنہ دیا تھا۔

فرخ۔ دلی والی نے کچھ جواب نہیں دیا؟

چچی جان۔ اب کیوں نہ دیتی اس نے کہا۔" گاؤں کے گنو نیلے منہ پر خاک پیٹ میں ڈھیلے۔" یعنی ہزاروں لاکھوں روپیہ گرنا۔ میں ہو مگر صورت پر ہمیشہ خاک اڑتی رہتی ہے گاڑھے کے کپڑے میلی چکٹ روئی کی بنڈی اڈھوڑی کا جوتا موٹا ڈنڈا ہاتھ میں۔

عالم آرا بیگم نے کہا۔" چچی جان یہ باتیں تو پھر ہو جائیں گی شوکت آرا انتظار کر رہی ہیں۔"

امی جان میں ذرا مرزا صاحب کے ہاں جا رہا ہوں کھانے پر میرا انتظار نہ کیجئے گا۔"

چچی جان کھڑی ہو گئیں اور عالم آرا بیگم کو بھی اپنے ساتھ لے گئیں۔ فرخ نے حسن آرا سے کہا۔"

حسن آرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فرخ نے دوبارہ کہا۔" آپ خاموش کیوں ہیں۔ میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

حسن آرا۔ میں اس وقت عجیب شش و پنج میں ہوں۔

فرخ۔ معلوم ہوتا ہے آپ چچی جان کی باتوں سے موثر ہیں۔ میں نے ان کی تمام گفتگو سنی تھی۔ یہ بڑی بی بہت خطرناک معلوم ہوتی ہیں۔ میں تو ان کو بہت نیک سمجھتا تھا۔

حسن آرا۔ بڑی بی بے چاری کا کیا قصور ہے۔ انہوں نے جو کچھ سنا وہ صفائی قلب سے مجھ سے کہہ دیا۔

فرخ۔ آپ سمجھتی ہیں میں حمیدہ کو پسند کرتا ہوں۔

حسن آرا۔ میں اس معاملہ پر غور کر رہی ہوں۔ تمہارا خیال ٹھیک ہے؟

فرخ۔ امی جان آپ بھی کس چکر میں پڑی ہیں جائیے اپنا کام کیجئے۔

حسن آرا۔ مگر یہ باتیں اچھی نہیں ہیں۔ ابا جان کے کان خبر پہنچ گئی تو وہ کیا خیال کریں گے۔

فرخ۔ میرے پاس اس کا کیا علاج ہے۔ آپ چچی جان کو منع کر دیجیے وہ ادھر ادھر افترا نہ کرتی پھریں۔

حسن آرا۔ میرے منع کرنے سے کیا ہوتا ہے تم نے خود ہی تصدیق کر دی حمیدہ کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے تمہیں چچی جان سے اس قسم کی باتیں کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

فرخ۔ (ہنس کر) میری ایک بات بھی سچی نہیں تھی۔

حسن آرا۔ یہ کسی کو کیا خبر چچی جان تو سب سے کہیں گی کہ لڑکا بھی حمیدہ کو پسند کرتا ہے۔

فرخ۔ لاحول والا قوۃ ایسی ایسی چنیا بطخیں بہت قیں قیں کرتی پھرتی ہیں۔

حسن آرا۔ دیکھو فرخ تم اب ایسے بچے نہیں ہو کہ جو منہ میں آیا بک دیا ذرا سنجیدہ ہو۔

فرخ۔ امی جان کوئی معاملہ کی بات ہو تو میں سنجیدگی اختیار کروں۔ ایسی ایسی افواہوں کا یہی جواب ہے۔

حسن آرا۔ اب دیکھنا ہے معاملہ کے موقع پر کیا گل کھلاتے ہو۔ وہ وقت بھی آ رہا ہے مجھے تم سے اندیشہ ہی ہے۔

فرخ۔ اور مجھے آپ سے اندیشہ ہے کہیں ایسا نہ ہو آپ کی بے زبانی اور ایثار سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھائیں۔

حسن آرا۔ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔

فرخ۔ آپ اپنے بھائی بھاوج کے ڈر سے کہیں معاملہ کو گڑبڑ نہ کر دیں۔ چچی جان نے شہریار کا ذکر بھی کیا تھا۔

حسن آرا۔ چچی جان کے ذکر سے کیا ہوتا ہے۔ اماں کا جو دل چاہے گا کریں گی میں ان کو سنا دوں گی کہ جو کچھ کرنا ہے جلدی کریں۔

فرخ۔ ارے امی جان ایسا غضب نہ کیجئے گا چھوٹے ماموں جان کی موجودگی میں یہ معاملہ نہ اٹھایئے گا خواہ مخواہ ایک جھگڑا ہو جائے گا۔ وہ شروع سے مجھ سے جلتے ہیں۔

حسن آرا۔ تم تو بیوقوف ہو ابا جان اور اماں جان کے سامنے وہ کچھ نہیں بول سکتے۔

فرخ۔ بول تو نہیں سکتے مگر اپنی لڑکی کو لے چل دیں گے۔

حسن آرا۔ لڑکی کوئی خدانخواستہ بے جان مورتی ہے کہ لے چل دیں گے۔

فرخ۔ امی جان تعجب کی بات ہے آپ اس کی عادتوں سے خوب واقف ہونے پر بھی کہتی رہیں میں تو سمجھتا ہوں بے جان مورتی ان سے بہتر ہے کہ ایک علم

حسن آرا۔ اللہ نہ کرے جو ایسی نوبت آئے۔ بس اپنی بقراط اپنے کی باتیں رہنے دو۔

فرخ۔ مگر آپ کو اس معاملہ میں جلدی نہیں ہے ممکن ہے اماں کوئی تحریک شروع کریں۔

فرخ۔ مہربانی کر کے آپ نانی اماں کو منع کر دیجیے۔

حسن آرا۔ تم اماں کی عادت جانتے ہو۔ وہ بال کی کھال نکالیں گی۔ مجھ سے پوچھیں گی۔ چچی جان کی طرف سے الگ ڈر ہے۔ کہیں اماں سے نہ کہہ دیں کہ لڑکے کی مرضی نہیں ہے۔

فرخ۔ ان کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ لڑکے کی روپیہ میں سولہ آنے مرضی ہے۔ بلکہ وہ آنے سود کا اور اضافہ کر دیجیے۔

حسن آرا۔ (مسکرا کر) خیر تمہاری طرف سے تو اطمینان ہوا۔

فرخ نے شیروانی پہنتے ہوئے کہا۔ ”ذرا سے اپنے اطمینان کے لیے خواہ مخواہ میرا وقت ضائع کیا۔“

حسن آرا پکارتی رہیں مگر فرخ کمرہ سے باہر نکل گئے۔

دسواں باب

آج نزہت آرا کی مائیوں کی رسم ہے۔ گھر میں مہمان جمع ہیں۔ ہر کمرہ میں ہم خیال اور ہم عمر بیویاں آپس میں ادھر ادھر کی باتیں کر رہی ہیں۔ ایک کمرہ میں سب بڑی بوڑھیاں بیٹھی ہیں۔ کوئی چھالیہ کتر رہی ہیں، کوئی اپنی پن کٹی میں سے چمچے سے پان کھرچ کھرچ کر نکال رہی ہیں کسی کے ہاتھ میں تسبیح ہے۔ باتیں بھی کرتی جاتی ہیں۔ تسبیح کے دانوں پر بھی انگلیاں چل رہی ہیں۔ ایک بیوی گھڑی گھڑی اپنی عینک کے شیشے دوپٹہ سے صاف کر کے ایک ایک کو گھور رہی ہیں۔ کسی کا پوپلا منہ حیرت سے کھلا ہوا ہے باچھوں میں سے پان کی پیک بہہ رہی ہے۔ کوئی بڑی بی خاموش بیٹھی دوسروں کی باتیں سن رہی ہیں۔ لیکن منہ اس قدر تیزی سے چلا رہی ہیں کہ ناک اور ٹھوڑی آپس میں ٹکرا ٹکرا جاتی ہیں۔ عالم آرا بیگم کی برسوں کی بچھڑی ہوئی چچا زاد بہن ملی ہیں۔ پرانی داستانیں چھڑ گئی ہیں۔ کوئی بہو بیٹی کسی کام کے واسطے آتی ہے تو اس پر خفا ہونے لگتی ہیں۔ "اے بی بات کرنے کی روادار نہیں پچیس برس کے بعد خدا نے اکبری بیگم کی صورت دکھائی ہے بے چاری کالے کوسوں حیدر آباد پڑی تھیں۔ مجھے کیا امید تھی کہ زندگی میں پھر بھی ان کو دیکھوں گی۔ ہاں بی اکبری بیگم میں کیا کہہ رہی تھی؟"

اکبری بیگم نے کہا۔ "وہی حسن آرا کا ذکر کر رہی تھیں"

عالم آرا بیگم نے پھر اپنی گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد ادھر ادھر دیکھ کر بنیادی خانم کو آواز دی۔ بڑی دلہن سے کہو روشن آرا ابھی تک نہیں آئی ہیں۔ ان کے ہاں آدمی بھیج دیں۔ اور یہ بھی کہہ دینا مغرب کی نماز کے بعد ہی کنبے کے مرد لڑکی کو مائیوں بٹھانے آجائیں گے دیر نہ ہونے پائے۔"

اب پھر عالم آرا بیگم اپنی بہن کی طرف متوجہ ہوئیں۔ "لو بی بھول گئی تم سے کیا کہہ رہی تھی میرا دماغ ایک طرف رہتا ہے۔ سب ہی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

اکبری بیگم نے ہنس کر کہا۔ بی آپا بڑا اپنا تھوڑی ہے۔ کہنے والے نے سچ کہا ہے۔ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔

عالم آرا بیگم نے جواب دیا۔ ''یہ تو تمہارا کہنا ٹھیک ہے۔ مگر بہو بیٹیاں تو بالکل ہی گئی گزری ہیں۔ جس کام میں دخل نہ دوں وہ چوپٹ ہو جائے۔''

اکبری بیگم نے کہا۔ ''اچھا تو پھر رضا علی کو چھوڑ کر محسن کیوں آ گئے؟''

عالم آرا بیگم۔ بات یہ ہے کہ رضا علی اور محسن دونوں مزاج کے تیز ہیں وہ چاہتے تھے حسن آرا کو وہاں بلا کر رکھیں۔ یہ نہیں مانے بچی کو لے کر آ گئے۔ اسی بات پر شاید دونوں میں مخالفت ہو گئی اور رضا علی بگڑ کر وہاں سے کسی دوسری جگہ چلے گئے۔

اکبری بیگم۔ رضا علی کی رائے ٹھیک تھی اگر بچی وہاں رہتی تو نانا کے روپیہ پیسہ میں بھی اس کا کچھ حق ہوتا اور حسن آرا کا گھر بھی تیار رہتا۔

عالم آرا بیگم۔ میں تو خود یہ کہتی تھی کہ بلا سے اپنے کلیجہ پر پتھر کی سل رکھ لیتی مگر لڑکی کی زندگی تو برباد نہ ہوتی۔

اکبری بیگم۔ آفرین ہے حسن آرا کو دوسری لڑکی ہوتی تو خدا جانے کیا کرتی۔

عالم آرا بیگم۔ اے بی۔ ہم دونوں بڈھے بڑھیا کا دم ضیق میں آ جاتا زندگی دوبھر ہو جاتی۔ مگر وہ تو ایسی بے زبان اور صابر ہے کہ بھولے سے بھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے۔ میں تو کہتی ہوں آجکل کی کنواری لڑکیوں سے زیادہ اس کے مزاج میں شرم و حیا ہے کبھی میرے سامنے میاں کا ذکر تک نہیں کیا دو برس کی بیاہی کو چھوڑ کر گئے ہیں۔ فرخ تو چلہ کے اندر ہی تھا۔ اندر ہی اندر غم کھاتی ہے۔ دیکھ لو کیا حالت ہو گئی ہے۔ روشن آرا سے چھ برس چھوٹی ہے۔ مگر وہ چھوٹی معلوم ہوتی ہیں۔ اور یہ بڑی۔ نہ اچھا پہنے، نہ اچھا کھائے اپنی جان کو خاک میں ملا دے۔

اکبری بیگم کوئی جواب دینے نہ پائی تھیں کہ نصیرہ بیگم نے عالم آرا بیگم کے پاس آ کر جھک کر آداب کیا انہوں نے کھڑے ہو کر سینہ سے لگاتے ہوئے کہا۔ عمر

درعوازہ بوڑھ سہاگن بٹی تم نے حد کر دی ہے۔ پندرہ دن پہلے سے تو آئی ہوئی تھیں اورعین وقت پر چلی گئیں صبح سے شوکت آرا کو تمہارا انتظار ہے۔

نصیرہ بیگم۔ چچی اماں۔ آپ بیٹھی رہیئے کھڑے ہونے کی کیوں تکلیف کی۔

عالم آرا بیگم۔ نہیں بٹی میں تو پرانے زمانہ کی ہوں جب تک کھڑے ہو کر سینے سے نہ لگاؤں جی خوش نہیں ہوتا۔ پہلے تو یہی دستور تھا کھڑے ہو کر برابر والوں سے گلے ملے بڑوں کے آگے جھک گئے۔ انہوں نے سینہ سے لگایا۔ آجکل کی لڑکیاں تو مردوں کی طرح آداب عرض یا السلام علیکم کر لیتی ہیں۔ بڑی عنایت کی تو چار انگلیاں ماتھے پر رکھ لیں وہ بھی ایسے بے ڈھنگے طریق سے گویا مکھی ماری۔ بڑی کے آگے جھکنا تو قسم ہے۔ ہمارا بڑھاپا آیا۔ مگر اپنے بڑے کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہوتے ہوئے لحاظ آتا ہے۔

اکبری بیگم۔ آجکل کی تہذیب کو کیا پوچھتی ہو سارے دستور انگریزوں کے لیے آئے ہیں۔

عالم آرا بیگم۔ اے بی زبان سے تو ان کو برا کہتے جاتے ہیں مگر طریق وہی پسند ہیں۔

اکبری بیگم۔ (ہنس کر) اے بی بعض وقت تو مجھ کو بہت ہی ہنسی آتی ہے۔ میں تو اپنے گھر میں یہ تماشے دیکھتی رہتی ہوں۔

عالم آرا بیگم۔ تم کیوں نہ دیکھو گی تمہاری تو بہو میم ہیں۔

اکبری بیگم۔ اے بی اچھے خاصے لڑکے بالے کمرہ میں بیٹھے ہوتے ہیں جہاں میم صاحب پہنچیں اور سب نے اپنے اپنے کولھے اٹھا دیئے۔

ایک بڑی بی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ اوئی بوا یہ نیوں کی سی حرکت کیوں کرتے ہیں؟''

اکبری بیگم۔ (ہنس کر) میم صاحب کی تعظیم کے لیے آدھے کھڑے ہوتے ہیں۔

عالم آرا بیگم۔ اے بی اس سے تو بہتر ہے کہ پورے کھڑے ہو جایا کریں۔ ایک تو وہ پتلون کا پہناوا ہی ایسا ہے کہ بس کیا کہوں۔

اکبری بیگم کوئی جواب دینا چاہتی تھیں کہ ایک اور بوڑھی بیوی کمرہ میں داخل ہوئیں عالم آرا بیگم اٹھ کر ان سے گلے میں انہوں نے کہا۔ ''بہن مبارک ہو اللہ نے سید صاحب اور تمہاری زندگی میں پوتی کی شادی کی گھڑی دکھائی۔''

عالم آرا بیگم۔ ہاں بہن تمہیں بھی سلامت ہو۔ خدا نزہت کے ماں، باپ کو اپنے سب بچوں کے فرض سے سبکدوش کرے ہمارا کیا ہے اب چل چلاؤ کا وقت قریب ہے۔

اکبری بیگم۔ اے بی آپا ایسی باتیں کیوں کرتی ہو یہ سب تمہارے ہی دم کی رونق ہے۔ خدا تمہیں افشاں کی شادی کرنی نصیب کرے۔

عالم آرا بیگم۔ ہاں انسان کی جتنی عمر بڑھتی جاتی ہے اتنی ہی اس کی خواہشیں اور آرزوئیں زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔ خدا نے اولاد کے فرض سے ادا کر دیا تھا۔ وہ جانیں ان کا کام جانے میرا تو اب یہ وقت تھا کہ جائے نماز پر بیٹھی اللہ اللہ کیا کرتی۔ مگر تو حسن آرا کی فکر دوسرے افشاں کے خیال سے اب بڑھاپے میں اپنی اللہ آمین منانی پڑتی ہے۔ خدا میری زندگی میں ان دونوں کو اپنے اپنے ٹھکانے سے بٹھائے۔

اکبری بیگم۔ آمین

ایک بڑی تسبیح پڑھتے پڑھتے بولیں۔ ''اے بی عالم آرا بیگم خدا افشاں کے باپ کو رکھے تمہیں اسکی کیا فکر ہے۔

عالم آرا بیگم۔ باپ کو خدا رہتی دنیا تک رکھے مگر اس نے تو آنکھ کھول کر مجھ ہی کو دیکھا ہے کبھی آٹھ دن سے زیادہ وہ باپ کے ہاں نہیں رہی۔

بڑی بی۔ یہ تمہارا اپنا قصور ہے کیوں نہیں بچی کو ان کے پاس چھوڑا خواہ مخواہ بڑھاپے میں اپنے پاؤں میں بیڑی ڈالی۔

عالم آرا بیگم۔ کیا کروں بھابی جان مامتا نہیں مانتی تین مہینے کے کپڑے کو پالا ہے مجھے تو وہ اب سب سے پیاری ہے اور ایمان کی بات یہ ہے وہ میری عاشق ہے ذرا سی میری انگلی میں پھانس جائے تو وہ بیقرار ہو جاتی ہے۔ میرے معمولی زکام پر تین تین وقت جوشاندہ بنا کر پلاتی ہے۔ مجھے پلنگ پر سے ہلنے نہیں دیتی کبھی پاؤں دباتی ہے کبھی سر دباتی ہے اگر کسی وقت مجھے بھوک نہ ہو تو وہ بھی فاقہ کرتی ہے۔ مجال نہیں جو میری مرضی کے خلاف کوئی کام کرے۔ خدا رکھے اور بھی پوتیاں اور نواسیاں ہیں مگر یہ بات کسی میں نہیں وہ تو میری نگاہ پہچانتی ہے۔ بھلا میں کیسے زندگی میں اس کو اپنے سے جدا کر دوں۔

بڑی بی نے ہنس کر کہا۔ ''اے بی برا نہ ماننا میں تو مذاق میں کہہ رہی تھی کہیں وہ تم سے الگ ہو سکتی ہے اور پھر سوتیلی ماں بھی قرینے کی نہیں۔ میں تو آج پہلی دفعہ تمہاری چھوٹی بہو کو دیکھا ہے۔ میرے تو ہوش گم ہو گئے۔

اکبری بیگم۔ محسن کی دلہن بے چاری کو کیا کہا جائے آجکل کی لڑکیاں سب ہی ان فیشن کی ہیں۔

چچی جان نے کمرہ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ ''آجکل کی لڑکیوں کی کیا برائیاں ہو رہی ہیں؟

اکبری بیگم۔ آیئے آیئے بغیر آپ کے محفل سونی ہے کہاں تھیں؟

چچی جان۔ اے بی لڑکیاں دلہن کا دوپٹہ رنگ رہی تھیں میں بھی جا کر کھڑی ہو گئی۔ ساری کی ساریاں میرے چمٹ گئیں۔ بہتیرا منع کیا مگر فرحت نے دوپٹہ میرے سر سے گھسیٹ زعفران کے کونڈے میں ڈال دیا۔ دیکھو کیا ہدڑا بنایا ہے۔ میاں کو مرے چالیس برس گذر گئے، وہ دن اور آج کا دن کبھی رنگین دوپٹہ سر پر نہیں ڈالا۔

اکبری بیگم۔ کیا ہرج ہے ہلکا کافوری رنگ ہے۔

چچی جان۔ نہیں بوا اپنا دل اپنے اوپر لعنت کر رہا ہے۔ میں تو دوپٹہ بدلنے جا رہی

تھی۔ مگر میاں محسن کی دلہن نے اپنی جان کی قسم دے دی اس لیے مجبور ہوگئی۔

اکبری بیگم۔ چھوٹی بہو کی خاطر آپ کو بہت عزیز ہے۔

چچی جان۔ ہاں بی کیوں نہ ہو وہ بھی تو میری بہت آؤ بھگت کرتی ہیں۔ بڑی ملنسار اور لائق ہیں۔ مجھے ان کی تمام باتیں پسند ہیں مگر کھانا کبھی ان کے ساتھ نہیں کھا سکتی۔ ان کے ناخن دیکھ کر میرا جی متلانے لگتا ہے۔ اے بی اکبری بیگم تم تو بہت جہاندیدہ ہو۔ مجھے یہ تو بتاؤ یہ لڑکیاں کیا طہارت بھی چمچہ ہی سے کرتی ہیں؟''

چچی جان کے اس جملہ پر سب بیویوں نے ٹھٹھے لگائے۔

اکبری بیگم۔ آپ کو بہت دور کی سوجھی ہمیں کبھی اس کا خیال ہی نہیں آیا۔

چچی جان۔ میں جب کسی کے نکیلے ناخن دیکھتی ہوں سب سے پہلے یہی خیال آتا ہے۔ کھانا تو خیر چمچے سے کھالیا۔ مگر طہارت کرنے میں بڑی احتیاط کرنی پڑتی ہو گی۔

عالم آرا بیگم۔ اے ہے چچی جان آپ نے اس وقت میرے دل میں وہم ڈال دیا۔ اب مجھے محسن کی لڑکیوں کے ہاتھ سے پانی پیتے ہوئے کراہت آئے گی۔

چچی جان۔ اے بی میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے پانی تو ان کے ہاتھ کا ضرور مکروہ ہوگا۔ جب ایک انگل لمبے ناخن ہوں گے تو کبھی نہ کبھی پانی میں ڈوب ہی جائیں گے اور پھر نگوڑی نجاست بھری ہوئی توبہ تو یہ خیال کیے سے ابکائی آتی ہے۔

اکبری بیگم۔ چچی جان آپ نے تو حد ہی کر دی نوج کسی کے ناخنوں میں نجاست ہو جو لڑکیاں نوکیلے ناخن رکھتی ہیں وہ ہر وقت اس کی صفائی بھی تو کرتی رہتی ہیں۔

عالم آرا بیگم۔ [illegible]

اکبری بیگم۔ سچی بات ہے یہ فیشن مجھے بھی پسند نہیں انسان کی انگلیاں تو لگتی نہیں چیل کے پنجے معلوم ہوتے ہیں۔

چچی جان۔ اس فیشن میں فائدے بھی تو بہت ہیں۔ بے چاریاں بے پردہ ہوتی ہیں ہر وقت چھری چاقو کہاں پاس رکھیں۔ جہاں کسی مردوئے۔ نے بری نگاہ سے دیکھا فوراً اس کی آنکھ پھوڑ دی۔ دوسرا فائدہ یہ کہ خلال پاس رکھنے کی ضرورت ہی نہیں دانت میں بوٹی اٹکی چپلے سے منہ میں انگلی ڈال دانت صاف کرے۔ ہڈی کا گودا کھانے کو دل چاہا۔ سب کی نگاہ بچا کر ناخن سے گودا نکال لیا اور ایسے بیسیوں فائدے ہیں اس وقت کون سوچے۔

اکبری بیگم۔ چھوڑیئے اب ان جھگڑوں کو آپ یہ تو بتایئے کبھی سینما بھی دیکھا ہے؟

چچی جان۔ ہاں بھی جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ ایک دفعہ لڑکے لڑکیاں زبردستی لے گئے تھے میں نے سوچا چلو اسی بہانہ اپنے بزرگوں کے دربار کا سماں نظر آئے گا۔

اکبری بیگم۔ کونسا تماشہ تھا؟

چچی جان۔ اے بی وہی پکار'' جو آجکل چل رہا ہے۔ اس میں شہنشاہ جہانگیر کا انصاف دکھایا ہے۔ آخر میری رگوں میں بھی تو مغلوں کا خون ہے اسی وجہ سے دیکھنے گئی تھی۔

اکبری بیگم۔ کیسا ہے آپ کو پسند آیا؟

چچی جان۔ اے بی کیا پوچھتی ہو میرا اپنا تماشہ بن گیا۔ بھلا میں کیا جانوں کبھی پہلے دیکھا ہوتا تو خبر ہوتی جس وقت وہ موئی دھوبن بادشاہ کے اوپر کمان کھینچ کر کھڑی ہوئی ہے۔ میرا تو کلیجہ یوں اچھلنے لگا بے تحاشہ چیخی ارے لوگو دیکھتے کیا ہو اس مردار کے ہاتھ سے تیر کمان چھین لو۔ لڑکیوں نے جلدی سے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اے دادی اماں آپ کیوں گھبراتی ہیں۔ یہ تو تصویر ہے۔

اکبری بیگم۔ ہے تو یہ تصویر بہت اچھی۔

چچی جان۔ بس جہاں تک بادشاہ اور ملکہ نور جہاں کا تعلق ہے۔ وہ تو مجھے پسند آیا۔ مگر اس راجپوت کی لڑکی کا قصہ خاک اچھا نہیں صدقہ میں اتاروں ایسی لڑکی کو جس کی وجہ سے جوان بھائی اور بڈھے باپ کی جان جائے اور وہ حرافہ مزے سے سہرہ باندھ کر بادشاہ کے دربار میں پہنچے میں تو کہتی ہوں ڈوب مریں ایسی دیدہ دلیر لڑکیاں۔

اکبری بیگم۔ لڑکی نگوڑی کا کیا قصور تھا۔

چچی جان۔ لو جی اور سنو۔ اے اسی کے عاشق نے تو باپ بھائی دونوں کو مارا تھا اور پھر موا بھاگ گیا۔ ہاں اس کے باپ کو آفریں ہے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ڈھونڈھ کر لایا اور خود بادشاہ کے حضور میں حاضر کیا۔

اکبری بیگم۔ بادشاہ کے انصاف تو پسند آیا ہوگا۔

چچی جان۔ واہ واہ۔ سبحان اللہ انصاف تھا ایک معمولی دھوبی کے لیے اپنی چہیتی بیگم کا خیال نہ کیا۔ جس وقت ملکہ نور جہاں بندی خانے میں موٹی موٹی روٹیوں کے نوالے پانی کے گھونٹوں سلے حلق سے اتر رہی تھیں۔ میری تو روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔

عالم آرا بیگم۔ دھوبی کا کیا قصور تھا؟

چچی جان۔ اے بی تمہیں میری جان کی قسم یہ تماشہ تو تم ضرور جا کر دیکھو۔

عالم آرا بیگم۔ نہیں چچی جان اب بڑھاپے میں تماشے دیکھ کر کیا کروں گی۔

چچی جان۔ مجھ سے تو پانچ برس چھوٹی ہو۔ ایسا بھی کیا بڑھاپا۔ یہ کہو تمہیں کھیل تماشہ کا شوق ہی نہیں۔

عالم آرا بیگم۔ یہ تو آپ ٹھیک کہتی ہیں زیادہ ہنگامہ اور بھیڑ سے سدا میرا دل گھبرایا۔ اور پھر سینما میں تو خدا جانے کیا قیامت برپا ہوتی ہوگی۔

چچی جان۔ پہلے میں بھی ڈرتی تھی مگر مجھے تو سب سے الگ لڑکوں نے صندوق میں لے جا کر بٹھا دیا تھا۔ جہاں سوائے ہم لوگوں کے کوئی غیر نہیں تھا۔

عالم آرا بیگم۔ (متعجب ہو کر) وہ صندوق کیسا ہوتا ہے؟

اکبری بیگم۔ (ٹھٹھہ لگا کر) اے چچی جان اس کو بوکس کہتے ہیں۔ صندوق نہیں۔

چچی جان۔ اے بی تو مجھ انگریزی نہ بگھارو۔ بوکس کو صندوق کہتے ہیں میرا پوتا اپنا سبق یاد کیا کرتا تھا۔ بی او کس۔ بوکس معنی صندوق اتنا میں بھی جانتی ہوں۔

مرزا صاحب کی بیوی نے عالم آرا بیگم سے پوچھا۔ ''بہن ڈومنیوں کو نہیں بلایا؟''

چچی جان۔ میں نے بہتیرا کہا مگر یہ راضی نہ ہوئیں۔

اکبری بیگم۔ بغیر ڈومنیوں کے شادی کا گھر سونا سونا سا معلوم ہوتا ہے۔

عالم آرا بیگم۔ یہ تو لڑکیوں بالیوں کی خوشی ہوتی ہے یہاں دلہن کی اماں ہر بات میں گھبرائی جاتی ہیں۔ لڑکی کو مائیوں بھی سب کی زبردستی سے بٹھایا جا رہا ہے وہ تو کہتی ہیں سانچق اور مائیوں ایک ہی دن ہو جائیں گی۔ ایک تو محسن کی دلہن نے دلی کی رسمیں کبھی نہیں دیکھیں۔ دوسرے لڑکوں کو ابٹنا کھیلنے کا شوق ہے اس وجہ سے یہ رسوم ہو رہی ہے۔

اکبری بیگم۔ اگر لڑکوں ہی کا شوق ہے تو پھر رنگ کھیلنا چاہیے۔

چچی جان۔ اے بے خوب یاد دلایا تم جیتی رہو۔ میں تو فرخ سے کہوں گی ایک دیگ میں رنگ گھول لو۔

عالم آرا بیگم اے ہے چچی جان فرخ کے سامنے رنگ کا نام نہ لیجئے گا۔ وہ ایک شیطان لڑکا ہے آفت برپا کر دے گا۔ آجکل پہلے زمانہ کی سی تندرستیاں نہیں ہیں۔ جاڑے کا موسم بھیگ کر چوڑا ہو گا۔ خدانخواستہ کوئی بیمار پڑ جائے تو اور مشکل ہو۔

اکبری بیگم۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے تھوڑی دیر کی دل لگی کا خمیازہ مہینوں بھگتنا پڑے۔

عالم آرا بیگم۔ محسن کی دلہن تو چاہتی ہیں کہ چوتھی کی رسم ہو مگر میں نے منع کر دیا۔
چچی جان۔ یہ رسم تو اب بالکل ہی چھوڑ دی چوتھی والے دن چالا کر دیتے ہیں۔
عالم آرا بیگم۔ مجھے اس رسم سے ہمیشہ نفرت رہی اچھی خاصی مار کٹائی ہو جاتی ہے۔
مرزا صاحب کی بیوی۔ اے بہن سنا ہے میری شادی میں خاصا جھگڑا ہو گیا تھا۔ گھر والوں کو بڑی شرمندگی اٹھانی پڑی۔ کسی بیوی نے پردے کے پیچھے سے دولہا کے ایسی گنڈیری کھینچ کر ماری کہ ناک سے خون کی تللی چھوٹ گئی۔ پھر جو دولہا والیوں کو غصہ آیا ہے تو ان بیچاری کی وہ گت بنائی کہ چار مہینے کا پیٹ گر گیا۔
ایک بڑی بی بولیں۔ اے بی کیا پوچھتی ہو اس چوتھی کی بدولت لوگوں کے گھر برباد ہو گئے ہیں۔ آنکھوں دیکھا حال سناتی ہوں ایک جگہ کا ذکر ہے۔ دلہن والیوں نے کمرہ کے اندر سے دولہا کو ترکاریاں مارنی شروع کیں۔ پہلے تو اس کی بہنیں بچاتی رہیں اتفاق کی بات ایک کچا امرود اس کے ماتھے پر آ لگا۔ بس بی وہ لڑکا اس قدر مزاج کا تیز تھا کہ سیدھا کمرہ میں گھس گیا۔ بیویاں اوئی اوئی کرتی بھاگیں۔ ایک نگوڑی شامت کی ماری اس کے ہاتھ لگ گئیں۔ اس نے اس زور سے ان کے بازو میں کاٹا کہ دانت گڑ گئے خونم خون ہو گئیں سارے محفل میں کھلبلی مچ گئی۔ سسرال والیوں نے ہزاروں باتیں سنائیں گھر پہنچیں تو میاں نے میکہ بھیج دیا۔
چچی جان۔ (ٹھٹھہ لگا کر) غیر مردوں سے کٹوانے کا یہی نتیجہ تھا۔
عالم آرا بیگم۔ اے ہے چچی جان توبہ کیجئے خدا بری گھڑی سے بچاتا رکھے۔
اکبری بیگم نے عالم آرا بیگم سے پوچھا۔ "نصیرہ بیگم کی ساس نہیں آئیں؟
عالم آرا بیگم۔ آج تو میں نے زیادہ تر لڑکیوں کو بلایا ہے یا خاص خاص ملنے والیوں کو اس پر بھی ماشاءاللہ کافی ہنگامہ ہو گیا ہے۔
اکبری بیگم۔ (ہنس کر) خدا رکھے خاندان بھی تو بڑا ہے۔

عالم آرا بیگم۔ محسن کی بیوی سے سب کے ناموں کی فہرست بنوائی تھی حیرت میں رہ گئیں کہنے لگیں اماں جان سینکڑوں نام تو آپ نے قریب کے رشتہ داروں کے لکھوا دیئے اگر دور والوں کے لکھوائیں تو شاید دلی کا کوئی گھر باقی نہ رہتا۔

چچی جان۔ اس میں کیا شک ہے مغلوں میں ہمارا رشتہ۔ حکیموں میں ہمارا رشتہ۔ سیدوں کی اولاد خود دلی میں یہی پرانے خاندان ہیں۔ مغل شاہی نسل سے ہیں۔ سیدوں کو بادشاہوں نے بڑی عزت کے ساتھ منصب اور جاگیریں دے کر عرب۔ بغداد شریف اور بخارے سے بلایا تھا۔ اسی طرح حکیموں کو اشراف کی پہچان یہی ہے کہ خاندان وسیع ہو اس میں امیر بھی ہوتے ہیں۔ اور غریب بھی یہ نہیں کہ ایک شخص نے پڑھ کر نام پیدا کر دیا۔ اس کی اولاد شریف کہلانے لگی نہ کسی سے رشتہ نہ ناطہ۔

عالم آرا بیگم۔ چچی جان یہ سب ہی لوگوں کے دم تک ہے۔ نئی پود تو مذاق اڑاتی ہے۔ دور کے رشتے ان کی سمجھ میں ہی نہیں آتے۔

چچی جان۔ ہاں بھی تمہارا کہنا ٹھیک ہے۔ ایک دن میری پوتی نے پوچھا بھائی احسن ممتاز سے ہمارا کیا رشتہ ہے؟ میں نے کہا بیٹی احسن ممتاز تمہارے ابا کے سگے بھتیجے ہیں۔ اے بی لڑکی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ہماری سمجھ میں یہ رشتے نہیں آتے۔ میرا جی جل کر خاک ہو گیا۔ اس چودھویں صدی میں جو کچھ نہ ہو کم ہے۔ اپنے رشتے داروں سے زیادہ دوستوں کی محبت ہے۔ قرب قیامت کے یہ آثار ہیں بھائی سے بھائی جدا ہو جائیں گے۔ بے چارے حالیؔ نے خوب کہا ہے

جس دین نے غیروں کے تھا دل آ کے ملائے
اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

زرتاج بیگم بولیں۔ پندرہ دن کے بعد گئی تھیں صاحب بہادر نے نہیں آنے دیا ہوگا۔"

نصیرہ بیگم۔ (ہنس کر) صاحب بہادر تو صبح سے یہیں آئے ہوئے ہیں۔ مجھے بھی آئے ایک گھنٹہ سے زیادہ ہوگیا۔

شوکت آرا۔ میں تو ایک ایک سے پوچھ رہی تھی آخر کہاں بیٹھی تھیں؟

نصیرہ بیگمل۔ میں نے سنا تھا خالہ اکبری بیگم آئی ہیں ذرا ان سے ملنے چلی گئی تھی تم جانتی ہو ان پرانی بیویوں کی باتیں ایسی مزے دار ہوتی ہیں کہ اٹھنے کو دل نہیں چاہتا۔

زرتاج بیگم۔ (تیوری چڑھا کر) ایسی فضول اور لغو باتوں میں آپ کو کیا لطف آتا ہے۔

نصیرہ بیگم۔ واہ دلہن یہ تو تمہارا کہنا غلط ہے باتیں تو ایسی پر لطف ہوتی ہیں کہ جی چاہتا ہے سنے جاؤ۔

زرتاج بیگم۔ (ہنس کر) وہی برسوں پہلے کے واقعات کو اہمیت دے دے کر بیان کیا جاتا ہے اگر کبھی ریل کے سفر میں کسی بیوی کا لوٹا کھو گیا تھا تو اسی کا ذکر ہو رہا ہے۔ کسی کے ہاں دس سال بعد اولاد ہوئی ہے تو اسی کے چرچے ہیں۔ کسی بہو کی نافرنی کا ذکر۔ کسی کی ساس کے مظالم غرض اسی قسم کی باتیں ہوتی ہیں۔ اصل میں تعلیم کم۔ خیالات تنگ۔ معلومات محدود۔ گھر کی چار دیواری کے اندر اگر کوئی نیا واقعہ پیش آ گیا۔ وہی ان کے نزدیک بہت اہم اور پیچیدہ بن جاتا ہے۔

نصیرہ بیگم۔ ہاں واقعات تو وہی دس دفعہ کے سنے ہوئے ہوتے ہیں مگر بات کرنے کا طریقہ اور سلسلہ ایسا ہوتا ہے کہ ان کی باتیں سننے کو جی چاہتا ہے۔ آج کل تعلیم یافتہ لڑکیاں ایک تو بڑے بڑے الفاظ بولنے کی کوشش کرتی ہیں۔ دوسرے انگریزی کے لفظ ملا کر بولتی ہیں۔ عجیب اکھڑی اکھڑی گفتگو ہوتی ہے میرا تو دم الجھنے

لگتا ہے نہ کوئی سلسلہ نہ روانی۔

زرتاج بیگم۔ اگر آپ ایک واقعہ کو پچاس دفعہ دوہرائیں گی تو روانی خود بخود پیدا ہو جائے گی۔ علاوہ اس کے آجکل کی لڑکیوں کا تمام وقت کالج اسکولوں میں گزرتا ہے۔ ان کو اتنی فرصت کہاں کہ بیٹھی باتیں بناتے جائیں۔

شوکت آرا نے دونوں کی باتوں کا سلسلہ منقطع کرتے ہوئے کہا۔ "یہ باتیں تو پھر ہو جائیں گی۔ پہلے سب کو چاء پلوا دی جائے۔ زرتاج بیگم تم ذرا پھوپھی اماں سے جا کر پوچھ لو وہ کہاں چاء پییں گی۔"

زرتاج بیگم۔ میرے خیال میں تو اماں جان کو چاء انہیں کے کمرہ میں بھیجدی جائے ان کے پاس عجیب قسم کی عورتیں بیٹھی ہیں۔

شوکت آرا۔ نہیں بہن پہلے ان سے پوچھ لو اگر وہ چاء کے کمرے میں آنا چاہیں تو ان کو وہیں بلا لو ورنہ ان کے کمرے میں دسترخوان بچھوا دیا جائے۔

زرتاج بیگم۔ بھابی جان آپ بھی کیا باتیں کرتی ہیں ذرا وہاں جا کر دیکھئے۔ مشکل سے آٹھ دس بیویاں ایسی ہیں جن کو اپنے ساتھ بٹھایا جا سکتا ہے۔ باقی تو اس لائق ہیں کہ بنیادی خانم ان کو الگ بٹھا کر چاء وائے دے دیں۔

شوکت آرا۔ آپا نصیرہ تم تو ابھی پھوپھی اماں کے پاس سے آئی ہو کون کون عورتیں بیٹھی ہیں۔

نصیرہ بیگم۔ (ہنس کر) اے بی ایک تو بے چاری اندھی بسم اللہ خانم معہ اپنی بیٹی نواسی کے بیٹھی ایک تارکشی والی ہیں۔ ایک گوٹے والی ہیں۔ ایک کریمن کپڑے والی ہیں۔ باقی رشتے کنبے کی بیویاں ہیں۔

زرتاج بیگم۔ یہ اندھوں لنگڑوں کو بلانے کی کیا ضرورت تھی؟

شوکت آرا۔ بہن ان کو کسی نے بلایا نہیں ہے خود ہی خبر پا کر آ گئی ہیں اب یہ بھی تو نہیں ہو سکتا کہ ہاتھ پکڑ کر نکال دیا جائے۔

زرتاج بیگم۔ لیکن کچھ نہ کچھ انتظام تو ہونا چاہیے۔ ان عورتوں کی وجہ سے نہ کمرے صاف رہ سکتے ہیں نہ فرش اجلے رہتے ہیں۔ اماں جان کے کمرہ میں آج ہی صبح سفید چاندنی بچھائی گئی تھی اس وقت ذرا اس کی حالت دیکھئے۔ کہیں بچوں نے گنڈیریاں چوس چوس کر تھولی ہیں۔ کہیں شکر قند کے ٹکڑے پیروں کے نیچے دب کر چپکے پڑے ہیں ان کے اوپر مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ ایک جگہ اگالدان گرادیا ہے۔ دروازہ کے سامنے کچالوؤں کے پتے کیلے کے چھلکے پڑے ہیں۔ کسی کو خبر نہیں بس باتیں ہو رہی ہیں۔

نصیرہ بیگم۔ (ہنس کر) شادی کے موقعہ پر ایسا ہی ہوتا ہے۔

زرتاج بیگم۔ جی نہیں اور تو کہیں نہیں ہوتا یہ دستور یہیں ہے۔ معقول بیویاں تو کم ہوتی ہیں۔ ایسی عورتیں زیادہ بھر جاتی ہیں۔ شادی بیاہ کی تقریب کیا ہوئی۔ میلاد شریف یا عرس کی محفل ہوگئی کہ ہماوشما ثواب کی غرض سے بغیر بلائے چلے آتے ہیں۔

نصیرہ بیگم۔ ابھی کوئی جواب نہیں دینے پائی تھیں کہ کمرہ کے دروازہ میں سے روشن آرا نے کہا۔ ”اے بی شوکت آرا تم کہاں چھپی بیٹھی ہو۔ اماں کہہ رہی ہیں پانچ بجنے والے ہیں مہمانوں کے چائے پانی کی بھی کچھ خبر ہے؟“

نصیرہ بیگم۔ اے دولہا کی اماں تمہارا پائنچا بہت بھاری ہے پانچ بجے گھر سے نکلی ہو تمہاری ہی وجہ سے چائے کو دیر ہو رہی ہے۔

روشن آرا۔ آج تو میں اپنی بھتیجی کی مائیوں میں آئی ہوں دولہا کی اماں بن کر نہیں آئی چلو چائے پیو۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔

نصیرہ بیگم۔ لو بی یہ سنو اور یہاں تو ابھی تک یہی تصفیہ ہوا کہ کون کون کہاں چائے پئیں گے وہاں چائے ٹھنڈی بھی ہونے لگی۔

روشن آرا۔ اے بی تصفیہ کیسا؟ جہاں چائے پلانے کا انتظام کیا گیا ہے وہیں سب

بیٹھیں گے۔ حسن آرا اور لڑکیاں سامان لگوا رہی ہیں۔

شوکت آرا۔ پھوپھی اماں کہاں بیٹھیں گی؟

روشن آرا۔ وہ بھی وہیں گئیں وہ کیا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ چنوائیں گی۔ تم گھر والی ہو کر مجھ سے پوچھ رہی ہو یہ طریقہ نہیں دیکھا۔

نصیرہ بیگم۔ (ہنس کر) یہاں تو یہ تجویز ہو رہی تھی کہ خاص خاص بیویاں الگ بٹھائی جائیں عام عورتیں الگ۔

روشن آرا۔ (طنزیہ لہجہ میں) اسی وجہ سے شوکت آرا نے اماں کے متعلق پوچھا تھا۔ شاید عام عورتیں کے ساتھ انہیں چنا گیا تھا۔

شوکت آرا نہیں باجی جان یہ بات تھوڑی تھی۔

روشن آرا نے واپس جاتے ہوئے کہا۔ ''خیر بی مجھے کیا مطلب جو تمہارا دل چاہے کرو۔ مگر اتنی بات ضرور کہوں گی کہ پہلے سے اس کا انظام کیا ہوتا۔ اب دستر خوان سے کسی کو اٹھا دینا صرف اس وجہ سے کہ وہ غریب ہیں تمہاری برابری کے نہیں بدتمیزی کی بات ہے۔

زرتاج بیگم۔ دستر خوان پر سے اٹھانے کو تو کوئی نہیں کہتا۔

روشن آرا نے کوئی جواب نہیں دیا کمرہ سے باہر نکل گئیں ان کے پیچھے شوکت آرا وغیرہ بھی گئیں۔ چائے کے بعد سب لڑکیاں دولہن کے کمرے میں جمع ہوئیں۔ حمیدہ نے گلشن سے کہا۔ '' دیکھنا آپا گلشن آج سب نے زرد رنگ کے دوپٹے اوڑھے ہیں۔ مگر افشاں گلابی دوپٹہ اوڑھے ہیں۔ ہم لوگوں نے بہتیرا کہا مگر یہ نہیں مانیں۔''

گلشن۔ اے سچ تو ہے۔ میں نے خیال ہی نہیں کیا۔ جاؤ افشاں زرد دوپٹہ اوڑھ کر آؤ۔

افشاں۔ مجھے زرد رنگ پسند نہیں۔

فرحت۔ مجھے خود زرد رنگ سے نفرت ہے مگر آج تو سب ایک ہی رنگ میں ہیں

پسند ناپسند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

گلشن نے افشاں کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''اٹھو زرد دوپٹہ اوڑھ کر آؤ۔''

افشاں۔ اب رہنے بھی دیجیے اس کے نکالنے میں وقت ہوگی۔ آج گھر کی صفائی کرنے میں میرا ٹرنگ کہیں نیچے دب گیا ہے۔

گوہر۔ میرے پاس ایک زرد رنگ کا بنارسی دوپٹہ ہے وہ لا دوں؟

گلشن۔ ہاں گوہر تم اپنا لے آؤ۔

افشاں۔ نہیں گوہر دادی اماں کہیں گی اپنا والا کیوں نہیں اوڑھا۔

گوہر۔ آپ تو ذرا ذرا سی بات میں دادی اماں سے ڈرتی ہیں۔

نزہت۔ (دھیمی آواز سے) ٹھیک تو ہے جب سب کے جارجٹ کے دوپٹے ہیں تو افشاں کو بنارسی نہیں اوڑھنا چاہیے۔

گلشن۔ (ہنس کر) اے او دلہن بیگم کا دل بھی نہیں مانا آخر بول ہی اٹھیں۔

حمیدہ۔ اصل بات ہے کہ گورے آدمیوں کے منہ پر گلابی رنگ بہت کھلتا ہے زرد رنگ سے چہرہ پر اداسی کا پھیکا پن آ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے افشاں زرد دوپٹہ نہیں اوڑھ رہیں۔

گلشن۔ (افشاں سے) اے بی تمہیں اپنے چہرہ مہرہ کا خیال کب سے پیدا ہوا۔

فرحت نے اپنے دوپٹہ کا آنچل افشاں کے سر پر اوڑھاتے ہوئے حمیدہ سے کہا'' دیکھو نہ پھیکا پن ہے نہ اداسی ہے بلکہ ایک قسم کی نزاکت اور بھولپن ہوگیا ہے۔''

گلشن نے افشاں کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''چلو میں تمہارا دوپٹہ نکلوا دوں کہاں رکھا ہے؟''

افشاں نے گلشن کو الگ لے جا کر کہا۔ ''آپ گلشن میرے دوپٹہ کا زیادہ چرچا نہ کرو وہ تو کہیں کھو گیا۔''

گلشن۔ (تعجب سے) کھو گیا؟

افشاں۔ہاں کئی دن سے غائب ہے۔

گلشن۔تم نے کسی سے ذکر بھی نہیں کیا؟

افشاں۔ذکر کس سے کرتی؟

گلشن۔نانی اماں اور خالہ جان سے کہا ہوتا تم نے رکھا کہاں تھا؟

افشاں۔دادی اماں کے کمرہ میں رکھا تھا۔

گلشن۔وہاں سے کون لے جائے گا نانی اماں نے کہیں اٹھا کر دیا ہو گا۔میں ان سے جا کر پوچھتی ہوں۔

افشاں نے گلشن کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔"خدا کے واسطے ان سے دوپٹہ کا ذکر نہ کرنا۔ انہوں نے کہیں نہیں رکھا۔"

گلشن۔وہاں سے کون لے جائے گا نانی اماں نے کہیں اٹھا کر دیا ہو گا۔میں ان سے جا کر پوچھتی ہوں۔

افشاں نے گلشن کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔"خدا کے واسطے ان سے دوپٹہ کا ذکر نہ کرنا۔ انہوں نے کہیں نہیں رکھا۔"

گلشن۔خالہ جان رکھا ہو گا۔

افشاں۔نہیں انہیں بھی خبر نہیں۔

گلشن۔تم بڑی بے وقوف ہو نیا جارجٹ کا ٹھپہ لگا دوپٹہ کھو دیا اور کسی سے کہا بھی نہیں یہ کام سوائے بروع والیوں کے اور کسی کا نہیں نانی اماں کے پاس طرح طرح کی عورتیں آئی ہیں خدا غارت کرے ایسی......"

افشاں نے گلشن کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔"کوستی کیوں ہو۔"

گلشن نے افشاں کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔"کوسنے کی بات ہی ہے۔"

افشاں۔(مسکرا کر) کسی نے چوری کی نیت سے تھوڑی لیا ہے۔مجھے ستانا منظور ہے۔

گلشن نے آنکھیں مٹکا کر کہا۔ ’’اچھا اب میں سمجھی فرخ نے چھپایا ہے۔ کیوں یہی بات ہے نا؟‘‘

افشاں نے ہنس کر گردن ہلائی۔ گلشن نے دو تین تھپڑ افشاں کی پیٹھ پر مار کر کہا۔ ’’گدھی کہیں کی مجھ سے پہلے ہی کیوں نہ کہہ دیا اب میں فرخ کو کہاں ڈھونڈتی پھروں۔‘‘

افشاں۔ پھوپھی جان کے کمرہ میں ٹرنک رکھا ہے۔ اس میں دیکھئے۔

گلشن۔ (ہنس کر) ترکیبیں بتانی آتی ہیں۔ یہ نہیں ہوسکا کہ خود نکال لیتیں۔

افشاں۔ مجھے تو ڈر لگیا ہے کبھی دادی اماں یا پھوپھی جان ٹرنک کھولتے نہ دیکھ لیں۔

گلشن۔ ٹرنک میں قفل تو نہیں ہے؟

افشاں۔ ایک کنجی اس کی میرے پاس ہے۔

گلشن۔ اچھا۔ اب میں فرخ سے کہوں گی۔

افشاں ایسں غضب نہ کرنا بڑی مشکل سے یہ کنجی میرے ہاتھ لگی ہے۔

گلشن۔ اب معلوم ہوا تم بھی فرخ کی چیزیں چرایا کرتی ہو۔

افشاں۔ نہیں اللہ کی قسم میں تو اپنی کھوئی چیزیں نکالا کرتی ہوں۔

گلشن۔ دوپٹہ کیوں نہیں نکال لیا؟

افشاں۔ اس مرتبہ میں نے ادھر کا رخ بھی نہیں کیا۔

گلشن۔ (ہنس کر) ہاں اب تو بیچاری کو پردہ کا شوق ہوا ہے۔

یہ دونوں لڑکیاں ابھی باتیں ہی کر رہی تھیں کہ بتیا دی خان کی نواسی شہزادی نے افشاں سے کہا۔ ’’آپ کی دادی اماں آپ کو بلا رہی ہیں۔‘‘

افشاں۔ دادی اماں کے پاس اور کون ہے؟

شہزادی۔ اور کوئی بھی نہیں ہے۔ بیگم صاحب عصر کی نماز پڑھ کو بیٹھی ہیں۔

افشاں نے گلشن سے کہا۔ ”دادی اماں نے مجھے گلابی دوپٹہ اوڑھے دیکھ لایا ہے۔ اسی واسطے بلا رہی ہیں اب میں ان سے کیا کہوں گی۔

گلشن۔ تم تو ہم بیوقوف ہو کہہ دینا خراب ہونے کے خیال سے ابھی نہیں اوڑھا تھا۔

افشاں گلشن کو ساتھ لے کر اپنی دادی کے پاس گئی۔ عالم آرا بیگم نے افشاں سے پوچھا۔ تم نے کسی چیز کا وی۔ پی پارسل منگوایا۔

افشاں۔ نہیں دادی اماں میں نے تو کوئی پارسل نہیں منگوایا۔

عالم آرا بیگم نے ایک ڈبہ دکھاتے ہوئے کہا۔ دوپہر کو تمہارے دادا نے یہ پارسل دیا تھا کہ افشاں کے نام دس روپیہ کا وی پی آیا تھا۔

افشاں۔ (گھبرا کر) دادا ابا نے وصول بھی کر لیا۔

عالم آرا بیگم۔ وصول کیوں نہ کرتے انہوں نے جانا تم نے نزہت کے واسطے کوئی تحفہ منگوایا ہے۔ یوں بھی دس روپیہ غارت ہوئے اب تو واپس بھی نہیں ہو سکتا۔ میں اس وقت اکبری بیگم کی باتوں میں ایسی بیٹھی کہ اس کا خیال ہی نہیں رہا۔ اے گلشن بیٹی کھولو تو سہی اس میں ہے کیا؟

گلشن نے جلدی جلدی پارسل کھولا۔ اس کے اندر سے افشاں کا دوپٹہ نکلا۔ عالم آرا بیگم نے تعجب سے کہا۔ ”یہ تو کسی کا دوپٹہ معلوم ہوتا ہے۔“

افشاں کا رنگ فق ہو گیا۔ گلشن مارے ہنسی کے لوٹ گئیں۔ انہوں نے کہا۔ ”نانی اماں شاید

ملا۔

گلشن۔(ہنس کر) یہ فرخ کی شرارت معلوم ہوتی ہے۔

عالم آرا بیگم۔(افشاں سے) تمہیں چاہیے تھا مجھ سے یا حسن آرا سے کہتیں دوپٹہ کھو کر چپکی بیٹھ گئیں دیکھئے تمہاری بے زبانی اور بیوقوفی کیا گل کھلاتی ہے۔جانتی ہو کہ ایک تصدار پیچھے لگا ہوا ہے مگر تم ہو کہ اپنی چیزیں ادھر ادھر پھینکتی پھرتی ہو۔

افشاں۔میں نے تو اس دن رات کو دوپٹہ ٹانک کر اپنے پلنگ پر رکھ دیا تھا۔مجھے کیا خبر کون لے گیا۔

عالم آرا بیگم۔اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر۔اوئی بیوی موٹا دیدہ اس لڑکے کا ہے۔ اپنے نانا کا بھی کچھ خیال نہیں کیا۔دس روپیہ سے وصول کر لیے۔اب وہ مجھ سے پوچھیں گے کہ کس چیز کا پارسل تھا تو کیا جواب دوں گی۔

گلشن۔(ہنس کر) آپ کہہ دیجئے گا افشاں نے کوئی چیز منگوائی تھی۔

عالم آرا بیگم نے کمرہ سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔"اے بی تم مجھے کیا سکھا رہی ہو کچھ نہ کچھ بات تو بتانی ہی پڑے گی۔مگر افشاں کو سمجھا دو آئندہ احتیاط رکھیں۔"

عالم آرا کے جانے کے بعد افشاں نے کہا۔"آپا گلشن تم ہی بتاؤ میرا اس میں کیا قصور تھا۔"

گلشن۔اے یہ فرخ تو حرفوں کا بنا ہوا ہے۔پارسل پر غازی آباد کی مہر ہے۔شاید وہاں جا کر بھیجا ہے۔

افشاں۔ [illegible]

مائیوں کا زرد جوڑا پہنایا جا رہا تھا۔ چمن آرا دلہن کی چوٹی گوندھ رہی تھیں۔ گلشن نے قدم رکھتے ہی کہنا شروع کیا۔ ''توبہ ہے افشاں کا دوپٹہ ڈھونڈھنے میں اتنی دیر ہوگئی ہے یہاں کسی نے ہمارا انتظار بھی نہیں کیا۔ دلہن کو کپڑے بھی پہنا دیئے۔''

چمن آرا۔ شام تو ہو رہی ہے تمہارا انتظار کوئی کب تک کرتا۔

گلشن۔ اچھا ہو چوٹی تو میں گوندھوں گی پٹیاں جھکا کر رکھ دیں۔

چمن آرا نے ہنستے ہوئے کہا۔ تم ہی گوندھو۔''

گوہر نے چمن آرا سے کہا۔ آپا جان نزہت آپ کو زیور بھی پہنایئے۔

چمن آرا۔ مائیوں کی دلہن کو زیور نہیں پہنایا جاتا ہو تھوں کی بلوری چوڑیاں بھی اتر دیتے ہیں لڑکیاں یہ باتیں کر رہی تھیں کہ عالم آرا بیگم، اکبری بیگم۔ چچی جان کمرہ میں داخل ہوئیں۔ نزہت گردن جھکا کر بیٹھ گئیں۔ اکبری بیگم نے ہنس کر کہا۔ ''خدا رکھے دولہا کی بہنیں بھی یہیں موجود ہیں۔''

چمن آرا۔ نانی جان برات والے دن دولہا کی بہنیں کیے گا ابھی تو ہم دلہن ہی کی بہنیں ہیں۔

چچی جان۔ کنبہ کی شادی میں یہی تو مزیداری ہے کبھی ادھر آ گئے کبھی ادھر چلے گئے۔

عالم آرا بیگم۔ افشاں بیٹی اپنی پھوپھی جان سے کہو بڑے کمرہ میں چوکی بچھوا کر اس پر زردوزی بچھوا دیں۔

چچی جان۔ اے لڑکیو ابٹنا بھی گھول لیا یا نہیں؟

عالم آرا بیگم۔ پہلے ابٹنا میرے پاس لاؤ میں تھوڑا سا دے دوں نہیں تو اس وقت طوفان بدتمیزی میں سارا ابٹنا غارت ہو جائیگا۔

چچی جان۔ اے بی اب ابٹنے میں بھی تمہارا دخل ہے۔

عالم آرا بیگم۔ دخل کیسے نہ ہو پنسیر ابٹنا منگوایا ہے۔ ڈھائی سیر دولہا کے واسطے

جائے گا۔ سیر آدھ سیر کچھ لڑکی کے بھی ملا جائیگا۔ اگر ان لوگوں کے ہاتھ پڑ گیا تو سارا اسی وقت ختم کر دیں گے۔

گلشن۔ نانی اماں۔ آپ ابٹنا چھپا دیں گو تو کیا ہے کھیلنے والے تو کیچڑ تک نہیں چھوڑتے۔

چچی جان۔ ٹھٹھہ لگا کر) لوسنو گلشن کیا کہہ رہی ہیں۔

عالم آرا بیگم نے چمن آرا سے کہا۔ ''بیٹی تم اپنی خیر منانا اس شیطانی لشکر سے ذرا دور ہی دور رہنا خدا بری گھڑی سے بچائے ایسی دھینگا مشتی میں کسی کا خیال نہیں رہتا۔

اکبری بیگم۔ کیا کچھ ہے۔؟

عالم آرا بیگم۔ ہاں خدا رکھے ان گنا مہینہ ہے۔ پہلے تو ان دنوں میں گھر سے باہر قدم نہیں نکالنے دیتے تھے۔

زرتاج بیگم بھی موجود تھیں انہوں نے پوچھا۔ ان گنا مہینہ کونسا ہوتا ہے؟

اکبری بیگم۔ آٹھویں مہینہ کو بیویاں ان گنا کہتی ہیں یعنی اس کو گنتی میں نہیں لگاتیں۔

زرتاج بیگم۔ کس وجہ سے؟

اکبری بیگم۔ پیٹ والی کے لیے یہ مہینہ ذرا سخت ہوتا ہے بہت احتیاط کی جاتی ہے۔

زرتاج بیگم۔ یہ تو ٹھیک بات ہے۔

چچی جان۔ ہمارے وقت میں تو پورے ایک مہینہ لڑکی سسرال میں رہتی تھی نواسہ کی گود بھرنے کے بعد میکہ جاتی تھی۔

زرتاج بیگم۔ نو ماسہ کی گود دیتے بھری جاتی تھی؟

چچی جان۔ نواں مہینہ شروع ہوتے ہی لڑکی کے میکہ سے سرخ جوڑا جیسا نکاح کا

ہوتا ہے جتا تھا۔ اس کے ساتھ میوہ تیل کنگھی چاندی کی کٹوری چاندی کی آئینہ ہوتا تھا۔ مہمان جمع ہوتے تھے لڑکی کو دلہن بنا کر میوہ سے گود بھری جاتی تھی۔ کٹوری میں تیل لے کر دائی پیٹ پر لگاتی تھی۔ شیشہ پر دودھ نکال کر دیکھا جاتا تھا۔ شام کو لڑکی اپنے میکہ جاتی تھی۔ سسرال سے سوا من ڈھائی من۔ جتنی جس کی وسعت ہوتی تھی پنجیری ساتھ بھیجی جاتی تھی۔ تمام کنبہ میں تقسیم ہوتی تھی۔

چمن آرا۔ کس قدر بے حیائی کی باتیں پہلے ہوتی تھیں۔ سب مہمانوں کے سامنے پیٹ پر تیل لگایا جاتا تھا۔

چچی جان۔ سب کے سامنے کویں لگایا جاتا۔ زچہ خانہ کے لیے جو مسہری یا چھپر کھٹ لگایا جاتا تھا اس کا پردہ ڈال کر صرف دائی تیل لگاتی تھی اور دودھ نکال کر دیکھتی تھی تا کہ پہلے سے معلوم ہو جائے اچھا ہے یا برا۔"

اکبری بیگم نے چمن آرا سے کہ۔ بیٹی آجکل کے زمانہ میں اور زیادہ بے حیائیاں ہیں۔ اسپتالوں میں جنے کا عام فیشن ہو گیا ہے۔ ساتویں مہینہ سے لڑکیاں ہر ہفتہ جا کر دکھاتی ہیں وہاں کونسا پردہ ہوتا ہے میز پر لٹا دیتے ہیں ساری عورتیں پھرتی رہتی ہیں۔ زیادہ پڑھی لکھی اور احتیاط والیاں تو مرد ڈاکٹروں سے جنتی ہیں۔

عالم آرا بیگم نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ لوبی مغرب کی اذان ہو گئی۔"

تینوں بیویاں نماز پڑھنے لگیں۔

بعد مغرب مائیوں کی رسم ہوئی۔ زرتاج بیگم کو چولی پر لے کر بیٹھیں۔ باہر سے کنبہ کے مرد بلائے گئے۔ سب سے پہلے دلہن کے دادا نے اسکے ہاتھ پر ساتھ پیڑیاں رکھیں اور ایک مالا رکھ کر چاندی کے روپے سے تھوڑا ابٹنا رکھا۔ چچی جان نے کہا۔

پرکھا اور حسب حیثیت دودھ پینے کے نام کے روپیہ دے دیکر باہر چلے گئے۔ صرف محسن اور لڑکے کھڑے رہے۔ اب لڑکیوں نے چپیڈی کے ٹکڑے دلہن کے منہ میں دیے سب مہمان بیویوں نے بھی روپیہ دیئے۔ زرتاج بیگم نے سب روپے ایک رومال میں جمع کر لئے۔ چچی جان نے کہا۔ بٹی پنسل منگو کر لکھ لو کس کس نے کتنے کتنے روپے دیئے ہیں۔"

محسن چچی جان اس کی کیا ضرورت ہے جو جس کی حیثیت ہوئی اس نے وہ دے دیا۔

چچی جان۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر یاد رہنا چاہیے۔

محسن۔ یہ لینے دینے کی رسم بہت خرب ہے۔

چچی جان نہیں۔ بیٹا یہ تو قرض حسنہ ہے آج میں نے تم کو دیا۔ کل تم نے مجھے واپس کر دیا۔ کنبہ رشتہ میں یہ سلسلہ تو چلتا ہی رہتا ہے۔

محسن۔ یہ تو میں کہہ رہا ہوں کہ اس رواج کو ترک کر دینا چاہیے۔

اکبری بیگم۔ میاں رواج تو نء روشنی والوں میں اور زیادہ بڑھ گیا ہے۔ پہلے قاعدہ تھا کہ جو لوگ شادی شدہ گھر بار والے ہوتے تھے وہ نقدی کی صورت میں دے دیا کرتے تھے۔ مگر آج کل تحفے دینے کی رسم نکل آئی ہے۔ بچہ بچہ کی طرف سے تحفے دیئے جاتے ہیں۔

چچی جان زور سے چیخیں۔ اوئی بیوی یہ کون شامت زدہ ہے میرے سارے منہ پر ابٹنا لیں گیا۔ لڑکیاں مارے ہنسی کے لوٹ گئیں۔

محسن۔ یہ کیا بد تہذیبی کی بات ہے بزرگوں کا خیال نہیں۔

چچی جان نے رومال سے اپنا منہ پونچھتے ہوئے کہا۔" اے بی عالم آرا بیگم منع نہیں کرتیں ابٹنا اپنے برابر والوں سے کھیلتے ہیں یا بڈھوں کا تماشہ بناتے ہیں۔

عالم آرا بیگم۔ میں کس کو منع کروں لڑکیاں اپنی اپنی جگہ بیٹھی ہیں لڑکے سب

سامنے کھڑے ہیں۔

چچی جان۔سوائے گلشن کے اور کسی کا کان میں میں دیکھ رہی ہوں آپس میں اشارہ بازیاں ہو رہی ہیں۔

گلشن۔اللہ کی قسم جان اگر میں نے آپ کے ابٹنا ملا ہو تو میرے ہاتھ ہی ٹوٹ جائیں۔

چچی جان۔تم نہیں ہو تو۔بیگم لڑکیاں ہوں گی اسکول میں پڑھ کر ان کے دیدے بھی بہت ہوائی ہو گئے ہیں۔

رشیدہ۔(بگڑ کر) واہ یہ ایک ہی رہی آپ بغیر دیکھے ایک ایک کا نام لگا رہی ہیں۔

چچی جان۔پھر کون از غیبی گولا آن پڑا۔

حمیدہ۔آپ کے قریب بیٹھنے والوں میں سے کوئی ہو گا۔

چچی جان نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔اب میں نے چور پکڑ لیا یہ بی اکبری بیگم بڑھاپے میں مسخرہ پن سوجھا ہے۔

اکبری بیگم ٹھٹھہ لگا کر۔یہ تو وہی مثل ہو گئی کرے داڑی والا پکڑا جائے مونچھوں والا۔

چچی جان۔اے بی پھر بتائیں کیوں نہیں کون سے داڑھی والے کی حرکت تھی۔

لڑکوں نے زور کا قہقہہ لگایا۔محسن سے کہا۔"چچی جان داڑھی تو سوائے ابا جان کے اور کسی کی نہیں ہے۔

چچی جان نے حسن آرا سے کہا۔"بیٹی ذرا دیکھو تو سہی یہ کیسا ابٹنا ہے میرا منہ بھی میٹھا ہو گیا اور ہاتھ بھی چپک رہے ہیں۔"

حسن آرا نے چچی جان کے رومال کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔"اے ہے چچی جان یہ ابٹنا تھوڑی ہے کھرے کی کھرچن ہے۔

چچی جان۔اتنی دیر سے میں یہی سوچ رہی ہوں کہ یہ کیسا ابٹنا ہے جس میں خوشبو کا

نام نہیں۔

کمرہ میں جتنی بیویاں بیٹھی تھیں سب چچی جان کے اوپر ہنس رہی تھیں۔ اکبری بیگم نے کہا۔ شاید کھیر کی کھرچن بہت پسند ہے۔"

چچی جان۔ ہاں بی دوپہر کو میری زبان سے یہ نکل گیا تھا کہ رات کے کھانے میں جو کھیر پک رہی ہے۔ اس کی کھرچن الگ رکھوا لینا۔ یہ تھوڑی کہا تھا کہ بیچ محفل میں میرے منہ میں ٹھونس دینا۔

محسن۔ آپ نے کس سے کہا تھا؟

چچی جان۔ یہ جو تمہارے بھتیجے میں محمود کھڑے ہوئے ہیں۔ میں ان کو ایسی نہیں سمجھتی تھی یہ تو چھپے رستم نکلے فرخ کا تو نام ہی بدنام ہے۔ انہوں نے ان کے بھی ان کاٹے۔

محمود لیجئے۔ اب آپ نے میرا نام لے دیا مجھے کھیر کی کھرچن کا خیال بھی نہیں رہا تھا فرخ ہی کی کوئی ترکیب ہو گی۔

چچی جان۔ اے بس رہنے دو چور کا بھائی گرہ کٹ، میرے سارے کپڑے ستیاناس ہو گئے تم ہو یا فرخ ہو سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے۔"

روشن آرا۔ (ہنسکر) چچی جان فرخ تو آج صبح سے میرے ہاں گیا ہوا ہے۔ وہ یہاں کہاں سے آیا۔

عالم آرا بیگم نے زرتاج بیگم سے کہا۔ بیٹی دلہن بے چاری کو کیوں بٹھا رکھا ہے اس کو تو پہنچا دو۔

اکبری بیگم نے چپکے سے نصیرہ بیگم کے کان میں کہا۔" دلہن کی جگہ افشاں کو چوکی پر بٹھا دو۔"

لڑکیاں خود ہی اس بات کو جانتی تھیں۔ افشاں اور گلشن پہلے ہی کھسک گئی تھیں۔ فرحت دلہن کا ہاتھ پکڑ کر لے گئیں۔ رشیدہ حمیدہ نے جلدی سے گوہر کو پکڑ کر چوکی پر

بٹھا دیا اور خود بھاگ گئیں۔

چچی جان نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''اوئی بیوی کیا چالاک لڑکیاں ہیں بڑی بڑی تو سب بھاگ گئیں اس بیچاری کو چوکی پر بٹھا دیا۔''

محسن۔ یہ بھی کوئی رسم ہے؟

روشن آرا۔ بیویوں کا خیال ہے جس لڑکی کو دلہن کی جگہ بٹھایا جاتا ہے اس کا نصیبہ جلدی کھلتا ہے۔

گوہر شرمندہ ہو کر بھاگیں۔ محسن لاحول پڑھتے ہوئے باہر چلے گئے۔

عالم آرا بیگم نے کہا۔ حسن آرا اب دستر خوان بچھواؤ''

لڑکے بھی سب باہر چلے گئے۔ دلہن کے کمرے میں لڑکیوں نے اودھم مچا رکھی تھی ابٹنا کھیلا جا رہا تھا۔ ایک طرف افشاں اور گلشن نزہت کے پاس بیٹھی ہوئی چچی جان کا ذکر کر رہی تھیں۔

افشاں نے کہا۔ آ آیہ پتہ نہیں چلا کہ چچی جان کے منہ پر کس نے کھیر ملی تھی۔''

گلشن (غصہ سے) بعض وقت تو جی چاہتا ہے اس بڑھیا کا منہ نوچ لوں خواہ مخواہ میرا نام لگا دیا۔

نزہت نے ہنستے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''آج تو فرخ نے کمال ہی کر دیا۔''

گلشن۔ فرخ تو مائیوں کے وقت بھی نہیں آئے وہ تو ہمارے ہاں تھے۔

نزہت۔ تمہیں کیا خبر یہ تماشہ تو میں دیکھ رہی تھی۔

افشاں آپ تو دلہن بنی بیٹھی تھیں۔ آپ نے کیسے دیکھا؟

نزہت۔ میں تمہاری طرح نہیں ہوں کہ اپنی آنکھیں بھی بند کر لیتی جو چیزیں میرے سامنے تھیں ان کو تو کبھی کبھی نگاہ اٹھا کر دیکھ ہی لیتی تھی۔

نزہت (ہنسکر) انہیں مردوں کی ٹانگوں کے پیچھے میاں فرخ بنیادی خانم کی کالی رضائی اوڑھے بیٹھے تھے۔

گلشن (ہنسکر) سچ کہو۔"

نزہت۔ ایمان سے میں نے اچھی طرح فرخ کو دیکھا تھا سب بیویاں باتوں میں مصروف تھیں انہوں نے ہاتھ بڑھا کر چچی جان کے منہ پر کھیر مل دی جب وہ چیخیں تو پیچھے ہی کھسک گئے۔

افشاں۔ (مسکرا کر) بے چاری چچی جان کنوؤں بانس ڈال کر تو کھیر کی کھرچن منگوائی تھی صبح سے ادھر کی ادھر ماری ماری پھر رہی تھیں ایک ایک کو باہر باورچیوں کے پاس بھیج رہی تھیں کہ کھیر میں کھرچن ضرور لگانا اب دیکھو شہزادی کی ہزاروں فضیحتیاں کریں گی۔

نزہت۔ اے ہے بیچاری کو کھائی بھی نصیب نہ ہوئی اسی میں نیت رہے گی۔

افشاں۔ (ہنسکر) آدھی تو انہوں نے شام ہی کو کھائی تھی آدھی شہزادی سے نعمت خانہ میں رکھوادی تھی۔

گلشن۔ (اپنے گلے پیٹ کر) توبہ ہے بڑھاپے میں انسان ندیدہ بھی ہو جاتا ہے اپنے چٹورپن کے واسطے ساری کھیر داغ لگوا کر ستیاناس کروائی۔

افشاں۔ سب سے زیادہ ہنسی تو مجھے اس بات پر آئی کہ کھرچن منگوالی تھی آدھی کھا بھی چکی تھیں مگر اس وقت بھائی محمود سے کیسا جھوٹ بولیں۔

گلشن۔ فرخ نے بھی ایسا چاٹا لگایا ہے کہ میرا جی خوش ہی ہو گیا۔

افشاں نہیں بھئی صبح سویرے سویرے تمام سامان رائے صاحب کی کوٹھی آنا ہے دوپہر تک ہم سب بھی آجائیں گے۔ پھر تو میں ہر وقت یہیں رہا کروں گا۔

افشاں۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ سب قریب آجائیں گے۔

گلشن۔ ہماری دادی اماں کا مکان اس قابل نہیں کہ بیاہ شادی کی تقریبیں وہاں کی جائیں ابا جان کے ملنے والے آئیں گے۔ بھائی جان کے دوست آئیں گے سب کو کہاں ٹھہرایا جاتا چمن آپا کی شادی میں دیکھا نہیں تھا کیسے سب کے اچار

پڑے تھے۔

نصیرہ بیگم نے آ کر کہا۔ ”لڑکیو چلو کھانا کھلوا دو یہاں بھی دستر خوان بچھا دو“

سب لڑکیاں کھانے کیا انتظام کے واسطے چلی گئیں۔“

گیارہواں باب

رات کے نو بجے ہوں گے محسن ممتاز اور ان کی بیوی اپنے کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ چچی جان بھی ہاتھ میں تسبیح لئے بیٹھی ہیں، زرتاج بیگم نے محسن سے کہا۔ اس مرتبہ میں یہاں ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ جس جگہ افشاں ہوتی ہے وہاں فرخ نہیں جاتے کل مایوں کے موقعہ پر بھی سب لڑکے تھے مگر وہ نظر نہیں آئے آج گوہر۔ جواہر کی زبانی معلوم ہوا کہ اماں جان نے فرخ سے افشاں کا پردہ کرا دیا ہے۔"

محسن۔(تعجب سے) پردہ کیوں کرا دیا؟

چچی جان۔تسبیح پڑھتے پڑھتے بولیں۔" بیٹا یہی دستور ہے۔

محسن دستور کیسا؟

زرتاج بیگم۔معلوم ہوتا ہے اماں جان کا خیال فرخ سے افشاں کی شادی کا ہے۔

چچی جان۔اے بی۔خیال کیسا۔یہ بات تو پکی ہے۔

زرتاج بیگم نے محسن سے شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔تم نے کبھی آج تک مجھ سے ذکر ہی نہیں کیا۔

محسن۔تم سے ذکر کیا کرتا میں خود پہلی مرتبہ اس وقت چچی جان سے سن رہا ہوں۔

چچی جان۔اے بیٹا میرا نام کیوں لیتے ہو۔میں بھی سنی سنائی کہہ رہی ہوں۔

زرتاج بیگم۔(مسکرا کر) ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں بات پکی ہے۔

چچی جان۔ہاں بیٹی بات تو پکی ہی سمجھنی چاہیے ماشاءاللہ تم خود عقل مند ہو سمجھ سکتی ہو۔تمہاری ساس ایسی بیوقوف نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ لڑکی کا پردہ کر دیتیں۔" کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔"

زرتاج بیگم۔یہ تو آپ کا کہنا بالکل صحیح ہے اماں جان بغیر سوچے سمجھے ہرگز ایسا نہیں کرتیں مگر معاف کیجئے گا یہ پردہ کا دستور بالکل غلط ہے اگر شادی کرنے کا خیال

ہو تو لڑکے لڑکی کو آزادی کے ساتھ آپس میں تبادلہ خیالات کرنے کا موقعہ دینا چاہیے یہ تو ایک عجیب سی بات ہے بچپن سے تو دونوں ساتھ رہے اور جب ساتھ رہنے کا وقت آیا تو پردہ ہو گیا۔

چچی جان۔ (ہنسکر) نہیں بیٹی ابھی تک تو ہمارے ہاں یہ رواج ہے نہیں آگے کا میں کچھ کہہ نہیں سکتی زمانہ کا اثر سب کے اوپر پڑ رہا ہے۔

زرتاج بیگم۔ آپ کے ہاں لڑکے لڑکی کی مرضی معلوم کی جاتی ہے یا نہیں؟

چچی جان۔ اے بی یہ تو خدا اور رسول کا حکم ہے اگر دونوں میں سے ایک کی بھی مرضی نہ ہو تو نکاح جائز نہیں۔ زرتاج بیگم۔ یہی تو میں دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ اس حکم پر عمل بھی کیا جاتا ہے یا نہیں۔

چچی جان۔ عمل تو ہمیشہ کیا جاتا ہے ہمارے زمانہ میں مُبہم طریقہ سے معلوم کرتے تھے آج کل کھلم کھلا پوچھ لیتے ہیں۔

زرتاج بیگم۔ اگر یہی بات ہے تو افشاں اور فرخ سے بھی پوچھ لیا ہو گا۔

چچی جان۔ بھلا بیٹی مجھے ان باتوں کی کیا خبر حسن آرا جانیں یا تمہاری ساس۔

زرتاج بیگم۔ افشاں کے متعلق تو میری یہ رائے ہے کہ وہ اماں جان کی مرضی کے خلاف زبان نہیں ہلا سکتی لیکن فرخ کسی کی زبردستی یا دباؤ میں نہیں آ سکتا۔

چچی جان۔ اے بی فرخ کے متعلق تمہارا خیال غلط ہے وہ بھی نانا نانی کی خلاف کچھ نہیں بول سکتا چاہے دل میں کچھ ہی ہو۔

محسن خاموش بیٹھے دونوں کی باتیں سن رہے تھے چچی جان کے آخری فقرہ پر انہو نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔ ”فرخ کے دل میں کیا ہے۔“

چچی جان۔ اے بیٹا۔ میں کسی کے دل کا حال کیا جانوں۔

محسن۔ آپ نے کہا تو کچھ اسی طرح ہے گویا فرخ کے دل کا حال معلوم ہے۔

چچی جان۔ نہیں میاں ایسی باتوں کا خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہیے شادی کے

بعد سب ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

محسن۔ یہ لیجئے اب آپ نے دوسرے طریقہ سے کہا۔

زرتاج بیگم۔ چچی جان آپ کی باتوں سے تو شبہ پیدا ہوتا ہے۔

محسن۔ شبہہ کیسا صاف ظاہر ہے فرخ کی مرضی نہیں ہے۔

چچی جان۔ اے بس جانے دو۔ لوگوں کی عادت ہوتی ہے بات کا بتنگڑ بنا دیتے ہیں۔

محسن۔ یہ آپ نے کیا کہا؟ کون لوگ؟ کیسا بات کا بتنگڑ ا؟ یہ قصہ کیا ہے کچھ تفصیل سے بتایئے؟

چچی جان۔ اے بیٹا میں نے تو سنی سنائی ایک بات کہہ دی تھی تم تو میرے پیچھے پڑ گئے آخر تو بیرسٹر ہو۔

محسن۔ بات تو آپ نے کچھ بھی نہیں کہ پہیلیاں کہہ رہی ہیں۔

زرتاج بیگم۔ کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہے آپ ہم لوگوں سے چھپانا چاہتی ہیں۔

محسن نے سگریٹ کا ڈبہ اٹھا کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ خیر جانے دیجیے میں اماں سے تحقیق کرلوں گا۔"

چچی جان نے محسن کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "اے بیٹا کہیں عالم آرا بیگم کے آگے میرا نام نہ لے دینا وہ کہیں گی۔ ادھر ادھر لگائی بجھائی کرتی پھرتی ہیں۔

محسن۔ چچی جان لگائی بجھائی کیسی۔ یہ تو معاملہ کی بات ہے میں آپ کا بہت مشکور ہوں کہ پہلے سے آپ نے مجھے آگاہ کر دیا۔

چچی جان۔ اے بیٹا۔ تم ان باتوں کو نہیں جانتے کنبہ رشتہ کا معاملہ ہے مجھے تو میاں سید کو منہ دکھانے کی جگہ نہیں رہے گی خواہ مخواہ اس وقت تمہارے سامنے یہ ذکر آ گیا میں تو خود ان جھگڑوں سے دور بھاگتی ہوں۔

محسن۔ میں آپ کا نام نہیں لوں گا۔

چچی جان۔ اے بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تمہاری اماں پوچھیں اور تم نام نہ بتاؤ۔
محسن۔(ہنسکر) اب دیکھئے آپ نے بھی کسی کا نام نہیں بتایا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ فرخ کی مرضی نہیں ہے۔

چچی جان نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''اے ہے بیٹا تم نے تو حد ہی کر دی میں نے یہ کب کہا فرخ کی مرضی نہیں۔''

محسن نے کمرہ سے نکلتے ہوئے کہا۔ ''چچی جان آپ اطمینان رکھئے۔ میں آپکا نام نہیں لوں گا۔''

عالم آرا بیگم اپنے کمرہ میں گاون تکیہ کے آگے بیٹھی ہیں ان کے قریب ہی احسن ممتاز بیٹھے شادی کا کچھ حسب لکھ رہے ہیں۔ محسن بھی یہیں آ کر بیٹھ گئے۔ عالم آرا بیگم نے پوچھا۔ ''بیٹا تم اس وقت کیسے آئے۔''

محسن۔آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔

عالم آرا بیگم۔کہو کیا پوچھنا ہے۔؟

محسن۔آپ جو کام کر رہی ہیں اس کو ختم کر لیجیے۔ ذرا لمبی گفتگو ہے۔

عالم آرا بیگم۔خیر تو ہے کونسی لمبی گفتگو ہے؟ تم کہو میں کوئی کام نہیں کر رہی۔

محسن۔کیا افشاں فرخ سے پردہ کرتی ہے؟

عالم آرا بیگم۔تم سے کس نے کہا؟

محسن۔میں نے سنا ہے آپ نے فرخ سے اس کا پردہ کرا دیا ہے۔

عالم آرا بیگم۔نہیں بیٹا پردہ وردہ کچھ نہیں ہے ویسے ہی منع کر دیا ہے۔

محسن۔کس وجہ سے؟

عالم آرا بیگم۔وجہ کیا۔جوان لڑکیوں کو لڑکوں سے لحاظ کرنا چاہیے۔

محسن۔لحاظ اور چیز ہے پردہ اور چیز ہے۔محمود، شاہد وغیرہ سے تو میں نیا س کو بات چیت کرتے دیکھا ہے شہر تار تک کے سامنے آتی ہے فرخ میں کونسی خاص بات پیدا

ہوگئی۔

عالم آرا بیگم۔ میں پوچھتی ہوں تمہیں کیوں اس بات کی کرید ہے؟

محسن۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کیا فرخ کا چال چلن خراب ہو گیا ہے۔

عالم آرا بیگم۔ اوئی خدانخواستہ اس کے دشمنوں کا خراب ہو یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟

محسن۔ کوئی تو وجہ ضرور ہے آپ مجھ سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہیں۔

عالم آرا بیگم۔ پوشیدہ رکھنے کی کیا بات ہے جب خدا وقت لائے گا سب سے پہلے تمہیں معلوم ہو گا۔

محسن۔ وہ کونسا وقت آئے گا؟

احسن ممتاز۔ بھئی تم بھی عجیب قسم کی باتیں کرتے ہے۔ فرخ سے افشاں کی شادی کرنے کا خیال ہو گا۔

محسن۔ کیوں اماں؟ کیا آپ کا یہی خیال ہے؟

عالم آرا بیگم۔ ہاں بھئی خیال تو یہی ہے آگے جو خدا کا حکم ہو۔

محسن۔ کس کس کا خیال ہے؟

عالم آرا بیگم۔ سب ہی کا ہے۔

محسن۔ سب کون؟ میرے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ بھائی جان بھی شاید لاعلم ہیں۔ یہ کہیے کہ آپ کا اور حسن آرا کا خیال ہو گا۔

عالم آرا بیگم۔ (ذرا بگڑ کر) بیٹا خدا تمہارے باپ کے دم کو رکھے سب سے زیادہ ان کا خیال ہے، حسن آرا غریب نے تو کبھی منہ سے بھاپ بھی نہیں نکالی۔

محسن۔ افشاں اور فرخ کی مرضی بھی معلوم کر لی ہے۔

عالم آرا بیگم۔ بیٹا۔ افشاں تمہارے پاس نہیں رہی۔ اس نے میری تربیت حاصل کی ہے۔ جو میری مرضی ہو گی وہی اس کی۔

محسن ۔اور فرخ کے متعلق بھی آپ کا یہی خیال ہو گا۔

عالم آرا بیگم۔ بے شک وہ بھی اپنے نانا کا فرمانبردار ہے مجال نہیں جو ان کے خلاف زبان ہلا سکے۔

محسن ۔ایسی زبردستی کی شادی سے کیا فائدہ۔

عالم آرا بیگم۔زبردستی کی کیا بات ہے۔

محسن ۔میں تو یہی سمجھتا ہوں آپ فرخ کی فرمانبرداری سے فائدہ اٹھا کر لڑکی کی زندگی برباد کردیں گی۔

عالم آرا بیگم۔(غصہ کے لہجہ میں) بیٹا اپنے ہوش کی دوا کرو۔افشاں کے معاملہ میں تمہیں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے جو ہمارا دل چاہے گا کریں گے۔

محسن ۔یہ نہیں ہو سکتا۔اگر میں اس کو کنوئیں میں گرتے ہوئے دیکھوں گا تو ضرور بچانے کی کوشش کروں گا۔

عالم آرا بیگم۔کیا ہم اس کے دشمن ہیں کہ کنویں میں گرائیں گے۔

محسن ۔اگر آپ نے اس کی شادی فرخ کیساتھ کو تو میں یہی سمجھوں گا۔

عالم آرا بیگم۔اگر فرخ میں تم نے کوئی عیب دیکھا ہو تو مجھے بتاؤ۔

محسن ۔میں یہ کچھ نہیں جانتا۔ہاں افشاں کی شادی نہیں ہونے دوں گا۔محمود سے بیشک آپ کہہ دیجئے مجھے اعتراض نہیں۔

عالم آرا بیگم۔ہمارے نزدیک فرخ سے زیادہ کوئی حقدار نہیں۔اگر ہم کریں گے تو اسی سے کرینگے محسن۔حق کیسا؟ افشاں آپ کی یا میری ملکیت ہے کہ حقداروں میں تقسیم کردی جائے۔

عالم آرا بیگم۔بیٹا تم اپنے حواسوں میں ہو یا نہیں؟

حسن ممتاز۔محسن یہ تم کس قسم کی گفتگو اماں سے کہہ رہے ہو۔اگر تمہیں کوئی اختلاف ہے تو اس کی وجہ بتا[۔

محسن ۔میرے ذاتی اختلاف کی تو وجہ نہ پوچھیئے میں وہ کسی کو نہیں بتا سکتا۔ مگر اماں کو یہ جتا دینا میرا فرض ہے کہ فرخ کی مرضی نہیں ہے۔

عالم آرا بیگم۔(تعجب سے) تم سے یہ کس نے کہا۔

محسن ۔مجھے معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے۔

عالم آرا بیگم۔مجھے نام تو بتاؤ۔

محسن ۔آپ نام پوچھ کر کیا کریں گی کسی نے فرخ کی عداوت میں نہیں کہا صاف لفظوں میں یہ کہا ہے کہ اس کی مرضی نہیں ہے بلکہ جس طرح اسوقت آپ نے اس کی فرمانبرداری کی تعریف کی ہے بالکل یہی الفاظ میں نے سنے ہیں۔

احسن ممتاز۔پھر تم کیوں کہہ رہے ہو کہ اس کی مرضی نہیں ہے۔

محسن ۔میں اس کے یہی معنی سمجھتا ہوں کہ فرخ کو مجبور کیا جا رہا ہے۔

احسن ممتاز۔اماں آپ پہلے فرخ کی طرف سے پورا اطمینان کر لیجئے۔میں نے بھی اس قسم کی افواہیں سنی ہیں

عالم آرا بیگم۔میں کوئی بچہ نہیں ہوں پہلے ہی اپنا اطمینان کر چکی ہوں ایسی ایسی افواہیں بہت اڑا کرتی ہیں۔خدا نہ کرے کہ خاندان والے کسی کے مخالف ہوں یہ ساری ترکیبیں میاں فرخ کی پھوپھی کی ہیں وہ اپنی لڑکی سے چاہتی ہیں۔

محسن ۔(تیوری چڑھا کر) فرخ کی پھوپھی کون؟

عالم آرا بیگم۔نصیرہ بیگم کو نہیں جانتے؟ رضا علی کی سگی بہن ہیں کہ نہیں۔وہ نہیں چاہتیں کہ فرخ کی شادی افشاں سے ہو طرح طرح سے حسن آرا کے اوپر زور ڈالا جا رہا ہے۔

محسن ۔(غصہ کے لہجہ میں) میں کو نہیں چاہتا کہ علی رضا کے لڑکے سے افشاں کی شادی ہو۔

آپ حسن آرا سے کہہ دیجئے کہ ادھر کا خیال چھوڑ دیں۔نصیرہ بیگم کی لڑکی کر لیں۔

عالم آرا بیگم۔ اے بیٹا تم گھڑی گھڑی حسن آرا کا نام کیوں لیتے ہو۔ وہ تو کسی بات میں دخل ہی نہیں دیتیں۔ یہ معاملہ تو میرا اور تمہارے ابا کا ہے۔ نصیرہ بیگم تو کیا چیز ہیں ان کے بھائی بھی آ جائیں تو مہارے معاملہ میں دخل نہیں دے سکتے۔

محسن نے سگریٹ جلاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔ ''خیر مجھے ان سب جھگڑوں سے مطلب نہیں میں نے اب تصفیہ کرلیا کہ افشاں کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

عالم آرا بیگم۔ تم کون لے جانے والے ہوتے ہو۔ میری زندگی میں وہ یہاں سے نہیں جاسکتی۔

محسن۔ کیا میں اس کا باپ نہیں ہوں؟

عالم آرا بیگم۔ باپ بھی ہو۔ وارث بھی ہو خدا رکھے سب ہی کچھ ہو۔ مگر بچی کو مجھ سے جدا نہیں کرسکتے اسے تمہارے پاس رہنے کی عادت نہیں۔

محسن۔ سب عادت ہو جائے گی۔ بلکہ یہاں سے زیدہ خوش رہے گی۔ وہاں اس کی بہنیں ہیں آزادی ہے ہر طرح کا آرام ملے گا۔ یہاں تو وہ غریب قید سخت میں گرفتار ہے۔

عالم آرا بیگم۔ (غصہ کے لہجہ میں) دیکھو محسن اگر تم نے بچی کو لے جانے کا نام لیا تو میں ساری عمر تمہاری صورت نہیں دیکھوں گی اس وقت کی میری بات پتھر کی لکیر سمجھنا۔

احسن ممتاز۔ محسن تم کیسی بیوقوفی کی باتیں کر رہے ہو۔ خواہ مخواہ اماں کو ناراض کرنے سے کیا حاصل افشاں کو لے جانے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ رہا شادی بیاہ کا معاملہ وہ بغیر تمہارے مشورہ کے نہیں ہوسکتا۔

محسن۔ بھائی جان۔ آپ دیکھتے نہیں یہاں رہ کر افشاں کی ذہنیت کس قدر خراب ہوگئی ہے۔ نہ اس کے دل میں کوئی شوق ہے نہ امنگ نہ لڑکیوں کی طرح تیزی اور چالاکی ہے نہ کبھی میں نے اس کو ہنستے بولتے دیکھا۔ حد یہ ہے کہ میں اس کا باپ

ہوں مگر وہ میرے سامنے نگاہ اٹھا کر بات نہیں کر سکتی انتہاء سے زیادہ شرم و جھجک اس کی طبیعت میں پیدا کر دی گئی ہے۔ اس مرتبہ مجھے اس کی حالت دیکھ کر سخت افسوس ہوا۔

عالم آرا بیگم۔ بیٹا۔ اٹھارہ برس سے تم کہاں سو رہے تھے۔ کبھی پہلے یہ خیال نہیں آیا تمہارا برتاؤ کب اس کے ساتھ باپ کا سا رہا۔ تین مہینے کی جان کو یہاں پٹخ کر کبھی الٹ کر پوچھا اب ہمیں الاہنا دیتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔

محسن۔ آپ سے تو میں کچھ نہیں کہتا آپ تو اپنی قدامت پسندی میں مشہور ہیں۔ لیکن حسن آرا سے مجھے شکایت ہے انہوں نے زمانہ کی رفتار کا کچھ خیال نہیں کیا اور پچاس برس پہلے کا ایک نمونہ تیار کر دیا۔

عالم آرا بیگم نے رنجیدہ لہجہ میں کہا۔ بس بھئی اب میرا زیادہ جی نہ جلاؤ یہ بھی حسن آرا کی سمت ہے اس کی محنت اور جانفشانی کا آج تم نے یہ انعام دیا وہ سنیں گی تو کتنا رنج کریں گی۔ تمہارا تو یہ فرض تھا کہ اس کی دلجوئی کرتے۔

محسن۔ میری بھی کبھی کسی نے دلجوئی کی۔؟

عالم آرا بیگم۔ بیٹا خدانخواستہ تمہارے ساتھ کون سا ایسا واقعہ پیش آیا جو کوئی تمہاری دلجوئی کرتا وہ پہلی بیوی بیچاری مری تھی تو تم نے تین مہینے کے اندر ہی اپنی دلچسپی کا سامان پیدا کر لیا یہاں کسی کو خبر بھی نہیں کی۔

محسن۔ اچھا خیر۔ اس ذکر کو جانے دیجیے۔ میں اسوقت جس کام کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں اس کا خیال رکھئے گا کل سے افشاں فرخ سے پردہ نہ کرنے پائے۔

عالم آرا بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ احسن ممتاز نے کہا۔ محسن اب یہاں سے اٹھو اماں کے سونے کا وقت ہے۔"

محسن نے کھڑے ہوئے کہا۔ میں افشاں کی شادی کسی آئی۔ سی۔ ایس

سے کرونگا۔"

عالم آرا بیگم۔ کسی آئی۔ سی۔ ایس سے کیوں کہتے ہو جو تمہارے گھر میں موجود ہے اس کا صاف نام کیوں نہیں لیتے۔

محسن پھر بیٹھنا چاہتے تھے مگر احسن ممتاز ان کا ہاتھ پکڑ لے گئے۔ عالم آرا بیگم نہاتے رنجیدہ اپنے پلنگ پر لیٹ گئیں۔ برابر میں سید صاحب کا کمرہ تھا۔ فرخ بھی نہیں سوتے تھے۔

عالم آرا بیگم اور محسن کی گفتگو دونوں سن رہے تھے۔ لیکن فرخ ایسے پڑے تھے گویا سو رہے ہیں۔ سید صاحب بیشک غصہ کی حالت میں لیٹے ہوئے سگار پی رہے تھے محسن کے جانے کے بعد وہ عالم آرا بیگم کے پاس آئے وہ بھی سمجھ گئیں کہ انہوں نے سب باتیں سن لی ہیں مگر انجان بن کر پوچھا۔ خیریت تو ہے تم ابھی تک کیوں جاگ رہے ہو۔

سید صاحب۔ میں ہمیشہ بارہ بجے کے بعد سوتا ہوں اور آج تو شاید تمام رات جاگوں۔

عالم آرا بیگم۔ شاید تم نے محسن کی باتیں سن لی ہیں۔ ان کو بکنے دو۔ تم کیوں۔ اس کا اثر اپنے اوپر لیتے ہو۔

سید صاحب نے قالین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "کم از کم تم نے میرے کمرہ کا دروازہ تو اچھی طرح بند کر دیا ہوتا۔ جانتی ہو فرخ وہیں سوتا ہے۔"

عالم آرا۔ اے ہے مجھے خیال ہی نہیں رہا کہیں اس نے یہ باتیں نہ سنی ہوں۔

سید صاحب۔ ضرور سنی ہوں گی۔ اسی وقت آ کر لیٹا تھا۔

عالم آرا بیگم۔ یہ تو بہت ہی برا ہوا اس کو رنج ہوگا اور شاید وہ حسن آرا سے بھی کہہ دے۔

سید صاحب۔ تم بھی تو بیٹھی ہوئی نئے نئے شگوفہ کھلایا کرتی ہو یہ لڑکی کا پردہ

کرانے کی کیا ضرورت تھی مجھ سے تو پوچھ لیا ہوتا۔

عالم آرا بیگم۔ میں تو ایک بات منہ سے نکال کر چور بن گئی۔ مجھے کیا خبر تھی اس کا اتنا چرچا ہوگا اب میں کک سے لڑکی کا پردہ تڑوانے دیتی ہوں۔

سید صاحب۔ وہ تو جو کچھ ہونا تھا ہو گیا اب کہیں محسن کے دباؤ میں آ کر یہ دوسری غلطی نہ کر بیٹھنا۔

عالم آرا بیگم۔ محسن کا دباؤ کیسا؟ میں کئی دن سے دیکھ رہی ہوں گھر میں ایک کھچڑی سی پک رہی ہے۔

سید صاحب۔ مگر پہلے تو تمہارے اوپر اس کھچڑی کا کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔

عالم آرا بیگم مجھے یہ خبر نہیں تھی کہ محسن بھی مخالفت کریں گے۔

سید صاحب۔ یہ تو میں کہہ رہا ہوں کہ پہلے تو تم نے کسی کا خیال نہیں کیا محسن کی چند باتوں سے مرعوب ہو گئیں۔

عالم آرا بیگم۔ مرعوب تو نہیں ہوتی البتہ اس سوچ میں پڑ گئی کہ جب باپ ہی کی مرضی نہیں ہے تو یہ بیل کیسے منڈھے چڑھے گی۔

سید صاحب۔ (غصہ کے لہجہ میں) باپ اور چچا کیسے؟ مجھے تو صرف یہ انتظار تھا کہ لڑکی کی عمر پورے اٹھارا برس کی ہو جائے اس کے بعد کوئی کاروائی کروں۔

عالم آرا بیگم۔ (گھبرا کر) اوئی تو کیا بغیر محسن کی اجازت کے تم لڑکی کا نکاح کر دو گے؟ خدا باپ کے دم کو رکھے یہ تو بہت معیوب بات ہے۔

سید صاحب۔ کچھ معیوب نہیں۔ اگر میں [illegible]

طرح نہیں کہ محسن کی بند بھبکیوں میں آ گئیں۔

عالم آرا بیگم۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ اب میرے دلکو ایک الجھن سی پیدا ہو گئی خدانخواستہ آگے چل کر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو محسن ہمارا ناک میں دم کر دیں گے زندگی دشوار ہو جائے گی۔ یہ حسن آرا کا معاملہ تو ہے نہیں کہ آپ ہی غم کھا کھا کر بیٹھ رہے نہ کوئی کہنے والا نہ سننے والا۔

سید صاحب۔ لاحول ولاقوۃ تم بھی عجیب کمزور طبیعت کی واقع ہوئی ہو۔ میں کہتا ہوں اس قسم کے خیالات دل میں لانے کی ضرورت ہی نہیں۔

عالم آرا بیگم۔ دودھ کا جلا اچھا چھ پھونک کر پیتا ہے ہمیں تو حسن آرا کی حالت سے پہلے ہی سبق مل چکا ہے۔

سید صاحب۔ اگر انسان اسی طرح مستقبل پر نظر رکھے تو دنیا کے تمام کام چوپٹ ہو جائیں۔

عالم آرا بیگم۔ یہ تو میں خود جانتی ہوں مگر پرائی اولاد کے معاملہ میں ہم کیوں دخل دیں وہ کہتے ہیں لڑکی شادی کسی آئی۔ سی۔ ایس سے کریں گے۔

سید صاحب۔ وہ تو اب لڑکی کو بھی تمہارے پاس رکھنا نہیں چاہتے۔

عالم آرا بیگم۔ خیر نہ رکھیں ان کی اولاد ہے ہمارا جو فرض تھا وہ ہم نے پورا کر دیا۔

سید صاحب۔ (غصہ سے) ہمارا کوئی فرض نہیں تھا۔ ان کو احسان ماننا چاہیے۔ وہ کس حالت میں لڑکی کو یہاں سے نہیں لے جا سکتے۔

عالم آرا بیگم۔ تم اس معاملہ میں دخل نہ دو وہ ہمیشہ کا ضدی ہے۔

سید صاحب۔ ضدی ہے۔ مگر یہ ضد ان کی پوری نہیں ہو سکتی۔ تم ان کو اچھی طرح سمجھا دو اب اس معاملہ کو تعلق میری ذات سے ہے۔ وہ کسی آئی۔ سی۔ ایس کے خیال میں نہ رہیں اگر میں زندہ ہوں تو افشاں کی شادی فرخ ہی سے ہو گی۔

عالم آرا بیگم۔ دیکھو تم بغیر سوچے سمجھے کوئی بات منہ نکال بیٹھنا۔ پہلے خدا فرخ کو

کسی روزگار سے لگا دے۔ بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔

سید صاحب۔ پہلے کبھی یہ ذمہ داری محسوس نہیں کی محسن کے ڈر سے اب ہر چیز کا خیال آرہا ہے۔

عالم آرا بیگم۔ تم خود ہی انصاف کرو اٹھارہ برس تک محسن کا رویہ لڑکی کے ساتھ کیسا رہا؟ مجھے کیا خبر تھی کہ اب باسی کڑھی ابال آئے گا۔

سید صاحب۔ بہر حال میں نے جو کچھ سوچ لیا ہے اس کو انشاءاللہ پورا کروں گا۔

عالم آرا بیگم۔ دیکھو تم بڑھاپے میں بچوں کی ضد نہ کرو دنیا کیا کہے گی۔

سید صاحب۔ دنیا کہتے ہی کے لئے ہے اس کا کیا خیال کرنا۔

عالم آرا بیگم۔ اچھا یہ شادی کا ہنگامہ ختم ہو جانے دو میں محسن کو سمجھاؤں گی۔ معلوم ہوتا ہے کسی نے اس کے کان بھرے ہیں۔

سید صاحب۔ طنزاً بہت ناسمجھ اور بچہ ہیں کہ کوئی ان کے کان بھرے گا میرے خیال میں تو شروع سے ان کا اور ان کی بیوی کا خیال شہریار کے واسطے ہے۔

عالم آرا بیگم۔ (ٹھنڈا سانس لیکر) ہوگا۔ میں نے تو کبھی سنا نہیں۔ وہ تو کہہ رہے تھے محمود لے کر دو۔

سید صاحب۔ تمہاری تسلی کے لئے کہہ رہے تھے۔ محمود کونسا نوکر چاکر ہے یا آئی۔ سی۔ ایس کر کے آیا ہے۔ جیسا فرخ ویسا محمود۔ بلکہ فرخ تو صاحب جائداد ہے۔ دو سو روپیہ مہینے کی آمدنی کافی ہوتی ہے۔

عالم آرا بیگم۔ (تعجب سے) اس پرانے مکان کا کرایہ اب دو سو روپیہ مہینہ ہو گیا؟

رائے صاحب کی معرفت کوڑیوں کے مول یہ جائداد مل گئی۔

عالم آرا بیگم۔ تم نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا کیا۔ رضا علی نے بھی کچھ روپیہ بھیجا ہے۔

سید صاحب۔ تم سے ذکر کرتا تو تم حسن آرا سے کہتیں وہ لڑکے سے تذکرہ کرتیں ہوتے ہوتے یہ بات تمام میں مشہور ہو جاتی۔

عالم آرا بیگم۔ مشہور ہو جاتی تو کیا تھا۔ کسی کے ہاں ڈاکہ تو نہیں ڈالا تھا۔

سید صاحب۔ مہربانی کر کے حسن آرا اور فرخ سے ابھی ذکر نہ کرنا۔ ذرا وہ بی۔ اے پاس کرے تو اس کا حساب کتاب اس کے حوالے کر دوں۔ اب مجھے تمہارے صاحبزادہ کی طرف سے اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ ایسا نہ ہو وہ میرے بعد اپنی چیز سے محروم رہے۔

عالم آرا بیگم۔ اے بس کرو تم اب لڑکے کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔ وہ کوئی تھوڑی ہے۔ آ کر تو سگا ماموں ہے۔

سید صاحب۔ تم سے زیادہ میں سمجھتا ہوں۔ محسن کو فرخ سے ایک قسم کی عداوت ہے شروع سے اس وقت تک انکی نگاہیں اس کے اوپر قہر آلود پڑتی ہیں۔ میں نے کبھی انکو اس سے بات کرتے نہیں دیکھا۔

عالم آرا بیگم وہ کسی سے بھی بات نہیں کرتے۔ اپنے گھر میں بھی یہی حال ہے۔ میں نے تو اس وقت ان کی باتوں سے یہ اندازہ لگایا کہ جیسے کوئی پہلے سے بھرا بیٹھا ہو خدا جانے اس کے اوپر ہو وہاں کیا گذری تھی۔ پہلے تو ایسا نہیں تھا۔ روتوں کو ہنسانے

بارھواں باب

آج سانچق کی رسم ہے۔ دولہا والے شادی کے واسطے رائے صاحب کی کوٹھی میں آ گئے ہیں۔ عالم آرا بیگم۔ افشاں اور چمن آرا آج دولہا والوں کی طرف ہیں۔ مہمان بیویاں بھی زیادہ تعداد میں وہیں آ گئی ہیں۔ شام کے سات بجے سدھنیں دلہن والوں کے ہاں آنی شروع ہوئیں۔ یہاں زرتاج بیگم اور کئی لڑکیاں ان کے استقبال کو کھڑی تھیں۔ ان کے عطر ملا جاتا تھا۔ ماتھے پر صندل لگایا جاتا تھا اور گلے میں ہار پہنا کر قاعدہ سے کمرہ میں بٹھا دیا جاتا تھا۔

بری کے خوان اور کشتیاں بیچ کمرہ میں لا کر رکھے گئے۔ دولہا کی نانی۔ دادی۔ ماں وغیرہ سب سے آخر میں آئیں ان کے ساتھ چاندی کی کشتی میں دلہن کے چڑھاوے کا زیور تھا چنگیر دان میں بغیر سہرے کا پھولوں کا گہنا۔ پان کی گلوریاں اور مصری کی ڈلیاں تھیں۔

دولہا کی دادی اشرف بیگم اور نانی عالم آرا بیگم کو سب سدھنوں کے بیچ میں قالین پر گاؤ تکیہ کے آگے بٹھایا گیا۔ چچی جان بھی انہیں کے قریب آ کر بیٹھیں۔

دولہا والوں کی طرف سے ڈومنیاں بھی آئی تھیں۔ انہوں نے گالیاں گالی شروع کیں۔ اشرف بیگم نے مسکرا کہا۔ "لو یہ اور سنو ہماری جوتی اور ہمارا ہی سر۔"

چچی جان بولیں۔ "یہ تو قاعدہ کی بات ہے۔ دلہن والوں کے ہاں ڈومنیاں نہیں ہوتیں تو جو ڈومنیاں سدھنوں کے ساتھ وہی گالیاں گاتی ہیں۔

عالم آرا بیگم نے ڈومنی سے کہا۔ "ڈھکی ڈھکی گانا خبردار کوئی بیہودہ بات نہ بکنا نہ کسی کا نام لے کر گانا۔"

چچی جان نے ہنس کر ڈومنی سے کہ۔ بجلی دولہا کی نانی اور دادی کا نام ضرور لینا۔

ڈومنی نے جواب دیا۔ بیگم صاحب خدا آپ کو سلامت رکھے۔ ساری عمر آپ ہی لوگوں میں گزاری ہے میں کوئی باہر کی گنواری تھوڑی ہوں جو سڑی سڑی گالیاں

گاؤں، میں تو ایسی دوشالہ میں لپٹی ہوئی گاؤں گی آپ کا دل خوش ہو جائے گا۔

اشرف بیگم نے ہنس کر کہا۔ اوئی بیوی گالیاں سن کر فوج کسی کا دل خوش ہو۔''

ڈومنی نے بلائیں لے کر کہا۔ بیگم اللہ رسول کی امان خدا شادی کی گھڑیاں جم جم نصیب کرے یہ گالیاں بھاگوانوں کی دی جاتی ہیں اللہ کی قسم دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔''

عالم آرا بیگم نے رعشن آرا سے کہا۔ بس اب اس بیہودگی کو بند کرو۔ رات زیادہ ہو جائے گی دلہن کو چڑھاوا چڑھاؤ۔''

نصیرہ بیگم نے بری خوانوں اور کشیوں کے خوان پوش ہٹا دیئے مہمان بیویاں جوڑے دیکھنے کو جمع ہو گئیں۔ زرتاج بیگم نے ایک ایک جوڑا ہاتھ میں اٹھا اٹھا کر سب کو دکھایا چچی جان نے جوڑوں کی گنتی اور وضع قطع بتانی شروع کی۔ پانچ ساریں ہیں ایک کارچوبی۔ دو بنارسی۔ ایک کامدانی کے کام کی۔ ایک زری کی بوڈر لگی ہوئی۔ چار جوڑے کھڑے پانچوں کے ہیں ایک گلابی رنگ کا ایک بسنتی۔ ایک فیروزہ، ایک کاسنی۔ یہ چوتھی کا جوڑا ہے نکاح والے دن پہنایا جاتا ہے۔ یہ بغیر سلا آتا ہے۔ یہ سرخ مخمل کی وصلی کی جوتی ہے سونے کے گھنگرو ٹکے ہیں۔ یہ دو چاندی کی کنگھیاں ہیں ایک پڑیا میں مستی ہے ایک میں سرمہ، دو عطر کی شیشیاں ہیں۔

عالم آرا بیگم بولیں۔ چچی جان بس کیجئے سب ہی جانتے ہیں۔ دلہن کے لئے کیا کیا آتا ہے، دولہا کی دادی نے دلہن کو لانے کی جلدی کی بری کا سب سامان اٹھالیا گیا بیچ کمرہ میں مسند بچھائی گئی اس پر کہلن کو لا کر بٹھایا نصیرہ بیگم پاس بیٹھیں، تمام

چچی جان نے کہا۔ ہاں بٹیا اس وقت سہاگنوں کا ہاتھ لگواتے ہیں جھومر عالم آرا بیگم سے لگواؤ جھپکے کے بالے تم خود پہناؤ۔ گلوبند اپنی جٹھانی سے پہنواؤ۔ ہاتھوں کی نوگریاں ایک حسن آرا کو پہنائیں ایک زرتاج بیگم پہنائیں۔ پیروں کے لچھے چمن آرا اور گلشن سے پہنواؤ۔ خدا رکھے سات سہاگنوں کے ہاتھ ہوگئے۔ پھولوں کا گہنا اور سب بچیوں سے پہنواؤ۔ سب ہی لڑکیوں کو شوق ہوتا ہے۔"

اشرف بیگم نے ہنس کر کہا۔ آپ نے خوب حسب کر دیا۔

مہمان بیویاں جو پیچھے کھڑی تھیں انہوں نے نصیرہ بیگم سے کہا۔ اے بی ذرا دلہن کے جہیز کا زیور بھی تو دکھاؤ کیا کیا چیزیں پہنے ہیں۔

چچی جان بولیں۔ اے بی ایسی کیا بے صبری ہے برات کے دن جس وقت جہیز دکھا جائے گا۔ زیور بھی دیکھ لینا۔

ایک بیوی بولیں۔ اس وقت دکھایا جائے گا تو کیا حرج ہے لڑکی کو میکہ کا زیور پہنا کر بٹھایا جاتا ہے۔"

نصیرہ بیگم نے ایک طرف سے ذرا دلہن کا گھونگٹ ہٹا کر کہا۔ دیکھئے کانوں میں فیروزہ کی جڑاؤ جھلنیاں ہیں اور سادی سونے کی نجلیں ہیں گلے میں فیروزہ کی جڑاؤ چمپا کلی۔ اور سادہ سونے کا نیکلس ہے۔ ہاتھوں میں موتیوں اور فیروزہ کے دست بند اور سونے کے کڑے ہیں اس کے علاوہ دادی کی طرف کی جڑاؤ چوڑیاں ہیں۔ چچا کی طرف کا جڑاؤ نیکلس ہے۔ چھوٹی پھوپھی حسن آرا بیگم کی طرف سے سونے کی زنجیر میں جڑاؤ جگنی ہے۔ بڑی پھوپھی روشن آرا بیگم یعنی دلہن کی ساس کی طرف سے کانوں کے بندے ہیں۔"

بیویوں نے آپس میں چہ مگوئیاں شروع کیں۔ ایک بیوی بولیں۔ جہیز تو زیور بہت کم ہے۔ دوہری چیزیں تو معمولی حیثیت کے لوگ دے دیتے ہیں یہ تو سنا ہے ڈاکخانہ میں کوئی افسر ہیں۔

دوسری بولیں۔اے بی......ایک بیٹا ایک بیٹی اور بیاہنے کو ہیں خاصا تو دیدیا۔

تیسری نے کہا۔جس نے بیٹی دی اس نے سب کچھ دیا۔''

چوتھی نے کہا۔چڑھاوے میں چھلکے کے بالے تو پرانے معلوم ہوتے ہیں شاید ساس نے اپنے چڑھائے ہیں۔''

ایک بڑی بولیں۔پھر کیا ہوا ساس ہی کے تو ہیں یہ جڑواٹ آج کل کہاں میں نے بیسیوں دفعہ اشرف کو پہنے دیکھے ہیں۔

ایک بیوی بولیں۔اے بس بیویو! چپکی ہو جاؤ ایسے ہی اعتراض کرنے میں اپنے اپنے گھروں میں جا جا کر کرنا۔دلہن کا چڑھاوا چڑھانے کے بعد دلہا کی بہنوں نے مصری کی ڈلیاں اور پان کے بیڑے کھلائے۔روشن آرا نے ڈھائی سو روپیہ سرخ رومال میں بندھے ہوئے دلہن کی گود میں رکھے۔اس کے بعد دلہن کو اس کے کمرہ میں پہنچا دیا گیا۔سمدھنوں کو شربت پلایا گیا۔دومنیوں نے شربت پلائی کے گیت شروع کیے۔شربت کا تو نام ہی نام تھا سردی کی وجہ سے گرم دودھ پلایا گیا۔دلہن والوں کی طرف کی لڑکیاں بھاری بھاری کپڑوں پہنے ہاتھوں میں جگ صراحیاں اور گلاس لے کر کھڑی ہوئیں۔دو چار کے ہاتھوں میں ریشمی رومال منہ پونچھنے لے لئے تھے۔

چچی جان بولیں۔اے لڑکیوں دولہا کی دادی اور نانی کا منہ خوب رگڑ کر پونچھنا۔''

عالم آرا بیگم نے مسکرا کر کہا۔دادی نانی نے ایس کیا گناہ کیا ہے۔ہر موقع پر انہیں کو سزا دی جائے۔

اشرف بیگم بولیں۔چچی جان آپ تو خالص دلہن والی بنی ہوئی ہیں۔کیا میری چچی نہیں ہیں؟

چچی جان نے ہنس کر جواب دیا۔کیوں نہیں برات والے دن سے بالکل تمہاری طرف ہو جاؤں گی۔آج کل تو خدا رکھے یہاں بہار ہے۔کبھی دلہن کے کمرے میں

جا بیٹھی لڑکیوں سے کہانیاں قصے ہونے لگے۔ کبھی دوسرے کمرہ میں چلی گئی جہیز کے جوڑوں میں ٹانکے لگنے کی بہار دیکھنے لگی۔ تم جانتی ہو میں سدا کی دل چلی ہوں کھیل تماشوں میں جی لگتا ہے۔"

روشن آرا نے کہا۔ اس وقت تو میں آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ دولہا مائیوں بیٹھے گا۔

چچی جان نے جواب دیا۔ ہاں بھئی اس وقت تو سب ہی جائیں گے۔

شربت پلائی کے بعد پان وغیرہ دیئے گئے۔ سمدھین جانی شروع ہوئیں۔ رائے صاحب کی کوٹھی کا احاطہ سید صاحب کی کوٹھی کے صحن سے ملا ہوا تھا سب بیویاں پیدل چلی گئیں۔

یہاں دلہن والوں کے ہاں دستر خوان بچھایا گیا کھانے کے بعد دولہا کو نشان چڑھانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ کنبہ کے سب مرد جمع ہوئے کشتیوں اور خوانوں میں سامان لگایا گیا۔ گیارہ تانبے کے برتن تھے۔ چلمچی۔ آفتابہ گھڑیا وغیرہ ایک بجلی کا لیمپ۔ چاندی کی صابن دانی۔ کنگھا برش۔ چاندی کا شیونگ بکس۔ کنگا جمنی۔ عطر دان دو غسل کے تولئے دو منہ پونچھنے کے۔ دو جوڑے دولہا کے ایک کم خواب کی شیروانی اور بنارسی صافہ کا دوسرا گرم سوٹ ایک ہیرے کی انگوٹھی اور چاندی کا چھلا۔ اس کے علاوہ مائیں بٹھانے کے لئے ایک چوکی۔ ایک لگن میں بٹنا۔

تھالی جوڑ میں سات پنیڈیاں دولہا کے ہاتھ پر رکھنے کے واسطے۔ باقی پانسو پنیڈیاں الگ سینیوں میں تھیں۔ قاعدہ کے مطابق نشان کے ساتھ مردوں ہی کو جانا چاہیے تھا۔ مگر میاں ایک ہی گھر کا معاملہ تھا۔ اس وجہ سے سب عورتیں اور لڑکیاں بھی دولہا کو بٹھانے لگیں۔ گھر میں صرف دلہن کی ماں تھیں یا افشاں اپنی طبیعت کی خرابی کا بہانہ کرکے نہیں گئے۔

پہلے مردانہ میں نشان چڑھانے کی رسم ہوئی دلہن کے چچا محسن ممتاز نے دولہا کی

انگلی میں انگوٹھی چلا پہنایا۔لڑکیوں نے مصری اور پان کے بیڑے کھلائے۔دولہا والوں کی طرف سے سمدھیوں کو نہایت پر تکلف چائے پلائی گئی۔کچھ دیر ہنسی مذاق رہا۔دس بجے کے بعد دوست احباب اور دور کے رشتہ دار رخصت ہوئے دولہا کو گھر میں بلا کر مائیوں بٹھانے کی رسم ہوئی بڑی بوڑھیوں کی خوشی پوری کرنے لے لئے میں شاہد کے سر پر زرد صافہ باندھ کر چولی پر بٹھایا گیا۔سید صاحب نے آ کر دولہا کے ہاتھوں پر پنیڈیاں رکھیں اور اشرفیاں دودھ پینے کی دے کر واپس چلے گئے۔دلہن کے باپ احسن مختار نے بھی بھانجے کو اکیس روپے دئیں اور اپنے باپ کیساتھ چلے گئے۔دولہا کے باپ حامد حسن نے محسن کو نہیں جانے دیا۔گھر میں جو بیویاں قریبی رشتہ دار کی موجود تھیں۔سب نے دولہا کو روپے دیئے۔بھائیوں اور بہنوں نے پیڈیاں کھلائیں۔

چچی جان نے دولہا کے بھائی حامد کے کان میں کہا۔جب شاہد چوکی پر سے اٹھیں تو فرخ کو ان کی جگہ بٹھا دینا۔''

فرخ بچپن سے دلی میں رہے ہوئے تمام باتوں سے واقف تھے وہ سب کے پیچھے لگ گئے تھے مگر کسی دوسرے کی تاک میں تھے۔شاہد کے ہٹتے ہی انہوں نے جھپ کر محمود کو چوکی پر بٹھایا۔سب لڑکیوں نے تالیاں بجا کر قہقہے لگائے۔محمود جھنپ کر کھڑے ہو گئے۔

چچی جان بولیں۔میں تو پہلے ہی جانتی تھی۔فرخ کسی کے قابو میں آنے والا نہیں ہے۔''

محمود نے کہا۔''اس وقت انوں نے اچانک مجھے پکڑ کر بٹھا دیا۔ورنہ میں ایسا کمزور نہ ہوں کہ ان کے قابو میں آ جاتا۔''

فرخ اپنے دونوں ہاتھوں میں ابٹنا لئے کھڑے تھے۔انہوں نے ایک ہاتھ سے شہریار کے اور ایک ہاتھ سے محمود کے منہ پر رگڑتے ہوئے کہا۔ایک وقت میں دو

آدمیوں کو قابو میں کرسکتا ہوں۔''

شہریار زور سے چیخے۔ ارے ارے میرا چشمہ ٹوٹ جائے گا۔

محمود نے کہا۔ عجیب آدمی ہو۔ میرے تمام بالوں میں ابٹنا مل دیا۔''

محسن پہلے ہی تیوری چڑھائے فرخ کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے غصہ کے لہجہ میں کہا یہ کیا بدتمیزی کا مذاق ہے۔ بالکل انسانیت سے خارج ہو گئے۔''

عابد حسین نے کہا۔ ابٹنا کھیلتے وقت سب ایسے ہی بدتمیز ہو جاتے ہیں۔

محسن کچھ بولنا چاہتے تھے کہ کسی نے تاک کر ان کے منہ پر ایک لوندا ابٹنے کا ایسا مارا کہ تمام کپڑے چھینٹم چھانٹ ہو گئے۔ ساتھ ہی عابد حسن نے ایک قہقہہ لگا کر۔'' کیوں اب کیا رائے ہے۔'' محسن نے بگڑ کر کہا۔ بھائی صاحب یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے بڑے افسوس اور شرم کی جگہ ہے کیا میں فرخ کے برابر کا ہوں لاحول والا قوۃ نہایت بیہودہ قسم کا لڑکا اٹھایا گیا ہے۔

اماں کہاں ہیں ذرا یہ حرکت دیکھیں۔''

عابد حسن نے ایک اور قہقہہ لگایا۔

زرتاج بیگم بھی بگڑ گئیں۔ ہم نے کہیں چھوٹوں کو بڑوں کے ساتھ مذاق کرتے نہیں دیکھا یہاں کا نیا دستور ہے اس دن چچی جان بیچاری کی گت بنائی تھی۔ آج ماموں کے اوپر ہاتھ صاف کیا۔''

محسن نے رومال سے اپنا منہ پونچھتے ہوئے کہا۔ ان بیہودہ حرکتوں پر بجائے تنبیہہ کرنے کے اور ہنس ہنس کر شہ دی جاتی ہے۔

عالم آرا بیگم نے غصہ سے کہا۔ فرخ تمہاری کچھ شامت تو نہیں آئی یہ کیا اودھم تم نے مچا رکھی ہے۔''

عاب حسن نے ہنس کر کہا۔ ممانی جان آپ فرخ کے اوپر کیوں ناراض ہوتی ہیں وہ محسن کے ساتھ مذاق نہیں کرسکتا۔''

محسن نے غصہ کے لہجے میں کہا۔ "سوائے فرخ کے حرکت اور کسی کی نہیں ہوسکتی۔ ابھی محمود اور شہریار کے ساتھ بیہودگی کر چکے ہیں۔"

عابد حسن نے کہا۔ بغیر دیکھے تمہیں فرخ کا نام نہیں لینا چاہیے۔"

محسن نے کہا۔ آ نام وام کیا ہوتا ہے اور کوئی لڑکا ایسا جنگلی نہیں ہے۔

عابد حسن نے قہقہہ لگا کر کہا۔ تم نے یہ رائے کیسے قائم کرلی کہ یہ حرکت کسی لڑکے ہی کی تھی ممکن ہے کوئی بڈھا ہو۔"

محسن نے جواب دیا۔ یہاں تو سوائے آپ کے اور کوئی بڈھا نہیں ہے۔

عابد حسن نے محسن کے قریب آکر نہایت اطمینان سے ان کے منہ پر ابٹنا ملتے ہوئے کہا لو بھئی اب فرخ کا سار غصہ میرے اوپر اتارو پہلے بھی میں نے ہی تمہاری تواضع کی تھی۔"

روشن آرا نے اپنے میاں سے کہا۔ تم پہلے ہی کیوں نہ بول اٹھے۔ بیچارے بچے کا نام ہوا۔"

عابد حسن نے کہا۔ "مجھے یہ گمان بھی نہیں تھا کہ محسن کا خیال فرخ کی طرف جائے گا کیونکہ محمود اور وہ اس وقت تک گتھم گتھا ہو رہے تھے۔"

زرتاج بیگم نے محسن کی طرف سے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ فرخ کی طبیعت میں ذرا شرارت ہے اس وجہ سے خیال ہوا کہ شاید انہیں کی حرکت ہے۔"

عاب حسن نے ذرا سنجیدگی سے کہا۔ میاں محسن باہر رہ کر دلی کی تہذیب کو بھول

گئے [illegible] کیسے بھی شوخ اور شریر لڑکے کی ایسی [illegible] کبھی [illegible]

عابد نے ہنس کر کہا۔ ''جی یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ محسن سے کافی بڑا ہوں لیکن یہاں سوال عمر کا نہیں رشتہ کا ہے میرا اور محسن کا رشتہ ہی مذاق کرنے کا ہے میں تیار ہوں وہ دس دفعہ میرے ابٹنا ملیں کبھی برا نہیں مانوں گا۔''

چچی جان۔ اے بی سالے بہنوئی ہیں اور اب خدا رکھے سمدھی بن جائیں گے۔''

عالم آرا بیگم۔ دیکھو لڑکو خبردار جو کسی نے ابٹنے کو ہاتھ لگایا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

عابد حسن۔ ممانی جان۔ آپ کیوں منع کرتی ہیں ایسے موقعے کوئی روز روز تھوڑی آتے ہیں۔ کھیلنے دیجئے۔

اشرف بیگم۔ نہیں بیٹا۔ کسی کے چوٹ ووٹ لگ جائے تو اور بدنامی کی بات ہو۔

عابد حسن۔ اماں جان ہنسی مذاق میں چوٹیں بھی لگتی ہیں۔ خون بھی نکلتے ہیں بچے ان سب چیزوں کا خیال نہیں کرتے۔ حامد۔ بیٹا ذرا فرخ کو بلاؤ دیکھیں کس کا داؤ اچھا ہے۔ محمود تو پھسڈی نکلے۔ ایسے موقع پر ذرا ہوشیاری اور چالاکی کی ضرورت ہوتی ہے اپنے آپ کو بچائے رہے۔ بےخبری میں دوسرے پر وار کرے۔

عالم آرا بیگم۔ اے میں بس رہنے دو تم اور لڑکوں کو داؤ بتا رہے ہو۔

روشن آرا۔ ان کی یہی عادت ہے شہ دیدے کو مرغے لڑواتے ہیں۔

عابد حسن۔ خدا کا شکر ہے میرے بچے کسی سے ہار نہیں سکتے۔ گلشن ان تمام لڑکیوں کے لئے اکیلی کافی ہے۔

عالم آرا بیگم۔ میاں عابد اب رات زیادہ آ گئی ہے۔ مجھے تو میرے گھر پہنچا دو پھر تم ابٹنا کھلوانا۔

چچی جان۔ ہاں بی، بارہ بج چکے سردی بڑھتی جا رہی ہے۔

روشن آرا۔ تھوڑی دیر اور ٹھہر جائے چائے آ رہی ہے۔

عابد حسن۔ (عالم آرا بیگم سے) ممانی جان میں نے آپ کے اور چچی جان

کیواسطے ڈولی منگوالی ہے اوپر سے کمبل ڈلوادوں گا۔

عالم آرا بیگم۔ (مسکرا کر) چار قدم پر تو جان تاجہ ڈولی کی کیا ضرورت تھی رضائی اوڑھ کر چلی جاتی۔

عابد حسن۔ آپ اس وقت پیدل نہیں جا سکتیں بڑے غضب کی سردی ہے۔

چچی جان۔ بیٹا تم ٹھیک کہتے ہو۔ ایسی ہوا چل رہی ہے کہ کمرہ کے اندر کلیجہ کپکپایا جا رہا ہے۔

عابد حسن نے شاہد سے کہا۔ بس دولہا میاں اپنا زرد صافہ اتار کر اپنی دادی اماں کو دو اور اٹھ کر اپنے مہمانوں کو چائے پلواؤ۔ حامد اور فرخ کو ساتھ لے لو۔ آج رائے صاحب نے اپنی نگرانی میں کشمیری چائے بنوائی ہے۔ ہم نے تو ایسی خوش ذائقہ چائے تمام عمر نہیں پی۔"

حامد۔ ابا جان۔ فرخ تو بڑی دیر ہوئی چلے گئے۔"

گلشن۔ اور خالہ جان بھی تو گئیں۔

عالم آرا بیگم (تعجب سے) اوئی حسن آرا کب گئیں؟ مجھ سے کہا بھی نہیں۔

سب خاموش رہے۔ روشن آرا کچھ رنجیدہ سی تھیں۔ لڑکیوں نے سفید چادر بچھا کر چائے کا سامان لگایا۔

سید صاحب کی کوٹھی میں اس وقت بالکل خاموشی تھی ایک کمرہ میں شوکت آرا بیٹھی مسہری کے پردہ پر کرن ٹانک رہی تھیں۔ دو ایک مامائیں بستر بچھا رہی تھیں۔ افشاں کے کمرہ میں دلہن کو مامائیں بٹھایا گیا تھا۔ یہاں نزہت نے افشاں کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تمہیں تو بخار چڑھا تھا کیوں خواہ مخواہ بیٹھی دیدہ ریزی کر رہی ہو۔"

افشاں نے ہنس کر کہا۔ میں تو بالکل اچھی ہوں بخار کا بہانہ کیا تھا۔

نزہت نے گاؤ تکیہ پر سے سر اٹھاتے ہوئے کہا۔ مجھے ایک بات تو بتاؤ کیا سچ مچ فرخ سے تمہارا پردہ ہو گیا ہے؟"

افشاں ابھی کوئی جواب دینے نہیں پائی تھی کہ حسن آرا کے کمرہ کی بجلی کسی نے کٹ سے جلائی۔ یہ کمرہ افشاں کے کمرہ کے برابر تھا۔زہت نے کہا۔شاید امی جان کی تنہائی کے خیال سے پھوپھی جان جلدی آ گئیں۔

افشاں نے اٹھ کر کمرہ کا دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔پھوپھی جان آپ کیوں اتنی جلدی آ گئیں۔"

"یہاں پھوپھی جان نہیں ہیں۔میں ہوں میجر فرخ رضا۔"

افشاں الٹے پاؤں بھاگی۔زہت مارے ہنسی کے لوٹ گئیں۔اے افشاں تمہارے ساتھ بھی لطیفے پیش آتے ہیں۔"

فرخ بھی افشاں کے پیچھے اسی کمرہ میں آ گئے۔

زہت۔فرخ یہ کیا بدتمیزی ہے افشاں کا تو تم سے پردہ ہے۔

فرخ۔اب کہاں ہے پردہ۔

زہت۔اب کیوں نہیں ہے۔؟

فرخ۔مجھے کیا خبر انہوں نے خود ہی تو دروازہ کھولا ہے شاید پردہ توڑ دیا ہوگا۔

زہت۔پھوپھی جان کے خیال سے دروازہ کھولا تھا۔

فرخ۔اوہو تم تو مائیوں بیٹھی ہوئی ہو۔مجھے اب خیال آیا۔ان زرد کپڑوں میں کچھ اچھی تو نہیں لگ رہیں۔

زہت۔اچھا اس وقت تو تم یہاں سے جاؤ کوئی آ جائے گا۔تو کیا کہے گا۔فرخ نے ایک ٹکڑا پینڈی کا افشاں کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔یہ کیپٹن تمہارے حصہ کی پینڈی میں لے آیا ہوں۔زہت کو بھی کھلانا۔ان کے دولہا میاں مائیوں بیٹھ گئے۔

زہت نے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔فرخ خدا کے واسطے تم اس وقت یہاں سے جاؤ دیکھو پھوپھی جان تمہیں آواز دے رہی ہیں۔"

حسن آرا نے پہلے اپنے کمرہ میں آ کر دیکھا پھر نزہت کے ہاں آ ئیں ۔افشاں گھبرا کر گاؤ تکیہ پر اوندھی بھی ہوگئی اوپر سے نزہت کی دولائی اوڑھ لی ۔فرخ اطمینان سے کھڑے ہوئے پینڈی کھا رہے تھے ۔حسن آرا نے نزہت سے پوچھا۔ کیا افشاں اماں کے کمرہ میں ہے۔"

فرخ نے گاؤ تکیہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔وہ دیکھئے آپ کو آیا دیکھ کر سجدہ تعظیم میں گر گئیں۔

نزہت کو ہنسی آ گئی ۔حسن آرا اس وقت بہت خاموش رنجیدہ تھیں۔انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔فرخ نے مسکرا کر کہا۔امی جان آپ ابھی سے کیوں آ گئیں۔ ابٹنا کھیلنے کا تماشہ دیکھا ہوتا۔"

حسن آرا نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔تمہارے جو تماشہ ہوا وہ دیکھ کیا اب کا ہے دیکھتی۔"

فرخ۔امی جان آپ کیوں رنجیدہ ہیں۔اس غلط فہمی کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔

حسن آرا۔اچھا خیر۔اب تو یہاں سے نکلو۔

فرخ۔میرے یہاں بیٹھنے میں آپ کو کیا نقصان ہے۔

حسن آرا۔فرخ تم خواہ مخواہ مجھے پریشان نہ کرو۔

فرخ۔آپ کے پریشان ہونے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔

حسن آرا۔(غصہ کے لہجہ میں) ہو بڑے بے حیا۔آخر لڑکیوں میں تمہارا کیا کام ہے۔

فرخ۔(ہنسکر) ذرا نزہت سے پوچھئے لڑکی نے خود ہی دروازہ کھولا تھا۔

حسن آرا نے کوئی جواب نہ دیا فرخ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرہ میں لے گئیں اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

نزہت نے افشاں کے اوپر سے دولائی ہٹاتے ہوئے کہا۔ اب اٹھو فرخ تو گئے۔
"

افشاں اس وقت بالکل خاموش تھی۔

نزہت نے دوبارہ کہا۔ اپنے حصے کی پینڈی تو کھالو۔ دیکھو فرخ کو تمہارا کسقدر خیال ہے۔"

افشاں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سینے پرونے کی چیزیں جو پھیلی پڑی تھیں ان کو سمیٹ کر رکھنے لگی۔ نزہت نے اس کو گدگداتے ہوئے کہا۔ اے بی کیا بہری ہو گئیں میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتیں۔"

افشاں نے آہستہ سے کہا۔ آپا نزہت چپ رہو اس وقت مجھے اپنی بیوقوفی پر غصہ آرہا ہے۔"

نزہت نے اس کی پیٹھ پر تھپڑ مار کر کہا۔ اے بس رہنے بھی دو مجھے یہ ڈھکو سے بازی اچھی نہیں لگتی چار دن سے پردہ کیا ہو گیا بیچاری بننے لگیں۔ وہی فرخ تو ہیں جن کے ساتھ ہر وقت کھیلتی پھرتی تھیں۔"

افشاں کچھ نہیں بولی۔ اسے فرخ کیسامنے جانے کا کچھ افسوس نہیں تھا بلکہ حسن آرا کی غمگین صورت اور ان کے رنجیدہ الفاظ اس کے دل میں کھٹک رہے تھے دوسرے کمرے میں فرخ تیز آواز سے بول رہے تھے مگر دروازہ بند ہونے کی وجہ سے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ اسی فکر میں تھی کہ کسی ترکیب سے باتیں سنے۔ اتفاق سے اسی وقت شوکت آرا کمرہ میں آئیں۔ افشاں نے یہ موقعہ غنیمت جانا اور ان سے سر کے درد کا بہانہ کرکے اپنی دادی کے کمرہ میں چلی گئی۔ یہاں بالکل اندھیرا تھا اور حسن آرا کے کمرہ کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ فرخ کی گفتگو صاف سنائی دے رہی تھی افشاں دروازہ سے کان لگا کر کھڑی ہوگئی۔ حسن آرا کہہ رہی تھیں۔ "تم شہریار کے بہت بدتمیزی سے ابٹنا ملا اگر ان کا چشمہ ٹوٹ کر آنکھ میں لگ جاتا تو کیا ہوتا۔"

فرخ نے جواب دیا۔ آنکھ پھوٹ جاتی۔ آئی۔ سی ایس۔ گھمنڈ جاتا رہتا۔‘‘

حسن آرا نے کہا۔ آہستہ بولو۔ تمہاری زبان اب بہت خراب ہوگئی ہے۔‘‘

فرخ نے کہا۔ میں اس وقت خون کا سا گھونٹ پی کر رہ گیا۔ آپ کے بھائی صاحب کے الفاظ میرے دل پر نشتر کی طرح لگے ہیں۔

حسن آرا نے کہا۔ تمہاری بیہودگی پر انہیں غصہ آگیا تھا۔‘‘

فرخ نے کہا۔ میں نے کیا بیہودگی کی تھی اس گینڈے کے ذرا سا ابٹنا ہی تو مل دے تھا یہ تو کوئی غصہ کی بات نہیں تھی۔ یہ کہئے انہیں شروع سے میرے ساتھ عداوت ہے۔‘‘

حسن آرا نے کہا۔ خدانخواستہ عداوت کیوں ہونے لگی تم بات کا بتنگڑ نہ بناؤ۔‘‘

ارے امی جان آپ کو کچھ خبر تو ہے نہیں میں کل رات تمام گفتگو سن چکا ہوں۔‘‘

حسن آرا نے تعجب سے پوچھا۔ کس کی گفتگو۔‘‘

فرخ نے کہا۔ آپ کے چھوٹے بھائی محسن ممتاز کی۔‘‘

حسن آرا نے کہا۔ تم نے کیسے سنی؟‘‘

فرخ نے کہا۔ میں نانا ابا کے کمرہ میں سونے کے لئے لیٹا تھا کا ایک ایک لفظ سنا ہے۔‘‘

حسن آرا نے پوچھا۔ کیا چھوٹے بھائی نے تمہارے متعلق ابا جان سے کچھ کہا تھا؟‘‘

فرخ نے جواب دیا۔ نہیں ان کی باتیں تو نانی اماں سے بڑی مزے دار ہوئیں خوب چیٹ پٹی۔

حسن آرا نے کہا۔ جانے دیجئے امی جان کچھ دنوں کے بعد آپ کو خود ہی معلوم ہو جائیگا۔‘‘

حسن آرا نے کہا۔ ’’آخر مجھے تو معلوم ہونا چاہیے۔ کس قسم کی باتیں تھیں۔‘‘

فرخ نے مسکرا کر کہا۔ بیکار آپ رنج کریں گی۔ مجھ سے زیادہ ان باتوں کا تعلق آپ سے تھا۔''

حسن آرا نے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔ میرا تو دل گھبرانے لگا کچھ بتاؤ تو سہی۔''

فرخ نے کہا آپ کو اپنا دل مضبوط کرنا چاہیے بڑا معرکہ ہونے والا ہے۔''

حسن آرا نے کہا۔' کچھ بتاؤ گے بھی یا خواہ مخواہ مجھے پریشان کیے جاؤ گے۔''

فرخ نے کہا۔'' دیکھیے میں پھر کہے دیتا ہوں آپ کے اوپر بہت اثر ہو گا۔''

حسن آرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فرخ نے محسن ممتاز اور عالم آرا بیگم کی تمام گفتگو حسن آڑا کے آگے بیان کی۔ پھر سید صاحب اور عالم آرا بیگم کی باتیں سنا کر ذرا غصہ کے لہجہ میں کہا۔'' دیکھیے امی جان بچپن سے میری طبیعت سپاہیانہ ہے۔ مجھے شادی وادی کی بالکل خواہش نہیں۔ نہ میں کسی عشق و محبت کا دعویدار ہوں۔ لیکن اگر کسی کو میرے مقابلہ پر کھڑا کیا گیا تو سمجھ لیجیے کہ اس کی اور اپنی زندگی ......''

حسن آرا نے فوراً فرخ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کچھ پاگل تو نہیں ہو گئے خبردار جو آئندہ اس قسم کے الفاظ زبان پر لائے تمہاری کچھ زبردستی ہے انکی اولاد ہے انہیں اختیار ہے۔''

فرخ نے بگڑ کر کہا۔ اور آپ گویا ان کی زرخرید لونڈی تھیں کہ ان کی لڑکی کو پال کر اتنا بڑا کر دیا۔''

حسن آرا نے کہا۔ تمہیں اس معاملہ میں دخل دینے کی کئی ضرورت نہیں۔''

فرخ نے کہا دیکھیے گا...... اب میں کل سے افشاں کو شہریار کے سامنے نہیں ہونے دوں گا۔''

حسن آرا نے اس وقت بات کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا انہوں نے فرخ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اچھا اب جا کر سو جاؤ مجھے بہت سے کام کرنے ہیں''

افشاں دروازہ کے پاس سے ہٹ کر دبے پاؤں اپنی دادی کے پلنگ پر لیٹ گئی

اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے تھے مارے ڈر کے کانپ رہی تھی وہ جانتی تھی فرخ کیسا زود رنج اور تیز مزاج ہے۔ دوراندیشی اور استقلال تو اس کے پاس ہو کر نہیں گزرے وہ کہیں بغیر سوچے سمجھے اپنی جان خطرہ میں نہ ڈال دے۔ وہ اپنے باپ کی طبیعت سے بھی واقف تھی وہ بڑے ضدی او خود رائے تھے۔ اس کو اپنے دادا کی مستقل مزاجی اور تحمل کا حال بھی معلوم تھا وہ اپنی بات کے دھنی اور ارادہ کے پکے تھے اور وہ اپنی کمزوری کو بھی اچھی طرح محسوس کرتی تھی نہ اپنے باپ کے سامنے بول سکتی تھی نہ دادا سے کچھ کہہ سکتی تھی۔

وہ بڑی دیر تک آنے والے حالات پر غور کرتی رہی۔۔۔ حسن آرا کے کمرہ میں اب بالکل خاموشی تھی وہ بجلی بند کر کے جا چکی تھیں فرح بھی چلے گئے تھے افشاں نے اٹھ کر کمرہ کی بجلی جلائی سید صاحب جاگ رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔ یہاں کون ہے۔"

افشاں گھبرا گئی کچھ جواب نہیں دے سکی۔۔ سید صاحب نے اپنے کمرہ کا دروازہ کھول کر پوچھا۔ بجلی کس نے جلائی ہے۔؟"

افشاں نے دھیمی آواز میں کہا۔ میں ہوں۔"

سید صاحب نے کہا۔ افشاں بیٹی تم یہاں کیا کر رہی ہو۔؟"

افشاں۔ میں یہاں سونے آئی ہوں۔"

سید صاحب۔ کیا تمہاری دادی بھی آ گئیں۔

افشاں۔ وہ تو ابھی نہیں آئیں۔

سید صاحب۔ کیا تم اپنی پھوپھی اماں کے ہاں نہیں گئی تھیں۔

افشاں۔ جی نہیں میرے سر میں درد تھا۔

سید صاحب نے محبت آمیز لہجہ میں چمکار کر کہا۔ اچھا سو جاؤ۔ آج کل تم کام بہت کرتی رہتی ہو۔ کہیں بیمار نہ پڑ جانا۔ میں جاگ رہا ہوں۔ تمہاری دادی بھی ابھی آتی

ہوں گی۔"

افشاں کا دل پہلے ہی بھرا ہوا تھا۔ دادا کے ذرا سے محبت آمیز الفاظ سے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ اپنی دادی کے پلنگ پر لیٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دل کی بھڑاس نکلنے کا اس کے پاس صرف یہی ذریعہ تھا...... فرخ سے بہت محبت کرتی تھی ایک معصومانہ اور پاکیزہ محبت جو بچپن سے اس کے دل میں پیوست تھی...... اس کو اس وقت اپنے بچپن کے تمام واقعات یاد آ گئے۔ فرخ اور کسی بچوں کیساتھ اس کو نہیں کھیلنے دیتا تھا۔ وہ ہمیشہ ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لاتا تھا اور یہ چپکی چلی آتی تھی۔ وہ اس وقت بھی یہی خیال کر رہی تھی کہ فرخ نے شہریار سے پردہ کرنے کو کہا ہے میں اب کیسے ان کے سامنے جاؤں گی کہیں فرخ ہاتھ پکڑ کر نہ لے آئیں...... اسے اپنے باپ کے خیالات بھی معلوم ہو گئے تھے۔ اور اپنے دادا کے ارادہ کا بھی پتہ چل گیا تھا...... وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ اگر اس کے باپ کو ضد آ گئی اور انہوں نے اپنے ساتھ لے جانے پر مجبور کیا تو کیا ہوگا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا وہ بے بسی اور لاچاری کی حالت میں روئے جا رہی تھی...... روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی اور بے اختیاری کے عالم میں ایک ہلکی سی چیخ اس کے منہ سے نکل گئی...... سید صاحب جاگ رہے تھے فوراً کمرہ میں آئے۔ افشاں سہم گئی۔ اس نے اپنا منہ رضائی کے اندر کر لیا۔ سید صاحب نے آواز دی مگر وہ نہیں بولی۔ انہوں نے خیال کیا خواب میں ڈر گئی ہے۔ وہیں قالین پر بیٹھ گئے...... کوئی پانچ منٹ کے بعد عالم آرا بیگم بھی آ گئیں۔

سید صاحب نے کہا۔ "تم نے بڑی دیر لگائی ایک بجا ہے۔"

عالم آرا بیگم۔ کیا کروں میاں عابد حسین نہیں مانے چائے پلا کر آنے دیا۔ ابھی سب تو وہیں ہیں۔ میں اور چچی جان ڈولی میں آئے ہیں۔ تم یہاں کیوں بیٹھے ہو۔"

سید صاحب۔ افشاں یہاں اکیلی سو رہی ہے میں اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

عالم آرا بیگم۔ یہ تو نزہت کے پاس سویا کرتی تھی آج یہاں کیوں آ گئی؟

سید صاحب۔ اس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔

عالم آرا بیگم نے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ میں آپ تھک کر پست ہوگئی خدا خیر کے ساتھ یہ دو دن اور گزار دے سردی کا یہ عالم ہے کہ معلوم ہوتا ہے برف کٹ رہی ہے اگر وہاں نہ جاتی تو روشن آرا برا مانتیں اب ہمارا یہ وقت تھوڑی ہے کہ راتو کو مارے مارے پھریں۔ ڈولی پر دو دو کمبل میں عابد حسن نے ڈلوا دیئے تھے مگر معلوم ہوتا ہے ہوا لگ گئی میری پسلی میں کسک ہونے لگی۔

سید صاحب۔ میرے پاس قیر وطی رکھی ہے وہ ملوا لو روئی کا پھل سکوا کر رکھ لو۔

عالم آرا بیگم۔ اب اس وقت آدھی رات کو آگ واگ کہاں ہوگی نہیں تو میں موم لوبان کی دھونی لے لیتی۔

سید صاحب۔ بیماری کو بڑھانے سے کیا فائدہ سب جاگ رہے ہیں میں کسی سے کہے دیتا ہوں آگ آ جائے گی۔

عالم آرا بیگم دیکھو خدا کو مان کے تم بن کمرہ میں سے باہر نہ نکلنا ہوا ایسی تیز ہے کہ کلیجہ کے پار ہوئی جاتی ہے۔

افشاں جاگ رہی تھی اس کا دل چین ہو گیا۔ پہلے تو کلبلائی۔ پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

عالم آرا بیگم تم کیوں اٹھ بیٹھیں سو جاؤ۔

افشاں۔ دادی اماں۔ اب بہت دیر میں آئیں۔

عالم آرا بیگم۔ ہاں بیٹی ایک بجا ہے اچھا ہو تم نہ گھبراؤ۔ میں خود جا کر دیکھتا ہوں۔

حسن آرا ابھی افشاں کو ڈھونڈھتی ہوئی آئیں۔ عالم آرا بیگم نے کہا۔ بیٹی ذرا سی آگ ہو تو منگوا دو میری پسلی میں کچھ چبھن سی ہو رہی ہے۔"

افشاں بولی۔ دادی اماں آپ نے مجھ سے کیوں نہیں کہا۔ آپا نزہت کے کمرہ میں انگھیٹی سلگ رہی ہے میں ابھی ڈاکٹر صاحب کے ہاں کا سفید تیل آپ کے ملے دیتی ہوں۔"

تیرہواں باب

سانچق کے دوسرے دن دلہن والوں کے ہاں بیوی کی صحنک کی نیاز ہوئی۔ ایک مٹی کے کوڑے کونڈے میں زردہ رکھ کر اوپر ملائی کی نہ جمائی سات قسم کی کھانے کی ترکاریاں کیلے امرود وغیرہ اور گلگلے رکھے گئے۔ ایک کمرہ میں صاف ستھری چاندنی بچھا کر اجلا دسترخوان بچھایا گیا اس پر یہ کونڈا رکھا۔ خوشبو سلگائی گئی۔ چچی جان نے وضو کر کے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نیاز دی۔ پہلے پاک صاف سات سہاگنوں نے کونڈے میں سے کھایا۔ پھر لڑکیوں وغیرہ نے وضو کر کے ایک ایک دو دو لقمے چکھے اور انہیں چھوٹے ہاتھوں سے دلہن کی بہنیں دلہن کا ریت کا جوڑ (جو دولہا کے ہاں سے بغیر سلا آیا تھا) سینے بیٹھیں۔ آج عالم آرا بیگم کی طبیعت کچھ سست تھی مگر دلہن کا جوڑا انہوں نے خود بیونتا۔

گوہر وجواہ نے کہا۔ "دادی اماں ہم نے آج تک ایسے کپڑے نہیں دیکھے جو بغیر قینچی لگانے سل جائیں۔"

عالم آرا بیگم نے کہا۔ بیٹی دیکھو یہ کیا مشکل ہے۔ پاجامہ کے دونوں پائنچے لمبان ناپ کر سیدھے پھاڑ دیے ہیں۔ ان دونوں پائنچوں میں چوکھونٹا رومال جوڑو۔ اوپر نیفہ دوہرا دو نیچے پائنچے موڑ دو۔ اسی طرح سلتا ہے۔ دو پاٹ جوڑ دیتے ہیں اوپر کا حصہ ذرا سا گریبان کے لئے کھلا رکھتے ہیں بیچ میں ایک بالشت پھاڑ دیتے ہیں۔ پہلوؤں میں ایک ایک بالشت کھلا رکھتے ہیں یہ آستینیں ب ہو جاتی ہیں۔ اس کو جولا کہتے ہیں۔ یہ دوسرا پانچ گز کپڑا ہے اس میں چنت بھر کر اوپر ایک سینہ بند لگا دیا جائیگا اسکو پشواز کہتے ہیں۔"

جواب دیا۔ضرور ضرور تو خود کہنے والی تھی۔مگر دیکھو چمن آرا اور گلشن کو ضرور بلوالینا۔ دلہن کے کپڑے سینے کے وقت وہ اپنے ہاں کے کاموں میں مصروف تھیں آ نہیں سکیں۔''

شوکت آرا نے اسی وقت بنیادی خانم کو لڑکیوں کے بلانے کے لئے بھیج دیا۔جس کمرہ میں دلہن مائیوں بیٹھی تھی سب بیویاں وہاں جمع ہو گئیں۔بیچ میں چوکی پر دلہن کو بٹھایا پہلے اس کے سیدھے ہاتھ پر پان رکھ کر سب بہنوں نے روپیہ تھوڑی مہندی رکھی نصیرہ بیگم نے افشاں سے کہا۔''اے بی اپنی چچی اماں سے مہندی لگوائی کا نیگ تو مانگو بغیر نیگ لیے مہندی لگانے بیٹھ گئیں۔

افشاں نے دلہن کی بہن فرحت سے کہا۔''مجھے تو شرم آتی ہے تم مانگو۔''

فرحت نے جواب دیا۔''مجھے تو خود شرم آتی ہے چمن آپا سب سے بڑی ہیں وہ مانگیں۔''

گلشن نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔نیگ مانگنے میں بڑے چھوٹے کا کیا سوال ہے لڑنے والے کی ضرورت ہے۔ میں مانگتی ہوں...... لائیے ممانی جان پہلے اکیاون روپیہ نیگ دیجئے پھر مہندی لگائی جائے گی۔''

شوکت آرا نے مسکرا کر کہا۔پھوپھی اماں سے مانگو۔''

گلشن نے عالم آرا بیگم سے کہا۔لائیے نانی ہمارا نیگ دیجیے۔

عالم آرا بیگم نے پانچ روپیہ گلشن کے ہاتھ میں دیے۔گلشن نے پکڑ کر کہا۔''نانی اماں یہ آپ کیا دے رہی ہیں۔''

عالم آرا بیگم نے مسکرا کر کہا۔چاندی کے پانچ روپیہ۔''

گلشن نے روپیہ واپس کرتے ہوئے کہا۔''ہماری طرف سے دلہن کے اوپر سے تصدیق کر کے کسی غریب کو دے دیجئے گا۔

عالم آرا بیگم نے چھ روپیہ اور بڑھا کر دیتے ہوئے کہا۔لو اب تو خاموش ہو جاؤ

پورے گیارہ ہو گئے۔''

گلشن نے نصیرہ بیگم سے کہا۔ خالہ جان آپ ہی انصاف سے کہیے گا گیارہ روپے میں تو فی بہن دو دو آنے بھی نہیں پڑیں گے۔''

چچی جان بولیں یہ تو ٹھیک ہے خدا رکھے بہنیں زیادہ ہیں پورے اکیس دو۔''

گلشن نے کہا۔ دیکھئے تو چچی جان جس وقت بہنوں کا حساب لگایا جاتا ہے تو آپ ہی تسبیح پر گنتی ہیں۔ کبھی جن کی صورتیں بھی نہیں دیکھیں وہ بھی نیگ دینے میں شامل کیجاتی ہیں۔''

عالم آرا بیگم نے دس روپیہ اور دیتے ہوئے کہا۔ لو بی چچی جان کے کہنے سے میں نے دیدیئے ہیں بہنوں کو نہ ٹوکو۔''

افشاں نے چپکے سے کہا۔ بس آپا گلشن ٹھیک تو ہیں لے لو۔''

گلشن۔ اب تو مجبوراً لینے ہی پڑیں گے میں اکیلی کہاں تک جھگڑوں تمہارے منہ میں تو معلوم ہوتا ہے گھنگنیاں بھری ہیں۔''

عالم آرا بیگم۔ وہ تو مجھ سے کبھی نہ جھگڑتی جو کچھ میں دیتی چپکے سے لے لیتی۔

گلشن۔ خیر نانی اماں اس وقت تو میں کچھ نہیں بولتی مگر افشاں کی مہندی لگوائی کا سو سے کم نہیں لوں گی آپ یاد رکھیے گا۔

عالم آرا بیگم ایک ٹھنڈا سانس لے کر خاموش ہو گئیں ...... نصیرہ بیگم نے کہا۔ لڑکیوں اب تو نیگ مل گیا بسم اللہ کر کے دلہن کے مہندی لگانی شروع کرو۔''

چچی جان۔ حمامی مہندی لگانا۔

زرتاج بیگم۔ وہ کیسی ہوتی ہے۔؟

نصیرہ بیگم۔ ہاتھ اور پیروں کے اوپر بھی لگاتے ہیں

عالم آرا بیگم۔ نہیں اس زمانہ میں کسی کے ہاں حمامی مہندی نہیں لگتی۔ بس معمول لگا دو۔

سب لڑکیوں نے مہندی لگانے سے انکار کر دیا۔ کسی نے کہا۔ ہمارے ہاتھ خراب ہو جائیں گے۔''

کسی نے کہا ہمیں مہندی لگانی نہیں آتی۔''

عالم آرا بیگم بولیں۔ گلشن کو بلاؤ نیگ مانگنے کے لئے سب کے آگے تھیں اب آ کر مہندی لگائیں۔

گلشن۔ اچھی نانی اماں مجھے تو معاف کیجئے اور جو دل چاہے مجھ سے کام لے لیجئے مگر مہندی لگانے سے میرا گھبراتا ہے۔''

عالم آرا بیگم نے نصیرہ بیگم سے کہا۔ اے بی دیر ہو رہی ہے ایک ہاتھ میں افشاں سے لگواؤ ایک میں حمید سے پیروں میں تم اور رشیدہ لگا دو۔''

چچی جان تھوڑی سی مہندی لے کر الگ جا بیٹھیں اور اپنے پیروں کے انگوٹھوں پر لگانی شروع کی...... گلشن نے ان کے قریب جا کر کہا۔ لائیے چچی جان آپ کے تو میں بھی لگا سکتی ہوں۔''

چچی جان۔ اے بی میں دلہن سے زیادہ تھوڑی ہوں جب تم نے اس کے نہیں لگائی تو میرے کیا لگاؤ گی۔

گلشن۔ دلہن کی تو ماشاءاللہ بہت سی بہنیں ہیں میں نے نہیں لگائی اور بیٹھ گئیں۔ مگر آپ کو تم کمر دوہری ہوئی جا رہی ہے کسی کو پرواہ ہی نہیں۔

چچی جان۔ اے بس میرا مذاق نہ اڑاؤ۔ یہ بھی خبر ہے کہ جو کوئی چالیس دن برابر پیر کے انگوٹھوں پر مہندی لگاتا ہے اس کی آنکھوں کی بینائی تمام عمر قائم رہتی ہے۔ مجھے دیکھو بغیر عینک کے ایک پارہ کلام اللہ کا روز پڑھتی ہوں۔ تمہاری طرح نہیں کہ بیس برس کی عمر میں چشمہ لگانے لگیں۔

چمن آرا۔ اے بی گلشن اب چلو امی جان انتظار کر رہی ہوں گی۔

گلشن۔ تم جاؤ میں تو ابھی اپنے ہاتھوں میں مہندی لگواؤں گی۔ امی جان سے

کہہ دینا شام تک آؤں گی۔

عالم آرا بیگم وغیرہ اب یہاں سے چلی گئیں۔دلہن کے ہاتھ پاؤں مہندی لگا کر سرخ مہندی بند باندھ دیئے گئے۔اس کے بعد سب لڑکوں نے اپنے اپنے ہاتھوں میں مہندی لگائی مگر افشاں آج بہت خاموش اور رنجیدہ تھی اس نے مہندی لگانے سے بھی انکار کر دیا۔

گلشن نے کہا۔دیکھو افشاں مجھے تمہاری یہی باتیں بری معلوم ہوتی ہیں کس بات میں ہم لوگوں کا ساتھ نہیں دیتیں ہمیشہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ چنواتی ہو۔

گوہر۔کیا دادی اماں مہندی لگانے پر بھی خفا ہوتی ہیں۔"

افشاں۔نہیں مجھے تو یہ پٹاری کی گردی پوری کرنی ہے۔ذرا سی جھالر باقی ہے۔رات کو لگا لوں گی۔

حمیدہ۔اصل بات ہے ہے ان کو اپنے ہاتھوں پر نظر لگنے کا اندیشہ ہے۔

جواہر۔اس میں کوئی انکار نہیں کر سکتا ہماری افشاں آپا کے ہاتھ سب لڑکیوں میں سفید ہیں۔

گوہر علاوہ سفید ہونے کے خوبصورت کس قدر ہیں لوگ ایسی انگلیاں بنانے کی کوشش کوتے ہیں مگر بن نہیں سکتیں۔

جواہر۔ہاتھوں ہی پر کیا منحصر ہے افشاں آپا سر سے پیر تک حسن کا مجسمہ ہیں

گلشن۔حمیدہ ذرا سا کالا دانہ اور لال مرچیں لہسن پیاز کے چھلکے لانا میں اپنی بہن کے اوپر سے اتار کر چولہے میں ڈال دوں۔

گوہر نے جواہر سے کہا۔ چلو آج ذرا شوپنگ کے لئے جانا ہے امی جان انتظار کر رہی ہوں گی۔

افشاں نے کہا۔ میری چیز نہ بھولنا۔

جواہر نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ دل پر لکھی ہے۔

اب کمرہ میں صرف افشاں ، فرحت اور گلشن رہ گئیں۔ نزہت نے آہستہ سے گلشن سے کہا۔ رات کی بھی کچھ خبر ہے کیا ہوا تھا؟

گلشن۔ (ہنسکر) خیر کیوں نہیں میرے بھائی تمہارے دولہا مائیوں بیٹھے تھے۔

نزہت کے ہاتھ مہندی کی وجہ سے بندھے ہوئے تھے انہوں نے گلشن کے کہنی مار کر کہا۔ بیہودہ کہیں کی میں تو یہاں کا کہہ رہی ہوں۔''

گلشن۔ یہاں کیا ہوا تھا؟

نزہت نے فرخ کے کمرہ میں آجانے کا حال گلشن کو سنایا۔ گلشن نے سنجیدگی سے کہا ''ارے بی تمہیں کیا خبر ہے۔ ہمارے ہاں تو رات کو بڑی بے لطفی رہی۔''

نزہت۔ کیوں کیا بات ہوئی ؟

گلشن نے ابٹنا کھیلنے کا تمام قصہ نزہت کو سنایا۔ افشاں بھی کان لگائے سن رہی تھی نزہت نے گردن ہلا کر کہا۔ ''اچھا اسی وجہ سے فرخ اور پھوپھی جان پہلے ہی یہاں آگئے تھے کیا چچا جان کو معلوم نہیں ہوا کہ فرخ نے انکے ساتھ مذاق نہیں کیا تھا۔؟

گلشن۔ ہاں ہاں ابا جان نے اس وقت کہدیا تھا۔ مگر چھوٹے ماموں جان پہلے ہی فرخ سے کشیدہ ہی۔ ذرا سے مذاق سے اور کڑوا کریلا نیم پر چڑھ گیا۔

نزہت، ہاں۔ خبر نہیں کیا بات ہے چچا جان ہمیشہ فرخ کو ٹیڑھی نظروں سے دیکھتے ہیں۔

گلشن۔ اس مرتبہ تو لوگوں نے اور ان کو بھڑکا دیا ہے۔

نزہت۔ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی کس نے بھڑکایا ہے اور کیوں؟

گلشن۔ خالہ نصیرہ بیگم کی ترکیبیں ہیں انہوں نے چچی جان کی معرفت خالہ جان سے کہلوایا ہے کہ فرخ افشاں کو ناپسند کرتا ہے۔ اس کی مرضی حمیدہ سے کرنے کی ہے۔

زہت۔ لو بی حد ہوگئی کہاں افشاں کہاں حمید کیا فرخ کے منہ پر آنکھیں نہیں ہیں۔

گلشن چھوٹے ماموں جان کیکان تک یہ آواز پہنچادی گئی۔ اسی وجہ وہ فرخ سے اور زیادہ بدظن ہوگئے۔

زہت۔ چچا جان سے کس نے کہا؟

گلشن۔ ان تسبیح والی بیوی سے خدا پناہ میں رکھے ادھر خالہ جان کو سمجھارہی ہیں کہ افشاں کی ماں کا کچھ ٹھیک نہیں ادھر چھوٹے ماموں سے کہہ رہی ہیں کہ فرخ کی مرضی نہیں۔

زہت۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ آجکل یہاں افشاں کی ماں کے متعلق بہت چرچے ہو رہے ہیں۔

گلشن۔ میں تم سے سچ کہتی ہوں مجھے اب تک یہ خبر نہیں تھی کہ افشاں کی ماں کون تھیں۔

زہت۔ مجھے خود نہیں معلوم تھا ہمیشہ یہی سنا کہ افشاں تین مہینے کی تھیں جب انکی ماں کا انتقال ہوگیا تھا۔ مگر حمیدہ رشیدہ تو ایسے ایسے بیہودہ الفاظ کہتی ہیں کہ میری زبان سے بھی نہیں نکل سکتے۔

گلشن نے زہت کو آنکھ کے اشارہ سے منع کرتے ہوئے افشاں کی طرف دیکھ کر کہا اے بی بقراط کی روح تمہاری پٹاری کی گروی کب پوری ہوگی؟ تمہارا تو چائے پینے کو جی چاہ رہا ہے۔"

افشاں ان دونوں لڑکیوں کی باتیں لاپرواہی سے بیٹھی سن رہی تھی لیکن اپنی ماں کا

نام آتے ہی اس نے پوری توجہ اور انہماک سے اسی طرف کان لگا دیئے...... وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کی ماں کون تھی۔ جب تک چھوٹی رہی اپنی پھوپھی کو ماں سمجھتی رہی جب ذرا بڑی ہوئی تو فرخ نے اسے جتایا کہ یہ تمہاری ماں نہیں ہیں مگر اسے یقین نہیں آیا پانچ برس کی عمر میں پہلی مرتبہ اس نے زرتاج بیگم کو دیکھا اور امی جان کہا اس کے بعد سے وہ انکو اپنی اماں سمجھنے لگی۔ وہ جانتی ہی نہیں تھی کہ ماں کیا چیز ہوتی ہے نہ کبھی اسے ماں کی ضرورت پیش آئی۔ جب وہ سمجھ دار ہوگئی تو لوگوں کو زبانی سنا کہ وہ بن ماں کی ہے۔ مگر اسے مطلق رنج نہ ہوا...... لیکن آج اٹھارہ برس کے بعد ماں کیا اہمیت معلوم ہوئی وہ ایک غور وفکر میں پڑ گئی......

گلشن نے اس کے پاس جا کر کہنی سے ہوکا دیتے ہوئے کہا۔ اے میں پوچھ رہی ہوں تمہارا یہ کام ختم بھی ہوگا یا نہیں۔''

افشاں نے چونک کر کہا۔ ہاں ختم ہوگیا اب دیکھ رہی ہوں۔ کیا آپ نے چائے کے لئے کہا تھا۔''

گلشن۔ آج تم کچھ کھوئی کھوئی ہو رہی ہو؟

افشاں۔ نہیں تو مجھے اپنا کام پورا کرنا تھا۔

گلشن۔ کام تو روز ہی کرتی ہو۔ مگر آج تو تمہارا چہرہ فق ہو رہا ہے۔ سنا ہے رات کو تمہارا فرخ سے خوب سامنا ہوا۔

افشاں۔ آپ کو کچھ خبر نہیں رات سے دادی اماں کی طبیعت خراب ہے پسلی میں درد ہے اور خراب بھی ہوگئی ہے میرا دل ان کی طرف سے پریشان ہے۔

گلشن۔ کوئی دوا وغیرہ دی یا نہیں؟

افشاں۔ دادا ابا نے بہت کہا مگر وہ راضی نہ ہوئیں۔

گلشن۔ بھئی اب میں اپنے ہاتھوں کی مہندی چھڑاتی ہوں ذرا نانی اماں کو جا کر دیکھوں اب شام بھی ہوگئی گھر جانا ہے امی جان خوب خفا ہو رہی ہوں گی کہ کام سے

جان چرا کر وہاں جا بیٹھی۔

گلشن نے مہندی چھٹا کر ہاتھوں میں تیل ملا پھر ہاتھ دھو کر اپنی نانی کو دیکھنے گئیں۔ عالم آرا بیگم کے کمرہ کا دروازہ بند تھا اندر سے باتوں کی آواز آ رہی تھی گلشن نے قریب جا کر سنا تو اپنے باپ کی آواز بھی آئی وہ حسن آرا کے کمرہ میں گئیں اور دروازہ کے پاس جا کر باتیں سننے لگیں۔ یہاں اسوقت کسی عام معاملہ پر گفتگو ہو رہی تھی۔ سید صاحب، عابد حسن، روشن آرا، حسن آرا سب کو بولنے کی آواز آ رہی تھی۔

عالم آرا بیگم نے اپنے داماد عابد حسن سے کہا۔ میاں تمہارے ماموں کی بھی ضد ہوگئی ہے کہتے ہیں آج ہی افشاں کو انگوٹھی پہنائی جائے۔

عابد حسن۔ ممانی جان، یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے خدا مبارک کرے۔

سید صاحب۔ دیکھو بھئی جو خیال عرصہ سے ہم لوگوں کے دلوں میں پوشیدہ ہے۔ آج میں اس کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ یہ موقعہ اچھا ہے تم سب لوگ جمع ہو۔

عابد حسن۔ آپ کی رائے بالکل صحیح ہے۔

سید صاحب۔ یہ تمہاری ممانی میری مخالفت کر رہی ہیں۔

عابد حسن۔ (عالم آرا بیگم سے) ممانی جان آپ کس وجہ سے خلاف ہیں۔

عالم آرا بیگم۔ بیٹا خلاف تو میں نہیں ہوں۔ میری تو وہی کہاوت ہے اندھا کیا چاہے دو آنکھیں مگر محسن کی طرف سے مجھے اندیشہ ہے۔ ان کے خیالات تمہیں بتا ہی چکی ہوں۔

عابد حسن۔ جی ہاں مجھے سب معلوم ہے آپ ان کے خیالات کی رتی برابر پرواہ نہ کیجئے جو آپ کی خوشی ہو وہ کیجئے۔

عالم آرا بیگم۔ اے میں بھلا کہیں یہ ہو سکتا ہے خدا باپ کے دم کو رکھے بغیر اس کی مرضی کے میں کیسے کرلوں؟

سید صاحب۔ (عابد حسن سے) سنا تم نے دو دن سے اسی بات پر میری ان کی

بحث ہو رہی ہے سمجھ میں نہیں آتا یہ محسن سے اس قدر کیوں ڈرتی ہیں۔

عالم آرا بیگم۔ اے تم تو الٹی سمجھتے ہو۔ میں محسن سے کیوں ڈرنے لگی مجھے تو آئندہ کا خیال ہے اگر خدانخواستہ کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو سارا خاندان ہم ہی کو الو بنائے گا سب یہی کہیں گے کہ باپ کی تو پہلے ہی مرضی نہیں تھی دادی دادا نے اپنی خوشی کے لئے لڑکی کی جان مصیبت میں ڈالی۔

عابد حسن۔ ممانی جان آئندہ کا حال تو کسی کو معلوم نہیں ہوتا فرض کیجئے میاں محسن خود کسی رئیس زادہ آئی۔ سی۔ ایس سے لڑکی کی شادی کریں اور بعد میں ناخوشگوار واقعات پیدا ہو جائیں تو کیا آپ سمجھتی ہیں ان کو خاندان والے کچھ نہ کہیں گے؟ میں تو کہتا ہوں سب سے پہلے آپ اور ہم ان کو قائل کریں گے۔ کہنے والوں کی زبان کوئی نہیں پکڑ سکتا یہ تو دنیا کا دستور رہی ہے۔ جس کی بات بگڑنی ہے۔ اسی کو لوگ ملو کرتے ہیں۔

سید صاحب۔ بھئی یہ تو میں بھی سمجھ رہا ہوں۔ فرخ میں ایسا کونسا عیب ہے جو ان کو اور ان کے صاحبزادہ کو انجام خراب نظر آ رہا ہے۔

عالم آرا بیگم۔ (بگڑ کر) خیر میں اب کسی بات میں نہیں بولوں گی تم جانو تمہارا کام جانے۔

روشن آرا۔ ابا جان آپ تو اللہ کا نام لے کر انگوٹھی پہنا دیجئے۔

عابد حسن۔ لیکن لڑکی کی مرضی معلوم کرنی بہت ضروری ہے۔

سید صاحب۔ بے شک تمہاری اس رائے سے مجھے اتفاق ہے۔

عابد حسن۔ (عالم آرا بیگم سے) ممانی جان آپ فرمائیے۔

عالم آرا بیگم۔ بیٹا میں کیا کہوں گی خدا و رسول کا یہی حکم ہے۔

عابد حسن۔ (روشن آرا سے) یہ کام تم کرو لڑکی سے تنہائی میں پوچھ لو۔

عالم آرا بیگم۔ بیٹا وہ لڑکی ایسی نہیں ہے کہ بڑی پھوپھی کو اپنی مرضی بتا دے گی۔

عابد حسن۔ اچھا تو حسن آرا پوچھ لیں۔

حسن آرا۔ نہیں دولہا بھائی مجھے تو معاف کیجئے۔

عالم آرا بیگم۔ بیٹھے پر زبان نہیں مانتی بھلا حسن آرا کے پوچھنے کا کیا موقعہ ہے۔

عابد حسن۔ جی ہاں ٹھیک ہے مجھے اس وقت بالکل خیال نہیں رہا۔

سید صاحب۔ یہی کہ حسن آرا فرخ کی ماں ہیں۔

سید صاحب۔ کوئی ہرج نہیں ہے لڑکی حسن آرا سے مانوس ہے یہی اس سے دریافت کر سکتی ہیں۔

عالم آرا بیگم۔ اے تم اپنے ہوش کی دوا کرو۔ حسن آرا غریب پہلے ہی ان فکروں میں گھلی جا رہی ہے۔

سید صاحب۔ (حسن آرا سے) تمہیں کیا پریشانی ہے؟

حسن آرا۔ (دھیمی آواز سے) میں یہ سوچتی ہوں کہ جب چھوٹے بھائی کی مرضی نہیں ہے۔ تو زبردستی کرنے سے کیا فائدہ۔

سید صاحب۔ دیکھو حسن آرا تمہیں فرخ کے معاملہ میں بولنے کی ضرورت نہیں وہ میرا لڑکا ہے میں جو کچھ مناسب سمجھوں گا کروں گا۔

عابد حسن۔ بے شک حسن آرا تم کیوں فکر کرتی ہو۔ خدا ماموں جان کو زندہ رکھے وہ سب کے بزرگ ہیں۔

حسن آرا۔ دولہا بھائی مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں چھوٹے بھائی لڑکی کو نہ لے جائیں۔

سید صاحب۔ (غصہ سے) چھوٹے بھائی اور چھوٹی بھابی اس موقعہ پر سب وارث بن گئے۔

پہلے کسی نے نہ پوچھا ان کی کیا ہستی ہے جو میری زندگی میں لڑکی کو یہاں سے لے جانے کا نام بھی لیں۔

عابد حسن۔ ایسا نہیں کر سکتے یہ تو صرف بندر بھبکی ہے۔

سید صاحب۔ (روشن آرا سے) اب ذرا جلدی کرو شام ہو رہی ہے۔

عالم آرا بیگم۔ ایسی کیا مارا مارا ہے شادی کا ہنگامہ ختم ہونے دو اطمینان سے پوچھا جائے گا یہ بھی کوئی گڑیوں کا کھیل ہے۔

سید صاحب۔ اب اطمینان کا وقت نہیں ہے میں آٹھ بجے تک لڑکی کو انگوٹھی پہنا دونگا۔

عالم آرا بیگم۔ کیا محسن کو خبر بھی نہیں کرو گے؟

سید صاحب۔ محسن اور احسن دونوں کی موجودگی میں یہ کام ہوگا بلکہ جو رشتہ دار اس وقت گھر میں موجود ہیں انکو بھی شریک کروں گا۔ اشرف بیگم کو بھی بلوایا۔ میں نے مٹھائی بھی منگوالی ہے۔

عالم آرا بیگم بالکل خاموش رہیں روشن آرا کمرہ سے باہر نکلیں حسن آرا بھی بہن کے پیچھے آئیں۔ روشن آرا نے کہا۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا افشاں سے کس طرح پوچھا جائے۔"

حسن آرا، میں کیا بتاؤں۔ مجھے تو اختلاج سا ہو رہا ہے ہاتھ پیر ٹھنڈے برف ہو گئے ابا جان نے بہت ہی بے موقعہ یہ بات نکالی۔ اماں کی طبیعت پہلے ہی خراب ہے کہیں چھوٹے بھائی کچھ الٹی سیدھی نہ بولیں۔

روشن آرا۔ تم کیوں اس قدر ڈر رہی ہو ابا کے آگے محسن کچھ نہیں بولیں گے۔ وہ تو اماں کیا اوپر سب کا لوہا تیز ہے۔

حسن آرا۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ ابا جان کے آگے کچھ نہیں بولیں گے مگر بعد میں بڑا جھگڑا کھڑا ہو جائیگا پہلے چھوٹے بھائی کو راضی کرنا چاہیے تھا آپ دولہا بھائی جان انکو سمجھاتے۔

روشن آرا۔ ارے بی اسوقت ابا جان کو بھی ضد ہو گئی ہے اور میں نے یہ سنا ہے کہ چچا اکبر مرزا نے یہ رائے دی ہے...... اچھا یہ بتاؤ افشاں سے کیسے پوچھوں؟ خواہ مخواہ

تمہارے دولہا بھائی نے یہ شوشہ بڑھایا۔

حسن آرا۔نہیں آپا جان دولہا بھائی کی یہ رائے پکی ہے۔آپ گلشن کی معرفت دریافت کیجئے۔

روشن آرا۔ یہ ٹھیک ہے ابھی تو گلشن یہیں ہے اس سے کہتی ہوں۔تم اماں کے پاس جاؤ وہ بہت پریشان ہو رہی ہیں۔

روشن آرا گلشن کی تلاش میں دولہن کے کمرہ میں آئیں انکو دیکھ کر زہت نے گردن جھکائی ۔ روشن آرا نے مسکرا کر کہا۔ میں اندر نہیں آ رہی گلشن کو بلا رہی ہوں۔"

گلشن ۔روشن آرا نے مسکرا کر کہا۔میں اندر نہیں آ رہی گلشن کو بلا رہی ہوں۔"

گلشن پہلے ہی تمام باتیں سن چکی تھیں فوراباہر نکل آئیں ۔روشن آرا نے الگ لے جا کر چپکے چپکے ان کے کان میں کچھ کہا۔گلشن نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔امی جان یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔"

روشن آرا۔جو کچھ بھی ہے تمہیں ابھی یہ کام کرنا ہوگا۔

گلشن ۔اے ہے امی جان مجھے تو برا لگتا ہے آپ چمن آپا کو کیوں نہیں بلا لیتیں۔

روشن آرا۔وہ چمن آپا کو نہیں بتائے گی تم سے زیادہ بے تکلفی ہے۔اچھا جاؤ حسن آرا کے کمرہ میں اسے کسی بہانہ سے لے جا کر پوچھ لو۔

گلشن کچھ متفکر اور خاموش کمرہ میں آئیں۔افشاں نے پوچھا۔پھوپھی اماں نے اپ کو کیوں بلایا تھا۔

گلشن ۔کچھ نہیں گھر چلنے کو کہہ رہی تھیں۔

رشیدہ ۔اب تو کل صبح سمدھن ہی بن کر آؤ گی۔

گلشن نے افشاں کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔اگر میرا دل چاہے گا تو رات کو پھر آ جاؤں گی۔

افشاں نے کہا۔ میرا ہاتھ چھوڑ دیجیے میں اس وقت آپ کیساتھ نہیں جاسکتی صبح انشاء جاؤں گی۔

گلشن نے اسکو گھسیٹتے ہوئے کہا۔ دروازہ تک بھی نہیں پہنچاؤ گی مہمان کو رخصت کرنے کا طریقہ سیکھو۔"

افشاں اپنا دوپٹہ سنبھالتی ہوئی باہر نکلی۔ گلشن اس کو ہاتھ پکڑے ہوئے حسن آرا کے کمرہ میں آئیں اور دروازہ بند کر دیا۔

افشاں تم تو جارہی تھیں، یہاں کیوں بیٹھ رہی ہو؟

گلشن۔ (ہنسکر) تم نے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

افشاں۔ دروازہ کیوں بند کرلیا۔

گلشن، کوئی آنہ جائے۔

افشاں۔ ایسی کونسی چوری کی باتیں ہیں۔

گلشن۔ یہاں میرے پاس بیٹھو تو بتاؤں۔

افشاں نے کمرہ میں چاروں طرف دیکھ کر کہا۔ کوئی چھپا ہوا تو نہیں ہے۔

گلشن۔ نے اس کی پیٹھ پر گھونسا مار کر کہا۔ "ہاں الماری میں فرخ بند ہے آج وہ تم سے دو دو باتیں کرنی چاہتا ہے۔

افشاں نے گھبرا کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ دیکھئے آپا گلشن میں ابھی دادی اماں کے کمرہ کا دروازہ دھڑ دھڑاتی ہیں۔

گلشن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا۔ بڑی بیچاری ننھی بنتی ہے فرخ بھی کوئی سلولائڈ کا گڈا ہے کہ الماری میں بند ہو جائے گا۔

افشاں نے کچھ بیزاری کے لہجہ میں کہا۔ اچھا میرا ہاتھ تو چھوڑو میں دادی اماں کے پاس جاتی ہوں۔

گلشن نے ہنسکر کہا۔ وہاں ابھی تمہاری رسائی نہیں ہو سکتی گول میز کانفرنس بیٹھی

ہے۔''

افشاں نے تعجب سے پوچھا۔کیسی کانفرنس؟''

گلشن نے کہا۔تیرے ہی متعلق کچھ میٹنگ ہو رہی ہے۔''

افشاں نے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔سچ بتایئے آپا گلشن کیا قصہ ہے میرا دل گھبرانے لگا۔

گلشن نے مسکرا کر کہا۔''گھبرانے کی کیا بات ہے تیرے حق میں ووٹ زیادہ ہیں ابھی ہمارے جیتنے کا اعلان ہو جائے گا۔''

افشاں۔آپ کیا کہہ رہی ہیں میری سمجھ میں نہیں آیا۔

گلشن۔میں سمجھائے دیتی ہوں ابھی دو گھنٹے کے بعد نانا ابا تمہیں انگوٹھی پہنائیں گے۔

افشاں۔کیوں۔

گلشن۔فرخ سے تیری باقاعدہ منگنی ہو رہی ہے۔مگر پہلے تیری رائے معلوم کرنی ہے۔نانا ابا نے یہ اہم کام میرے سپرد کیا ہے۔بتاؤ تمہاری کیا مرضی ہے۔؟

افشاں کے اوپر گھڑوں پانی پڑ گیا شرم کی وجہ سے اس کا منہ لال ہو گیا وہ گردن جھکا کر خاموش بیٹھ گئی۔کچھ دیر گلشن بھی چپکی بیٹھی رہیں آخر وہ بھی لڑکی تھیں یہ بات منہ سے نکال کر خود چور بن گئی تھیں۔کئی منٹ اسی طرح گذر گئے۔گلشن کو اپنی ماں کا خیال آ رہا تھا وہ انتظار کر رہی تھیں۔افشاں پتھر کی طرح ساکت بیٹھی تھی۔گلشن نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر محبت آمیز لہجہ میں کہا۔بولو۔افشاں میں امی جان کو کیا جواب دوں؟

افشاں نے گلشن کی طرف مجبور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔میں کیا بتاؤں''

گلشن۔جو تمہاری رائے ہو مجھے بتا دو۔

افشاں میرے رائے وائے کچھ نہیں ہے۔دادی اماں خود کیوں نہیں طے کرتیں؟

گلشن ۔دادی اماں دادا ابا پہلے ہی طے کر دیتے مگر چھوٹے ماموں جان خلاف ہیں ۔اسوجہ سے بذاقت خود تمہاری مرضی کی ضرورت پیش آئی ہے۔

افشاں کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔اس کو گمان بھی نہیں تھا کہاس کے اوپر کبھی یہ وقت بھی آئے گا وہ حیران تھی کہ کیا جواب دے۔گلشن کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے وہ خود سمجھ رہی تھیں کہ یہ اسوقت بہت پریشان ہے۔انہوں نے اسکے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔"تم روتی کیوں ہو مجھے صرف اتنا بتادو کہ اپنی دادی اماں اور دادا ابا کی خوشی منظور ہے یا اپنے ابا میاں کی۔؟

افشاں نے گلشن کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔یہی سوال تو بڑا ٹیڑھا ہے۔"

گلشن نے مذاقیہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔"خدا کی شان تم بھی ٹیڑھا سیدھا سمجھتی ہو۔"

اے یہ کیوں نہیں کہہ دیتیں جو دادا ابا اور دادی اماں کی مرضی ہو کریں۔"

افشاں نے معصومانہ انداز میں کہا۔"اچھا تو پھر یہی کہہ دو۔"

گلشن ۔تم کیسی بیوقوف ہو۔میں نے تو ایک بات کہی ہے اگر تم اپنی زبان سے کہو گی تو میں کرامی جان سے کہہ دوں گی۔

افشاں ۔(بیزاری سے) بھئی میں کچھ نہیں جانتی جو آپ کی سمجھ میں آئے کہہ دیجئے۔

گلشن ۔(ہنسکر)لو یہ اور سنو بڑے بڑوں کی تو سمجھ میں آ نہیں رہا تمہارا رائے کی ضرورت ہے میں کہاں کی بقراط سقراط ہوں کہ اپنی طرف سے کہہ دوں۔کیا کہنے ہیں تمہارے۔

افشاں آپ نے مجھے ایک مصیبت میں ڈال دیا۔

گلشن ۔مصیبت کی کیا بات ہے میں امی جان سے کہہ دیتی ہوں افشاں کی مرضی نہیں ہے۔افشاں نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔"اے آپ گلشن میں نے کب

یہ کہا۔"

گلشن۔ (ہنسکر) بس تو ٹھیک ہے میں کہہ دیتی ہوں افشاں راضی ہے۔"

افشاں اب آپ سب کے سامنے مجھے بدنام کریں گی کہ اس کی مرضی ہے۔

گلشن۔ (جل کر) میں لاب دو تین گھونسے تیری پیٹھ پر رسید کروں گی۔ نہ یوں چین ہے نہ یوں آخر چاہتی کیا ہے۔ نانا ابا خود آ کر پوچھیں؟

افشاں۔ کہیں ایسا غضب نہ کیجئے گا بس آپ یہی کہہ دیجئے۔ جو دادی اماں کا دل چاہے۔

گلشن۔ (ہنسکر) وہ تو میں پہلے ہی جانتی تھی دادی اماں کا دل کیسا۔ اپنا دل کہو۔ فرخ کا پھندا کوئی کچھ سوت کا تھوڑی ہے۔

افشاں خاموش گردن جھکائے بیٹھی تھی کہنے کو تو اس نے کہہ دیا مگر اب سوچ میں پڑ گئی تھی اس کو اپنے باپ کا خیال آ رہا تھا وہ کیا کہیں گے؟ نہ معلوم کس قدر غصہ کریں گے گلشن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ گدھی کہیں کی اب اپنا تماشہ بنوانا چاہتی ہے۔ منہ دھو کر زہت کے کمرہ میں جا۔"

سید صاحب کو روشن آرا کا انتظار تھا۔ عالم آرا بیگم بہت متفکر اپنے پلنگ پر تسبیح ہاتھ میں لئے بیٹھی تھیں

روشن آرا نے جا کر سید صاحب کو افشاں کی طرف سے اطمینان دلایا انہوں نے اپنی جیب سے دو انگوٹھیاں نکال کر روشن آرا کو دکھاتے ہوئے پوچھا۔ ٹھیک ہیں۔"

روشن آرا نے کہا۔ جی ہاں بہت اچھی ہیں۔"

عالم آرا بیگم نے روشن آرا سے کہا۔ لڑکی کو پہلے سے میرے پاس لا کر بٹھا دینا سب کے سامنے مجرموں کی طرح اس کا ہاتھ پکڑ کر نہ لانا وہ بڑی غیرت دار ہے۔"

سید صاحب نے عابد حسن سے کہا۔ "تم ذرا حسن و محسن کو بلا لاؤ۔"

حسن آرا اٹھ کر جانے لگی سید صاحب نے ان کو روکا۔ تم کہاں چلیں تمہاری

موجودگی یہاں ضروری ہے۔"

باپ کی حکم عدولی نہیں کرسکتیں تھیں حسن آرا خاموش بیٹھ گئیں۔ روشن آرا نے افشاں کو لاکر اس کی دادی کے پلنگ پر بٹھا دیا پھر وہ اور سب کو بلانے گئیں...... سید صاحب کمرہ میں ٹہل رہے تھے اور آپ ہی آپ باتیں کرتے جارہے تھے...... یہ سب کو معلوم ہے کہ وہ بچپن سے میرے پاس رہا ہے اس کی عادتوں سے میں خوب واقف ہوں وہ بڑا اصاف قلب اور پاک طینت ہے وہ دنیا کر مکروہات سے ابھی تک ناآشنا ہے۔ اس کو زمانہ کی کوئی بری ہوا نہیں لگی۔ اس میں کسی قسم کا عیب نہیں ہے۔ وہ بڑا نرم دل اور ہمدرد ہے وہ پاہج اور بیمار کی خدمت اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اس میں دوسروں ں کی مدد کرنے کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے وہ غیروں کی مصیبت میں اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ مجھے خوب یاد ہے جب بہاری لال حلوائی کی دوکان میں آگ لگی تھی وہ بھڑکتے ہوئے شولوں میں سے اس کے لڑکے کو نکال کر لایا تھا اس کے اپنے دونوں ہاتھ جل گئے تھے۔ رائے صاحب کی اپاہج بہن کو وہ گود میں اٹھائے اٹھائے پھرتا ہے۔ رحیم اللہ کی بیماری میں سب نے اسکو ہاتھ لگانے سے انکار کردیا کتھا مگر فرخ ہی کا دم تھا کہ اس کی تیمارداری ہوسکی...... ہاں اس سے کسی کو انکار نہیں کہ وہ مزج کا تیز ہے۔ منہ پھٹ ہے۔ زود رنج ہے۔ کوتاہ اندیش ہے مگر جس شخص میں اتنی خوبیاں ہوں اس کی چند برائیاں نظر انداز کی جاسکتی ہیں......

عالم آرا بیگم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ تم یہ کیا مجذوب کی سی بڑ ہانک رہے ہو۔؟"

سید صاحب ان کی بات کا جواب دیئے بغیر بولتے رہے...... وہ کسی آئی سی ایس سے برا نہیں رہے گا۔ انشاء اللہ دونوں کی زندگی کامیاب گزرے گی ہم نے خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ آگے چل کر لوگ بہت سبز باغ دکھائیں گے اور اپنی طرف مائل کرنے کی انتہائی کوشش کریں گے مگر اپنی رائے پر ثابت قدم رہنا چاہیے......

ہماری زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں۔ محسن کی طرف سے مخالفت کا اندیشہ ہے ممکن ہے کچھ سختیاں بھی جھیلنی پڑیں مگر یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ہماری بات ہیٹی نہ ہو۔ شریفوں کی لڑکیاں ہی اپنے بزرگوں کی لاج رکھتی ہیں کیسا بھی جبر و تشدد کیوں نہ ہو قدم نہ ڈگمگانے پائے۔"

سید صاحب اور کچھ کہنا چاہتے تھے مگر عابد حسن احسن و محسن کو لے کر آ گئے۔ روشن آرا کے ساتھ چچی جان و نصیرہ بیگم وغیرہ بھی آ گئیں...... چچی جان نے کہا۔ اے میاں سید کیا بات ہے کیوں سب کو جمع کیا ہے۔"

سید صاحب نے کہا۔ چچی جان آپ کو یاد ہو گا جس وقت یہ میں محسن بچی کو لے کر آئے تھے اور آپ سب اس کو دیکھنے آئے تھے تو میں نے آپ سے کیا کہا تھا۔؟"

چچی جان نے مسکرا کر کہا۔ خوب یاد ہے خوب یاد ہے۔"

سید صاحب نے اپنی بہن اشرف بیگم سے پوچھا تمہیں بھی یاد ہے۔"

اشرف بیگم بولیں۔ "ہاں بھائی دل پر نقش ہے آپ نیکہا تھا۔ اس بچی کو خدا نے میرے فرخ کے لئے منتخب کیا ہے۔"

سید صاحب نے اٹھ کر افشاں کی انگلی میں انگوٹھی پہناتے ہوئے کہا۔ خدا کی شان دیکھو آج ساڑھے سترہ برس کے بعد میرے اس خواب کی تعبیر ظہور میں آ رہی ہے۔
"

چچی جان اور اشرف بیگم نے عالم آرا بیگم سے کہا۔ "مبارک ہو خدا تم دونوں میاں بیوی کو بچی کے فرض سے سبکدوش کرے۔"

محسن اور حسن آرا کو بھی ان دونوں نے مبارک باد دی۔ اور سب بالکل خاموش تھے سید صاحب نے عابد حسن سے کہا۔ "ذرا فرخ کو بلا لاؤ"

روشن آرا نے افشاں کو دوسرے کمری میں پہنچا دیا۔ سید صاحب نے فرخ کو بیچ میں بٹھایا عالم آرا بیگم سے انگوٹھی لے کر اپنے بڑے بیٹے احسن ممتاز کو دیتے ہوئے

کہا۔یہ فرخ کو پہنادو۔احسن ممتاز نے کہا۔''اباجان آپ خود پہنائیے۔

سید صاحب نے کہا۔''میری یہی خوشی ہے کہ تم پہناؤ''

احسن ممتاز نے اٹھ کر فرخ کو انگوٹھی پہنائی......محسن نے غصہ کے لہجہ میں کہا بجائے اس رسم کو نکاح ہو جانا چاہیے تھا۔''

سید صاحب نے کہا۔اگر زندہ رہا تو آئندہ دسمبر میں نکاح بھی کردونگا ورنہ جو داغ بیل آج میں نے ڈالی ہے اس عمارت کی تکمیل تمہارے ذمہ ہے۔''

محسن بغیر کچھ جواب دیئے باہر چلے گئے......سید صاحب بھی فرخ کو ساتھ لیکر اٹھ گئے......احسن ممتاز اور عابد حسن خاموش بیٹھے رہے۔

زرتاج بیگم نے روشن آرا سے شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔''باجی جان یہ تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ لوگوں نے دس منٹ پہلے بھی ہمیں اطلاع نہیں کی۔

روشن آرا نے جواب دیا۔''مجھے خود خبر نہیں تھی ابھی تھوڑی دیر پہلے اباجان نے بلایا تھا۔''

محسن غصہ میں بھرے ہوئے پھر واپس آئے اور عالم آرا بیگم سے کہا۔لائیے وہ انگوٹھی مجھے دیجیے جو افشاں کو پہنائی گئی ہے۔''

''تم اس انگوٹھی کا کیا کرو گے۔''؟

محسن نے کہا۔''وہ اباجان کو واپس کی جائے گی۔''

عالم آرا بیگم نے کہا۔میری زندگی میں یہ نہیں ہو سکتا۔''

محسن نے عابد حسن اور حسن ممتاز سے کہا۔آپ نے یہ اندھیر بھی کہیں دیکھا ہے میں گھر میں موجود اور مجھے خبر نہیں کی لڑکی کو زبردستی انگوٹھی پہنا دی۔''

عابد حسن۔میاں تم سامنے تو کھڑے تھے انگوٹھی پہناتے وقت کیوں نہ بولے۔''

محسن۔اب ایسا نالائق بھی نہیں ہوں۔''

احسن ممتاز۔اور انگوٹھی واپس کرتے وقت بہت سعادتمندی کا ثبوت دو گے۔''

محسن۔ میں خوب جانتا ہوں یہ سب کچھ میری ضد میں ہوا ہے۔

عابد حسن۔ اس میں شک نہیں اگر تم مخالفت نہ کرتے تو کبھی ایسا نہ ہوتا۔

محسن۔ لیکن میں کبھی اپنی توہین گوارا نہیں کر سکتا۔

احسن۔ بھئی توہین کیسی؟ تم بھی عجیب قسم کی باتیں کرتے ہو۔ ابا جان کو اور میرا یا تمہارا کوئی مقابلہ نہیں ہے ان کی خوشی پر خاموش ہو جانا چاہیے۔

محسن۔ کیسے خاموش ہو جاؤں افشاں کسی کی زرخرید لونڈی نہیں ہے وہ بھی میری لڑکی ہے۔

عالم آرا بیگم۔ افشاں کیوں لونڈی ہونے لگی وہ تو حسن آرا تمہاری لونڈی تھی جس نے دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات۔ تین مہینے کے کیڑے کو پالنا آسان کام نہیں تھا۔ میں یہ اسی کا دم ہے جو اس وقت تم افشاں کے وارث بنے کھڑے ہو۔

محسن دیکھئے اماں آپ نے پھر وہی اس دن کی سی باتیں شروع کیں۔ میں اسی قسم کے طعنے نہیں بن سکتا۔ کاش اس لڑکی کو وہیں واپس کر دیا ہوتا۔

عالم آرا بیگم۔ بس محسن اب تم خاموش ہو جاؤ۔ شروع سے تم نے مجھے جل کر خاک کیا اور اب چار دن سے تو میں آگ کی طرح پگلی جا رہی ہوں۔ باوا ہیں وہ الگ تاؤ پیچ کھا رہے ہیں انہوں نے بھی تمہاری تمام باتیں سنی تھیں۔

محسن۔ باوجود میری باتیں سننے کیا انہوں نے اسوقت لڑکی کو انگوٹھی پہنا دی۔

عالم آرا بیگم۔ آخر تو تمہارے باپ ہیں وہ کیا تمہاری باتوں سے ڈر جاتے۔

محسن۔ خیر دیکھا جائے گا۔

عالم آرا بیگم۔ تمہاری بدولت بہت کچھ دیکھ لیا اب جو زندہ رہے گا وہ دیکھیگا مگر یہ یاد رکھنا میرے بعد اگر کسی نے حسن آرا کی دلشکنی کی تو خدا کے ہاں اس کی دامنگیر ہوں گی۔ جتنے یہاں بیٹھے ہیں سب گواہ رہنا۔"

روشن آرا۔ اماں آپ ایسی مایوسی کی باتیں کیوں کرتی ہیں چھوڑیئے اس قصہ کو جو

جس کی قسمت میں ہوگا ہو جائے گا۔ آپ اپنا دل نہ بگاڑیئے۔

عالم آرا بیگم۔ بیٹی دل کیا بگاڑوں گی دنیا کا رنگ دیکھ رہی ہوں۔ یہ وہی تو ہیں جنہوں نے تین مہینے کی جان کو یہاں پٹخ کر چار برس تک کروٹ نہیں لی تھی اس کے بعد جب کہا یہی کہا مجھے اس لڑکی سے کچھ مطلب نہیں آپ ہی کی ہے۔"

محسن۔ مگر اس کے یہ معنی تو نہیں تھے کہ جس بات کے میں خلاف ہوں وہ قصداً میری ضد پر کی جائے اولاد تو میری ہی ہے۔

روشن آرا۔ محسن تم میری زبان نہ کھلواؤ تمہارے منہ سے بار بار اولاد کا لفظ اچھا نہیں لگتا ماشاء اللہ ہزاروں کما رہے ہو تمہاری لڑکیاں سونے میں پیلی اور موتیوں میں سفید ہیں کبھی تم نے ایک پیسہ یا ایک چھلا افشاں کے نام کا بھیجا؟ اسوقت بڑی مامتا اچھل رہی ہے۔

ہم تو جب جانتے کہ جو چیز گوہر و جواہر کے لئے بنتی وہی افشاں کے واسطے بھیجتے۔

زرتاج بیگم ابھی تک خاموش بیٹھی سب کی گفتگو سن رہی تھیں مگر روشن آرا کی بات کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "یہ آپ کا کہنا صحیح ہے بے شک افشاں کی حق تلفی ہوئی مگر ہم نے تو شروع سے یہی سنا تھا کہ وہ اماں جان کی بیٹی بنی ہوئی ہے۔ اسے محسن کی مدد کی ضرورت نہیں۔

روشن آرا۔ بس دلہن تم نے اب خود ہی تصفیہ کر دیا نہ افشاں کو محسن کی مدد کی ضرورت نہ محسن کو اسکی وراثت سے مطلب۔ حقیقت میں وہ اماں کی بیٹی ہے۔

زرتاج بیگم۔ مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے واقعی محسن غلطی پر ہیں ہاں اس بات کا مجھے بھی رنج ہے کہ بچی کو مجرموں کیطرح بٹھا دیا گیا تھا اگر ایک گھنٹہ پہلے بھی مجھے خبر کر دی جاتی تو اس کو دلہن بنا کر بٹھاتی سب لڑکیاں شریک ہوتیں باقاعدہ انگوٹھی پہنائی جاتی۔

عابد حسن نے مسکرا کر روشن آرا سے کہا۔ "دیکھو قابلیت کے معنی یہ ہیں دو جملوں

میں زرتاج بیگم نے الجھے ہوئے معاملہ کو سلجھا دیا۔"

زرتاج بیگم نے اپنی تعریف سن کر فاتحانہ انداز سے کہا۔ بھائی صاحب ان لوگوں کی گفتگو سے مجھے سخت کوفت ہو رہی تھی کم از کم پڑھے لکھے خاندانوں میں تو اس قسم کی باتیں نہ ہونی چاہییں۔

عابد حسن۔ بیشک تمہارا خیال ٹھیک ہے یہاں تو اس وقت یہ معلوم ہو رہا تھا گویا دھنے جولاہوں کے ہاں پنچایت بیٹھی ہے۔

زرتاج بیگم۔ (مسکرا کر) خیر میں تو اپنی زبان سے اس قسم کے کلمات نہیں نکال سکتی۔ مگر آپ نے مثال خوب دی۔"

عابد حسن نے کھڑے ہوتے ہوئے محسن سے کہا۔ بھئی اس وقت ذرا میرے ساتھ چلو ابھی بہت سے کام پڑے ہیں ماموں جان کا حکم ہے صبح ٹھیک دس بجے نکاح ہو جائے۔"

محسن۔ آپ بھائی جان کو لے جایئے مجھے کچھ کام ہے۔

عابد حسن۔ (ہنسکر) وہ دلہن کے باپ ہیں میرے ہاں کیوں جائیں گے تمکو چلنا پڑیگا۔"

محسن۔ میں صبح کو گاڑی سے جا رہا ہوں سامان وغیرہ درست کرانا ہے۔

عابد حسن نے ان کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے جاتے ہوئے کہا۔ "اچھا تم باہر تو چلو مجھے تم سے ایک ضروری کام ہے...... احسن ممتاز بھی خاموش گردن جھکائے اٹھ گئے۔

زرتاج بیگم بھی چلی گئیں عالم آرا بیگم رضائی اوڑھ کر پلنگ پر لیٹ گئیں۔

روشن آرا نے پوچھا۔ "اماں آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ میرا تو جی پریشان ہو رہا ہے۔"

عالم آرا بیگم۔ نہیں پریشانی کی کوئی بات نہیں میں ٹھیک ہوں۔

حسن آرا۔ کل رات سے پسلی میں درد ہے اسوقت سردی بھی لگ رہی ہے جب

سے بیوی کی نیاز کا کونڈا اچھا ہے طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ہے۔

روشن آرا۔ اماں آپ بھی تو حد کرتی ہیں جب آپ کی پسلی میں درد تھا تو چاول کھانیکی کیا ضرورت تھی۔

چچی جان۔ اے بی نیاز کی چیز نقصان نہیں کرتی۔ اللہ کے آگے توبہ کرو۔

اشرف بیگم۔ یہ بات تو نہیں ہے طبیعت کی خرابی میں ہر چیز نقصان کرتی ہے۔ ٹھنڈا زردہ ٹھنڈی ملائی نہیں کھانی چاہیے تھی۔''

عالم آرا بیگم۔ حسن آرا کو تو وہم ہے صبح میری طبیعت بالکل ٹھیک تھی میں کوئی بچہ ہوں کہ بد پرہیزی کرتی۔ اسوقت کی باتوں سے بیشک میرے کلیجہ میں کپکپی سی لگ گئی ہے۔ سوتے وقت جوشاندہ پی لوں گی۔

روشن آرا۔ دیکھو حسن آرا اماں کو سردی میں نہ نکلنے دینا۔ ایک پیالی اوٹین یا کافی بنا کر پلا دو۔ میں تو مجبوراً اس وقت جارہی ہوں دل یہیں پڑا رہے گا۔

اشرف بیگم۔ تم جاؤ میں یہیں بھابی جان کے پاس رہوں گی۔

عالم آرا بیگم۔ نہیں بی تم دونوں جاؤ بغیر تمہارے کام کیسے ہوگا...... اور دیکھو صبح آٹھ بجے برات آجائے میں چاہتی ہوں ظہر کی نماز سے پہلے دلہن کو وداع کر کے لے جاؤ۔

روشن آرا۔ ہاں اماں کوشش تو یہی کروں گی۔ مگر جاڑے کی بوند ساون ہوتا ہے بستر سے اٹھتے ہی آٹھ بج جاتے ہیں۔

چچی جان۔ اے بی پہلے زمانہ میں برات کی رات سوتا ہی کون تھا۔ جاڑا ہو یا گرمی صبح پانچ بجے تاروں کی چھاؤں برات دلہن کے دروازہ پر پہنچ جاتی تھی۔

اشرف بیگم۔ آج کل نہ پہلے کی سی تندرستیاں ہیں نہ دل میں امنگ اور حوصلے ہیں فرض ادا کیے جاتے ہیں۔

روشن آرا اور اشرف بیگم کھڑی ہوگئیں چچی جان کو بھی اپنے ساتھ لے جانے پر

اصرار کیا مگر انہوں نے سردی کا عذر کر دیا۔ حسن آرا اپنی بہن کے پیچھے باہر آئیں ان کو محسن کی طرف سے یہ فکر تھی کہ وہ غصہ میں چلے نہ جائیں۔ اشرف بیگم اور روشن آرا نے ان کو اطمینان دلایا کہ گھبراؤ نہیں ان کو کوئی جانے نہیں دے گا۔

باہر مردانہ میں لڑکوں کو تقریباً ساری رات جاگتے گزری نکاح کے واسطے لان پر بہت بڑا شامیانہ لگایا تھا۔ اس کو پھول پتیوں سے آراستہ کیا جا رہا تھا۔ نکاح میں تقسیم ہونے کی مٹھائی اسی وقت ایک کمرہ میں رکھی جا رہی تھی۔ عابد حسن نے حلوائیوں کے یہیں بھیج دیا تھا ان کی طرف کے آدمی سفید چینی کی رکابیوں میں قلاقند جما کر چاندی کے ورق اور پستے لگا رہے تھے فرخ اور حسمد گن گن کر رکابیاں کمرہ میں رکھ رہے تھے...... دوسرے کمرہ میں دلہن والوں کی طرف کی بن ڈھینے کی طشتریاں محمود۔ شہریار رکھوا رہے تھے بارہ بجے کے قریب شاہد بھی آئے۔ فرخ نے ان کو دیکھتے ہی کہا۔" ارے دولہا آپ کیوں آ گئے۔

آپ کے آنے میں تو ابھی آٹھ گھنٹے باقی ہیں کیا گھڑی تیز کر لی تھیں؟"

شاہد۔ اچھا مہربانی کر کے شور نہ مچاؤ میں تو تمہیں مبارکباد دینے آیا ہوں مٹھائی تو کھلواؤ۔

فرخ۔ مٹھائی کیا کمی ہے کمرہ بھرا پڑا ہے پیٹ بھر کے کھا لیجئے۔

شاہد۔ یہ مٹھائی مجھے نہیں چاہیے میں تو تمہاری منگنی کی مٹھائی مانگنے آیا ہوں۔

فرخ۔ کل آپ کی شادی ہے خدانخواستہ طبیعت خراب نہ ہو جائے ورنہ وہ بھی کھلا دیتا سامنے ہی نیم کا درخت ہے۔

شاہد۔ نیم کے درخت سے کیا مطلب؟

فرخ۔ اس کی پتیاں آپ کے واسطے توڑ لاتا۔

شاہد۔ تمام زمانہ میں منہ میٹھا کیا جاتا ہے تم میرا منہ کڑوا کرنے لگے۔

فرخ۔ موقع ہی ایسا ہے۔

شاہد۔ تم تو گدھے ہو۔

فرخ۔ جو کچھ آپ سمجھیں۔

شاہد۔ (فرخ کا ہاتھ پکڑ کر) ذرا انگوٹھی تو دکھاؤ کیسی ہے۔

فرخ۔ لیجئے دیکھئے۔ انگوٹھی تو بہت اچھی ہے مگر زہر میں بجھی ہوئی ہے۔

شاہد۔ میں دیکھتا ہوں تم بھی بڑے زہریلے ہو۔

فرخ۔ شاہد اس انگوٹھی کا زہر میرے جسم میں سرایت کر گیا ہے۔

حامد۔ کیا ہیرے کی ہے۔

فرخ۔ نہیں بھی۔ ہیرا ہوتا تو مجھے اب تک ختم کر چکا ہوتا۔ یہ نیلم ہے۔ اس کی گردش سے خدا بچائے۔

شاہد۔ یہ بیوقوفی کی بکواس بند کرو مجھے یہ بتاؤ انگوٹھی پہن کر خوش بھی ہوئے یا نہیں۔

فرخ۔ آپ جانتے ہیں بچپن سے سپاہی آدمی ہوں مجھے زیور کا شوق نہیں۔

شاہد۔ دیکھو سیدھی طرح بتادو ورنہ ابھی کان پکڑ کر پوچھوں گا۔

فرخ۔ (ہنسکر) ایک مرتبہ کہہ تو دیا مجھے انگوٹھی چھلے سے دل چسپی نہیں۔

شاہد۔ کیا جبراً انگوٹھی پہنائی گئی ہے۔

فرخ۔ بڑی جلدی آپ کو خیال آیا۔

شاہد۔ کیا معنی؟

فرخ۔ معنی یہ کہ انگوٹھی پہنے بھی چار پانچ گھنٹے گزر گئے اب آپ بجر و تشدد پوچھنے چلے ہیں۔''

شاہد۔ اگر پہلے سے خبر ہوتی تو میں تمہاری مرضی معلوم کر لیتا۔

فرخ۔ میں کوئی معمولی آدمی ہوں کہ آپ جیسے ناتجربہ کار لڑکے اس کام پر تعنیات کئے جائے۔

شاہد۔کیا تمہاری طرف سے کچھ خطرہ تھا؟

فرخ۔خطرہ تو نہیں تھا مگر گواہی کے لئے ذرا ذمہ دار اور ثقہ لوگوں کی ضرورت ہے۔

شاہد۔گواہی کیسی۔

فرخ۔اس وقت موقع نہیں ہین پھر بتاؤں گا۔

شاہد۔اچھا خیر یہ بتاؤ تم سے کس نے پوچھا تھا؟

فرخ۔نانا ابا نے بذات خود مرزا صاحب اور رائے صاحب کی موجودگی میں پوچھا تاھ۔

شاہد۔(ہنسکر) بہت ٹھیک۔پھر تم نے کیا جواب دیا۔

حامد۔جواب تو فرخ بھائی کی انگلی میں موجود ہے۔

فرخ۔واہ شاہد بھائک آپ کے چھوٹے آپ سے زیادہ ہوشیار ہیں۔

شاہد۔(مسکرا کر) یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔مگر تم نے نانا ابا وغیرہ کے سامنے اپنی رضامندی کن الفاظ میں ظاہر کی؟

فرخ۔جو الفاظ رضامندی کے لغت میں ہیں۔

شاہد۔مثلا جو آپ کو خوشی ہوی میری خوشی۔یا آپ کے حکم کی تعمل کرنے کو تیار ہو۔

یا مجھے بخوشی منظور ہے۔یا میں نے قبول کیا۔

فرخ۔(قہقہہ لگا کر) یہ تو صبح آپ قاضی صاحب کے آگے کہیں گے۔

شاہد۔(فرخ کے ایک تھپڑ مار کر) سیدھ طرح بتاتے ہو یا ایک اور رسید کروں۔

فرخ۔(اپنا کلمہ سہلاتے ہوئے) بھئی حامد ذرا ایک طشتری شاہد بھائی کے لئے قلاقند کی کھرچن لاؤ۔ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلاؤ انہیں تاؤ آرہا ہے۔

شاہد۔ہمارے سامنے کے لڑکے ہو کر ہمیں بتاتے ہو۔

فرخ۔قسم خدا کی شاہد بھائی بڑی مزے دار کھرچن ہے ایک کڑھاؤ میں حلوایوں نے تاؤ زیادہ دے دیا۔

شاہد۔تم حرفوں کے بنے ہوئے ہو اس وقت ٹالنے کی باتیں کر رہے ہو۔

فرخ۔نہیں ایمان سے آپ کھائیں گے تو خوش ہو جائیں گے۔

فرخ نے دوسرے کمرہ کا دروازہ کھول کر کہا۔"محمود بھائی ذرا ایک طشتری بن دھنیے کی شاہد بھائی کے لئے دینا۔"

محمود طشتری لے کر خود آئے شاہد مٹھائی کھا رہے تھے محمود نے مسکرا کر کہا۔

"آپ بھی موجود ہیں۔"

شاہد۔(جھینپ کر) فرخ کو مبارک باد دینے آیا تھا۔انہوں نے اپنی منگنی کی مٹھائی پیش کر دی۔

محمود نے فرخ سے کہا۔بھئی ہم نے کیا قصور کیا تھا؟

فرخ نے شاہد کے ہاتھ سے طشتری لے کر محمود کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

لیجئے حلوائی کی دوکان دادا جی کی فاتحہ۔"

محمود نے کہا۔"ارے یار یہ تو جلی ہوئی ہے۔"

فرخ نے کہا۔منگنی میں آنچ تیز ہو گئی تھی داغ لگ گیا۔"

محمود۔صرف تمہاری کمزوری سے آنچ تیز ہو گئی۔

فرخ۔میں نے کون سی پھونک ماری تھی۔

محمود۔پھونک دونک کیا ہوتی ہے تمہیں چاہیے۔تھا خود چچا جان سے کہہ دیتے کہ میں افشاں سے شادی کرنی چاہتا ہوں پھر وہ مخالفت نہیں کرتے۔

فرخ۔تمہاری رائے ہو تو اب جا کر کہہ دوں۔

محمود۔ہاں ضرور معاملہ کو صاف کر لو۔لوگوں نے تمہاری طرف سے ان کو شبہ میں ڈال دیا ہے۔

فرخ۔ اچھا تو میرے ساتھ چلو اور افشاں کو بھی لیتے چلو۔

شاہد نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''کیا لڑکپن کی باتیں کر رہے ہو۔ چلو ایک بج گیا۔''

حامد نے کہا۔ ''ہاں فرخ بھائی نیند آ رہی ہے۔ صبح پانچ بجے اٹھنا ہے۔''

محمود اپنے کمرے میں چلے گئے اور یہ تینوں لڑکے کمرہ بند کر کے دوسری کوٹھی چلے گئے۔

چودھواں باب

دلہن والوں کے ہاں صبح پانچ بجے سے برات کے آنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ چچی جان کالی رضائی اوڑھے کالا قسابہ سر پر باندھے ہاتھ میں تسبیح لیے ایک ایک کو جگاتی پھر رہی تھیں۔ اے نصیرہ بیگم۔ شوکت آرا اٹھو صبح ہو گئی۔ ایسی بھی کیا نیندیں ہیں کسی کی آنکھ نہیں کھلتی اس کمرہ میں فرش بچھایا جائے گا۔ سمدھنیں نہیں بیٹھیں گی۔

نصیرہ بیگم نے لحاف کے اندر سے کہا۔ "توبہ ہے چچی جان آپ کو کچھ خبر تو ہے نہیں دس بجے سے سو جاتی ہیں۔ یہاں دو بجے رات کو کمر ٹکانے کو ملی تھی ابھی سے آپ نے جگا دیا خاصی رات پڑی ہے۔

چچی جان نے کہا۔ تمہارے ہاں رات ہو گئی۔ پو پھٹ رہی ہے۔ مرغ بانگ دے رہے ہیں تو لوگوں کو دن چڑھے سے سو کر اٹھنے کی عادت ہے۔ اے بی شوکت آرا تم تو اٹھو چھ بجنے والے ہیں ابھی گھنٹہ گھر نے ساڑھے پانچ بجے کا ادھا بجایا ہے میں نے لڑکی کو نہلانے کے واسطے نیک قدم سے پانی گرم کر دیا ہے۔"

شوکت آرا گھبرا کر اٹھ بیٹھیں۔ چچی جان اپنا اطمینان کر کے دلہن کے کمرہ میں آئیں۔ یہاں چھپر کھٹ پر دلہن کے پاس افشاں اور فرحت آڑی آڑی سو رہی تھیں اور لڑکیاں فرش پر پڑی تھیں۔ مغلانی بنیادی خانم بھی ایک کونے میں پڑی تھیں۔ چچی جان کا ٹرنگ یہیں دلہن کے چھپر کھٹ کے نیچے رکھا تا تھا۔ انہوں نے اسکو گھسیٹ کر اپنی چیزیں ٹٹولنی شروع کیں بنیادی خانم نے لحاف کے اندر سے کہا۔ سبل بل۔"

چچی جان نے ڈانٹا۔ "اے بی ہوش میں آؤ۔ بڑھاپے میں یہ نیند کا عالم ہے اب تک پڑی خراٹے لے رہی ہو۔"

بنیادی خانم نے کہا۔" [اے ہے بڑی بیگم آپ ہیں معاف کیجئے گا۔ میں نے جانا

ابٹنے کی خوشبو پر بلی بچیوں کے کپڑے نوچ رہی ہے۔ ساری رات افشاں بیگم کی ''شیریں''حیران کرتی ہے۔''

چچی جان نے اپنے ٹرنک میں سے ایک تلے دانی نکالی اور میں دو کنگھیاں تھیں۔ ایک ایک کاٹ کر ایک سینگ کی،۔ ایک کالی دھجی موباف کی تھی۔ ایک چھوٹی شیشی چنبیلی کے تیل کی نکالی۔ ایک رومال میں کپڑوں کا جوڑا الگ لپٹا رکھا تھا۔ وہ نکالا۔ کشمشی رنگ کا اونی چادر اسی رنگ کی ململی کی قمیض سفید زمین سیاہ دھاری کا سوتی مشروع پاجامہ۔ کشمشی جرابیں، سفید چمڑے کی جے پوری کام کی جوتی۔ سب چیزیں اچھی طرح دیکھ بھال کر ٹرنک میں قفل لگا کر نیچے سرکا دیا۔ مغلانی خانم بھی اٹھ بیٹھیں تھیں۔ چچی جان نے ان سے کہا۔ ذرا میری چوٹی گوندھ دو۔''

بنیادی خانم نے کہا۔ بیگم ذرا نماز پڑھ لوں۔''

چچی جان نے کہا۔ نماز میں نے خود نہیں پڑھی سردی میں گھڑی گھڑی کون منہ دھوتا پھرے پہلے چوٹی گندھوالوں تو وضو کروں۔''

لڑکیوں کی بھی آنکھ کھل گئی تھی انہوں نے ہنسنا شروع کیا چچی جان بولیں۔ ''اے لڑکیو یہ کیا دستور ہے صبح اٹھ کر نہ کلمہ نہ درود لگیں ٹھیٹی ٹھیٹی کرنے انور ظہور کا وقت ہے جانور تک خدا کی تعریف کر رہے ہیں اٹھو وضو کرو نماز پڑھو۔ چھ بج گئے برات کے آنے میں دو گھنٹے باقی ہیں اپنے اپنے کپڑے نکالو آج تم سب سمدھنیں بن کر آنا بھاری بھاری کپڑے پہننا۔''

حمیدہ نے پڑے پڑے کہا۔ سردی کے مارے تو پہلے ہی قلفی جمی جا رہی ہے۔ آپ کو بھاری بھاری کپڑوں کی پڑی ہے۔

چچی جان۔ بیٹی خدا سے ڈرو کیا سردی میں دنیا کے کام نہیں ہوتے یہ کہو اس زمانہ میں کاہلی اور آرام طلبی بہت بڑھ گئی ہے تمہاری عمر میں جانتے بھی نہ تھے سردی کیسی ہوتی ہے۔ صبح ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے تھے نہ کبھی دولائی اوڑھی نہ چادر۔

حمیدہ۔ اب تو آپ بغیر رضائی کے ایک قدم بھی نہیں چل سکتیں۔

چچی جان۔ بیٹی تم نے یہ پہیلی نہیں سنی۔ بچوں سے تو بولوں گا نہیں۔ جوان میرے بھائی بڈھوں کو چھوڑوں گا نہیں چاہے اوڑھیں رضائی۔" اب تو یہ حال ہے کہ رضائی اوڑھے پر بھی کلیجہ میں کپکپی لگی رہتی ہے۔

رشیدہ۔ بھئی اب اٹھنا چاہیے۔ خاصی روشنی ہو گئی۔

چچی جان بھی نماز پڑھنے لگی کچھ دیر وظیفہ پڑھا۔ اس کے بعد جا، نماز پر بیٹھے بیٹھے کپڑے بدلے سرمہ لگایا۔ لڑکیاں اٹھ اٹھ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔

چچی جان نے افشاں سے کہا۔" بیٹی اپنی چچی اماں سے کہہ دو دلہن کو نہلانے کے واسطے پانی منگوائیں۔

نزہت نے چپکے سے افشاں سے کہا۔ ان بڑی بی کی تو عقل ماری گئی ہے۔ اس سردی میں مجھے نہا کر مرنا تھوڑی ہے۔"

افشاں نے چچی جان سے کہا۔ ابھی تو بہت سویرا ہے ناشتہ کے بعد نہائیں گی۔

چچی جان۔ بیٹی سات تو بج گئے وہ ناشتہ کب ہو گا میرا تو کلیجہ نچا جا رہا ہے۔ اپنی پھوپھی جان سے کہہ کر میرا ناشتہ تو منگوا دو۔

افشاں۔ آج تو ناشتہ کا انتظام مردانہ میں ہے وہیں سے سب کا ناشتہ آئیگا۔

چچی جان۔ اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر۔ لو بیوی آج شامت آئی میرا تو خمیرا ابریشم بھی ختم ہو گیا اے بیٹی اگر یہاں پینڈا کا ٹکڑا ہو تو مجھے دے دو میں نہار منہ پان زردہ نہیں کھاتی جمائیاں پر جمائیں آ رہی ہیں

افشاں۔ (مسکرا کر) یہاں تو کوئی پینڈی نہیں ہے۔ چچی اماں کے پاس ہو گی۔ وہاں سے لے لیجئے۔

آٹھ بجے کے قریب عالم آرا بیگم بھی دلہن کے کمرہ میں آ کر بیٹھ گئیں آج ان کو حرارت زیادہ تھی مگر گھر والوں کی پریشانی کے خیال سے انہوں نے کسی پر ظاہر نہیں کیا

تھا۔ رضائی اوڑھ کر زبہت کے پاس چھپر کھٹ پر بیٹھ گئیں۔ چچی جان بھی مسکراتی ہوئی کمرہ میں داخل ہوئیں یہاں سب ناشتہ کر رہے تھے۔ عالم آرا بیگم نے کہا۔ چچی جان آپ کہاں چلی گئی تھیں آیئے ناشتہ تو کر لیجئے میں تو آپ کو ایک ایک سے پوچھ رہی ہوں۔''

چچی جان۔ نوش جان کرو۔ بوا میں تو محسن کے ساتھ ناشتہ کر چکی بہت کچھ کھالیا اب دو بجے تک فراغت ہوئی۔ تم اپنا حال بتاؤ۔ صبح سے دو دفعہ تمہیں دیکھنے گئی۔ مگر کمرہ بند تھا کیسا جی ہے۔''

عالم آرا بیگم۔ شکر ہے اچھی ہوں نزلہ کی تکلیف ہے۔

چچی جان۔ (افشاں سے) میں تو تمہاری امی جان اور بہنوں کے کپڑے بھی دیکھ آئی خوب بھاری تلوواں جوڑے نکالے ہیں۔ چھوٹی دلہن کی ساڑی تو ماشاء اللہ ایسی خوبصورت ہے کہ آنکھ نہیں ٹھہرتی تیر ماں کے رنگ کی ہے خبر نہیں کیا کپڑا ہے جھلا جھل کر رہی ہے کہتی ہیں ایک ہزار کی ہے۔

افشاں۔ سب نے کپڑے بدل لیے۔

چچی جان۔ ابھی تو بالوں میں موچنے لگائے پھر رہی ہیں۔

عالم آرا بیگم۔ چچی جان آپ خوب سویرے سویرے تیار ہو گئیں۔

چچی جان۔ تم جانتی ہو میں ہمیشہ صبح پانچ بجے اٹھتی ہوں اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر میں نے کپڑے بدل لیے کون تاش باولے کے ہیں جو مجھے ان کے خراب ہونے کا ڈر ہوتا اے بی تم بھی تو اپنے کپڑے بدل لو۔

عالم آرا بیگم۔ میرے تو یہی کپڑے ٹھیک ہیں۔

چچی جان۔ (ہنسکر) کیا پوتی کی شادی میں پھٹ چڑھائی ہے؟ اے ہاں میں یہ پوچھنا تو بھول ہی گئی۔ شوکت آرا بیگم کو چکٹ اتروائی کا جوڑا نہیں دونگی؟ ان کے میکہ میں اور کون بیٹھا ہے خدار کھے تم ہی ایک پھوپھی نظر آتی ہو۔ ساس بن گئیں تو

کیا ہوا پہلا رشتہ تو نہیں گیا۔

عالم آرا بیگم۔ ہاں جوڑا تو بنوایا ہے۔

چچی جان۔ کیسا ہے مجھے نہ دکھایا؟

عالم آرا بیگم۔ اس زمانہ میں جوڑا بنانا کیا مشکل ہے نہ سینے کی ضرورت نہ ٹانکنے کی ایک بنارسی ساڑی منگوالی ہے۔

چچی جان۔ اور ان کے میاں کے واسطے۔

عالم آرا بیگم۔ نقد سے دوں گی۔

چچی جان۔ (ہنس کر) وہ تمہارے ہی بیٹے ہیں دو یا نہ دو۔

حسن آرا نے کہا۔ برات آگئی۔"

چچی جان بولیں۔ اے بیٹی سی سے کہہ دو دولہا کے گھوڑے کے سموں کے آگے پانی ڈال دیں۔"

حسن آرا۔ دولہا تو پیدل آتے ہیں فاصلہ ہی کتنا ہے۔

عالم آرا بیگم نے کہا۔ اب دلہن بنانے کی جلدی کرو۔

چچی جان بولیں۔ "دلہن کی چوٹی دوبل پہلے تم اپنے ہاتھ سے ڈالنا تا کہ اسے بھی بوڑھ سہاگن کرے اور تمہارے جیسا نصیبہ ہو۔

نو بجے کے قریب سمدھنیں آنی شروع ہوئیں۔ سانچق والے دن کی طرح لڑکیاں عطر صندل اور پھولوں کے ہار لیے دروازہ پر کھڑی تھیں ڈومنیاں دستور کے مطابق گالیوں سے سمدھنوں کی تواضع کر رہی تھیں۔ آج مہمان داری زیادہ تھی۔ بچوں کے شور وغل اور ڈومنیوں کی بے سری تانوں سے گھر میں کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ مگر گھر والوں کی صورتوں سے فکر مندی ظاہر ہو رہی تھی۔ حسن آرا بالکل خاموش تھیں۔ نصیرہ بیگم بگڑی بگڑی تھیں۔ رات کے ہنگامہ کا سب کے اوپر اثر تھا۔ صرف چچی جان ایسی تھیں جو آج بھی ہشاش بشاش اور خوش نظر آرہی تھیں۔

باہر سے اطلاع آئی پردہ کرلو۔ وکیل گواہ دلہن سے پوچھنے آرہے ہیں۔ دلہن کے کمرہ میں کوئی پردہ والی بیوی نہیں تھی۔ سب گھر ہی گھر کی تھیں۔ سید صاحب خود۔ محسن ممتاز اور چچیجان کے لڑکے حکیم انور علی۔ وکیل گواہ کی حیثیت سے آئے عالم آرا بیگم خود پوتی کے پاس بیٹھی تھیں۔ سید صاحب نے ان کو نکاح کا کاغذ دے کر کہا۔ یہ لڑکی کو دو جو عبارت لکھی ہے اس کو پڑھ کر نیچے دستخط کر دیں۔

چچی جان۔ یہ تو تمہارے ہاں نئی بات ہو رہی ہے۔ سارے زمانہ میں دلہن سے پوچھا جاتا ہے۔

سید صاحب۔ چچی جان یہ طریقہ اس سے بہتر ہے۔ ایسے موقع پر لڑکی کیا بولتی ہو گی میں نے سنا ہے پاس بیٹھنے والی عورتیں ہوں ہاں کر دیتی ہیں۔

چچی جان۔ (مسکر کر) میری تو نانی نے ہاں کی تھی۔

سب لوگ ہنسنے لگے شوکت آرا اور حسن آرا ایک طرف کھڑی اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں۔ چچی جان نے جلدی سے اپنا رومال نکال کر آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔ ”اسی دن کے لیے لڑکی کی پیدائش پر غم ہوتا ہے کیسے لاڈو پیار سے ماں باپ پال پوس کر اتنا بڑا کرتے ہیں۔ مگر جہاں نکاح کے دو بول ہوئے اپنے کلیجہ کا ٹکڑا دوسرے کے قبضہ میں گیا جب ہی تو کہتے ہیں لڑکیاں ساون کی چڑیاں ہوتی ہیں۔

چچی جان کی باتوں پر شوکت آرا اور زیادہ رونے لگیں عالم آرا بیگم نے کہا۔ اے شوکت آرا خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے رونے کی کیا بات ہے۔

چچی جان نے ٹھنڈی سانس سے کہا۔ بیٹیاں اپنے پاس بٹھانے کی چیز نہیں ہیں۔ بادشاہ وزیر بھی یہاں آ کر ہارے ہیں۔

عالم آرا بیگم نے دستخط کرا کر کاغذ سید صاحب کو دیا محسن ممتاز اور حکیم انور علی نے اپنے اپنے دستخط کیے ان لوگوں کے تھوڑی دیر جانے کے بعد باہر سے شہدوں کی آواز آئی الٰہی دولہا ست پوتا ہو۔“

چچی جان نے عالم آرا بیگم سے کہا۔ لو بی مبارک ہو نکاح ہو گیا۔

دولہا کا جھوٹا شربت دولہن کے واسطے آیا۔ چچی جان نے کہا۔ ”نتھ کی گونج شربت میں ملا کر دلہن کو پہنا دو۔“

روشن آرا نے کمرہ کے دروازہ کے پاس آکر کہا۔ میں آ جاؤں۔“

چچی جان۔ آؤ بیٹی اب کیا پردہ ہے خدا رکھے نکاح ہو گیا۔ تمہاری بہو بن گئیں۔ خدا مبارک کرے عالم آرا بیگم نے بھی روشن آرا کو مبارک دیتے ہوئے کہا۔ بیٹی تم نے تو حد کر دی اب دس بجے کے بعد آئی ہو۔“

روشن آرا۔ اماں میں کیا کرتی سب بیویاں آئیں تو میں آئی۔ ساری رات آپ کی طرف خیال لگا رہا۔ صبح حامد نے جا کر جب خیریت سنائی تو جان میں جان آئی چلیے اب چل کر ہوں بیٹھیے۔

عالم آرا بیگم نے روشن آرا کا ہاتھ پکڑ کر اٹھتے ہوئے کہا۔ چلو۔

روشن آرا۔ اے ہے اماں آپ کو تو ہتھیلیاں جل رہی ہیں کیا بخار ہے؟

عالم آرا بیگم۔ ہاں کچھ حرارت سی معلوم ہوتی ہے۔

روشن آرا۔ بس تو آپ یہیں بیٹھی رہیے وہاں جانے کی ضرورت نہیں۔

عالم آرا بیگم۔ نہیں بیٹی وہیں چل کر بیٹھوں گی۔ اشرف بیگم کو میرا انتظار ہوگا۔ چچی جان آپ بھی چلیے یہ بیویاں بڑے کمرہ میں اشرف بیگم کے پاس جا کر بیٹھ گئیں۔

سمدھنوں کے واسطے ناشتہ کے خوان اور سینیاں لا کر رکھے گئے روشن آرا نے خود کھڑے ہو کر چار چار کچوریاں دو دو ملائی کے لڈو سب بیویوں کو تقسیم کرائے۔ اب آرسی مصحف کی جلدی شروع ہوئی۔ باہر سے دولہا بلایا گیا۔ ساری بہنیں سر پر آنچل ڈالنے کو دوڑیں فرخ اور حامد دولہا کے ساتھ جوان جوان لڑکے بھی چلے آئے ہیں۔

فرخ نے آہستہ سے کہا۔ دولہا کے تو ابھی دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے۔“

اشرف بیگم بولیں۔ اے بی ایک تو دولہا کا بھائی ہے دوسرا حسن آرا کا لڑکا ہے۔

فرخ ابھی بچے ہی ہیں۔

بہت سی بیویاں نے ناک بھوں چڑھا کر اپنے اپنے دوپٹوں کی آڑ کرتے ہوئے کہا بچے ہوں گے گھر والوں کے لیے دوسرں کے لیے تو نہیں ''کئی بیویوں نے کہا۔ جوان جوان نوکر تو سب کے گھروں میں آتے ہیں شریفوں کے بچوں سے پردہ ہوتا ہے۔''

گلشن نے سب سے پہلے بھائی کے سر پر آنچل ڈالا۔اس کے بعد سب بہنوں کے دوپٹے پڑے شاہد نے گھبرا کر کہا۔ ارے یہ کیا منوں کا بوجھ میرے سر پر رکھ دیا گردن ٹوٹنے لگی۔

فرخ نے آدھے دوپٹے شاہد کے سر پر سے اتار کر اپنے سر پر رکھ لیے۔گلشن نے کہا فرخ یہ کیا کرتے ہو۔

فرخ نے ذرا اونچی آواز سے کہا۔تم نہیں جانتی کسی کا بوجھ ہلکا کرنا ثواب ہے۔

حسن آرا نے فرخ سے کہا۔تم باہر جاؤ سب پردہ والی بیویاں ہیں۔''

فرخ۔کیا دولہا سے کسی کا پردہ نہیں ہے۔

چچی جان۔دولہا غریب کس کو دیکھتا ہے منہ پر سہرا پڑا ہوتا ہے۔سپ پر بہنوں کے آنجل ہوتے ہیں۔

فرخ۔سہرے کے اندر سے تو دیکھئے کیا خوب موقع ملتا ہے جسطرح عورتیں نقاب میں سے مردوں کو دیکھتی ہیں۔

حسن آرا۔یہاں اس بحث کی ضرورت نہیں تم باہر جاؤ۔

فرخ نے حامد سے کہا۔''چلو بھئی چلو شاہد بھائی کو خدا کے سپرد کرو۔

اشرف بیگم نے مسکرا کر کہا۔نہیں بیٹا تم کھڑے رہو کسی کی طرف دیکھنا نہیں۔''

فرخ۔میں تو آرسی مصحف کا تماشہ دیکھنے آیا ہوں آپ اپنے چادرے کا آنچل میرے سر پر ڈال دیجیے۔

سب بیویاں ہنسنے لگیں۔ دولہا کو مسند پر بٹھایا گیا۔ عالم آرا بیگم نے سب بہنوں کے دوپٹے ہٹوا دیے صرف چمن آرا اور گوہر جواہر کے آنچل پڑے رہے بنیادی خانم کی بیٹی دلہن کو گود میں لیکر آئیں دولہا کے مقابل مسند پر بٹھایا۔ نصیرہ بیگم دلہن کے جہیز کا قرآن شریف اور آئینہ لیکر آئیں۔ زرتاج بیگم دلہن کو لے کر بیٹھیں۔ چچی جان نے ڈومنی سے کہا اب ریت رسم شروع کرو۔"

عالم آرا بیگم۔ اور کوئی بیہودہ رسم نہیں ہوگی۔ بس دولہا سے سورہ اخلاص پڑھوا کر دلہن کا منہ دکھا دو۔

ڈومنی نے کہا۔ بیگم صاحب تو آپ نے دولہا کے ہاتھ سے دلہن کے پاجامہ میں ازار بند ڈلوایا نہ ٹونے ٹوٹکے کرنے کو کہتی ہیں مانگ تو بھروا دیجیے۔"

چچی جان اور اشرف بیگم نے کہا۔ ہاں بی مانگ ضروری بھری جائے گی۔

ڈومنی نے سل بٹہ منگویا سہاگ پڑے میں خوشبو کا مصالحہ نکال کر پہلے خود پیسا پھر دولہا سے کہا۔ میاں ذرا اپنا ہاتھ لگا دو۔"

فرخ ابھی تک خاموش کھڑے دیکھ رہے تھے۔ جلدی سے بولے۔ دلہن سے پسوا دیہ کام عورتیں کرتیں ہے

ڈومنی نے فرخ کو بلائیں لے کر کہا صدقے ہو جاؤں یہ مصالحہ میں آپ سے بھی پسواوں گی۔"

چچی جان نے فرخ سے کہا۔ بیٹے تم چپکے کھڑے رہو۔"

ڈومنی نے دولہا کے ہاتھ سے دلہن کی مانگ میں تھوڑا مصالحہ لگوایا۔ پھر ایک سرخ دوپٹہ دولہا دلہن کے اوپر ڈالا گیا بیچ میں رحل پر قرآن شریف کھول کر رکھا۔ ڈومنی نے کہا میں سورہ اخلاص پڑھ کر دلہن کے اوپر پھونکو۔"

فرخ نے کہا۔ یہ بھی معلوم ہے سورہ اخلاص کس کو کہتے ہیں۔

ڈومنی نے جواب دیا۔ میاں میں تمہاری چٹ پٹی باتوں کے قربان ہو جاؤں مجھ

جاہل کو کیا خبر اتنا ضرور جانتی ہوں کوئی محبت و اخلاص کی صورت ہوگی جو اس وقت پڑھوائی جاتی ہے۔"

فرخ نے عالم آرا بیگم سے کہا۔"نانی اماں آپ منع نہیں کرتیں قرآن شریف کی بے ادبی ہو رہی ہے۔سورہ اخلاص دولہا میں کو حفظ ہو گی۔نہیں تو میں بتا دوں گا۔"

چچی جان۔اے بی عالم آرا بیگم لڑکے کو روکتیں نہیں ہر بات میں دخل دیئے جاتا ہے۔"

حسن آرا۔میں اسی وجہ سے ان کے یہاں کھڑے ہونے کے خلاف تھی پھوپھی جان نے روک لیا۔

ایک بیوی نے دوپٹہ کی آڑ میں سے کہا۔"لڑکے کی یہ بات بالکل ٹھیک ہے اس رسم میں قرآن شریف کی بڑی بے ادبی ہوتی ہے۔"

نصیرہ بیگم نے قرآن شریف اٹھالیا۔اس کی جگہ آئینہ رکھا ڈومنی نے دولہا سے کہا۔میاں اس میں دلہن کی شکل دیکھو اور کہو بیوی میں تمہار غلام ہوں آنکھیں کھولو۔"

فرخ بولے۔پہلے قیمت تو بتا دو میں ان کے ابا سے پوچھ آؤں۔کتنے داموں تک وہ اپنے لڑکے کو فروخت کریں گے۔

شاہد نے دوپٹہ کے اندر سے کہا۔فرخ کیا رائے ہے۔کہوں یا نہیں؟"

فرخ نے کہا۔نہیں صاحب یہ بھی کوئی بات ہے۔اس زمانہ میں لوگ آزادی کے دلدادہ ہیں۔"

ڈومنی نے کہا۔"جب تک دولہا میاں اپنی زبان سے غلام نہیں کہہ لیں گے۔یہاں سے اٹھنے نہیں پائیں گے۔

چچی جان۔سب دولہا کہتے ہیں۔ان کو بھی کہنا پڑے گا کسی کی بیٹی لینا آسان نہیں ہے۔

اشرف بیگم۔ بیٹا کہہ دو۔

شاہد نے کہا۔ تمہارے باپ دادا کا غلام ہوں۔"

فرخ۔ خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

زرتاج بیگم۔ (ہنسکر) بھئی اپنے ماموں اور نانا کے غلام بن گئے تو دلہن بیچاری پر کیا احسان کیا۔

روشن آرا۔ توبہ ہے شاہد تم نے ایک گھنٹہ اسی میں لگا دیا کہہ کیوں نہیں دیتے۔

فرخ نے کہا۔ مہربانی کر کے پردہ والی بیویاں پردہ کر لیں۔ میرا اب یہاں کام نہیں دولہا کی اماں خود اپنے بیٹے کو غلام بنوا رہی ہیں۔"

آرسی مصحف کا تماشہ دیکھنے کے لیے لڑکے لڑکیاں عورتیں سب ایک دیوار سی بنائے کھڑے تھے فرخ سب کو ہٹاتے ہوئے کمرہ سے باہر نکل گئے چبوترہ پر دلہن کے کمرہ کا ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ فرخ نے وہاں جا کر جھانکا۔ افشاں خاموش بیٹھی تھی فرخ نے کہا۔ ارے کیپٹن تم یہاں کیا کر رہی ہو۔

افشاں گھبرا کر فرخ کی طرف دیکھنے لگی۔ فرخ نے اپنی انگلی مٹکا کر انگوٹھی افشاں کو دکھاتے ہوئے کہا۔ یہ تقدیر کا چکر بھی تم نے دیکھا۔"

افشاں کے چہرہ پر کچھ مسکراہٹ آ گئی فرخ نے کہا۔" اپنی والی انگوٹھی تو دکھاؤ۔

افشاں نے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔ ابھی کوئی دیکھ لے گا تو کیا ہوگا۔

فرخ نے کہا۔ کچھ نہیں ہوگا میں کہہ دوں گا کیپٹن کی انگوٹھی دیکھنے آیا تھا۔"

افشاں نے بیزاری کے لہجہ میں کہا۔ یا اللہ میری تو بڑی مشکل ہے اور سب دروازے بھی بند ہیں کیسے یہاں سے نکلوں۔"

فرخ نے ہنسکر کہا۔ گاڑی بھر راستہ مانگو۔

افشاں خاموش رہ فرخ نے پھر کہا۔ انگوٹھی دکھاؤ نہیں تو میں یہیں کھڑا رہوں گا۔

افشاں نے غصہ کے لہجہ میں کہا۔ میرے پس انگوٹھی نہیں ہے یہاں سے جاؤ۔

فرخ نے پوچھا۔ کیا تم نے رات کو انگوٹھی نہیں پہنی تھی۔"

افشاں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فرخ نے کہا۔ جلدی بتاؤ۔ وہ دیکھو سب لوگ دلہن کو لے کر یہاں آ رہے ہیں۔ بولو خوشی سے انگوٹھی پہنی تھی۔

افشاں نے گھبرا کر کہا۔ "پہنی تھی۔

فرخ نے سنجیدگی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ابھی تک تو میرا ہی پلڑا بھاری ہے۔
"

افشاں کچھ سوچ میں پڑ گئی سب لڑکیاں دلہن کو لے کر آ گئیں گلشن بھی ساتھ آئیں انہوں نے افشاں کو خاموش بیٹھا دیکھ کر کہا۔ "اے ہے یہ بیچاری یہیں بیٹھی رہی بھائی جان کے سر پر آنچل بھی نہیں ڈالا"

فرحت۔ مجھے تو کئی دفعہ ان کا خیال آیا مگر وہاں فرخ بھائی موجود تھے اس لیے چپکی ہو گئی۔

حمیدہ۔ (طنزیہ لہجہ میں) اور ساری پردہ والی بیویاں تو بیٹھی تھیں۔ ان میں کون سا سرخاب کا پر لگا تھا جو یہ نہیں گئیں۔

گلشن۔ (بگڑ کر) دیکھو حمیدہ تم ایسی جلی کٹی باتیں نہ کیا کرو۔ وہ بیچاری خاموش رہتی ہے تو سب اس کے پیچھے ہی پڑے رہتے ہیں۔

حمیدہ۔ تم ہی ہر وقت چھیڑا کرتی ہو۔ یہاں کسی کو کیا غرض پڑی ہے جو بولے۔

رشیدہ۔ جب کوئی انوکھی بات دیکھیں گے تو سب ہی بولیں گے کوئی کسی کی زبان نہیں پکڑ سکتا۔

گلشن۔ بولنے کو کون منع کرتا ہے۔ شوق سے بولو۔ مگر طعنے بھی کوئی کسی کے نہیں بن سکتا۔

رشیدہ۔ چار دن کے واسطے یہاں مہمان آئے ہیں ہمیں کسی کو طعنے دینے کی کیا ضرورت ہے۔

گلشن۔ یہ طعنہ نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا سرخاب کا پر لگا ہے۔

رشیدہ۔ یہ تو سچی بات ہے۔ کیا افشاں کا کوئی نیا موڈل پیرس سے بن کر آیا ہے وہی تو ہیں جن کے فرخ نے ہزاروں نام رکھ چھوڑے ہیں۔

گلشن۔ (زور کا قہقہہ لگا کر) نیا موڈل۔

فرحت گوہر اور جواہر بھی ہنسنے لگیں۔

حمیدہ۔ (تیوری چڑھا کر) اس میں ہنسنے کی کون سی بات ہے۔

گلشن۔ رشیدہ کی قابلیت پر دل خوش ہوا۔ خوب فقرہ کسا ہے۔ نیا موڈل۔

حمیدہ۔ تمہاری یہ عادت بڑی خراب ہے۔ ہر ایک کا مذاق اڑانا چاہتی ہو۔

گلشن۔ اے بی خدا سے ڈرو خواہ مخواہ میرے پیچھے کیوں پڑ گئیں۔ کیا آج کھڑی چارپائی پر سوئی تھیں۔

حمیدہ۔ میں تو کھری چارپائی پر نہیں سوئی تم ہی افشاں کی خیر خواہی میں دوسروں کی ہنسی اڑا رہی ہو۔

گلشن۔ (ٹھٹھا لگا کر) اے افشاں نگوڑی کا کیا ذکر ہے وہ تو اپنی معصوم صورت لئے چپکی بیٹھی ہے۔

حمیدہ۔ (طنزیہ ٹھٹھا لگا کر) سلام ہے ایسی معصومیت کو ہم شیطان ہی بھلے۔

گلشن۔ (ہنسکر) آج تو افشاں بیچاری نے قصور ہی ایسا کیا ہے جو چاہو کہو۔

رشیدہ۔ (حمیدہ سے) تم کیوں ان کے منہ لگ رہی ہو۔

گلشن۔ (بگڑ کر) منہ کیا ہوتا ہے ذرا سوچ سمجھ کر بولا کرو۔ میں ابھی تک ہنسی میں ٹالتی رہی ہوں مجھے کسی سے کم نہ سمجھنا ایسی کھری کھری سناؤں گی کہ پیرس اور افریقہ کا موڈل دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔

فرحت نے گلشن کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے جاتے ہوئے کہا۔ اے گلشن آپا ایسی سمدھنیں تو ہم نے کہیں نہیں دیکھیں جو برات والے دن ہی لڑنے لگیں۔ افشاں بھی

گلشن کے پیچھے چلی گئی۔

سمدھنوں کو چاء پلائی جارہی تھی۔ گلشن اور افشاں بھی جا کر بیٹھ گئیں۔ چاء کے بعد پان چھالیاہ کی سینیاں آئیں۔ ایک میں کتری ہوئی چھالیاہ۔ ایک میں بغیر کتھا بھی پکا ہوا الگ بغیر پکا الگ چھوٹی الائچیاں۔ چکنی ڈلی من۔ دھنیاں۔ ان سب چیزوں کے رکھنے کے واسطے رنگ برنگ کے ساٹن کے کینے بھی تھے۔ پانوں کی ڈھولیاں۔ ایک بڑی سی تانبے کی پٹاری خوب بھاری کام کی گردی بڑی ہوئی دولہا کی اماں کے آگے رکھی گئی ان رسموں کے بعد دلہن کا جہیز بیویوں نے دیکھنا شروع کیا جوڑے زیور تحفے وغیرہ پہلے ہی ایک کمرہ میں سجا دیے گئے تھے دولہا کی دادی کو رخصت کرنے کی جلدی تھی سب سے پہلے وہ خود ہی کھڑی ہوئیں تاکہ پہلے سے گھر میں جا کر بیٹھیں ان کے پیچھے اور بیویاں بھی جانی شروع ہوئیں سب سے پیچھے روشن آرا اور ان کی لڑکیاں رہ گئیں۔ عالم آرا بیگم دلہن کے کمرہ میں آ کر بیٹھ گئیں۔ چچی جان نے کہا۔ اب باہر سے مردوں کو بلاؤ۔ لڑکی سے آ کر مل لیں۔"

شوکت آرا بولیں۔ بس اس رسم کو رہنے دیجیے میرا پہلے ہی دل بھر رہا ہے۔"

چچی جان نے عالم آرا بیگم کا بازو پکڑ کر کہا۔ اے بی اس رسم میں کون سی برائی ہے لڑکی پرائے گھر کی ہو رہی ہے باپ بھائی اس کو رخصت کرنے بھی نہ آئیں۔"

عالم آرا بیگم نے رنجیدہ لہجہ میں کہا۔ آپ باہر کہلوا دیجیے۔ جس کا دل چاہے آ جائے۔" چچی جان خود اٹھ کر گئیں اور باہر سے دلہن کے باپ دادا چچا وغیرہ سب کو بلوا کر لائیں سید صاحب نے پوتی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ خدا حافظ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے احسن ممتاز کو عزت آبرو کے ساتھ ایک فرض سے سبکدوش کیا ہماری دعا ہے کہ میں بیوی دونوں ہمیشہ شاد و آباد رہیں۔"

چچی جان اور عالم آرا بیگم نے کہا۔ "آمین"

سید صاحب باہر چلے گئے احسن ممتاز کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ خاموشی سے

لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ کر چلے گئے۔ عالم آرا بیگم کا دل بھی اپنے بیٹے کی صورت دیکھ کر بھر آیا۔ دلہن کی ماں اور بہن کی ہچکی بندھ گئی۔ محمود نے شوکت آرا سے کہا۔ امی جان یہ رونے کا کون سا موقع ہے۔

حسن۔ یہ بھی ایک رسم ہے جو بغیر سوچے سمجھے ادا کی جاتی ہے۔

چچی جان۔ بیٹا تم جانو پڑھ لکھ کر دل سخت ہو گئے ہیں بیٹی کی الوداع کے وقت اپنے تو اپنے غیروں کے آنسو نکل آتے ہیں بڑے بڑے بزرگوں اور شاعروں نے اس موقع کے گیت جوڑے ہیں جس وقت ڈومنیاں حضرت امیر خسرو کا منڈھا گاتی ہیں کلیجہ کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔"

ایک کونے میں بنیادی خانم کھڑی لمبے لمبے ہونٹ نکال رہی تھیں فرخ نے کہا۔ ذرا ان بیچاری کی طرف کوئی دیکھ لے بڑی کوشش اور محنت کے بعد یہ نمونہ تیار کیا ہے۔"

سب کو ان کی صورت دیکھ کر ہنسی آ گئی۔ روشن آرا نے آ کر عالم آرا بیگم سے کہا۔ امی اب اجازت دیجیے بڑی دیر ہو رہی ہے۔

دولہا سلام کے واسطے آیا شوکت آرا نے پانسو روپیہ چاندی کے خاصدان میں سلامی کے دیے عالم آرا بیگم نے روشن آرا سے کہا۔ اب بسم اللہ کر کے دلہن کو پالکی میں سوار کراؤ۔"

روشن آرا۔ مہمان تو سب میرے ہاں جائیں گے آپ دلہن کی پالکی میں چلیے۔

عالم آرا بیگم۔ باہر کے آئے ہوئے احسن ممتاز کے دوست وغیرہ ہیں اس وقت شوکت کے اوپر پوری ذمہ داری نہیں ڈالنی چاہیے۔ میں حسن آرا۔ نصیرہ شام تک آئیں گے اور سب کو تم لے جاؤ۔

روشن آرا خاموش ہو گئیں۔ لڑکیوں کے اصرار سے دولہا نے دلہن کو گود میں اٹھا کر پالکی میں بٹھایا۔ چمن آرا اور جواہر دلہن کے ساتھ بیٹھیں۔ چچی جان بولیں۔ تین

نہیں بیٹھتے کسی چوتھی لڑکی کو بٹھاؤ۔

روشن آرا نے کہا۔ ''چچی جان پالکی میں وزن بہت ہو جائے گا کہار کیسے اٹھائیں گے''

چچی جان۔ اے بی دو رہی کتنا ہے۔ دو قدم کے فاصلہ پر تین سواریوں کا لیجان کونسی بڑی بات ہے دلہن کے ساتھ تو پانچ پانچ سات سات لڑکیاں بیٹھتی ہیں چار کہار ہوتے ہیں دو دو آنے اور چار چار آنے ڈولی کے فاصلہ پر لے کر جاتے ہیں تمہارے ہاں کہار بھی پھویا ہو گئے۔ چار لڑکیوں کو نہیں اٹھا سکتے کون سے محلّہ سے بلوائے ہیں۔ کہار دروازہ کے پاس ہی کھڑے تھے ایک بولا۔ حضور آپ کے فراش خانہ کے پرانے کہار ہیں۔''

چچی جان نے اس سے کہا۔ اے گنگارام تم چار لڑکیوں کو نہیں اٹھا سکتے۔''

گنگارام بولا۔ سرکار چار چھوڑ آپ آٹھ بٹھا دیجیے رام کی کرپا سے برات گشت کر کے بھی آئے تو سانس نہیں پھول سکتا۔''

چچی جان نے افشاں کا ہاتھ پکڑ کر پالکی میں بٹھاتے ہوئے کہا۔ ''گنگارام تو ڈولی لے کر ایسی ہلکی چال چلتا ہے۔ جیسے ٹھہرے ہوئے پانی میں ناؤ بہتی ہے۔

کہاروں نے دلہن کی پالکی اٹھائی۔ دونیاں چونیاں لیے بدولہا والوں نے پالکی کے اوپر سے نچھاور کیے برات رخصت ہوئی دلہن کے گھر کی چہل پہل اور رونق بھی اپنے ساتھ لیتی گئی اندر سے باہر تک ایک سناٹا چھا گیا۔ در و دیوار سے خاموشی ٹپکنے لگی۔ گھر والوں اور مہمان۔ ایک ہاری فوج کی طرح افسردہ منہ لٹکائے بیٹھے تھے۔ دلہن کا کمرہ بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ یہاں صرف دلہن کی خوشبو اور چند پھولوں کی پتیاں رہ گئی تھیں۔

دولہا والوں کے ہاں گہما گہمی اور دھوم دھام کا کچھ ٹھکانا نہیں تھا گویا کسی ملک کی فتح کا سہرا دولہا کے سر پر بندھا ہے باہر سے لے کر اندر تک اور مرد سے لیکر عورت تک

سب کو خوشی سے باچھیں کھلی جا رہی تھیں دلہن کی پالکی دروازہ پر رکھی گئی گھر میں ایک شور مچ گیا۔ ڈومنیوں نے مبارک بادگائی شروع کی دلہن کو پالکی سے اتارنے سے پہلے اس کے پاؤں کے انگوٹھے دودھ سے دھلا کر چاندی کی پازیب پہنائی پھر اپنے خاندانی رواج کے مطابق دولہا کے باپ کو دلہن کو گود میں اتار کر کمرہ میں لے جا کر بٹھایا۔ لڑکیاں پروانوں کیطرح دلہن کے گرد جمع ہو گئیں۔ وہی افشاں وہی گوہرو جواہر وہی گلشن جن کے بغیر نزہت کو ایک منٹ چین نہیں پڑتا تھا۔ اس وقت کچھ اجنبی اجنبی معلوم ہو رہی تھیں کچھ دیر پہلے سب بہنیں تھیں اس وقت نندیں بنی بیٹھیں تھیں افشاں دلہن کے گھونگھٹ میں منہ دیئے بیٹھی تھی نزہت کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اس وقت اس کو اپنی ماں کا خیال آ رہا تھا وہ کبھی آٹھ دن کے واسطے بھی ان سے جدا نہیں ہوتی تھی رخصت کے وقت ان کو روتا ہوا چھوڑ کر لوگ اس کو زبردستی لے آئے افشاں نے رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ آپا نزہت روؤ نہیں سر میں درد ہونے لگے گا ہم سب تو تمہارے پاس ہیں ابھی تھوڑی دیر میں فرحت بھی آ جائیگی۔"

نزہت کو خیال آیا یہ بیچاری ماں کی قدر کیا جانے روشن آرا نے آ کر کہا۔ "افشاں بیٹی بہن کو آرام سے لٹا دو کمرہ کے دروازہ بند کر لو جھکے جھکے بچی کی گردن دکھنے لگے گی۔"

نزہت کا دل کھڑا ہو گیا۔ پھوپھی کی محبت بھری آواز سے اس کو تقویت ہوئی گلشن تھکی ہوئی گاؤ تکیے سے لگی پڑی تھی۔ انہوں نے افشاں کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر کہا۔

اے بی دلہن کی ساتھ والی کیا کھسر پھسر کر رہی ہو دلہن کو میرے پاس لٹا دو۔"

افشاں نے کہا۔ "آپا نزہت تو ابھی تک روئے جا رہی ہیں۔"

گلشن نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اے ہے میں قربان ہو جاؤں اپنی بھاوج پر سے کیا بات ہے۔ یہ افشاں کیسی ساتھ والی ہے سمجھاتی بھی نہیں۔

افشاں نے کہا۔ ”اگر مجھے ساتھ والی کہو گے تو میں ابھی چلی جاؤں گی۔“

گلشن نے نزہت کے گھونگھٹ کے اندر منہ کر کے کہا۔ ”یہ تمہاری ساتھ والی معلوم ہوتا ہے تمہیں پریشان کر رہی ہے۔ اس کی شادی ہو گی تو میں حمیدہ رشیدہ کو اس کے ساتھ بھیجوں گی۔“

نزہت کو ہنسی آ گئی۔ گوہر و جواہ ہنسی کے مارے لوٹ گئیں گلشن نے ٹھٹھا لگا کر کہا۔ آج میرے ان کی خوب لڑائی ہوئی۔“

افشاں بھی مسکرانے لگی گوہر نے کہا۔ ”گلشن آپا آپ کو لڑنا خوب آتا ہے۔“

گلشن نے کہا۔ ”وہ تو فرحت مجھے گھسیٹ کر لے گئیں نہیں تو میں ایک آدھ کو پیٹ کر رکھ دیتی۔“

چمن آرا نے آ کر گلشن سے کہا۔ ”بھئی مجھ سے تو دستر خوان پر کھڑا نہیں ہوا جائے گا۔

تم اور افشاں جاؤ امی جان کہہ رہی ہیں جلدی سے کھانا ہو جائے تو دلہن کو کھیر کھلائی جائے۔“

گلشن نے کہا۔ ”میں نے کبھی محفل کو کھانا نہیں کھلوایا مجھ سے یہ کام نہیں ہو گا۔“

چمن آرا نے کہا۔ ”تمہیں تو کام چوری کی عادت ہے۔ کھانا کھلوانیوالے اور بہتر ہیں ذرا جا کر کھڑی ہو جاؤ۔ دیکھتی نہ ہو کوئی چیز دستر خوان پر کم دیکھو تو اور منگوا دو کون سا مشکل کام ہے۔“

گلشن ناک چڑھاتی ہوئی مشکل سے اٹھیں۔ چچی جان ہانپتی کانپتی اپنا کسنا ہاتھ میں لیے کمرہ میں داخل ہوئیں چمن آرا نے پوچھا ”کیا آپ ابھی آئے ہیں۔“

چچی جان۔ دیکھتی نہیں ہو سانس پھول رہا ہے آواز نہیں نکلتی۔

گلشن۔ آپ برات کیساتھ کیوں نہیں آ گئیں۔

چچی جان۔ بیٹی اس وقت میرا آنا مناسب نہیں تھا۔ عالم آرا بیگم اور شوکت آرا کیا

خیال کرتیں۔

افشاں۔ دادی اماں کیا کر رہی ہیں۔

چچی جان۔ دستر خوان پر مہمانوں کے ساتھ کھانا کھا رہی ہیں۔

چمن آرا۔ کیا آپ کھانا کھا کر آئی ہے۔؟

چچی جان۔ دستر خوان پر مہمانوں کے ساتھ کھانا کھا رہی ہیں۔

چمن آرا۔ کیا آپ کھان کھا کر آئی ہیں۔

چچی جان۔ نہیں بیٹی مجھ سے تو روشن آرا نے کہہ دیا تھا کہ کھانا وہاں کھانا۔ دلہن کے ساتھ بھوڑے کا کیا کیا کھانا آیا ہے۔؟

چمن آرا۔ زردہ بریانی، قرمہ۔ فرنی۔ باقر خوانیاں، سب دیگ اور سادی روٹی۔

چچی جان۔ یہاں دو کھانے زیادہ ہیں کھیر میں فرنی اور قورمہ نہیں ہے کیا دستر کوان بچھ گیا۔ گلشن نے مسکرا کر کہا۔ آیئے دستر خوان بچھا ہوا ہے۔ چچی جان اپنا کسنا چمن آرا پاس رکھوا کر کھانا کھانے چلی گئیں۔

کھانے کے بعد زیادہ تعداد میں بیویاں اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔ کھیر کھلائی کی رسم کے لیے دلہا کو گھر میں بلایا گیا۔ اس وقت خاص طور سے لڑکوں کو بھی دولہا کے ساتھ بلایا تھا مگر فرخ نہیں آئے۔ حسن آرا اور نصیرہ بیگم وغیرہ آ گئی تھیں۔ آرسی مصحف کی طرح اسوقت بھی مسند پر دولہا دلہن کو آمنے سامنے بٹھایا گیا۔ بیچ میں کھیر رکھی گئی۔ یہ رسم بی ڈومنی کراتی ہے ایک طرف لڑکے کھیر اچکنے کے لیے کھڑے تھے۔ پہلے دولہا کے ہاتھ سے ساتھ دفعہ دلہن کو کھیر کھلائی جاتی ہے۔ دلہن اس وقت کھاتی کیا ہے۔ پاس بیٹھنے والیاں رومال میں لیتی جاتی ہیں زرتاج بیگم دلہن کے پاس بیٹھی تھیں شاہد اپنے گھر میں بے تکلفی سے بیٹھے تھے۔ انھوں نے گلشن سے کہا۔ چمچے تو منگوا فہ ہاتھ سے کھیر کیسے کھائی جائے گی۔

ڈومنی نے آگے آ کر کہا۔ میاں یہ تو کھیر تو ہاتھ سے کھائی کھلائی جاتی ہے۔

شاہد بولے۔ اچھا مہربانی کر کے تم ذرا دور ہی رہو میں خود کھلا دوں گا۔''

ڈومنی نے شاہد کی بلائیں لے کر کہا۔ صدقہ ہو جاؤں تھوڑی دیر اور شرم کر لیجئے۔

چمن آرا نے کہا۔ بھائی جان جلدی کیجئے۔ دلہن بیچاری پریشان ہو رہی ہے۔

شاہد نے کہا۔ منہ تو ڈھکا ہوا ہے کھیر کیسے کھلائی جائے۔

زرتاج بیگم نے دلہن کا گھونگھٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ بس ہو چکی شرم تم کھیر کھلاؤ۔

دلہن دونوں ہاتھوں سے منہ پر رومال رکھے تھی۔ شاہد نے زرتاج بیگم کہا۔ ممانی جان یہ کیا تماشہ ہے۔''

نصیرہ بیگم نے دلہن کا گھونگھٹ ٹھیک کر کے اس کے ہاتھ پر منہ پر سے ہٹاتے ہوئے شاہد سے کہا۔ لو اب کھلاؤ۔''

شاہد نے کہا۔ ناک کی آنکھ میں کھیر چلی جائے تو میں نہیں جانتا۔''

نصیرہ بیگم نے شاہد کا ہاتھ پکڑ کر دلہن کے گھونگھٹ میں لے جاتے ہوئے کہا۔ ہم دیکھنے والے کیسے بیٹھے ہیں۔''

گلشن نے ہاتھ مار کر کھیر جھپٹ لی۔ نصیرہ بیگم بولیں۔ نہیں بھئی دولہا کو سات دفعہ کھلا لینے دو۔ وہ دولہا کا جب وقت آئے گا تو چھینا جھپٹی کرنا۔''

شاہد نے کہا۔ میں اس کا موقع ہی نہیں آنے دوں گا اگر فرخ ہوئے تو شاہد ایک آدھ مرتبہ جھپٹ لیتے۔''

گلشن نے کہا۔ دلہن کے ہاتھ سے کھیر کھلوانے والا کوئی چالاک آدمی ہونا چاہیے بھائی جان کو خوب ڈھا کا یا جائے۔

نصیرہ بیگم نے کہا۔ تم اطمینان رکھو میں شاہد کے منہ تک کھیر جانے ہی نہیں دونگی۔

دلہن کو سات مرتبہ کھیر کھلانے کے بعد دولہا کی باری آئی۔ نصیرہ بیگم دلہن کا ہاتھ پکڑ کر دولہا کی طرف بڑھائی تھیں اور پھر کھینچ لیتی تھیں کبھی دھوکہ دے کر دولہا کھیر پر منہ پر مارنا چاہتا تھا تو کوئی لڑکا یا لڑکی بیچ میں سے جھپٹ لیتے تھے خدا خدا کر کے سات

مرتبہ کا شگون پورا ہوا..... شام کو سب مہمان رخصت ہوئے۔ حسن آرا افشاں وغیرہ بھی اپنے گھر آ گئیں دوسرے دن دعوت ولیمہ تھیں۔

صبح کو دلہن کے بھائی بہنیں دستور کے مطابق دلہن کو لینے آئے دوپہر کا کھانا کھا کر دلہن میکہ آئی رات کو محسن ممتاز کے ہاں کا چالا تھا مگر عالم آرا بیگم کی طبیعت زیادہ خراب ہو جانے کی وجہ سے سب پریشان تھے گھر میں حکیم ڈاکٹر آ رہے تھے۔ چالے میں بڑی بے لطفی رہی۔

پندرھواں باب

رات اپنے آخری دور میں سے گزر رہی ہے۔ چاند کسی کمزور اور جان بلب مریض کی طرح نڈھال ہو کر افق کی چادروں میں منہ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے فضائے عالم حسرت دیا اس سے اپنے اس رہنما اور منور رفیق کا منہ تک رہی ہے۔ چاندنی اپنی مدھم اور پھیکی روشنی سے کائنات کے ذرہ ذرہ کو الوداع کہہ رہی ہے طیور آشیانوں میں پھڑ پھڑا پھڑ پھڑا کر نالہ و بکا کی تیاری کر رہے ہیں۔ شبنم کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں۔ رات کے تین بج چکے ہیں۔ عالم آرا بیگم کے کمرہ میں سید صاحب اور ان کا پورا خاندان جمع ہے بجلی کی تیز روشنی میں سب کی صورتیں غمگین اور مایوس نظر آ رہی ہیں کسی کی آنکھیں روتے روتے سوج گئی ہیں۔ کسی کی ناک پونچھتے پونچھتے چھل گئی ہے کوئی دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپانے سے کوئی نڈھال ہو کر دیوار کے سہارے بیٹھا ہے...... کمرہ میں خاموشی اور اداسی چھائی ہوئی ہے۔ ہر شخص کے ہونٹوں پر مہر سکوت ہے۔ لیکن ایک دلخراش اور دل ہلانے والی آواز ایسی آ رہی ہے جو سب کو بے چین اور بیقرار کیے دیتی ہے۔ ایک مجبور روح اپنی زندگی کی آخری منزل طے کرنے کی جدو جہد میں مصروف ہے۔ موت و حیات میں کشمکش ہو رہی ہے۔ عالم آرا بیگم پر سکرات کا عالم طاری ہے سانس ستر برس کی آمد و رفت سے تھک کر اب ہانپنے لگا ہے۔ سینے سے مسلسل خرخراہٹ کی آواز آ رہی ہے۔ حکیم جواب دے چکے ہیں۔ ڈاکٹروں کا آخری انجکشن بے اثر ثابت ہوا۔ فرشتوں نے دعا کے دروازے بند کر دیئے۔ ڈبل تمعنیہ نے چھ روز میں اس حال کو پہنچا دیا۔ ہوش و حواس دو دن پہلے سے زائل ہو چکے ہیں۔ دس بجے رات سے آدھا دھڑ بیکار ہو گیا ہے اب تو نبضیں بھی چھوٹ گئی ہیں صرف سانس جو سینہ میں اٹکا ہوا ہے۔ سید صاحب مایوسی کے عالم میں پلنگ کے قریب کرسی پر ہاتھ میں تسبیح لئے بیٹھے ہیں دونوں لڑکے اور دونوں لڑکیاں حسرت سے ٹکٹکی باندھے اپنی ماں کی صورت دیکھ رہے ہیں جو تھوڑی

دیر کے بعد ہمیشہ کے واسطے ان کی آنکھوں سے اوجھل ہونے والی ہے۔ افشاں اپنے دادا کی کرسی پکڑے گھٹنوں میں منہ دیئے سسکیاں بھر رہی ہے۔ سید صاحب اس کے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے تھپکیاں دے رہے ہیں۔ شوکت آرا پیالی میں آب زمزم اور شہد لیے کھڑی ہیں چچی جان سرہانے بیٹھی یسین شریف سنا رہی ہیں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد شہد اور زمزم کا ایک چمچہ منہ ڈال دیا جاتا ہے۔ جو سانس دھونکنی کیطرح ٹھہر گئیں۔ ایک ہچکی زور کی آئی بیٹھنے والے گھبرا کر کھڑے ہوگئے اور بہ آواز بلند کلمہ پڑھنے لگے۔ سب پلنگ کے گرد جمع ہو گئے۔ ہر شخص ملک الموت کے استقبال کے لیے ادب سے کھڑا تھا...... دوسری ہچکی اور آئی اور پھر تیسری میں روح پرواز کرگئی...... آنکھیں حسرت سے جانے والی چیز کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہ گئیں۔ چچی جان نے ہاتھ رکھ کر ان کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ احسن ممتاز اپنی ماں کی کنپٹیاں پکڑے کھڑے تھے۔ حسن آرا پائینتی کھڑی بید کیطرح تھر تھر کانپ رہی تھیں محسن کے ہاتھ میں ماں کی نبض تھی۔ روشن آرا پلنگ کی پٹی پر سر رکھ کر رونے لگیں۔ سید صاحب نے ان کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ بیٹی یہ وقت صبر کا ہے آواز نہ نکالنا ان کو روح کو تکلیف ہوگی۔

چچی جان نے پلنگ سے اترتے ہوئے سید صاحب سے کہا۔ لو میں رخصت ہوئیں سید صاحب نے کہا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

عابد حسن نے اپنی ساس کے ڈھاٹا باندھا۔ اشرف بیگم نے پیروں کے دونوں انگوٹھے ملا کر باندھ دیئے...... شوکت آرا نے رضائی ہٹا کر سفید چادر اڑھادی...... کمرہ میں اگر بتیاں لوبان سلگا دیا گیا گھر میں ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ افشاں غشی کی حالت میں اپنے دادا کی گود میں پڑی تھی...... حسن آرا خاموش پتھر کی مورت بنی باپ کی کرسی پکڑے کھڑی تھیں۔ سید صاحب نے ان سے کہا۔ لو بیٹی اس لڑکی کو سنبھالو۔ مجھے اب مرحومہ کی اول منزل کی تیاری کرنی ہے۔

افشاں نے منہ موڑ کر اپنی دادی کے پلنگ کی طرف دیکھا۔ وہاں سر سے پیر تک سفید چادر نظر آئی وہ ایک چیخ کے ساتھ زمین پر گر پڑی..... چچی جان نے ایک سرد آہ کے ساتھ کہا۔ سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا۔ جب لاد چلے گا بنجارا'' روشن آرا نے ماں کی پٹی پر ایسے سر رکھا تھا کہ ہٹانے کا نام نہیں لیتی تھی..... چچی جان نے ان کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ بیٹی رونا تو اب ساری عمر کا ہے مگر اس وقت تم سب لڑکیاں وضو کر کے ایک ایک سورہ بقر پڑھ کر ان کی روح کو ثواب پہنچاؤ۔''

سید صاحب نے کھڑے ہوتے ہوئے اپنے بڑے بیٹے سے کہا۔ کسی آدمی کو بھیج کر اکبر مرزا کو بلواؤ وہ سب جگہ اطلاع کرا دیں گے تم لوگ ناواقف ہو میرا دماغ صحیح نہیں ہے۔''

عابد حسن سید صاحب کے ہاتھ پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے گئے۔ ان کے جانے کے بعد احسن ممتاز حسن سے لپٹ کر چیخ چیخ کر رونے لگے...... اشرف بیگم اور چچی جان ایک ایک کو سمجھا رہی تھیں۔ اسی حال میں صبح کی آذان ہوگئی..... سید صاحب نے آ کر سب کو نماز اور قرآن شریف پڑھنے کی تاکید کی۔ دونوں لڑکوں کو ساتھ لے کر باہر گئے۔

صبح آٹھ بجے سے رشتہ کنبہ اور ملنے والی بیویاں آنی شروع ہوگئیں۔ جس کمرہ میں میت رکھی تھی وہیں سب آ کر بیٹھ رہی تھیں۔ روشن آرا، حسن آرا اور سب لڑکیاں قرآن شریف پڑھ رہی تھیں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ چچی جان اور اشرف بیگم آنے والی بیویوں سے مرنے والی کا بیان کرتی جا رہی تھیں۔ تمام بیویاں ان کے اخلاق کی تعریف کر کر کے رو رہی تھیں کوئی ان کی خوش قسمتی کا ذکر کر رہی تھیں۔ کوئی ان کی سخاوت بیان کر رہی تھیں۔ اے بی کیا مزاج پایا تھا بات کرتی تھیں تو منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ کبھی کسی سے اونچی آواز سے نہیں بولیں۔''

پھر ایک نے کہا۔ بڑی بھاگوان بیوی تھیں مرنا تو ایک دن سب کو ہے مگر عورت

کی خوش قسمتی ہے کہ مرنے کے بعد۔ شوہر کا کندھا نصیب ہو۔

ایک بڑی بی نے روتے کہا ان کی کون کون سے خوبیاں بیان کی جائیں جہاں مجھے خرچ کی تنگی ہوئی اور میں ان کے پاس آئی سوال کرنے سے پہلے سے اشارہ سے بلا کر مجھے کمرہ میں لے جاتی تھیں۔ اور جو کچھ دیا ان ہوتا تھا چپکے سے میری مٹھی میں دے دیا کرتی تھیں گھر والوں کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ ہائے میری بیگم میں اب کس کے پاس جاؤں گی۔ ہم جیسوں کو موت بھی نہیں آتی۔ جن کی یہاں ضرورت ہے۔ انہیں کی وہاں چاہت ہے۔

ایک بولیں۔ مولا کی ذات بے پرواہ ہے اس کے انتظام میں کسی کو دخل نہیں۔"

چچی جان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ دارا رہا نہ جم نہ سکندر سا بادشاہ۔ تخت زمین پہ سینکڑوں آئے چلے گئے۔

اکبری بیگم ڈولی سے روتی ہوئی اتر کر آئیں پہلے انہوں نے میت کے منہ پر سے چادر ہٹا کر شکل دیکھی پھر روشن آرا کو گلے لگا کر روئیں۔ اس کے بعد حسن آرا کو چمٹا لیا۔ ہائے تمہاری تقدیر اماں کے کلیجہ سے لگی بیٹھی تھیں وہ بھی چھوڑ کر چلی گئیں۔ ارے میں تو بھلی چنگی کو چھوڑ کر گئی تھی چار دن میں کیسی چٹ پٹ ہو گئیں مجھے تو کسی نے ان کی بیماری کی بھی خبر نہیں کی۔ میں اپنی چاہنے والی بہن کو اب کہاں پاؤں گی میرے چچا کی اولاد میں ایک یہی رہ گئی تھی...... ارے افشاں کہاں ہے؟ اس کو تو کلیجہ سے لگاؤں۔ اس معصوم کو کسی کے اوپر چھوڑ گئیں زندگی میں تو ایک منٹ کے واسطے اپنے سے جدا نہیں کرتی تھیں اب کون اس کی خبر گیری کرے گا۔"

چچی جان بولیں۔ رات سے غش پر غش آ رہے ہیں منہ سے بھاپ نہیں نکالتی اندر ہی اندر اپنا دم گھونٹ رہی ہے دادا نے کہہ دیا تھا چیخ کر رونے سے ان کی روح کو تکلیف ہوگی بس اس وقت سے اپنا منہ بند کیے بیٹھی ہے خدا اس کو صبر دے۔"

اکبری بیگم نے حسن آرا کو چھوڑ کر افشاں کو گلے لگا کر کہا۔ میری چاند تو چیخ کر

رونے زیادہ ضبط کرنے سے دل پر اثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا رحیم وکریم ہے ارے ان کی روح تو تیری اس حالت سے بھی بے کل ہوگی...... ہائے بندہ کیسا موت کے آگے بے بس ولاچار ہوتا ہے۔‘‘

اکبری بیگم کی باتوں سے گھر والوں کے دل شق ہوئے جاتے تھے...... عابد حسن نے نصیرہ بیگم کو بلا کر کفن کاٹھا دیا سب الگ الگ ٹکڑے تھے۔

بنیادی خان نے نئی چٹائی لا کر بچھائی اس پر کپڑا رکھا گیا۔ اکبری بیگم اور نصیرہ بیگم نے سوئی تاگا لے کر چادریں جوڑیں غسل کا پانی بیری کے پتے اور گل خیرو ڈال کر گرم کرنے کو رکھا گیا۔ کورے گھڑے بدھنیاں لا کر رکھے گئے ایک مٹی کے پیالے میں ملتانی سر دھلانے کے لیے بھگو کر رکھی۔ گلاب، عطر، کافور، سب سامان نہلانے اور کفنانے کا تیار ہو گیا۔ اکبری بیگم اور اشرف بیگم نے خود میت کو غسل دیا۔ روشن آرا حسن آرا و شوکت آرا نے پانی ڈالا۔

بارہ بجے جنازہ تیار ہو گیا باہر سے مردوں نے آ کر شکل دیکھی سید صاحب کی تاکید تھی۔ کوئی چیخ کر نہ روئے مگر روشن آرا و حسن آرا مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھیں۔ سب پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں پچھاڑیں کھا رہے تھے افشاں سنگ مرمر کی مورت کی طرح کھڑی تھی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی تھیں۔ سید صاحب بہت ضبط کر رہے تھے مگر افشاں کی صورت دیکھ کر ان کے جسم میں ایک رعشہ سا پیدا ہو گیا تھر تھر کانپنے لگے۔ چچی جان نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے احسن ممتاز سے کہا۔ میاں اپنے ابا کا خیال کرو ان کی ضعیفی ہے آج پچاس برس کا ساتھ چھوٹ رہا ہے پالکی میں بٹھا کر لائے تھے پلنگ پر ڈال کر پہنچانے جا رہے ہیں۔‘‘

فرخ نے جلدی سے آگے بڑھ کر اپنے نانا کو سہارا دیا...... عابد حسن نے چارپائی پر بانس کر کھپچیاں باندھ کر گہوارہ بنایا۔ دونوں لڑکوں نے اوپر کی چادر ڈالی سب کلمہ پڑھتے ہوئے جنازہ اٹھا کر باہر لے چلے سب گھر والیاں روتی بلبلاتی دروازے تک

ساتھ گئیں۔ سب بیویاں سمجھا بجھا کر اندر لائیں بڑی دیر تک گھر میں کہرام رہا افشاں نڈھال ہو کر فرش پر گر گئی زرتاج بیگم نے اپنے گھٹنے پر اس کا سر رکھ لیا۔"

چچی جان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ آج وہ گئیں کل ہماری باری ہے اس چند روزہ زندگی کے لیے انسان کیا کیا سوچتا ہے اور کیسے کیسے انتظامات کرتا ہے مگر جہاں آنکھ بند ہوئی سب کچھ ختم۔

اکبری بیگم۔ آٹھ دن پوتی کی شادی کا سارا انتظام خود ہی کر رہی تھیں مگر میں دیکھ رہی تھی کہ سانچق والے دن ہی سے کچھ ڈھیر ہو گئی تھیں۔ اپنی ہمت سے سب کچھ کہہ رہی تھیں۔

اشرف بیگم طبیعت کی خرابی میں کسی کی صحنک چکھ لی بس اس کا بہانہ ہو گیا۔

چچی جان۔ اے بی زندگی ہوتی تو لوٹ پیٹ کر ٹھیک ہو جاتیں وہ تو یہ کہو کہ ان کی موت ہی آ گئی تھی۔ اگر زندگی ہوتی تو یہ آزاد نہ ہوتا۔

مرزا صاحب کی بیوی۔ ان کی تو ضعیفی تھی کچھ دن بیمار پڑیں علاج معالجہ میں دل کے ارمان نکال لیے مگر بھتیجی تو مشکل سے بیس برس کی ہو گی شادی کو دو سال بھی نہیں گزرے پہلوٹھی کا بچہ گود میں تھا نہ بیماری نہ دکھی۔ ایسی ناگہانی آئی کہ خدا کسی دشمن کو نصیب نہ کرے۔

چچی جان۔ اے ہاں بوا تمہاری بھتیجی کا خیال کر کے تو کلیجہ لرز جاتا ہے۔

اشرف بیگم۔ بہن یہ تو بتاؤ کس طرح یہ حادثہ ہوا؟

مرزا صاحب کی بیوی۔ اے بی اپنے میاں کے پاس جا رہی تھی چھوٹا بھائی ساتھ تھا کسی اسٹیشن پر گاڑی بدلی جاتی تھی۔ رات کا وقت تھا۔ دوسری گاڑی کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ تم جانتی ہو لڑکیاں بعض وقت بیوقوفی کی چالاکی کر بیٹھتی ہیں۔ پیشاب کرنے اندھیرے میں لائن پر اتر گئیں۔ ادھر سے مال گاڑی آ گئی۔ اوسان جاتے رہے اونچا چبوترہ تھا چڑھ نہیں سکیں۔

چچی جان۔ اللہ کے آگے توبہ کرتی ہوں۔ عبرت کا مقام ہے بیچاری قیمہ قیمہ ہوگئی پوٹ باندھ کر لائے تھے۔

زرتاج بیگم۔ کیا پہلی مرتبہ سفر کیا تھا؟

چچی جان۔ ہاں بیٹی پہلی دفعہ میاں کے پاس جا رہی تھی۔

اکبری بیگم۔ وہ بیچاری تو خیر پہلی دفعہ جا رہی تھی۔ مگر بری گھڑی سے خدا بچاتا رکھے ایک واقعہ میری آنکھوں کے سامنے ایسا گزرا ہے کہ جس وقت خیال آ جاتا ہے۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں حیدر آباد جا رہی تھی۔ جس ڈبہ میں تھی اسی میں ایک عورت شاید پورے دنوں پیٹ سے بیٹھی تھی۔ کوئی رات کے دو بجے گوالیار کے اسٹیشن پر پوری برات اسی ڈبہ میں آ کر بھر گئی۔ گاڑی میں تل رکھنے کو جگہ نہیں رہی پھر جو باہر سے مردوں نے کھڑکیوں میں سے سامان پھینکنا شروع کیا تو ایک بڑا سا ٹرنک اس عورت پیٹ پر آ کر پڑا۔

چچی جان نے چیخ کر کہا۔ اوئی بیوی اس غریب کا تو کچومر نکل گیا ہوگا۔

اکبری بیگم۔ اسی وقت بچہ پیٹ سے نکل پڑا اور بیچاری کا خاتمہ ہو گیا۔

اشرف بیگم۔ پھر کیا ہوا۔

اکبری بیگم۔ ہوتا کیا اس کا میاں روتا پیٹتا بیوی بچہ کو اتروا کر لے گیا۔

چچی جان۔ جن لوگوں نے سامان پھینکا تھا وہ تو پکڑے گئے ہوں گے۔

اکبری بیگم۔ اسی وقت پولیس آ گئی تھی۔ سب کو اتروالیا گیا۔ مگر کیا فائدہ دو جانیں تو ضائع ہو گئیں۔

چچی جان۔ وہ بیچارے بھی ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہوئے۔

اکبری بیگم ہاں یہ تو ہے، مگر دیکھ بھال کر کام کرنا چاہیے ان لوگوں نے تو اندھا دھند سامان پھینکنا شروع کر دیا تھا۔

اشرف بیگم۔ وہ بے چاری بھی اپنا پیٹ ہی سامنے لیے بیٹھی تھی۔

اکبری بیگم: ہاں بی جتنی دیر میرا اس کا ساتھ رہا میں یہی دیکھتی رہی کہ خواہ مخواہ وہ اپنا پیٹ عورتوں کو دکھا رہی تھی۔

چچی جان۔ اے ہے معلوم ہوتا ہے بڑی اللہ ملین کا نگوڑی کا پیٹ تھا۔

مرزا صاحب کی بیوی۔ بعض عورتوں کی یہی عادت ہوتی ہے بجائے ڈھانکنے چھپانے کے وہ اپنے پیٹ کا نمونہ دکھاتی پھرتی ہیں۔ سلیمہ بیگم کی بیٹی کو ابی کوئی چوتھا ہی مہینہ ہوگا مگر اللہ کے آگے توبہ ہے ابھی سے وہ لڑکی اپنا پیٹ ابھارنے کی کوشش کرتی ہے اور کچھ نہیں تو ہاضمہ کی خرابی کا بہانہ کر کے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر ڈکاریں لیتی ہے تاکہ لوگ اس کی طرف دیکھیں۔

چچی جان۔ اے بی اس زمانہ میں غیرتیں جاتی رہی ہیں۔ پہلے تو یہ حال تھا کہ جہاں پانچواں چھٹا مہینہ شروع ہوا اور بڑے پائنچوں کا پاجامہ پہننے لگے۔ اس میں کچھ پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔

روشن آرا اور حسن آرا بھی یہ عبرتناک واقعات سن رہی تھیں...... افشاں روتے روتے زرتاج کو گود میں سو گئی تھی۔ نزہت نے اس کے نیچے تکیہ لا کر رکھا۔ شوکت آرا اور نصیرہ بیگم نے اٹھ کر کمرہ کی صفائی کروائی۔ دوا کی شیشیاں پھینکی گئیں...... عالم آرا بیگم کا بستر لپیٹ کر باہر دھوپ میں رکھوا دیا گیا۔ پلنگ اٹھوا کر کمرہ دھویا گیا۔ فنائل ڈالا گیا...... دو تین گھنٹے اسی طرح گزر گئے۔ بہت سی بیویاں جو صرف مرنے والی کی شکل دیکھنے آئی تھیں واپس چلی گئیں۔ قریب کی رشتہ دار رہ گئیں یا غریب برقعہ والیاں جو کھانے کے انتظار میں بیٹھی تھیں رہ گئیں...... سب مرد بھی اول منزل پہنچا کر آ گئے...... سب سے پہلے عابد حسن پان ہاتھ میں لئے گھر میں آئے۔ زرتاج بیگم نے پوچھا۔ یہ پان کیسے ہیں۔؟

اشرف بیگم نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ یہ دلی کا دستور ہے۔ قبرستان سے واپس آتے ہیں تو پان لاتے ہیں۔

اس وقت مرزا صاحب کے ہاں سے حاضری کا کھانا آیا تھا۔ پرانے دستور کے پابند تھے کھانے میں بازار کی خمیری روٹی اور کباب اس کے ساتھ مولیاں...... اندر باہر دستر خوان بچھایا گیا۔ مرزا صاحب کی بیوی خود کھانا کھلانے کھڑی ہوئیں۔ اشرف بیگم اور اکبری بیگم نے رعشن آرا وغیرہ کو منہ دھلوا کر زبردستی دستر خوان پر بٹھایا...... رات کا کھانا رائے صاحب کے ہاں سے آیا۔ اسی طرح دو روز برابر رشتہ داروں کے ہاں سے کھانا آتا رہا۔ تیسرے دن سوم کے فاتحہ ہو لی...... صبح آٹھ بجے سے ڈولیوں پر ڈولیاں اور تانگوں پر تانگے آنے شروع ہو گئے۔ سب بیویاں اپنا اپنا کرایہ خود دے رہی تھیں۔ چالیسویں تک یہی قاعدہ ہے...... بڑے کمرے میں اجلا فرش تھا اس پر ایک سفید چادر بچھی تھی جگہ جگہ چنوں کی ڈھیریاں رکھیں تھیں۔ بیویاں کلمہ بسم اللہ اور درود شریف وغیرہ ایک ایک چنے کے دانے پر پڑھ رہی تھیں۔ روشن آرا و حسن آرا وغیرہ بھی غمگین بیٹھی تھیں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ جو بیوی اتر کر آتی تھیں دونوں بہنوں کو گلے لگا کر مرنے والی کا افسوس کرتی تھیں دوسرہ کمرہ میں لڑکیاں قرآن شریف کے پارے پڑھ رہی تھیں...... دس بجے کے قریب ایک استانی جی نے وعظ بیان کیا زیادہ تر مرنے والی کے عزیزوں کو صبر کی تلقین تھی......

بارہ بجے دستر خوان بچھا۔ قورمہ، بریانی زردہ خمیری روٹی کھانے پر تھی...... جو بیویاں کھانا کھا کر آئی تھیں یا کھانے سے پہلے چلی گئی تھیں ان کے حصے بھیجے گئے......

رات سے گھر میں کھانا پکنا شروع ہوا۔ دس بارہ بیویاں ایسی تھیں جو تین دن رہی تھیں۔ آج سب اپنے اپنے گھر گئیں۔ صرف چچی جان اور اشرف بیگم موجود تھیں باقی سب گھر کے لوگ تھے۔ کم سے کم پچیس تیس آدمی تھے...... لیکن ایک گھر والی کے نہ ہونے سے ساری کوٹھی بھائیں بھائیں کر رہی تھی۔ کونے کونے سے وحشت اور اداسی ٹپک رہی تھی...... افشاں کی حالت قابل رحم تھی ایک تو وہ پہلے ہی خاموش اور کم سخن تھی دادی کی موت نے تو گویا اس کے منہ میں قفل ہی ڈال دیا تھا وہ حسرت و

یاس کی ایک تصویر بن کر رہ گئیں تھی۔ ایک ایک کی طرف بے بسی سے دیکھتی تھی مگر لب پر مہر خاموشی تھی۔ سید صاحب اور حسن آرا اس کی عادتوں سے خوب واقف تھے لیکن حسن آرا بیچاری پر ماں کی آنکھ بند ہوتے ہی تمام گھر کی ذمہ داری پڑ گئی تھی۔ ان کو افشاں کی دلجوئی کے لیے کوئی وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ سید صاحب نے کئی مرتبہ اس کو اپنی دادی کے کمرہ میں تنہا روتے ہوئے دیکھا ان کے دل پر بہت اثر ہوا وہ اپنا رنج وغم بھول گئے انہوں نے اپنے بیٹھنے اور سونے کا انتظام عالم آرا بیگم کے کمرہ میں کر لیا باہر کا جانا بہت کم کر دیا۔

احسن ممتاز کی چھٹی ہو گئی تھی...... محسن کے کام کا بھی ہرج ہو رہا تھا دونوں بھائی جانے والے تھے زرتاج بیگم محسن پر زور دے رہی تھیں کہ افشاں کو اپنے ساتھ لے جائیں محسن نے اپنی بڑی بہنہ اور بھائی بھاوج سے یہ ذکر کیا۔ احسن ممتاز نے مخالفت کی انہوں نے کہا میں تو ملازمت کی مجبوری کو جا رہا ہوں شوکت آرا اور بچے یہیں رہیں گے۔''

روشن آرا نے بھی محسن سے یہی کہا۔ تمہارے بھائی صاحب چلے جائیں گے مگر میں ابا اور حسن آرا کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ افشاں کو لے جانے کا ابھی کیا موقع ہے ایک تو ہم لوگوں کو تمہاری بیوی کی اس بات سے بہت رنج ہے کہ انہوں نے اماں کی خراب حالت دیکھتے ہی بیٹے کیساتھ چپکے سے دونوں لڑکیوں کو بھی بھیج دیا اب تم افشاں کو لے جانے لگے کچھ انسانیت ہونی چاہیے۔

محسن۔ وہ تو خیر انہوں نے سخت غلطی کی مگر اب میں افشاں کی حالت ایسی دیکھ رہا ہوں کہ اگر دو ایک مہینے یہی حال رہا تو اس کی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

احسن ممتاز۔ لیکن یہاں سے جانے کے بعد اور زیادہ گھبرائیں گی۔

محسن۔ مجھے آپ کی رائے سے اتفاق نہیں وہاں جا کر اس کا دل بہل جائے گا یہاں ہر وقت وہی تصور رہتا ہو گا سنا ہے وہ اکثر ماں کے کمرہ میں بیٹھی رویا کرتی

ہے۔

احسن ممتاز۔ بھی ابھی تازہ تازہ غم ہے۔ وہ کیسے اتنی جلدی اماں کو بھول سکتی ہے میں تو کہتا ہوں بڑی متحمل اور صابر بچی ہے۔ ایسی خاموشی سے اس نے یہ صدمہ عظیم برداشت کیا ہے کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

احسن ممتاز خود آبدیدہ ہو گئے۔ روشن آرا نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ذرا بگڑ کر کہا۔ ایسا بھی کیا اندھیر ہے ابھی اماں کو آٹھ ہی دن ہوئے ہیں۔ ان کا چالیسواں تو ہو جانے دو پھر جو تمہارا دل چاہے وہ کرنا۔

محسن۔ میں اپنے دل کی خوشی کے لیے کچھ نہیں کر رہا یہاں کی فضا دیکھ رہا ہوں آٹھ دن میں سب کی حالت بیماروں سے بدتر ہو گئی ہیں تو اگر ایک ہفتہ اور رہوں تو پاگل ہو جاؤں۔

روشن آرا۔ (غصہ سے) نہ ان بھئی تم شوق سے جاؤ خدا تمہارا دل و دماغ صحیح رکھے یہاں کی فضا تو اب ایسی ہی رہے گی۔ وہ تو اماں کے دم کی رونق تھی ہم کیسے ان کو اتنی جلدی بھول جائیں آخر ماں تھیں خدا کا شکر ہے۔ ایسے خون سفید نہیں ہوئے۔

محسن۔ کیا میری ماں نہیں تھیں؟ مجھے ان کا رنج نہیں ہے۔

روشن آرا۔ تمہاری باتوں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے گویا ان سے تمہارا کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔

محسن۔ میں ظاہرداری کی باتیں پسند نہیں کرتا۔ نہ مجھے خواہ مخواہ آنسو بہانے آتے ہیں

روشن آرا۔ بگڑ کر۔ ہاں ہمیں اماں کا رنج تھوڑی ہے۔ دنیا کے دکھانے کو آنسو بہا رہے ہیں

محسن۔ آپا جان آپ فضول باتیں نہ کیجئے میں آپ کو کب کہہ رہا ہوں میرا

مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہاں کے دستور بہت خراب ہیں بجائے تسلی تشفی کی باتیں کرنے کے جو آتا ہے وہ اپنے آپ کو گھر والوں سے زیادہ غمزدہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اور سوچ سوچ کر ایسی باتیں کی جاتی ہیں کہ دل کے ٹکڑے ہو جائیں۔

احسن ممتاز۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے خاص کر چچی جان کی باتوں سے دل پر سخت چوٹ لگتی ہے میں تو ان کی وجہ سے بہت کم گھر میں جاتا ہوں۔

محسن۔ یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔ آپا جان نے اس کے دوسرے معنی سمجھے ان دو چار بڑھیوں نے گھر کا ماحول بھیانک کر رکھا ہے۔

احسن ممتاز۔ ایک تو اماں کے نہ ہونے سے سارے گھر پر اداسی چھائی ہوئی ہے دوسرے بنیادی خانم اور چچی جان کی آہوں سے اور زیادہ وحشت ہوتی ہے۔

روشن آرا۔ یہ تو اپنا اپنا خیال ہے ہزار کوئی دل بہلانے کی کوشش کرے مگر تسکین نہیں ہوتی ہمارا تو دل چاہتا ہے ہر وقت کوئی انہیں کا ذکر کیئے جائے۔

احسن ممتاز۔ یہ تو قدرتی بات ہے غمزدہ کو اپنے غم کی کہانی ہی میں لطف آتا ہے۔

محسن۔ لیکن دوسرے لوگوں کا فرض ہے جہاں تک ہو سکے غم زدوں کا دل بہلانے کی کوشش کرے یا ہس اٹلے اور جرکے لگائے جاتے ہیں میں نے کئی مرتبہ اس بات پر غور کیا ہے کہ چچی جان اچھی خاصی ہوتی ہیں جہاں انہوں نے افشاں کو دیکھا اور ایک آہ کا نعرہ مار کر کہنا شروع کیا ہائے دادی کیا کیا ارمان دل میں لے گئیں کوئی خوشی بھی تو اس بچی کی دیکھنی نصیب نہ ہوئی وغیرہ مجھے اس قسم کی باتوں سے بہت نفرت ہے۔

شوکت آرا۔ دس پانچ دن کی یہ باتیں ہیں پہلی بڑی بوڑھیوں کی یہی ہمدردی ہوتی ہے۔

روشن آرا۔ چچی جان کا کیا ہے دو چار دن میں اپنے گھر چلی جائیں گی تمہیں تو ابا

جان کا خیال کرنا چاہیے۔ لڑکی کے چلے جانے سے ان کو اس ضعیفی میں کس قدر صدمہ پہنچے گا۔ آج کل وہ ان کے زخم کا پھایہ بنی ہوئی ہے۔ اسی کے خیال سے وہ اپنا سامان اماں کے کمرہ میں لے آئے ہیں۔

محسن۔ مگر آپا جان یہ تو خیال کیجیے ابا جان کے اوپر خود صدمہ پڑا ہوا ہے وہ ایک لڑکی کی دلجوئی کیسے کر سکتے ہیں اس کو تو اپنے برابر والوں اور ساتھیوں کی ضرورت ہے جو اس کے خیالات ایک مرکز پر جمنے دیں۔

روشن آرا۔ یہاں اس کے ساتھیوں ار برابر والوں کی کچھ کمی ہے؟ نزہت ہیں فرحت ہیں گلشن ہے ابھی تو ہم سب لوگ یہیں ہیں تمہارے ہاں کون اس کا برابر والا ہوگا؟

محسن۔ وہاں کا ذکر نہ کیجیے وہ ماحول ہی دوسرا ہوگا میں اس کو پردے وردے کی قید میں نہیں رکھوں گا چند روز میں اس کے خیالات کہیں سے کہیں پہنچ جائیں گے۔

روشن آرا۔ اچھا بھی جو تمہارا دل چاہے وہ کرو مجھے بولنے کا کوئی حق نہیں۔

احسن ممتاز۔ دیکھو محسن ابا جان کو صدمہ پر صدمہ پہنچانا کسی حال میں مناسب نہیں ہے۔ اس وقت ہم لوگوں کا فرض ہے جہاں تک ہو سکے ان کی دلجوئی کریں تعجب ہے تمہیں اپنے ضعیف باپ سے زیادہ لڑکی کا خیال ہے۔

محسن۔ ابا جان کا خیال ہزار دفعہ کروں مگر وہ میرے ہم خیال نہیں ہو سکتے۔

روشن آرا۔ نہیں بھئی وہ کہاں جا سکتے ہیں اماں کی زندگی میں بھی وہ کبھی اپنا گھر چھوڑ کر نہیں گئے ان کا کہیں دل نہیں لگتا۔

محسن۔ دیکھیے آپا جان۔ ایک بات کا خیال رکھیے گا۔ افشاں اب فرخ سے پردہ نہ کرنے پائے۔ اس کو تھوڑی سی آزادی ملنی چاہیے۔

احسن ممتاز نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "اس قسم کی باتوں کا یہ وقت نہیں ہے۔

محسن بھی کھڑے ہو گئے۔

دسویں کے فاتحہ کے بعد احسن ممتاز تنہا اپنی ملازمت پر گئے۔ محسن مع زرتاج بیگم گئے۔ شاہد کی چھٹی ابھی باقی تھی۔ عابد حسن نے ایک ہفتہ کی چھٹی اور بڑھوائی تھی فرخ کا کالج کھل گیا تھا مگر وہ اپنے نانا کے خیال سے ابھی ٹھہرے ہوئے تھے۔

عالم آرا بیگم کی بیماری افشاں کا پردہ فرخ سے ٹوٹ گیا تھا مگر دونوں کے دل میں ایک جھجک سی پیدا ہوگئی تھی۔ جہاں افشاں بیٹھی ہوئی تھی وہاں فرخ خود نہیں جاتے تھے ان کی شگفتگی اور زندہ دلی نانی کے دم تک تھی اب وہ ہر وقت خاموش اور رنجیدہ نظر آتے تھے اکثر گھنٹوں گھر سے غائب رہتے تھے دریافت کرنے پر معلوم ہوتا تھا نانی کی قبر پر گئے ہوئے تھے۔

سولہواں باب

کوئی خاندان اور کوئی گھرانہ ایسا نہیں ہوتا۔ جہاں آپس میں کچھ نہ کچھ اختلاف رائے نہ ہو ہر شخص کی طبیعت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے کوئی تیز مزاج اور صاف گو ہوتا ہے۔کوئی متحمل اور سنجیدہ ہوتا ہے، کوئی کنبہ پرور اور کوئی حاسد۔ صورتوں کے ساتھ ساتھ عادتیں بھی جدا جدا ہوتی ہیں۔مگر گھر کی مالک اور عورت کی سب سے بڑی خوبی ہے ہے کہ وہ اپنی دانشمندی اور مستقل مزاجی سے معمولی معمولی واقعات کو اہمیت دے کر آپس میں پھوٹ نہ ڈلوائے خاندان کا تفرقہ قوموں کا تفرقہ ہوتا ہے اور قوموں کا تفرقہ اللہ کا غضب۔

عالم آرا بیگم صحیح معنوں میں عورت اور گھر کی مالکہ کہلانے کی مستحق تھیں ان کی آنکھ بند ہوتے ہی خاندان کا شیرازہ بکھر گیا۔گویا وہ ایک جھاڑو کا بندھن تھیں جس کے ٹوٹتے ہی تمام تیلیاں منتشر ہوگئیں......علاوہ اپنی اولاد کے وہ کنبہ کے ہر فرد پر چھتری کی طرح چھائی ہوئی تھیں۔ان کی رائے کے آگے کوئی زبان نہیں ہلا سکتا تھا۔ وہ اپنی عقلمندی اور سنجیدگی سے کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیتی تھیں۔بیسیوں ایسے واقعات ہوتے تھے جن کا تصفیہ وہ خود کر دیا کرتی تھیں سید صاحب کی کان تک بھنک بھی نہیں پہنچنے دیتی تھیں۔افشاں کی نسبت کے معاملہ میں وہ مجبور ہوگئیں کیونکہ سید صاحب نے خود محسن کی گفتگو سن لی اور بیوی کے منع کرنے پر بھی انگوٹھی پہنا کر معاملہ پچیدہ کر دیا نصیرہ بیگم جو چچی کی زندگی میں دبی بلی بنی رہتی تھیں اب شیر ہوگئیں۔فرخ کے دل میں مومون کی طرف سے نفرت اور عداوت پیدا کرانے کے منصوبے سوچنے لگی۔

سید صاحب کے گھر میں آج کل سب لوگ افشاں کی دلجوئی میں لگے رہتے تھے حسن آرا بیچاری کو گھر کے دھندوں سے فرصت نہیں ملتی تھی ایک آتا تھا ایک جاتا تھا۔تمام دن پکوانے کھلونے میں گزر جاتا تھا۔رات کو تھک ہار کر پڑ جاتی تھیں۔کئی

کئی دن فرخ سے بات کرنے اور اس کو دیکھنے کا بھی خیال نہ آتا تھا۔ سید صاحب بھی اب اندر رہنے لگے تھے۔ نصیرہ بیگم کے لیے یہ سنہری موقعہ ہاتھ آیا تھا عالم آرا بیگم کے دسویں کی فاتحہ کے بعد وہ اپنے گھر چلی گئی تھیں ان کے میاں مشتاق احمد کسی دفتر میں دوسو روپیہ ماہوار کے نوکر تھے کوئی سو روپیہ مہینہ کی مسکونہ جائداد تھی۔ اولاد بھی زیادہ نہیں تھی۔ بڑا لڑکا اشفاق احمد علیگڑھ میں ایل۔ ایل۔ بی میں پڑھ رہا تھا۔ دونوں لڑکیاں رشیدہ حمیدہ دلی میں اسکول پڑھتی تھیں۔ میاں بیوی دونوں نہایت سلیقہ شعار اور منتظم تھے۔ اندر کا مکان اور باہر کی بیٹھک ہمیشہ صاف ستھرے نظر آتے تھے گھر میں ایک پکانے والی ماما اور اوپر کے کام کے واسطے ایک لڑکا رہتا تھا۔ نصیرہ بیگم ملنے جلنے اور سیر وتفریح کی بڑی شوقین تھیں ہفتہ میں پردہ باغ کا ایک پھیرا اور مہینہ میں ایک مرتبہ سینما جانا کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا...... کنبہ رشتہ میں سب کے دکھ درد، شادی، غمی میں شریک ہوتی تھیں۔ اپنے چچا یعنی سید صاحب کے ہاں وہ اور ان کی لڑکیاں اٹھواڑوں جا جا کر رہتی تھیں ہر کام اور ہر ذمہ داری سنبھال لیتی تھیں۔ مگر رشک وحسد انسان کی تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ افشاں کو انگوٹھی کیا پہنائی گئی نصیرہ بیگم کے بدن میں ایک آگ سی لگ گئی۔ محسن کی مخالفت سے وہ بہت خوش تھیں اور ان کو امید تھی کہ سید صاحب اور عالم آرا بیگم اپنے لڑکے کی مرضی کے خلاف نہیں کریں گے۔ اور پھر حسن آرا اور فرخ کو شیشہ میں اتار کر حمیدہ کا معاملہ طے کرلیا جائے گا۔ مگر سید صاحب نے کسی کی رائے اور مشورہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ انگوٹھی پہنا دی اور تمام امیدیں خاک میں ملا دیں۔ اب عالم آرا بیگم کے انتقال کے بعد پھر امید کی جھلک دکھائی دی...... انسان اپنی غرض کے لئے اندھا ہو جاتا ہے خو۳ اہ اس کو کتنا بھی ذلیل ہونا پڑے۔

ایک دن شام کے وقت فرخ کسی کام سے اپنی پھوپھی کے ہاں آئے۔ ان کی آواز سنتے ہی نصیرہ بیگم دوڑ کر انگنائی میں آگئیں اور سر سے پیر تک بلائیں لے کر

کہا۔ بیٹا پندرہ بیس دن میں دشمنوں کی کیا حالت ہوگئی پہچانے نہیں جاتے۔

فرخ۔ نانی اماں ایسی چیز نہیں تھیں کہ ان کو آسانی سے بھلایا جا سکے۔

نصیرہ بیگم۔ ہائے بچی اماں جیسی شفیق نانی اب تمہیں کہاں میسر آئیں گی۔ مگر میرے چاند اپنا دل مضبوط کرو دشمن بیمار پڑ جائیں۔ تمہیں نہ اپنے کھانے کی خبر ہے نہ سونے کا ہوش آدھا آدھا دن قبرستان میں گزار دیتے ہو۔ ایسا تو میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

فرخ۔ نہیں پھوپھی اماں کھاتا بھی ہوں ناشتہ بھی کرتا ہوں۔ سب ہی کچھ ہوتا ہے۔ بیشک نانی اماں کی قبر پر میرا بہت دل لگتا ہے۔ گھنٹوں بیٹھا ان سے باتیں کرتا رہتا ہوں۔ صبح و شام گھر کے سب حالات ان کو سناتا ہوں۔

نصیرہ بیگم۔ بیٹا یہ تو تمہارا بچپن ہے ایسی باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہاں ان کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے کلمہ استغفار پڑھو۔ صبح کو قرآن شریف پڑھا کرو۔ ہر وقت قبرستان جانے کی ضرورت نہیں ہے خدا رکھے اور سب ہی تو اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے ایک تم ہی جوگی بیراگی بنے پھرتے ہو۔ پردہ کی وجہ سے تمہیں گھر میں جانا ختم ہو گیا۔ بچی ابا بھی اب پوتی کی دلجوئی کے واسطے گھر ہی میں رہتے ہیں نہ کسی کو تمہارے کھانے کی خبر ہے نہ ناشتہ کی۔

فرخ۔ امی جان میرے ناشتہ کھانے کا برابر خیال رکھتی ہیں۔

نصیرہ بیگم۔ بیٹا تمہاری امی جان بیچاری کو تو دم لینے کی فرصت نہیں وہ غریب تو اپنا صدمہ بھی بھول گئیں۔ خدا رکھے گھر میں اس وقت بیسیوں آدمی ہیں۔ شوکت آرا ان کے بچے آپا روشن آرا مع نوکروں چاکروں کے۔ پھر کوئی نہ کوئی آیا گیا بھی ہوتا ہے۔ سب کا انتظام اکیلی حسن آرا کے اوپر ہے۔ آپا روشن آرا کو آنے جانے والوں کی باتوں سے فرصت نہیں شوکت آرا کو زکام کھانسی کی شکایت ہے۔ جب تک رہی ان کے ساتھ لگی رہتی تھی مگر لڑکیوں کی پڑھائی کا ہرج ہو رہا تھا تمہارے پھوپھا ابا کو

الگ تکلیف ہوتی تھی۔ مجبوراً آ گئی۔ تمہار کھانا ناشتہ میں اپنے آپ بھیجتی تھی میاں شاہد کو زبردستی تمہارے پاس بھیجا کرتی تھی۔

فرخ۔ نانی اماں کا صدمہ تو خیر ہے مگر امی جان کا خیال کر کے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ وہ کیسے آرام سے اپنی اماں کیساتھ رہتی تھیں۔ کسی بات کی فکر ہی نہیں تھی۔

نصیرہ بیگم۔ (ٹھنڈا سانس لے کر) میاں یہ تو ٹھیک ہے مگر خدا میں بڑی قدرت ہے وہ بارہ برس کے بعد کوڑی کے دن پھیرتا ہے۔ اگر اب بھی رضا علی آ جائیں تو ساری کلفتیں دور ہو جائیں۔

فرخ۔ بس آپ ان کا نام نہ لیجئے ان کے برابر سنگدل اور بے رحم شخص کوئی دنیا میں نہ ہوگا مجھے تو ان کا خیال کر کے غصہ آتا ہے۔

نصیرہ بیگم۔ اے بیٹا کیا کہہ رہے ہو۔ کس کے متعلق کہہ رہے ہو اور کس کے سامنے؟

فرخ۔ جی اپنے باپ کے متعلق کہہ رہا ہوں جاورا ن کی بہن کے سامنے۔ میرا دل بھرا ہوا ہے۔

نصیرہ بیگم۔ بیٹا میں نے آج تک تمہارے سامنے کچھ نہیں کہا مگر میری زبان تم کھلوا رہے ہو۔ خدا میں محسن کا بھلا کرے جنہوں نے ان کو جلاوطن کرایا۔

فرخ۔ (متعجب ہو کر) میں محسن نے کیا کیا تھا؟

نصیرہ بیگم۔ ارے بیٹا کیا بتاؤں میں نے تو چچا ابا اور چچی اماں کے خیال سے کبھی

[illegible]

فرخ۔ آپ تو کہہ رہی ہیں ادھر ادھر کی۔

نصیرہ بیگم۔ جس کی ماں کا کچھ ٹھیک نہیں وہ ادھر ادھر کیبی ہوئی وہ تیہ یہ کھودادی پھوپھی نے چار چاند لگا کر رکھا خاندان والوں کے آگے یہ مشہور کیا کہ اس کی ماں اعلی خاندان کی تھی۔

فرخ۔ اس کی ماں سے تو کچھ مطلب نہیں۔ بھنگی چماری کوئی بھی ہو آپ یہ بتائیے ماموں جان نے آپ کے بھائی کو کیسے پھنسوایا۔

نصیرہ بیگم۔ (مسکرا کر) میرے بھائی ہیں تمہارے کوئی نہیں۔ ابا جان کہو، ابا میں کہو پاپا کہو جو دل چاہے کہو۔

فرخ۔ میں نے ان کو دیکھا ہو تو دل چاہے کہ وہ کیا کہنے کے لائق ہیں۔ ہاں تو پھر بتائیے کیا ہوا تاھ۔

نصیرہ بیگم۔ اے بیٹا ایک زمانہ میں خلافت کا بہت زور شور رہا تھا۔

فرخ نے بات کاٹتے ہوئے کہا وہ تو مجھے سب معلوم ہے آپ اپنے گھر کے حالات سنائیے۔

نصیرہ بیگم۔ میں محسن اسی زمانے سے گورنمنٹ کے خلاف ہو گئے تھے مگر اپنے ابا کے ڈر کے مارے کھلم کھلا نہیں کہہ سکتے تھے۔ چالات بچپن سے ہیں رضا علی کے نام سے ہمیشہ اخباروں میں مضمون چھپوایا کرتے تھے۔ دو ایک مضمون ایسے لکھ دیئے کہ گورنمنٹ کیطرف سے گرفتاری کا وارنٹ جاری ہو گیا۔ یہ دونوں چپکے سے پہلے ہی یہاں سے چل دئے تھے بعد میں تحقیقات ہوئی تمہارے نانا ابا نے بہت دوڑ دھوپ کی۔ محسن تو بری ہو گئے۔ رضا علی کے اوپر الزام آیا ان کو ہندوستان آنے کی ممانعت ہو گئی۔

جرخ بالکل خاموش بیٹھے تھے نصیرہ بیگم نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ مجھے تو میں محسن کا رنگ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ایسے ایسے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں۔

فرخ۔دنیا ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے۔

نصیرہ بیگم۔ان کو تو فرض تھا کہ تمہیں اپنے بیٹے کی طرح سمجھتے اور اپنے گریبان میں منہ ڈالتے مگر میں نے اس مرتبہ دیکھا کہ وہ تو تمہارے سایہ سے بھاگتے ہیں۔

فرخ۔(مسکرا کر) ان کے دل میں چور ہے ڈرتے ہیں۔

نصیرہ بیگم۔ڈرنے کی کیا بات ہے۔

فرخ۔کہیں میں اپنے باپ کا بدلہ لوں۔

نصیرہ بیگم۔تم کیا باپ کا بدلے لوگے تمہیں تو ان کی غلامی میں دے دیا گیا۔

فرخ۔غلامی کیسی؟

نصیرہ بیگم۔بیٹا جان کی لڑکی سے تمہاری شادی ہو جائے گی تو تم انکے خلاف کچھ بول سکو گے۔فرخ پھر تھوڑی دیر کے لیے کسی سوچ میں پڑ گئے......رشیدہ نے کہا محسن ماموں جان تو ہمیشہ فرخ کو غصہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔شاہد بھائی کی مائیوں والے دن خواہ مخواہ بیچارے پر برپڑے۔

فرخ۔وہ مزاج کے چڑچڑے ہیں۔

حمیدہ تمہارے ساتھ ہی مزاج کے چڑچڑے ہیں۔محمود بھائی سے تو بہت مسکرا کر باتیں کرتے تھے۔

نصیرہ بیگم۔بھئی ایمان کی بات ہے محمود بھی تو چچا کی خوشامد میں لگے رہتے ہیں۔فرخ کو یہ باتیں کہاں آتی ہیں یہ تو اپنے باپ کی طرح صاف گو اور کھری کمان کا تیر ہے۔

فرخ۔خوشامد تو میں نانا ابا کی بی نہیں کرتا جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ ہیں۔

رشیدہ۔(ہنسکر) بغیر محسن ماموں جان کی خوشامد کیے کام نہیں بنے گا وہ بڑے مغرور اور خود پسند ہیں۔میں نے تو ان کو کسی سے بات کرتے نہیں دیکھا۔

فرخ۔مجھے کسی کی خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں۔

نصیرہ بیگم۔ ہماری اتنی عمر آئی ہم نے یہ طریقہ بڑوں کا کہیں نہیں دیکھا اپنے بچوں اور چھوٹوں کی کوئی بات ناگوار گزرے تو ڈانٹ دے سمجھا دے یہ نہیں کہ ان سے نفرت کرنے لگے۔ اور بے رخی اختیار کرے کہنے کو سگے ماموں ہیں جو دنیا میں سب سے زیادہ پیار اور محبت کا رشتہ ہے۔ اس کی تو مثالیں دی جاتی ہیں۔ قصے کہانیوں میں سنا ہے کسی ظالم اور آدم خور دیو کو بھی اگر ماموں کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا تو مہربان ہو جاتا تھا۔ آج کل انسانوں کی یہ حالت ہے جو اشرف المخلوقات کہلاتے ہیں۔

حمیدہ۔ ہم نے تو اپنے ماموں کو دیکھا ہی نہیں مگر ان کا خیال کر کے محبت آتی ہے۔

رشیدہ۔ اماں ہمارے ماموں جان کی کیسی صورت ہے۔؟

نصیرہ بیگم نے فرخ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ یہ بیٹھا ہے ان کی تصویر کوئی چیز تو باپ کی چھوڑی نہیں وہی گھونگروالے بال چوڑا ماتھا بھویں آنکھوں میں تیزی اور شرارت وہی ڈیل ڈول وہی چال ڈھال اگر تم دیکھو تو پہچان نہ سکو کہ کون سا فرخ ہے اور کون سے رضا ہیں۔ البتہ ان کے مونچھیں تھیں ان کا منہ صاف ہے۔

فرخ۔ (مسکرا کر) بیس برس کے بعد بھی وہ ایسے ہی رہے ہوں گے بڈھے نہ ہوئے ہوں گے۔

نصیرہ بیگم۔ (ٹھنڈا سانس لیکر) بیٹا میری آنکھوں میں تو ان کی وہی صورت ہے۔

فرخ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اچھا پھوپھی اماں میں جاتا ہوں یہ دو چار قمیصیں مرمت کے واسطے لایا ہوں امی جان کو دیتے ہوئے برا معلوم ہوتا ہے آپ بٹن وغیرہ ٹانک دیجئے گا۔ اب مجھے جلدی جانا ہے پڑھائی کا ہرج ہو رہا ہے۔

دانے تلے ہیں پانچ منٹ اور ٹھہر جاؤ۔

فرخ۔ دیر تو بہت ہوگئی ہے۔ امی جان پریشان ہوں گی مگر ہرن کے گوشت کا نام سن کر منہ میں پانی بھر آیا۔ بغیر کھائے جا بھی نہیں سکتا۔

نصیرہ بیگم۔ ابھی تو آٹھ ہی بجے ہیں۔ چنگی قبر سے دریا گنج کا فاصلہ ہی کتنا ہے۔ پھر خدا رکھے تمہارے پاس سائیکل موجود ہے۔

فرخ خاموش ہو گئے لڑکیوں نے دستر خوان بچھایا کھانے پر بھی نصیرہ بیگم نے وہی اشتعال دلانے والی باتیں کیں۔ لڑکیوں نے مسکرا کر خوب نمک مرچ چھڑ کا فرخ پہلے ہی اپنے متعلق محسن کی گفتگو سنے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کی باتوں نے اور تیل پر دیا سلائی کا کام کیا جب وہ گھر واپس آئے تو ماموں کی طرف سے غصہ اور نفرت کی آگ ان کے دل میں بھڑک رہی تھی۔ وہ سیدھے اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئے انہوں نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتار کر دور پھینکی۔ ہٹاؤ اس غلامی کے حلقہ کو میں کسی افلاطوں کے آگے جھکنے والا نہیں ہوں میں اپنی زندگی میں کسی کی خوشامد نہیں کروں گا نہ مجھے کسی کے مال و دولت کی پرواہ نہ میں کسی کے حسن و جمال کا شیدا صبح امی جان سے صاف صاف کہہ دوں گا۔ مجھے شادی کی ضرورت نہیں میں دنیا کے مکروہات سے نفرت کرتا ہوں میں کسی کی لڑکی کو بیوہ کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے اپنے پاؤں میں بیڑی ڈلوانی منظور نہیں میں سپاہی آدمی ہوں اب فوج میں جاؤں گا لڑائی زور پکڑتی جا رہی ہے۔ مجھے ضرور جانا چاہیے۔ وہاں مجھ جیسے آدمیوں کی بہت ضرورت ہے نہ میں بندوق سے ڈروں نہ توپ سے نہ ہوائی حملوں کا مجھے خطرہ موت اگر آتی ہے تو کہیں نہیں چھوڑتی نانی اماں کو بند کمرہ میں لے گئی۔ اگر زندہ رہا تو فتح کا ڈنکا بجاتا آؤں گا وکٹوریہ کراس میرے سینے پر لگا ہوگا اور اگر مارا گیا تو کسی کا بارِ دوش نہ ہوں گا۔ امی جان کی پنشن ہو جائے گی وہ کسی بھائی کی روٹیوں کی محتاج نہ ہوں گی۔ بڑی عزت کے ساتھ میرا تمغہ جا کر لیں گی...... دنیا میں میری صرف ایک ماں

ہیں ...... مگر نہیں میں ایسا احسان فراموش کیوں ہو گیا نانا ابا کا مجھے خیال ہی نہیں رہا وہ تو مجھے کبھی لڑائی پر جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اپنی عمر میں کبھی میں نے ان کی حکم عدولی نہیں کی اور اب تو ان کے اوپر صدمہ پڑا ہوا ہے۔ پندرہ دن میں وہ جھک کر چلنے لگے۔ اس ضعیفی اور کمزوری میں میرا فرض ہے کہ ان کی خدمت کروں...... اس کے علاوہ میرے بچپن کے بے زبان اور معصوم دوست کا کیا حشر ہو گا اس کا دل پہلے ہی ٹوٹ چکا ہے۔ سنا ہے اسے بیہوشی کے دورے پڑنے لگے ہیں وہ کسی سے اپنے دل؛ کی بات نہیں کہتی۔ میرے جانے کے بعد اس کے باپ زبردستی اس کی شادی شہریار سے کر دینگے وہ بے بس اور مجبور ہو جائے گی۔ یہ اس کے اوپر بڑا ظلم ہو گا۔ اور صرف میری وجہ سے...... نہیں میں خود بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ وہ کسی دوسرے کے قبضہ میں جائے۔ نہ میری زندگی میں نہ مرنے کے بعد میں ہرگز اس کی شادی کسی دوسرے سے نہیں ہونے دوں گا۔ اس کو وصیت کر کے جاؤں گا وہ بچپن سے میرے حکم پر چلتی ہے۔ اور اب تک میری مٹھی میں ہے۔"

فرخ مسکرانے لگے۔ کیسی گدھی لڑکی ہے...... بڑی پاک طینت اور فرشتہ صفت ہے لوگ اس کی ماں کی وجہ سے اسے ذلیل سمجھتے ہیں مگر میں اسکے باپ کو شیطان خیال کرتا ہوں فرخ کے دل کا بخار نکل چکا تھا۔ پہلے انہوں نے انگوٹھی ڈھونڈ کر پہنی پھر آہستہ سے کمرہ کا دروازہ کھول کر اندر کے برآمدہ میں آئے گھر میں سناٹا تھا۔ صرف حسن آرا کے کمرہ کی بجلی جل رہی تھی۔ انہوں نے دبے پاؤں جا کر جھانکا۔ انگیٹھی میں آگ دھک رہی تھی۔ حسن آرا جاء نماز پر تسبیح ہاتھ میں لیے بیٹھی تھیں...... اپنی ماں کی شکل دیکھ کر فرخ کے دل پر ایک چوٹ لگی وہ خاموش ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ حسن آرا نے پوچھا۔" آج تم کہاں چلے گئے تھے کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔

فرخ۔ ارے امی جان آپ بھی حد کرتی ہیں بارہ بجے تک آپ کو جاگنے کی کیا

ضرورت تھی۔

حسن آرا۔ میں تو ابھی عشاء کی نماز پڑھ کر بیٹھی ہوں تمہار کھانا گرم کرنے کے خیال سے انگیٹھی جلائی تھی۔ آخر تم کہاں چلے گئے تھے۔؟

فرخ۔ میں ذرا پھوپھی اماں کی طرف نکل گیا تھا۔ انہوں نے زبردستی کھانے پر بٹھالیا۔

حسن آرا۔ بارہ بجے تک وہاں کیا کرتے رہے۔

فرخ۔ (مسکراکر) ٹھیک دس بجے آ گیا تھا اپنے پلنگ پر لیٹا تھا۔

حسن آرا۔ تم کو چاہیئے تھا مجھ سے آکر کہہ جاتے۔

فرخ۔ ہاں یہ میں نے غلطی کی مجھے خبر نہیں تھی آپ کو میرا انتظار ہوگا۔

حسن آرا۔ کھانا تم نے کھایا نہیں تھا۔ انتظار کیسے نہ ہوتا۔ مجھے تو اب پریشانی ہوگئی تھی۔ دس منٹ اور نہ آتے تو شاہد کو جگا کر کہیں بھیجتی۔

فرخ۔ پریشانی کی کیا بات تھی میں کوئی بچہ تھا۔

حسن آرا۔ پریشانی کی تو بات ہی تھی کبھی بارہ بجے تک گھر سے باہر نہیں رہے۔

فرخ۔ (مسکرکر) آپ نے پہلے باہر تو دکھوالیا ہوتا پھر پریشان ہوتیں۔

حسن آرا۔ خیر اب جاکر سوؤ۔

فرخ۔ کیا آپ اکیلی سوتی ہیں۔

حسن آرا۔ یہاں تو کوئی نہیں سوتا سب اماں کے کمرہ میں فرش پر سوتے ہیں۔

فرخ۔ کیا نانا ابا بھی زمین پر سوتے ہیں۔

حسن آرا۔ نہیں ان کا تو پلنگ بچھا ہے۔

فرخ۔ سردی کے موسم میں زمین پر سونے کی کیا ضرورت ہے وہاں پلنگ نہیں بچھوائے جاسکتے۔ اب کیا کسی اور کا بیمار پڑنے کا ارادہ ہے۔

حسن آرا۔ ٹھنڈا سانس لیکر۔ ارے بھئی افشاں کا دل ایسا کمزور ہو گیا ہے کہ وہ

چاہتی ہے سب کے بیچ میں سوئے ایک طرف آپا جان ہوتی ہیں ایک طرف میں سوتی ہوں سرہانے گلشن مگر اس کی یہ حالت ہے رات میں کئی کئی مرتبہ چونک پڑتی ہے کپکپی سی لگ جاتی ہے اماں کی آخری حالت دیکھے ہوئے ہے۔ اس کے دل پر بہت اثر ہے۔

فرخ۔ آپ لوگ بھی تو کمال کرتے ہیں۔ نانی اماں کے کمرہ میں اسے سلانے کی کیا ضرورت ہے۔ رات کے وقت اس کے دماغ میں وہی منظر پھرتا ہوگا۔ وہاں تو میں بھی نہیں سو سکتا آپ اس کو یہاں کیوں نہیں سلاتیں۔

حسن آرا۔ ہم لوگ یہاں آجائیں گے تو ابا جان اکیلے رہیں گے۔

فرخ۔ نانا ابا کو باہر اپنے کمرہ میں سونا چاہیے۔

حسن آرا نے روتے ہوئے کہا۔ بیٹا یہ دل نہیں چاہتا کہ ان کا کمرہ خالی چھوڑ دیا جائے ہائے زندگی میں بغیر انکے کسی کو چین نہیں آتا تھا اب انکے کمرہ سے سب کو ڈر لگتا ہے۔"

فرخ نے دھیمی آواز سے کہا۔ امی جان یہ ڈر نہیں ہوتا بلکہ ان کی تکلیف کا خیال کر کے اپنی روح کو تکلیف ہوتی ہے۔

حسن آرا نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ہاں میاں لڑکپن میں اس چیز کا بہت اثر ہوتا ہے اور پھر تم لوگوں نے اپنی عمر میں پہلی مرتبہ ایسی چاہنے والی کی یہ حالت دیکھی۔

فرخ۔ بڑی ممانی جان کہاں سوتی ہیں۔

حسن آرا۔ وہ تو بڑے کمرہ میں سوتی ہیں۔

فرخ۔ آپ کل سے افشاں اور گلشن کو بھی وہاں سلوایا کیجئے۔ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہوگیا اب آپ کو سب سے زیادہ افشاں کی صحت کا خیال رکھنا چاہیے۔ گھر کے کاموں کو چھوڑیے خالہ اماں اور ممانی جان تو موجود ہیں وہ کیوں نہیں کھلاتے پلاتے

کا انتظام کرتیں اگر افشاں کی صحت خراب ہو جائے گی تو سارا الزام آپ کے اوپر آئے گا۔ یہ آپ کو جتائے دیتا ہوں۔

حسن آرا۔ یہ تو میں خود جانتی ہوں کھلائے کا نام نہیں رلائے کا نام ہوتا ہے دس دن کے اندر ہی لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ دادی کی آنکھ بند ہوتے ہی پھوپھی نے بھی آنکھیں پھیر لیں۔

فرخ۔ اچھا یہ کس نے کہا۔؟

حسن آرا۔ یہ تو مجھے خبر نہیں مگر سنا ہے۔ چھوٹے بھائی کے کان تک یہ آواز پہنچ گئی اسی وجہ سے وہ لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔

فرخ۔ آپ سے کس نے کہا۔؟

حسن آرا۔ ارے بیٹا میرا دماغ تو ایسا خراب ہو رہا ہے کہ مجھ کچھ یاد نہیں رہتا شاید آپا جان کہہ رہی تھیں۔

فرخ۔ انہوں نے کس سے سنا تھا۔؟

حسن آرا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ یہ انہوں نے مجھے نہیں بتایا...... اچھا اب تم جا کر سوؤ۔ ایک بجنے والا ہے۔''

فرخ نے جاتے ہوئے کہا۔ دنیا بھی عجیب تماشا ہے۔

سترہواں باب

شادیاں سب کے ہاں ہوتی ہیں۔ مگر خدا نہ کرے ایسی شادی کیس کے ہاں ہو جہاں چوتھی ہی کے دن سے افراتفری مچ جائے کہ کوئی دولہا کی آؤ بھگت کرنے والا نہ تھا نہ کوئی دلہن کی خاطر مدارت حیاء شرم سب بالا طاق۔ نہ دلہن کو اپنے گھونگھٹ کا خیال نہ دولہا کو بزرگوں کا لحاظ۔ سب کے سامنے شاہد بے تکلفی سے بیوی سے بات چیت کرنے لگے۔ نزہت سر جھاڑ منہ پھاڑ پھر کرنے لگیں۔ نہ کپڑوں کی خبر نہ زیور کا ہوش۔ کبھی ریشمی پاجامہ پہنے ہیں تو ململ کا دوپٹہ، کبھی لٹھی کا پاجامہ کے اوپر جارجٹ کا ٹکا ہوا دوپٹہ جو کپڑا ہاتھ لگا وہی پہن لیا بیچاری کا عجیب حلیہ بنا رہتا تھا۔ گلشن کو کبھی خیال آ گیا۔ انہوں نے چوٹی گوندھ دی نہیں تو لٹیں ہی بکھری رہتی تھیں فرحت کا دل چاہا انہوں نے کپڑے بدلوا دیئے ورنہ رنگ برنگے کپڑوں ہی میں پھرتی رہتی تھیں۔ نہ کہیں میکہ تھا نہ کوئی سسرال سب ایک ہی جگہ ملے جلے تھے روشن آرا اپنی ماں کی بیمری ہی میں رائے صاحب کی کوٹھی سے آ گئی تھیں۔ افشاں کے کمرہ میں شاہد ٹھیرے ہوئے تھے...... فرخ نے نانی کے انتقال کے بعد سے اندر کا آنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ جس دن رات کو وہ نصیرہ بیگم کے ہاں سے کھانا کھا کر آئے تھے اس کے دوسرے دن حسن آرا نے شاہد کو سمجھایا کہ فرخ کا خیال رکھیں وہ زیادہ اپنی پھوپھی کے ہاں نہ جائیں...... اس وقت شام کی چاء کے لیے شاہد زبردستی فرخ کو اپنے کمرہ میں لے کر آئے گلشن اور نزہت بھی تھیں گلشن بولیں۔ فرخ ہم تو تمہاری

فرخ۔تم اپنے دماغ کا علاج کرو۔

گلشن۔خدا خیر کرے یہ کیسی اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہے ہو۔

فرخ۔میں نے تو کوئی اکھڑی بات نہیں کی تم ہی مجھے پاگل سمجھ رہی ہو۔دماغ کا علاج کرا رہی ہو۔

گلشن۔تم نے بات ہی ایسی کی تھی۔"اس لڑکی کو صورت دیکھنی نہیں چاہتا۔"

فرخ۔بیشک یہ میں اب بھی کہتا ہوں اس کی صورت دیکھنے کے واسطے پتھر کا دل ہونا چاہیے۔

شاہد۔(مسکرا کر) اچھا یہ آپکے ہمدردانہ الفاظ تھے مگر بڑے بھونڈے اور نا مناسب۔

فرخ۔میں ایسی باریکیاں نہیں دیکھتا۔جو منہ میں آیا کہہ دیا۔

شاہدج۔مگر بندہ خدا ولی کا نام تو نہ ڈبوو۔تمہیں کہنا چاہیے تھا۔اس لڑکی کی صورت دیکھنے کی میرے دل میں تاب نہیں یا اس کی صورت دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔"

فرخ۔بس آپ اپنا دل جگر تاب و طاقت اپنے پاس ہی رکھیے مجھے ان شاعرانہ الفاظ سے سخت نفرت ہے۔

زہت۔اس میں شاعری کی کیا بات ہے،تم اس وقت غلط جملہ بولے تھے۔صورت دیکھنی نہیں چاہتا۔سے تو غصہ اور نفرت کا اظہار ہوتا ہے۔

فرخ۔منہ دوسری طرف پھیر کر۔کیا بیحیائی کا زمانہ آ گیا ہے شادی کو ابھی پندرہ ہی دن ہوئے ہیں میاں کی حمایت میں بولنے لگیں۔

شاہد(مسکرا کر) اچھا یہ تو بتاؤ تم اس قدر خاموش کیوں رہتے ہو۔

فرخ۔آپ کو نہیں خبر! دو ہفتے ہوئے میری نانی کا انتقال ہو گیا ہے۔

شاہد۔نانی تو میری بھی تھیں ان کا رنج کس کو نہیں ہے۔اپنے اپنے رشتہ اور تعلق کے مطابق سب ہی متاثر ہیں مگر تمہاری طرح پریشان اور فکر مند کوئی نہیں نہ رونے

کے وقت روتے ہیں کھانے کے وقت کھاتے ہیں۔ سب ہی کام ہو رہے ہیں دنیا کا یہی دستور ہے جو جاتا ہے۔ صرف اپنے دم سے جاتا ہے اور کسی کا کچھ نہیں لے جاتا۔

فرخ۔ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔؟ شاہد بھائی ذرا سوچئے تو کسی کے گھر میں ملک الموت کا آنا کوئی معمولی بات ہے وہ مسلح ڈاکوؤں کی طرح آتا ہے سب کچھ لوٹ لیتا ہے۔ گھر کو ویران اور برباد کر دیتا ہے گھر والوں کو زنجیروں میں جکڑ کر بے بس و مجبور کر دیتا ہے ان کے منہ میں کپڑے ٹھونس کر زبان بند کر دیتا ہے اپنے حق المقدور وہ کوئی چیز نہیں چھوڑتا۔

شاہد نے اپنی گردن جھکا کر دھیمی آواز میں کہا۔ پھر کیا ہوتا ہے۔''

فرخ۔ اس کے جانے کے بعد انسان اپنی بربادی کا ماتم کرتا ہے اور کیا ہوتا ہے۔

شاہد۔ اس کے بعد۔

فرخ۔ اس کے بعد بھیائی کا خدا بھلا کرے کچھ ادھر سے سمیٹا کچھ ادھر سے جمع کیا اور جیسے پہلے تھے ویسے ہی ہو گئے۔

شاہد۔ میرا بھی تو یہی مطلب تھا گھر کے سب لوگ اپنی پہلی حالت پر آتے جا رہے ہیں مگر تمہاری خاموشی غیر معمولیل ہے۔

گلشن۔ تمہیں تو اب خالہ جان کا زیادہ خیال کرنا چاہیے۔ رات کو خبر نہیں کہاں چلے گئے تھے بارہ بجے کے بعد آئے ہو۔

فرخ۔ کون کہتا ہے بارہ بجے کے بعد آیا۔

گلشن۔ میں کہتی ہو۔

فرخ۔ تم سے کس نے کہا'

گلشن۔ کہتا کون؟ جس وقت تم گھر میں آئے ہو میں جاگ رہی تھی۔

فرخ۔ تمہارے جاگنے سے کیا ہوتا ہے میں تو دس ہی بجے آ گیا تھا۔

گلشن کھانا تم نے کہاں کھایا تھا۔

فرخ۔ تمہیں کیا مطلب۔

گلشن۔ مطلب کیسے نہیں خالہ جان بیچاری بارہ بجے تک بیٹھی رہیں۔ افشاں الگ جاگتی رہی۔

فرخ۔ (تعجب سے) افشاں کیوں جاگتی رہی؟

گلشن۔ تم اس کی عادت نہیں جانتے بچپن میں ذرا تمہیں اسکول سے آنے میں دیر ہو جاتی تھی تو کس قدر پریشان ہو جاتی تھی۔ اب سے دور جب تم دہرہ دن سے بیمار ہو کر آئے تھے تو اس کی کیا حالت ہو گئی تھی۔

فرخ نے کوئی جواب نہیں دیا وہ کسی سوچ میں پڑ گئے۔

گلشن نے پوچھا۔ کہاں چلے گئے تھے۔

فرخ نے کچھ رنجیدہ لہجے میں کہا۔ پھوپھی اماں کے ہاں گیا تھا وہیں کھانا کھالیا تھا۔

گلشن نے طنزاً کہا۔ حمیدہ نے تمہارے واسطے کوئی خاص چیز پکائی ہو گی۔

فرخ نے گلشن کی طرف کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ حمیدہ نے تو نہیں ہاں رشیدہ نے ہرن کا گوشت بہت لذیذ پکایا تھا۔

گلشن نے فرخ کو سلام کرتے ہوئے کہا۔ کیوں کیسا تاڑا ہے۔

فرخ۔ جیتی رہو خواہ مخواہ تم نے اس وقت سلام کی تکلیف کی کوئی خاص طور پر میرے لیے نہیں پکا تا تھا وہ تو اتفاق سے میں چلا گیا پھوپھی اماں نے زبردستی مجھے کھانے پر بٹھالیا۔

نزہت۔ ابھی کیا ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔"

فرخ۔ یہ شاعری سے شوق کب سے ہو گیا۔؟

شاہد۔ ان قصوں کو چھوڑو میں تم سے یہ پوچھ رہا تھا کالج کب جاؤ گے۔ تمہارا بڑا

ہرج ہو رہا ہے۔ بی۔اے کا آخری سال ہے۔

فرخ۔ اب سوچتا ہوں پڑھنا چھوڑ دوں۔

شاہد۔ کیوں؟

فرخ۔ آپ جانتے ہیں۔ میں بچپن سے پڑھنے کا چور ہوں۔ بیس برس کی عمر ہو گئی۔ اب تک بی اے پاس نہیں کر سکا اور اب کوئی بھی امید نہیں۔

شاہد۔ فیل تو تم کبھی ہوئے نہیں۔ ہاں دو سال تمہارے ضائع بڑے ہوئے ابھی تین مہینے امتحان میں باقی ہیں ڈٹ کر محنت کر لو اور فرسٹ ڈویژن لانے کی کوشش کرو۔

فرخ۔ کس وجہ سے؟

شاہد۔ آئی سی ایس میں بیٹھ جانا۔ چھوٹے ماموں جان کی خواہش بھی یہی ہے۔

فرخ۔ (مسکرا کر) خدا کا شکر ہے۔ آئی سی ایس کا امتحان بند ہو گیا۔

شاہد۔ پی سی ایس میں بیٹھ جانا۔ ڈپٹی کلکٹری کچھ بری تھوڑی ہوتی ہے۔

فرخ۔ کون ہوتا ہے ڈپٹی کلکٹر؟

شاہد۔ تم نہیں جانتے۔

فرخ۔ میں تو آپ سے پوچھ رہا ہوں

شاہد۔ آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔

فرخ۔ میں تو بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں آپ میرے سوال کا جواب دیجئے۔

شاہد۔ (مسکرا کر) ارے بھئی ایک افسر ہوتا ہے۔ ضلع کی تحصیل کا حاکم ہوتا ہے اس کے بڑے اختیارات ہوتے ہیں۔

فرخ۔ جو لوگ حومت کے خلاف ہوں انہیں ایک افسر اور حاکم کو بیٹی دینے کی تمنا کیوں ہے۔

شاہد۔ فضول باتیں کرنے سے کیا فائدہ حکومت خلاف کوئی نہیں ہے۔

فرخ۔ آپ فضول باتیں نہ سمجھئے یہ حقیقت ہے۔

شاہد۔ ایسے معمے میری سمجھ میں نہیں آتے صاف صاف کہو۔

فرخ۔ یہ آپ کے چھوٹے ماموں جان کون ہیں؟

شاہد نے نزہت کی طرف دیکھ کر کہا۔ اس کو آج ہو کیا رہا ہے۔

فرخ۔ (مسکرا کر) بیوی سے رائے لینے کی ضرورت نہیں ہے پہلے مجھے بتائیے کون ہیں؟

شاہد۔ ماموں ہیں اور کون ہیں۔

فرخ۔ وہ گورنمنٹ کے خلاف ہیں جس کو باغی کہتے ہیں۔

شاہد۔ میں دیکھتا ہوں تم اب بدزبان اور گستاخ ہو چلے ہو۔

فرخ۔ مجبوری ہے واقعات ہی ایسے ہیں۔

گلشن۔ واقعات تو کچھ نہیں ہیں۔ خواہ مخواہ تم نے بات کا بتنگڑ بنا لیا ہے۔ چھوٹے ماموں جان کی عادت ہی ایسی ہے وہ ہمیشہ سب سے الگ الگ اور کھنچے کھنچے رہتے ہیں۔ اس دفعہ تو چلتے وقت بیچارے سب سے مل کر روئے تھے تم سے بھی تو ہاتھ ملایا تھا۔

فرخ۔ تم تھوڑی دیر چپکی بیٹھیں رہتیں تو کیا ہرج تھا؟

گلشن۔ ہرج کیسے نہیں تھا تم جوان کی طرف سے بدگمان ہو تمہاری غلط فہمی دور کر

فرخ نے نصیرہ بیگم سے سنے ہوئے حالت شاہد کے آگے بیان کر کے کہا۔ آپ نے کوئی بھی ایسا انسان دیکھا ہو گا جو اپنی سگی بہن کے حق میں کانٹے بوئے۔"

شاہد نے دھیمی آواز میں کہا۔ تعجب ہے چھوٹے ماموں جان سے ایسی اخلاقی کمزوری ہو گئی وہ تو بہت بلند خیال اور مضبوط کیریکٹر کے معلوم ہوتے ہیں۔"

فرخ نے مصنوعی قہقہہ لگا کر کہا۔ مضبوط کیریکٹر بس آپ میری زبان نہ کھلوایئے پھر آپ کہیں گے گستاخ ہو گیا ہے۔

نزہت۔ آخر یہ واقعات تمہیں کیسے معلوم ہوئے۔ کیا پھوپھی جان نے بتائے ہیں۔؟

گلشن۔ آے بی تم بی بیوقوفی کیا تیں کرتی ہو۔ جانتی نہیں۔ آج کل پھوپھی اماں کو اپنے بھتیجے کی بہت مامتا اچھل رہی ہے۔

نزہت۔ ٹھنڈا سانس لیکر۔ ہائے دادی اماں کی آنکھ بند ہوتے ہی لوگوں کو خوب بن آئی۔ دیکھو کیا گل کھلاتی ہیں۔

گلشن کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ انہوں نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ نانی ماں کے مرنے سے اور کسی کا تو کچھ نہیں بگڑا، خدمت گزار ساس، چاہنے والی بیوی مل جائے گی مگر اس نگوڑی بے زبان کی مٹی پلید ہو جائے گی۔"

فرخ۔ یہ آپ کس کے متعلق فرما رہی ہیں۔"

گلشن۔ آپ کے متعلق عرج کر رہی ہوں اور کس کے۔

فرخ۔ تمہیں یہ بھی خبر ہے؟ دنیا میں سب سے زیادہ رفیق سب سے زیادہ ہمدرد اور سب سے زیادہ مخلص دوست اس بے زبان کا میں ہوں اور دل کے دعوے سراسر غلط۔

شاہد۔ (مسکرا کر) بس بس زیادہ جوش میں آنے کی ضرورت نہیں۔

فرخ۔ جوش کیسا میں تو گلشن کی بات کا جواب دے رہا ہوں۔ یہ نہیں جانتیں کہ وہ

بچپن سے میرے ساتھ رہی ہے مجھ سے زیادہ کسی کو اس کا خیال نہیں ہو سکتا۔

شاہد۔ معلوم ہو گیا اب زیادہ افشائے راز کرنے کی ضرورت نہیں۔

فرخ۔ راز کیسا سب جانتے ہیں۔

شاہد۔ ہم تو یہ جانتے تھے کہ تم ہمیشہ اس کی مخالفت کرتے رہے۔ بچپن میں ہر وقت اس کو ستاتے تھے لڑا کرتے تھے۔ بیچاری تم سے عاجز رہتی تھی۔

فرخ۔ اچھا اسی بات پر آپ اس سے قسم لیکر پوچھیے وہ آپ سے زیادہ محبت کرتی ہے یا مجھ سے شاہد نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اس وقت بہت دن کے بعد بے ساختہ ہنسی آ گئی بڑے پاگل ہو۔

فرخ۔ آپ کو ہنسی آئی مجھے رنج ہوا۔

شاہد۔ رنج کیوں ہوا؟

فرخ۔ اس وقت نانی اماں یاد آ گئیں۔ میں ان کو چھیڑنے کے لیے افشاں کو ستایا کرتا تھا۔ جس وقت وہ اس کی حمایت میں مجھے ڈانٹتی تھیں تو آپ سے سچ کہتا ہوں اس قدر لطف آتا تھا کہ کسی کے پیار میں بھی نہ آئے گا۔

فرخ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ گلشن اور نزہت بھی رونے لگیں تھوڑی دیر تک بالکل خاموشی رہی...... شاہد نے فرخ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ بھئی اب امتحان کے بعد تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔

فرخ۔ آپ تو ایسی باتیں کرتے ہیں کہ گدھوں کو ہنسی آئے۔

شاہد۔ ہنسنے دوسروں کو تمہارا کیا نقصان ہے۔

فرخ۔ (مسکرا کر) شادی ہو گئی ہے ذرا سوچ سمجھ کر بولا کیجیے۔ دونوں کی شان میں اس وقت گستاخی کی۔

شاہد۔ (مسکرا کر) تم تو بیہودہ ہو۔

فرخ۔ کم از کم نزہت کی موجودگی کا تو خیال کیا ہوتا بیچاری برا مانیں گی۔

نزہت۔ کیا بات ہوئی تو کچھ بھی نہیں۔

فرخ۔ چلو اچھا ہوا۔ ورنہ ابھی لڑائی ہو جاتی۔ لڑکیوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

نزہت۔ بتاؤ فرخ کیا بات تھی۔

گلشن۔ نہ کوئی بات نہ چیت خواہ مخواہ دوسروں کی زبان پکڑتے ہیں۔

فرخ۔ بات کیوں نہیں اپنے سسروں کو گدھے کہہ رہے ہیں ابھی تم نے سنا نہیں؟

شاہد۔ مجھے خیال بھی نہیں تھا کہ تمہارا دماغ کہاں پہنچے گا۔

نزہت۔ اسی وجہ سے تو کہتے ہیں انسان کو بیہودہ بات زبان سے نہیں نکالنی چاہیے۔

شاہد۔ خدا کی قسم بے ساختہ میری زبان سے نکل گیا۔

گلشن۔ اے بھائی جان آپ قسما قسمی کیوں کرنے لگے۔ گدھے تو فرخ نے کہا تھا۔

شاہد۔ خیر خیر۔ اس ذکر کو چھوڑو۔ میری بات ادھوری رہی جاتی ہے۔ فرخ نے بڑی چالاکی سے ٹالا ہے۔

فرخ۔ آپ مہربانی کر کے وہ قصہ نہ چھیڑیے گا میں کچھ اور کہہ بیٹھوں گا۔

شاہد۔ ابھی تو اس قصہ کے چھیڑنے کا وقت ہی نہیں ہے۔ مگر میری رائے میں دو تین مہینے کے بعد تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔

فرخ۔ کیوں؟

شاہد۔ دیر لگنے میں لوگوں کو بہلانے پھسلانے کا موقع ملے گا۔ تم ابھی بیوقوف ہو ذرا سا ہرن کھا کر ہی چوکڑیاں بھرنے لگتے ہو۔

فرخ۔ (مسکرا کر) میں آپ سے ایمان سے کہتا ہوں رات کو مجھے اس قدر غصہ آیا تھا کہ انگوٹھی اتار کر پھینک دی تھی۔

شاہد۔ (آنکھیں پھاڑ کر) ہاتھ تو دکھاؤ۔

فرخ نے اپنا ہاتھ دکھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ پھر پہن لی تھی اس لڑکی کا خیال آ گیا

۔

شاہد۔ مگر تم ہو نہایت گدھے۔ تمہاری روک تھام کی سخت ضرورت ہے۔

فرخ۔ گدھا نہیں ہوں۔ ہاں غصہ جلدی آ جاتا ہے۔ پھر بعد میں خود ہی سوچ کر ٹھیک ہو جاتا ہوں۔

شاہد۔ ہے یہ چیز خطرناک غصہ بھی سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ فرض کرو غصہ آتے ہی معاملہ قابو سے باہر ہو جائے۔ پھر سوچنا بیگار ہو گا۔

گلشن نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ میں تو جاؤں میری زبان سے کچھ نکل جائے گا تو خواہ مخواہ بات بڑھے گی۔

نزہت نے جواب دیا۔ نہیں کوئی ہمارا دماغ تھوڑی خراب ہوا ہے۔

گلشن نے جاتے ہوئے کہا۔ پہلے ہی ابال میں تو ساری چکنائی نکل جاتی ہے دودھ میں رہتا ہی کیا ہے۔

نزہت اور گلشن دونوں افشاں کے پاس آ گئیں وہ اس وقت اپنے دادا کے پاس بیٹھی تھی۔

سید صاحب نے کہا۔ آؤ بیٹی آؤ میں تمہیں بلانے والا تھا۔ ذرا افشاں کی تعلیم کے متعلق مشورہ کرنا ہے۔

نزہت گلشن خاموش بیٹھ گئیں۔۔۔ سید صاحب نے گلشن سے پوچھا۔ بیٹا تمہاری تعلیم ختم ہو گئی یا ابھی پڑھ رہی ہو۔

گلشن۔ ابھی تو پڑھ رہی ہوں۔

سید صاحب۔ کون سی کلاس میں۔

گلشن فورتھ ائیر میں۔

سید صاحب۔ ماشاءاللہ اب بی اے ہو جاؤ گی۔ فرخ اور تم ساتھ ہی ہو۔

سید صاحب نے نزہت سے پوچھا۔ بیٹی تم نے کہاں تک پڑھا ہے۔

نزہت۔ میں نے انٹرمیڈیٹ کر کے چھوڑ دیا تھا۔

سید صاحب۔ آگے کیوں نہیں پڑھا؟

فرحت۔ لاہور سے ابا میں کا تبادلہ ہو گیا پھر امی جان نے بورڈنگ میں رکھنا پسند نہیں کیا۔

سید صاحب۔ ہاں ٹھیک ہے مجھے یاد آ گیا۔ خدا تمہاری دادی کو غریق رحمت کرے انہوں نے بورڈنگ میں رکھنے کو منع کیا تھا۔

نزہت نے کوئی جوب نہیں دیا۔

سید صاحب۔ گلشن سے۔ تم علیگڑھ میں پڑھتی ہو۔؟

گلشن۔ جی ہاں! میں تو میٹرک کر کے وہیں چلی گئی تھی۔

سید صاحب۔ میں چاہتا ہوں افشاں کو پرائیویٹ انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں بٹھوا دوں۔ آئندہ سال تک تیاری کرے گی۔

گلشن۔ امتحان کی فیسیں چلی گئیں نہیں تو اسی سال بیٹھ جاتیں۔

سید صاحب۔ اس سال تو وقت بہت کم رہ گیا ہے کورس پورا نہیں ہو سکتا تھا۔

گلشن۔ میری انٹرمیڈیٹ کی کتابیں افشاں سب پڑھ چکی ہیں۔ انگریزی ان کی بہت اچھی ہے اردو فارسی تو انہوں نے شروع سے پڑھی ہے۔

سید صاحب۔ (مسکرا کر) فارسی تو میں نے ان کو اور فرخ کو خود پڑھائی ہے۔ تمہارے ہاں کے بی اے کے کورس سے ان کی استعداد زیادہ ہو گی۔

گلشن۔ منہ پھر کر مسکرانے لگیں۔

سید صاحب۔ تم علیگڑھ کب جاؤ گی۔

گلشن۔ جلدی جانے کا رادہ ہے۔

سید صاحب۔ ہاں تمہارا اور فرخ کا بہت ہرج ہوا۔ اب تم لوگوں کو جانا چاہیے میں

تمہاری موجودگی ہی میں افشاں کے واسطے ماسٹر کا انتظام کردوں گا...... اچھا اب تم اپنا کام کرو اگر شاہد ہوں تو میرے پاس بھیج دینا۔

تینوں لڑکیاں اٹھ کر چلی گئیں...... گلشن نے شاہد سے جا کر کہا وہ ابھی تک فرخ سے باتیں کر رہے تھے۔اپنے نانا کی طلبی پر فوراً ان کے پاس آئے سید صاحب نے ان کو اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔بیٹا پہلے تو شادی کا ہنگامہ رہا۔پھر یہ واقعہ پیش آیا۔تم سے بات کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔تمہاری تعطیل کب ختم ہوگی؟

شاہد۔ایک مہینہ کی چھٹی لی تھی۔ابھی ایک ہفتہ باقی ہے۔

سید صاحب۔تنہا جاؤ گے یا نزہت کو بھی لے جاؤ گے۔

شاہد۔اکیلا ہی جاؤں گا۔

سید صاحب۔مکان وغیرہ ٹھیک مل گیا ہے۔

شاہد۔جی ہاں۔

سید صاحب۔بیٹا ذرا احتیاط سے کام لینا۔اپنے افسر کو کبھی اپنے خلاف نہ ہونے دینا برابر والوں سے مخالفت پیدا نہ کرنا۔ماتحتوں کی خوشامد میں نہ آنا۔ایمانداری اور راستداری کا ہمیشہ خیال رکھنا۔وقت کی پابندی ملازمت میں بہت ضروری ہوتی ہے۔آج کل کا زمانہ بہت نازک ہے بڑے سرکش لوگ اسی ضلع کے ہیں۔میں بھی دو سال وہاں رہا ہوں مگر تمہارا کام دوسرا ہے پولیس والوں کو زیادہ خطرہ کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

شاہد۔جی ہاں میں خود اسی کوشش میں ہوں کہ وہاں سے اپنا تبادلہ کرالوں۔

سید صاحب۔نہیں یہ بات غلط ہے اپنی طرف سے کبھی تبادلہ کی کوشش نہ کرنا۔

شاہد خاموش ہو گئے...... سید صاحب نے کمرہ میں ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔"یہ فرخ آج کل بہت کم نظر آتا ہے کہاں رہتا ہے۔

شاہد۔یہیں باہر کے کمروں میں رہتے ہیں۔کئی کئی گھنٹے قبرستان میں گزار دیتے

ہیں ان کو نانی اماں کا بہت رنج ہے۔

سید صاحب۔ (ٹھنڈا سانس لیکر) ہاں وہ تو ظاہر ہے مگر آج صبح وہ میرے پاس آیا تھا تو میں نے یہ اندازہ لگایا کہ علاوہ رنج کے وہ کچھ متفکر سا تھا۔

شاہد۔ جی ہاں اس وقت میں اسی کے متعلق ان سے پوچھ رہا تھا لوگوں نے چھوٹے ماموں جان کے خلاف ان کے کان بھر دیئے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ خاموش ہیں۔

سید صاحب۔ کان کسی نہیں بھرے ہیں بلکہ محسن نے اس کے متعلق جو گفتگو اپنی اماں سے کی تھی وہ اس نے سن لی تھی میرے ہی کمرہ میں وہ لیٹا تھا۔ مجھے پہلے ہی یہ اندیشہ تھا کہ اس کو ضرور رنج ہوگا۔

شاہد۔ جی نہیں۔ ان باتوں کا اسے زیادہ خیال نہیں تھا۔

سید صاحب۔ (تعجب سے) پھر کون سا نیا واقعہ پیش آیا۔ مجھے مطلق علم نہیں۔

شاہد نیا واقعہ تو کوئی نہیں ہے۔ خالہ نصیرہ بیگم نے کچھ پرانے قصے ان کو سنا دیئے ہیں اس کا اثر ان پر ہے۔

سید صاحب۔ وہ کیا قصے ہیں؟

شاہد نے کچھ فرخ سے سنا تھا وہ سب اپنے نانا کے آگے بیان کر دیا۔

سید صاحب نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ سراسر بہتا ہے الغزش دونوں ہی سے ہوئی تھی رضا علی کے الفاظ قابل گرفت تھی۔ انہوں نے بہت سخت لکھ دیا تھا اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے وہ انہیں کے قلم سے نکلے تھے...... میں نے حتی المقدور بہت کوشش کی الزام ان کے اوپر سے دور ہو جائے اور ممکن تھا کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتا رائے صاحب کے رسوخ بہت اونچے ہیں وہ بیچارے ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار تھے مگر حماقت یہ کی کہ چپکے سے دونوں بھاگ گئے اور مجھے خاموش ہونا پڑا...... وہ تو خدا نے عزت رکھ لی ورنہ پورا خاندان مورد الزام ٹھیرایا جاتا۔ تم

فرخ کو سمجھا دینا وہ عورتوں کی باتوں میں نہ آئیں۔

شاہد۔ میں تو پہلے ہی ان سے کہا تھا۔ کہ چھوٹے ماموں جان ایسا تو نہیں کر سکتے۔

سید صاحب۔ بیٹا وہ دونوں تو ہر وقت کے ہم پیالہ وہ ہم نوالہ تھے ایک کو دوسرے کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ انہیں کی رفاقت اور ہمدردی میں محسن ان کے ساتھ گئے تھے لیکن وہاں کا بھید آج تک نہیں کھلا کہ کیا واقعہ پیش آیا جو دونوں میں کشیدگی ہو گئی نہ انہوں نے کبھی بتایا نہ انہوں نے کچھ لکھا۔ کئی مرتبہ میں نے ارادہ کے اکہ خود جا کر اس معمہ کو حل کروں مگر رضا نے کبھی اپنا صحیح پتہ نہیں دیا۔

شاہد۔ کیا خالو جان کے خط آتے تھے۔

سید صاحب۔ ہاں خط برابر آتے رہے۔

شاہد۔ اب کتنے عرصہ سے ان کا خط نہیں آیا۔

سید صاحب۔ ایک سال سے کوئی خط نہیں آیا۔ لیکن ان کی خیریت ایک صاحب کی زبانی معلوم ہو گئی تھی۔

شاہد۔ آج کل کی تو مجھے خبر نہیں۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے وہ اٹلی میں تھے۔

شاہد۔ کیا انہوں نے وہاں شادی کر لی۔

سید صاحب نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ نہیں شادی وادی تو نہیں کی...... اچھا تم جاؤ۔ مجھے ذرا جانا ہے۔۔۔

سید صاحب باہر چلے گئے

شاہد بھی اپنے کمرہ میں آ گئے۔

اٹھارہواں باب

کوٹھی زرنگار کا ڈرائینگ روم حقیقت میں زرنگار تھا۔ زرتاج بیگم کو اپنے نام کی مناسبت سے زرد رنگ سے زیادہ شوق تھا۔ ان کے ملاقاتی کمرہ کا تمام سامان سنہری رنگ کا تھا۔ زرد قالین، زعفرانی پردے، سنہری کشن، پیتل کے ظروف ہونے کا خاصدان، سونے کا عطر دان گلدانوں میں موسمی زرد رنگ کے تازہ پھول کمرہ کیا تھا۔ کشت زعفران معلوم ہوتا تھا سامنے لان پر گھاس کے اردگرد نہایت صفائی سے سرسوں کا حاشیہ بنایا گیا تھا۔ فروری کا مہینہ تھا۔ سرسوں پھول رہی تھی...... محسن بھی اخبار ہاتھ میں لیے بیٹھے تھے وہ رات ہی کو اپنی والدہ کے چہلم سے واپس آئے تھے..... زرتاج بیگم نے اپنی آنکھوں کا کاجل رومال سے برابر کرتے ہوئے کہا۔ میرا خیال تھا تم افشاں کو بھی ساتھ لاؤ گے۔

محسن۔ اس مرتبہ میں یہ ذکر وہاں نہیں چھیڑا۔

زرتاج بیگم۔ کیوں؟ میں نے تو تم سے کہہ دیا تھا کہ لڑکی کو ضرور لیتے آنا۔

محسن۔ ابا جان کی زندگی کا کاے اعتبار چراغ سحری ہیں میں ایسی حالت مین انکو ناراض کرنا نہیں چاہتا علاوہ اس کے وہ بڑے شوق اور دلچسپی سے اسکو پڑھوا رہے ہیں دو دو ماسٹر پڑھانے آتے ہیں۔

زرتاج بیگم۔ یہ سب چیزیں ہیں پڑھنے لکھنے سے کچھ نہیں ہوتا اسکو سوسائٹی کی ضرورت ہے وہاں کا ماحول نہایت تاریک ہے۔ لڑکی کچھ احمق سی بن کر رہ گئی ہے نہ بات کرنے کا طریقہ اسے آئے، نہ پہننے اوڑھنے کا سلیقہ وہ جانے، نہ ہنسی مذاق سے کوئی دلچسپی زندگی کا کوئی اصول ہی نہیں جانتی۔ پھوپھی نے جس کام میں لگا دیا وہ

محسن نے سگریٹ سلگاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔ دونوں ہی چیزیں ضروری ہیں ڈگری بھی وقت پر کام آتی ہے۔

زرتاج بیگم۔ ڈگری ملنے میں بھی تو ابھی تین چار سال کا عرصہ لگے گا۔ فائدہ وقت ضائع کرنے سے ایسا ہی تعلیم کا خیال تھا تو پہلے سے کیوں نہیں پڑھوایا گیا۔

محسن۔ ابا جان نے اسکے خیالات تبدیل کرانے اور دل بہلانے کیواسطے یہ مشغلہ نکال لیا ہے۔

زرتاج بیگم۔ لیکن یہ مشغلہ اس کی صحت کے واسطے اور زیادہ مضر ہے۔ اب وہ دن رات پڑھائی میں مصروف ہے۔ نہ کوئی کھیل نہ تفریح نہ کہیں آنا نہ جانا ایسا ہی اس کی دلبستگی کا خیال تھا تو اماں جان کے چہلم کے بعد اس کی شادی کردی جاتی۔

محسن۔ (تیوری چڑھا کر) تمہارے اوپر کیا بار ہے جو شادی کردی جائے۔

زرتاج بیگم۔ تم اس قسم کی لغو باتیں نہ کرو۔ پھر میری ہی زبان سے کچھ نکل جائے گا۔ اس مرتبہ میں بہت کچھ سن کر آئی ہوں۔

محسن نے کرسی پر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ تم اس مرتبہ کیا سن کر آئی ہو۔ مجھے بھی تو بتاؤ۔

زرتاج بیگم۔ کیا فائدہ بتانے سے تم پہلے بد دماغ آدمی ہو فضول میری طرف شک وشبہہ پیدا ہو۔

محسن۔ میں پاگل نہیں ہوں جو تمہاری طرف سے شک وشبہہ پیدا کروں جو باتیں تم نے سنی ہیں وہ مجھے بتاؤ۔

زرتاج بیگم۔ میں نے یہ سنا ہے کہ تمہارے خاندان والے افشاں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔

محسن۔ کس وجہ سے؟

زرتاج بیگم۔ اس کی ماں کچھ ٹھیک نہیں کون تھیں اور کیا قصہ تھا۔؟

محسن ۔قصہ کیسا؟

زرتاج بیگم۔یہی کہ تم نے شادی کی تھی یا نہیں۔

محسن ۔میں نے شادی کی تھی یا نہیں۔دوسرے لوگوں کو کیا مطلب؟

زرتاج بیگم۔مطلب یہ کہ ایسی لڑکی سے کوئی شریف آدمی اپنے لڑکے کی شادی کرنی پسند نہیں کرتا۔

محسن ۔پھر کیوں فرخ سے اس کی نسبت ٹھیرا دی۔

زرتاج بیگم۔وہ تو ابا جان۔اماں جان اور حسن آرا نے اپنی زبردستی سے ایسا کا ے ہے فرخ کے باپ اگر یہاں ہوتے تو ایسا نہیں ہوسکتا تھا۔

محسن ۔(غصہ کے لہجہ میں) ایسی کی تیسی فرخ کے باپ کی وہ اگر یہاں ہوتے تو میرے آگے ہاتھ جوڑ کر کرتے ......تم سے کس نے کہا مجھے اس کا نام بتاؤ۔

زرتاج بیگم۔سب ہی کہتے ہیں سوائے تمہاری بہنوں کے۔میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ بھائی احسن ممتاز اور بھابھی شوکت آرا نے بھی اسی وجہ سے میاں محمود سے نہیں کیا۔

محسن ۔چچی جان اور آپا نصیرہ بیگم نے تم سے کہا ہوگا۔

زرتاج بیگم۔ہاں تمہارے سب رشتہ دار لڑکی کو ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور جہاں تک میرا خیال ہے اسے بھی احساس ہے اسی وجہ سے وہ خاموش اور ایسی مضمحل سی رہتی ہے میں نے سنا ہے جس دن اسے انگوٹھی پہنائی گئی تھی وہ بہت روئی تھی۔

محسن ۔یہ کس سے سنا تھا۔

زرتاج بیگم۔گوہر،جواہر۔

زرتاج بیگم۔ہاں گوہر جواہر نے اور لڑکیوں سے سنا تھا۔

محسن ۔فرخ اور افشاں کے ساتھ زبردستی کی گئی......خیر میں تحقیق کیے بغیر شادی نہیں ہونے دوں گا۔

زرتاج بیگم۔ تمہیں چاہیے اب لڑکی کو یہاں بلالو۔

محسن کچھ جواب دینا چاہتے تھے کہ برساتی میں کسی کی موٹر رکنے کی آواز آئی......

نوکر نے ملاقاتی کارڈ لا کر دیا...... محسن بغیر کچھ کہے ہوئے جلدی سے باہر نکل آئے...... تقریباً پچاس سال کی عمر کے ایک شخص موٹر سے اترے محسن نہایت گرمجوشی سے ان آنے والے شخص سے معانقہ کرتے ہوئے کہا۔ ارے ڈاکٹر مانی آپ کب آئے ہمیں خبر ہی نہیں۔"

ڈاکٹر کرمانی نے محسن کے ساتھ کمرہ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ کوئی پندرہ دن ہوئے...... اور مسز محسن بھی یہیں تشریف رکھتی ہیں۔ آداب عرض۔"

زرتاج بیگم نے آگے بڑھ کر ڈاکٹر صاحب کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ کیا میری آنکھیں دھوکہ تو نہیں دے رہی ہیں۔ واقعی آپ ڈاکٹر کرمانی ہیں۔ کیسے آئے آپ۔

ڈاکٹر کرمانی۔ (مسکرا کر) تشریف رکھیے۔ بس زندگی مضبوط تھی جو آ گئے۔

محسن۔ آپکی طرف سے تو بڑی تشویش تھی بلکہ سچ پوچھیے تو ہم قطعی مایوس ہو چکے تھے۔

ڈاکٹر کرمانی۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں کسے امید ہو سکتی تھی۔ سب احباب متحیر ہیں اور گھر والوں نے تو بقول شخصے گھی کے چراغ جلائے۔

محسن۔ میں تو دو مہینے سے کچھ ایسا مصروف اور پریشان رہا کہ آپ کے گھر سے بھی کچھ آپ کا حال نہیں معلوم کر سکا۔

ڈاکٹر کرمانی۔ (کچھ گھبراہٹ کے لہجہ میں) خیریت تو ہے؟ کیا پریشانی تھی؟

محسن۔ دسمبر میں اپنی بھتیجی کی شادی میں دلی گیا تھا۔ اس کے بعد ہی اماں کا انتقال ہو گیا۔ ڈاکٹر کرمانی نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ ارے یہ تو بہت بری خبر آپ نے سنائی۔ اسوقت بڑا رنج ہوا۔ کیا بیمار ہوئی تھیں؟

محسن ۔نمونیہ ہوا تھا پورے آٹھ دن بھی نہیں لگے۔

ڈاکٹر کرمانی ۔(غمگین لہجہ میں) والد صاحب کا مزاج مبارک کیسا ہے۔

محسن ۔ویسے تو ٹھیک ہیں مگر اس صدمہ سے ایک ہی مہینہ میں سخت کمزور ہو گئے ہیں۔

ڈاکٹر ۔ظاہر انکے اوپر تو بہت اثر ہوگا...... اچھا اب آپ کی لڑکی کہاں ہے۔؟

محسن ۔ابھی تو وہیں ہے۔

ڈاکٹر ۔والدہ صاحبہ کے بعد اب وہ کس کے پاس ہے۔

محسن ۔میری چھوٹی بہن گھر پر ہیں ۔انہوں نے ہی اس کی پرورش کی ہے۔

ڈاکٹر ۔پھر تو ٹھیک ہے والد صاحب کی بھی لڑکی کی وجہ سے طبیعت بہلتی رہتی ہو گی۔

محسن ۔ہاں ۔اسی خیال سے مین اپنے ساتھ نہیں لایا۔

ڈاکٹر ۔بہت اچھا کیا۔

زرتاج بیگم۔آپ تو کچھ اپنا حال سنائیے۔کس طرح ہندوستان پہنچے۔

ڈاکٹر ۔(قہقہہ لگا کر) وہ تو خیر نہ پوچھیے ۔کسی نہ کسی طرح پہنچ ہی گئے مگر ایک خبر ایسی ہے جس کو سن کر آپ لوگوں کو حیرت ہوگی۔

زرتاج بیگم اور محسن نے ایک زبا ہو کر پوچھا ۔وہ کیا خبر ہے۔"

ڈاکٹر نے ایک قہقہہ لگایا کیا کہوں شرم سی آتی ہے اب بڑھاپے میں میرا عہد ٹوٹا"

زرتاج بیگم ۔(ہنسکر) معلوم ہوتا ہے آپ نے جرمنی میں شادی کر لی وہاں سے کوئی بغیر تحفہ کے نہیں آتا۔

محسن ۔(قہقہہ لگا کر) اچھا تو یہ کہیے تمام عمر کا زہد و تقویٰ ایک بت کافر کی نذر ہو گیا۔

ڈاکٹر۔ بھی اب جو کچھ بھی کہو ٹھیک ہے۔

زرتاج بیگم۔ تعجب تو اس بات کا ہے کہ آپ کا وہ جذبہ قومیت کہاں چلا گیا اور آپ نے غیر قوم اور غیر ملک عورت سے شادی کیسے کر لی۔

محسن۔ (ہنسکر) کیا کہوں ہے تو تہذیب کے خلاف مگر سیانے کوے والی مثل آپکے اوپر اصل ہو گئے۔

ڈاکٹر۔ (قہقہہ لگا کر) ارے بھائی دنیا کو کسی حال میں چین نہیں شادی نہیں کی تھی تو آپ ہی لوگ ہر وقت تقاضے کرتے تھے کہ اپنا گھر آباد کرو۔ اب کوئی کوابنا تا ہے اور کوئی مرغا۔

زرتاج بیگم۔ (ہنسکر) ڈاکٹر صاحب آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔

ڈاکٹر۔ (سنجیدگی سے) مسز محسن آپ یقین کیجئے کہ یہ شادی ایک ایسے جذبہ کے تحت ہوئی ہے جس نے قومیت کے جذبہ کو دبا دیا تھا۔

محسن۔ (ہنسکر) جی ہاں وہ تو ظاہر ہے۔

ڈاکٹر۔ (مسکرا کر) کیا ظاہر ہے؟

محسن۔ ڈاکٹر صاحب آپ کیوں خواہ مخواہ تشریح کراتے ہیں جذبہ عشق تمام جذبات پر غالب آجاتا ہے۔

ڈاکٹر۔ (قہقہہ لگا کر) لاحول ولا قوۃ۔ محسن صاحب آپ یہ نہیں جانتے کہ جس شخص کو جوانی میں عشق و عاشقی سے نفرت رہی ہو وہ بڑھاپے میں ان مکروہات میں کیسے مبتلا ہو جائے گا یہ جذبے تو رئیسوں نوابوں یا بیکاروں کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم جیسے مصروف آدمی نہ جان کے کھانے کا کوئی وقت نہ سونے کا کچھ ٹھیک۔ کیا کسی کی ناز برداری اٹھا سکیں گے۔

محسن۔ آخر وہ کونسا جذبہ تھا جس نے آپ جیسے کٹر اور پتھر آدمی کو موم کر دیا۔

ڈاکٹر نے ڈبہ میں سے سگریٹ نکالتے ہوئے ذرا فخریہ لہجہ میں کہا۔ وہ جذبہ رحم

اور ہمدردی تھا۔

زرتاج بیگم۔ کچھ بتایئے تو سہی کس طرح آپکی شادی ہوئی؟

ڈاکٹر۔ ایک لاوارث لڑکی مل گئی تھی۔ جس کے بڈھے باپ اور جوان بھائیوں کو گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ مکان میں آگ لگا کر خاک کر دیا۔ روپیہ پیسہ زر دجواہر حکومت نے ضبط کر لیا تھا۔

زرتاج بیگم۔ وہ لڑکی آپکے پاس کیسے آئی؟

محسن۔ (ہنس کر) کسی اسپتال میں مل گئی ہوگی۔

ڈاکٹر۔ (مسکرا کر) اسپتال میں تو نہیں اسٹیشن پر ملی تھی۔

زرتاج بیگم۔ کس طرح ملی؟

ڈاکٹر۔ محض اتفاق۔ میں گاڑی کے انتظار میں ویٹنگ روم میں بیٹھا تھا رات کے کوئی نو بجے ہوں گے ایک لڑکی پریشان حال بال بکھرے ہوئے چہرہ پر ہوائیاں ویٹنگ روم میں داخل ہوئی اور چاروں طرف خوفزدہ نظریں ڈال کر مجھ سے گاڑی کا وقت پوچھا میں نے اسے بتا دیا وہ مسکراتی ہوئی تیزی سے باہر چلی گئی۔ اس کو وضع قطع اور مایوسانہ مسکراہٹ سے مجھے کچھ شبہ ہوا۔ میں بھی فوراً اپنا بیگ اٹھا کر اس کے پیچھے باہر آیا وہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے لائین پر کود گئی میں بغیر سوچے سمجھے اس کے پیچھے کود پڑا۔ ایک منٹ بھی نہیں گزرا تھا کہ گاڑی سیٹی دیتی سر پر آ گئی، میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اچک کر پلیٹ فارم پر آ گیا اور پوری طاقت سے اسے اوپر کھینچا۔ گاڑی رکتے رکتے بھی میرے پاس سے کئی ڈبے گزرتے چلے گئے اور اس غریب کی ایک ٹانگ کا نچلا حصہ گاڑی کی رگڑ سے سخت زخمی ہو گیا۔

محسن۔ کیا اسٹیشن پر اور کوئی آدمی نہ تھا؟

ڈاکٹر۔ سینکڑوں آدمی جمع ہو گئے اور ہر شخص یہی سوال کرتا تھا کہ یہ آپ کی کون ہے۔ اور لائن پر کیسے اتر گئی؟ میں نے سب سے یہی کہا کہ میری بیوی ہے۔ اس کو کم

نظر آتا ہے۔

پاؤں پھسل گیا تھا۔

زرتاج یتیم اس لڑکی نے کچھ نہیں کہا۔

ڈاکٹر۔وہ بالکل بیہوش تھی میں اسی وقت اس کو اسپتال لے گیا۔

محسن۔یہ کس زمانہ کا ذکر ہے۔

ڈاکٹر۔لڑائی ہونے سے چھ مہینہ پیشتر مجھے سند مل گئی تھی اور میں اٹلی آ گیا تھا اگر یہ قصہ پیش نہ آتا تو میں پچھلے اپریل واپس آ گیا ہوتا۔

محسن۔آپ اٹلی کیوں گئے تھے۔

ڈاکٹر۔گیا تو تھا سیر کی غرض سے لیکن اس حادثہ کی وجہ سے چھ مہینہ لگ گئے۔

زرتاج بیگم یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ اس لڑکی کی ٹانگ بھی ٹھیک ہوئی۔

ڈاکٹر۔(رنجیدہ لہجہ میں)ہاں ٹھیک تو ہوگئی مگر گھٹنے سے نیچے کا حصہ کاٹنا پڑا۔

زرتاج بیگم۔افسوس کے لہجہ میں۔پھر کیا ٹھیک ہوئی۔

ڈاکٹر۔یہ تو ٹھیک ہے لیکن جان بچ گئی۔

محسن۔شادی آپ نے کب کی۔

ڈاکٹر۔اس کے تندرست ہونے کے بعد اس کی خواہش پر میں اس سے نکاح کر لیا

۔

محسن۔آپ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کسی کی لڑکی تھی۔

ڈاکٹر۔اس کا باپ ایک کروڑپتی یہودی سوداگر تھا اور آپ کو معلوم ہی ہے آج کل یہودیوں پر ہٹلر کا کیسا عتاب ہے۔

محسن خاموش بیٹھے رہے۔

زرتاج بیگم۔کیا وہ لڑکی پہلے سے اٹلی میں تھی۔

ڈاکٹر نہیں وہ برلن میں تھی اپنے خاندان اور اپنے گھر کی تباہی اور بربادی کا حال

اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کے اوپر بھی بہت مظالم توڑے گئے۔ مگر بڑی سخت جان تھی۔ کسی نہ کسی طرح وہاں سے بھاگ نکلی۔

زرتاج بیگم۔ اٹلی پہنچنے کے بعد پھر اس نے کیوں خودکشی کا ارادہ کیا وہاں تو امن تھا۔

ڈاکٹر۔ اٹلی میں اس کے کوئی رشتہ دار تھے مگر وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ کہیں چلے گئے اس نے مایوس ہوکر یہ ارادہ کیا بلکہ یہ سمجھئے کہ اپنی طرف سے تو اس نے خود کشی کرہی لی تھی۔

زرتاج بیگم۔ ڈاکٹر صاحب واقعی آپ نے یہ کام ایسا کیا ہے کہ جتنی بھی آپ کی تعریف کیجائے کم ہے۔

ڈاکٹر۔ قہقہہ لگا کر۔ تعریف تو تب تھی جب کہ میں اس سے شادی نہ کرتا۔

زرتاج بیگم۔ جی نہیں وہ تو کوئی تعریف کی بات نہ ہوتی اگر آپ اس کو غیر ملک میں لاکر لاوارث چھوڑ دیتے اور وہ بھی ایسی حالت میں جب کہ اس میں عیب ہوگیا تھا۔

ڈاکٹر۔ مسز محسن نے آپ نے بالکل صحیح فرمایا۔ صرف اسی خیال سے میں نے اس عمر میں اپنے پاؤں میں بیڑی ڈالی ہے۔

محسن اس وقت کسی گہری سوچ میں خاموش بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے ڈاکٹر نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ محسن صاحب شاید آپ کو میری شادی پر کچھ اعتراض ہے۔

محسن نے چونک کر کہا۔ بھلا ایسے نیک کام پر کسی کو اعتراض ہوسکتا ہے درحقیقت آپ قابل ستائیش ہیں۔

ڈاکٹر۔ ارے محسن صاحب تعریف تو جب تھی کہ پوری چار بیویاں لاتا اور مسز محسن سے معافی چاہتا ہوں تین آپ کے واسطے لاتا عجیب کسمپرسی کا عالم تھا اور اب تو خدا جانے کیا قیامت ہوگی۔ عورتوں اور لڑکیوں کی حالت قابل رحم ہے۔ کسی کا شوہر کسی

کا بیٹا کسی کے باپ بھائی۔ ذرا سے شبہ پر شوٹ کر دیے جاتے ہیں۔ اندھیر نگری اور چوپٹ راج والا قصہ ہے۔

محسن۔ آپ کی بیوی کی عمر کیا ہو گی۔

ڈاکٹر۔ کوئی تیس بتیس کی ہو گی۔ کبھی بمبئی آؤ مسز محسن بھی آئیں اب تو میں بیوی والا ہو گیا۔

زرتاج بیگم۔ (ہنسکر) میں ضرور آؤنگی مجھے آپ کی بیوی کو دیکھنے کا بہت شوق پیدا ہو گیا۔

ڈاکٹر۔ (قہقہہ لگا کر) آپ کیا اس بیچاری کو دیکھیں گی وہ تو بہت جھینپتی ہے۔

زرتاج بیگم۔ ڈاکٹر صاحب آپ اس طرح نہ کہیے میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔

ڈاکٹر۔ دیکھنے میں دونوں ٹانگیں ہیں چلنے میں لنگ کرتی ہیں۔

زرتاج بیگم۔ مصنوعی پاؤں لگا دیا ہو گا۔

ڈاکٹر۔ جی ہاں۔

محسن۔ آپ کی بیوی کا نام کیا ہے؟

ڈاکٹر۔ (مسکرا کر) محسن صاحب آپ جو سوال کرتے ہیں اس غریب کی ذاتیات پر کرتے ہیں۔

محسن۔ (شرمندہ ہو کر) خیر جانے دیجیے میں بغیر سوچے سمجھے بول اٹھتا ہوں۔

ڈاکٹر۔ نہیں میں تو مذاق میں کہہ رہا ہوں۔ وہ چیز ہی ایسی ہے ہر شخص اس کے متعلق طرح طرح کے سوالات کرتا ہے سب سے پہلے تو اس کی شکل و صورت پوچھی جاتی ہے۔ آپ کے ہاں ابھی تک یہ سوال نہیں کیا گیا۔

زرتاج بیگم۔ (ہنسکر) ہاں ٹھیک تو ہے مجھے ابھی تک خیال ہی نہیں آیا بتائیے کیسی صورت ہے۔

ڈاکٹر۔ پہلے محسن صاحب کے سوال کا جواب دیدوں۔ اس کا نام کنیز فاطمہ ہے اور

صورت بہت اچھی ہے۔ جس کو لوگ حسین کہتے ہیں۔

محسن۔ (تعجب سے) کنیز فاطمہ کیسے ہے۔"

ڈاکٹر۔ میں نے رکھا ہے۔

محسن کچھ کہنا چاہتے تھے کہ زرتاج بیگم نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا۔ آپ کا قیام یہاں کتنے روز رہے گا۔"

ڈاکٹر۔ مجھے تو ابھی جانا ہے۔

محسن۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کم ازکم ایک روز تو یہاں بھی رہیے۔

ڈاکٹر۔ مجھے ٹھہرنے میں کوئی انکار نہیں۔ لیکن آج ہی شام کو واپس جانا ہے کل صبح ایک مریض کا آپریشن کرنا ہے۔

زرتاج بیگم۔ خیر شام تک چلے جایئے گا۔ دوپہر کا کھانا ہم لوگوں کے ساتھ کھایئے۔

ڈاکٹر۔ مسز محسن آپ کا بہت بہت شکریہ آج تو میں سیٹھ شنکر لال کا مہمان ہوں انکی لڑکی کو دیکھنے آیا ہوں اسے ٹی بی ہوگئی ہے خط پہ خط تار پہ تار جا رہے تھے۔

محسن۔ (مسکرا کر) آتے ہی اپنا کاروبار پھیلا دیا۔

ڈاکٹر۔ کیا کیا جائے پیٹ بھرنا ہے یا نہیں آپ جانتے ہیں میں گھر کا رئیس تو ہوں نہیں دس بارہ سال میں جو کچھ کمایا تھا سب ختم کر دیا۔

محسن۔ بیوی کے علاج میں شاید بہت روپیہ خرچ ہوا۔

ڈاکٹر۔ نہیں صاحب وہ میری شرمندہ احسان نہیں۔ اس کے تین زیور ہی اتنے قیمتی تھے کہ علاوہ علاج کے اب تک کام چل رہا ہے۔

زرتاج بیگم۔ (تعجب سے) وہ زیور پہنے ہوئے تھی۔

ڈاکٹر۔ پہنے تو نہیں تھی لیکن یہ تین چیزیں نہ معلوم کسطرح اس نے اپنے جوڑے میں چھپالی تھیں۔

زرتاج بیگم۔ کیا بال کٹے ہوئے نہیں ہیں۔

ڈاکٹر۔ کٹے ہوئے کیسے؟ میں تو کہتا ہوں اتنے لمبے بال میں نے اپنی عمر میں کسی کے نہیں دیکھے وہ کہتی ہے ہمارے ہاں لڑکیوں کو لمبے بالوں ہی کا شوق تھا۔

زرتاج بیگم۔ عورتوں میں سے بھی اس کے رشتہ میں کوئی نہیں ہے؟

ڈاکٹر۔ (ہنسکر) میں نے کبھی پوچھا ہی نہیں...... اچھا یہ تو بتایئے صاجزادیاں اچھی ہیں؟ کہاں ہیں۔؟ صاجزادہ اب کیا کر رہے ہیں؟ اپنی کتھا سنانے میں ایسا مصروف ہوا کہ آپ کے ہاں کا کچھ حال ہی نہ پوچھا۔

زرتاج بیگم۔ خدا کا شکر ہے سب اچھے ہیں آپکو یہ سنکر خوشی ہوگی کہ شہریار آئی سی ایس میں آ گئے۔

ڈاکٹر۔ مبارک باشد۔ بڑی خوشی کی بات ہے۔ وہ آج کل ہیں کہاں؟

زرتاج بیگم۔ بنگال میں ان کا تقرر ہوا ہے۔ ابھی تین ہی ہفتے تو ہوئے۔

ڈاکٹر۔ (خوشی کے لہجہ میں) اچھا تو یہ کہیے ماشاء اللہ وہ سب مراحل طے کر چکے ہیں اسی فکر میں تھا کہ وہ ابھی شاید ولایت ہی میں خدا کا شکر ہے آپ کو دوبارہ مبارکباد دیتا ہوں مٹھائی کے علاوہ دعوت کی بھی تیاری رکھیے گا۔ کسی دن آؤں گا۔ اچھا اب اجازت دیجیے۔

زرتاج بیگم نے مسکرا کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ مٹھائی دعوت سب کچھ ہو جائے گا لیکن اس وقت آپ بغیر چائے پیئے نہیں جا سکتے۔

ڈاکٹر۔ دیر تو ہو رہی ہے لیکن آپ کی خوشی مجھے منظور ہے۔

زرتاج بیگم ناشتہ کے انتظام کے لیے دوسرے کمرہ میں چلی گئیں۔ محسن نے رازدارانہ لہجہ میں ڈاکٹر سے پوچھا۔ آپ نے اپنی بیوی کا زیور اٹلی میں کیسے فروخت کیا؟ کسی کو آپ کے اوپر شبہ نہیں ہوا؟ آج کل تو وہاں کے حالات بہت خراب ہیں۔

ڈاکٹر نے بھی ذرا آہستہ سے کہا۔ "کیا بتاؤں عجیب پریشانی میں تھا۔ روپیہ کم رہ گیا تھا اس کے زخم کی حالت ایسی نہیں تھی کہ فوراً لے کر آ جاتا۔ زیور لے کر کسی دوکان پر جاتا تو پکڑا جاتا کہ جرمنی سے بھاگ آیا ہوں۔ ہٹلر کی خفیہ پولیس ہر جگہ موجود تھی اور اس کا زیور خاص برلن کا بنا ہوا تھا جوہری اس کی ساخت سے پہچان لیتے۔

محسن۔ یہی تو میں سوچ رہا ہوں کوئی معمولی چیز ہوتی تو خیر۔ مگر جواہرات کا فروخت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

ڈاکٹر۔ اتفاق سمجھئے یا خدا کی عنایت جس اسپتال میں میں نے نورا کو لے جا کر داخل کیا محسن نے قطع کلام کرتے ہوئے ہوئے پوچھا۔ آپکی بیوی کا نام نورا ہے۔

ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔ ہاں میں یہی کہتا ہوں۔

محسن۔ خیر آگے کا حال سنائیے۔

ڈاکٹر۔ اسی اسپتال میں ایک صاحب ہندوستانی اپنا علاج کروا رہے تھے آپ جانتے ہیں غیر ملک میں اپنا ہموطن نظر آ جائے تو کیسا دل خوش ہوتا ہے اور ایسی بے بسی اور مجبوری کی حالت میں خدا گواہ ہے ان کی شکل دیکھ کر ڈھارس بندھ گئی۔ پہلے دن تو معمولی علیک سلیک ہوئی۔ دوسرے دن انہوں نے میرا حال دریافت کیا۔ مگر میں نے صحیح حالت نہیں بتائے۔ لیکن مجھے ان سے گفتگو کر کے یہ اندازہ ہو گیا کہ آدمی نہایت شریف اور قابل اعتبار ہیں...... وہ چار دن تو آپس میں بیگانگت سی رہی لیکن انہوں نے مجھے نووارد سمجھ کر میرے ساتھ نہایت ہمدردانہ سلوک کیا۔ اور ایک ہفتہ میں ہم دونوں نے ایسے شیر و شکر ہو گئے گویا برسوں کی جان پہچان ہے۔ میں نے اپنا تمام حال ان سے بیان کر دیا اور زیور بھی انہیں کی معرفت فروخت کیا۔

بیچارے خود ہندوستان آنے کو تیار بیٹھے تھے مگر کسی وجہ سے رکے ہوئے تھے۔

محسن۔ان کا نام کیا تھا۔

ڈاکٹر۔انہوں نے اپنا نام علی بتایا تھا۔

محسن نے غیر معمولی آنکھیں پھاڑ کر ذرا اونچی آواز میں کہا۔علی؟ علی آپکو اٹلی میں ملے تھے۔

ڈاکٹر۔(تعجب سے) کیا آپ علی کو جانتے ہیں۔؟

محسن۔(ذرا دھیمی آواز میں) پہلے ان کا حلیہ بتائیے۔

ڈاکٹر۔کوئی آپ ہی کی عمر کے ہیں اور آپ ہی کا لب ولہجہ ہے۔

محسن۔وہ اسپتال میں تنہا تھے۔

ڈاکٹر۔ہاں تنہا تھے۔کیا ان کے بال بچے بھی ہیں؟ آپ ان کو جانتے ہیں وہ تو پندرہ بیس سال سے وہاں ہیں۔

محسن۔وہ میرے بچپن کے ساتھی ہیں۔میں اور انہوں ن نے ایک ہی اسکول میں پڑھا تھا۔

ڈاکٹر۔(ہنس کر) اسی وجہ سے ان میں خاص کشش تھی کہ وہ میرے دوست کے دوست تھے۔

محسن۔علی اسپتال میں کیوں تھے۔

ڈاکٹر۔ان کا بلڈ پریشر بڑھ گیا تھا۔ویسے خدا کے فضل سے ٹھیک تھے۔

محسن۔انہوں نے اپنا پتہ وغیرہ آپ کو نہیں بتایا تھا۔

محسن۔(ذرا دھیمی آواز میں) پہلے ان کا حلیہ بتائیے۔

ڈاکٹر۔کوئی آپ ہی کی عمر کے ہیں اور آپ ہی کا لب ولہجہ ہے۔

محسن۔وہ اسپتال میں تنہا تھے۔

ڈاکٹر۔ہاں تنہا تھے۔کیا ان کے بال بچے بھی ہیں؟ آپ ان کو جانتے ہیں وہ تو

پندرہ بیس سال سے وہاں ہیں۔

محسن۔ وہ میرے بچپن کے ساتھی ہیں۔ میں اور انہوں ن نے ایک ہی اسکول میں پڑھا تھا۔

ڈاکٹر۔ انہوں نے اپنے آپ کو میرٹھ کا رہنے والا بتایا تھا پتہ انہوں نے کہا ان کو کوئی ہے ہی نہیں۔ بچپن میں والدین کا انتقال ہو گیا تھا جو کچھ روپیہ تھا وہ تعلیم میں خرچ کیا۔ اس کے مکان وغیرہ فروخت کر کے سیاحت کو نکل گئے۔

محسن ابھی کوئی جواب دینے نہ پائے تھے کہ زرتاج بیگم آ گئیں۔

بیرا نے وہیں میز پر ناشتہ لا کر رکھا۔

انیسواں باب

عالم آرا بیگم کیا انتقال کو پورے چار مہینے گزر گئے گھر والوں کے دلوں سے ان کا غم بتدریج کم ہوتا گیا۔ تقریباً سب لوگ اپنی اصلی حالت پر آ گئے۔ قدرت کے یہی انتظامات ہیں دنیا انہیں اصولوں پر قائم ہے۔ جاڑا ختم ہوا گرمی موسم کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ سید صاحب کی کوٹھی میں بہت سی تبدیلیاں ہوگئیں۔ روشن آرا کے میاں کی پنشن ہوگئی تھی وہ مستقل طور پر اپنے باپ کو کوٹھی میں رہنے لگیں۔ سید صاحب نے بیٹی داما کو دوسری جگہ نہیں رہنے دیا حسن آرا کو بہن کے آ جانے سے بہت تقویت ہوئی۔ سید صاحب کا وقت بھی عابد حسن کی وجہ سے اچھا گزرنے لگا مردانے میں اب پہلے سے زیادہ چہل پہل رہتی تھی برساتی میں برابر تانگے، موٹریں نظر آتے تھے۔ ڈرائینگ روم ہنسی قہقہوں سے گونجا کرتا تھا۔ عابد حسن نہایت خوش اخلاق ملنسار اور زندہ دل شخص تھے انہوں نے بگول کمرہ کا سب پران سامان اٹھوا کر اس کی جگہ اپنا نیا سامان لگوایا تھا برآمدہ کے ہرنوں اور بارہ سنگوں کے سر جو فرخ کی نشانہ بازی سے چھلنی ہو گئے تھے نکلوا دیئے تھے۔ سامنے کا لان کو دوبارہ ٹھیک کرایا تھا۔ برساتی میں جو بیلیں چڑھی ہوئی تھیں ان سب کو صاف کرا دیا تھا۔ احاطہ کی باڑ بڑھتے بڑھتے جنگل بن گئی تھی۔ اس کو کٹوا چھنٹوا کر برابر کرایا تھا۔ غرض ہر چیز میں کچھ نہ کچھ ترمیم ہوگئی تھی سید صاحب نے بیوی کے مرنے کے بعد سے باہر کا بیٹھنا اٹھنا ہی چھوڑ دیا تھا وہ یا تو گھر میں رہتے تھے یا رائے صاحب کے ہاں چلے جاتے تھے گھر کے انتظامات میں بھی کافی فرق معلوم ہوتا تھا۔ پہلے ایک بنیادی خانم اور کھانا پکانے والی نیک قدم تھیں۔ اب ایک ماما اور ایک لڑکے کا اور اضافہ ہوگیا تھا۔

روشن آرا صحیح معنوں میں اپنی ماں کی قائم مقام تھیں۔ وہی ڈیل ڈول وہی صورت شکل وہی مزاج وہی عادات صرف عمر کا فرق تھا...... مگر جو جگہ خالی ہوگئیں تھی اس کو کوئی نہیں پر کرسکتا تھا۔ ایک دم کے نہ ہونے سے ساری کوٹھی ویران معلوم ہوتی

تھی۔ اس کا اندازہ سوائے افشاں کے کسی کو نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی آنکھیں ہر وقت اپنی دادی کو ڈھونڈھتی تھیں۔ ذرا ذرا سی باتوں اور معمولی کاموں میں وہ ان کو یاد کرتی تھیں حالانکہ اب اس کے اوپر کسی قسم کی روک ٹوک نہیں تھی۔ دادی کی زندگی کے مقابلہ میں اب وہ بالکل آزاد تھی۔ دونوں پھوپھیاں ہر وقت اس کی دلجوئی اور ناز برداری میں لگی رہتی تھی۔ دادا کا یہ حال تھا کہ بغیر اسا کے نوالہ نہیں توڑتے تھے۔ پھوپھا نئے نئے لطیفے سنا کر اس کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے نوکر چاکر آنکھیں بچھاتے تھے یہاں تک کہ اب محسن بھی اس کو دوسرے تیسرے دن خط بھیجتے تھے اور چار مہینے کے اندر دو مرتبہ آ کر دیکھ گئے تھے...... مگر وہ ایک مرجھائی ہوئی کلی معلوم ہوتی تھی کم سخن تو وہ پہلے ہی تھی اب تو گویا اس کے منہ میں کسی نے قفل ڈال دیا تھا۔ وہ اپنے دادا اور پھوپھیوں کے خیال سے زبردستی کوئی بات کر لیتی تھی۔ دادی کے رنج کے علاوہ اب وہ کچھ متفکر سی رہتی تھی۔ اس کے دماغ میں ہر وقت ایک چیز کھٹکتی رہتی تھی۔ اب وہ اپنی ماں کی کمی بہت زیادہ محسوس کر رہی تھی۔ پہلے اس کو کبھی یہ خیال نہیں آتا تھا وہ جانتی ہی نہ تھی کہ ماں کیا چیز ہوتی ہے۔ اس کو اپنی دادی پھوپھی سے ایسی محبت تھی جیسی اور لڑکیوں کو اپنی ماؤں سے ہوتی ہے۔ لیکن چار مہینے سے ماں جیسا پیار الفظ اس کے لئے ایک کانٹا بن گیا تھا جو ہر وقت اس کے دل میں چبھتا رہتا تھا۔ نزہت کی شادی کے موقعہ پر وہ اپنی ماں کے متعلق بہت کچھ سن چکی تھی۔ بڑی بوڑھیوں سے لے کر لڑکیوں تک کی زبان پر اس کی ماں کا ذکر تھا۔ نصیرہ بیگم کی لڑکیوں نے تو منہ در منہ ایک مرتبہ اس کا مذاق اڑایا تھا اور یہاں تک کہہ دیا تھا کہ افشاں کی ماں نرس تھی۔ اس کے علاوہ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ کنبہ والے حسن آرا کو بھڑکا رہے ہیں کہ ایسی لڑکی سے فرخ کی شادی نہ کریں جس کی ماں کا کچھ ٹھیک پتہ نہیں خاندان میں بٹہ لگ جائے گا۔ وہ رات کی تنہائی میں پڑی ہوئی سوچا کرتی تھی کہ کیا نرس کا پیشہ ایسا خراب ہوتا ہے کہ شریف لوگوں میں اس رشتہ کرنا عیب سمجھا

جاتا ہے۔ کیا نرس ایسی ذلیل ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے خاندان میں بٹہ لگ جائے گا؟ وہ تو بیماروں کی خدمت کرتی ہے۔ کمزوروں کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرتی ہے۔ آخر نرس میں کیا برائی ہوتی ہے۔ بعض وقت اس کا دل بیٹھ جاتا۔ میں ایک نرس کی لڑکی ہوں۔ جس کو لوگ چند روپیہ روز پر تیمارداری کے لئے رکھ لیتے ہیں۔ اس کو کسی کام میں عذر نہیں ہوتا۔ وہ نوکروں سے زیادہ بیمار کی خدمت کرتی ہے۔...... اسپتالوں میں ڈاکٹروں کے آگے پیچھے پھرتی ہیں۔ وہ اپنی نظروں میں خود ذلیل سی معلوم ہونے لگتی۔ اور سب کی طرف سے اسد کو یہی بدگمانی ہوتی۔ حسن آرا جیسی چاہتی پھوپھی کو بھی وہ مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگتی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔ پھوپھی جان کو معلوم ہوگا میں ایک نرس کی لڑکی ہوں اور فرخ کو بھی خبر ہوگی...... اس کو اپنے باپ پر بہت غصہ آتا۔ آخر کیوں انہوں نے نرس سے شادی کی تھی۔ دادا ابا اور دادی اماں کو بھی ناراض کیا اور مجھے بھی سب کی نظروں میں ذلیل ہونا پڑا۔ گوہر و جواہر کی اماں کیسے اونچے خاندان کی ہیں۔ سب ان کی عزت کرتے ہیں کاش میں بھی انہیں کی لڑکی ہوتی۔ گوہر کے نانا کتنے بڑے آدمی ہیں ان کو سر کا خطاب ملا ہوا ہے۔ میرے نانا کا کوئی نام بھی نہیں جانتا بیچارے کوئی معمولی آدمی ہوں گے۔ اسی وجہ سے اپنی لڑکی کو نرس بنایا...... افشاں کا دل بے قرار ہو جاتا وہ تڑپ اٹھتی۔ کہیں سے وہ نرس مجھ کو مل جائے...... میں ایک مرتبہ ننھیال بھی دیکھ لوں۔ پھوپھی نصیرہ بیگم کہتی تھیں وہ نرس بمبئی کی تھیں...... میں کیسے بمبئی پہنچ کر اس کو ڈھونڈوں؟ خبر نہیں وہ زندہ ہے یا مر گئی؟ کوئی رشتہ دار تو اس کا ہوگا؟ ابا میں کو ضرور خبر ہوگی مگر میں ان سے کیسے پوچھوں؟...... وہ اپنی بے بسی پر آنسو بہا کر خاموش ہو جاتی...... اسے کچھ خبر نہ تھی کہ اس کا نانا ایک کروڑپتی آدمی تھا اس کی بڑی عزت اور شہرت تھی وہ اس کے باپ کو اپنے ہاں نوکر کی حیثیت سے رکھ چکا تھا۔ اس کی ماں ایک اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے رہنے کے واسطے کوٹھیاں

خدمت کے لیے لونڈی غلام تھے۔ سواری کو موٹریں بگھیاں تھیں۔ اس کے پاس ہیرے جواہرات تھے وہ بڑے لاڈوں ارمانوں کی اپنے باپ کی اکلوتی حسین لڑکی تھی...... مگر زمانہ شطرنج کی سی چالیں چلتا رہتا ہے۔ ایک ناتجربہ کار اور بھولی لڑکی کچھ نہیں سمجھ سکتی۔

شام کا وقت ہے افشاں اپنے کمرہ میں خاموش کس سوچ میں بیٹھی ہے۔ آج اس کے چہرہ پر بحالی ہے وہ صبح سے خوش نظر آ رہی ہے۔ اس کی بچپن سے یہی کیفیت تھی۔ فرخ کے آنے پر اسے ہمیشہ خوشی ہوتی تھی۔ وہ دونوں پہلے اس کے آنے کی تیاری کیا کرتی تھیں۔ کہیں رومال سی کر رکھتی تھی کہیں اس کے کمرہ میں میز پوش اور پردے دھلواتی تھی الماریاں جھاڑتی تھی ہر چیز قرینے سے لگاتی۔ اس کے آنے والے دن گلدانوں میں تازہ پھول لگاتی اپنی دادی سے کہہ کر اس کے پسندیدہ کھانے پکواتی...... لیکن اس مرتبہ وہ بالکل الگ تھلگ تھی اس کی حالت میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا تھا۔ فرخ کے اور اس کے درمیان ایک حجاب کا پردہ حائل ہو گیا تھا۔ اس کی طبیعت میں ایک تو خود ہی شرف تھی۔ دوسرے گھر کے ماحول نے بیحد جھجک پیدا کر دی تھی۔ مگر اپنے دل کو کیا کرے۔ ایک دبی دبی اور میٹھی خوشی محسوس ہور ہی تھی۔ آج گلشن اور فرخ بی، اے کے امتحان سے فارغ ہو کر آ رہے تھے۔ حامد نے ایف اے کا امتحان دیا تھا تینوں ساتھ ہی آ رہے تھے۔

افشاں بار بار کمرہ کے دروازہ میں سے آہٹ لیتی تھی گھر میں اور سب بھی خوش تھے۔ عابد حسن خود موٹر لے کر اسٹیشن گئے تھے۔ کچھ دیر انتظار کے بعد موٹر کی آواز آئی افشانم کے چہرہ پر سرخی دوڑ گئی وہ بے خیالی میں کھڑی ہو گئی۔ مگر کمرہ سے باہر نہیں نکلی اس کی دادی نے فرخ سے اس کا پردہ کر دیا تھا۔ وہ پھر بیٹھ گئی۔ گلشن نے اترتے ہی بک بک شروع کر دی۔ ایسا رش تھا ایسی مصیبت کا سفر گزرا۔ سانس لینے کی جگہ نہیں تھی۔ تین گھنٹے کھڑے ٹانگیں ٹوٹ گئیں، حامد بھی الٹی سیدھی

شیخیاں بگھارنے لگے، ایسے ایسے گھونسے رسید کیے کہ میں کو چھٹی کا کھایا یاد آ گیا ہو گا۔ چار کو ٹی، ٹی کے حوالہ کیا وغیرہ وغیرہ...... مگر فرخ کی آواز نہیں تھی۔ افشاں کو پریشانی سی ہونے لگی۔ اس نے چاہا دروازہ میں سے جا کر جھانکے، مگر جیسے کسی نے اس کے پیر پکڑ لیے۔ وہ کچھ ڈر سی گئی کہیں دادی اماں کی روح نہ دیکھ رہی ہو۔ وہ اپنا دل مار کر چپکی بیٹھ گئی۔ گلشن بولتی ہوئی اس کے پاس آئیں۔ اے افشاں اس وقت گرمی میں تم اندر کیوں گھسی بیٹھی ہو۔؟

افشاں کھڑی ہوگئی۔ گلشن نے اس سے گلے ملتے ہوئے کہا۔ یہ تمہاری حالت کیا ہوگئی معلوم ہوتا ہے جسم میں خون ہی نہیں رہا۔ تم نے اپنی یہ کیا صورت بنائی ہے۔؟

افشاں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کو الجھن سی ہو رہی تھی خبر نہیں فرخ آئے یا نہیں گلشن جنے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کہا۔ تم کیوں اندر بیٹھی ہو فرخ تو موٹر سے اترتے ہی رائے صاحب کے ہاں نانا ابا سے ملنے چلے گئے۔

افشاں کے دل کو طمینان ہوا۔ اس نے گلشن کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے کہا۔ تم اپنی حالت تو دیکھو معلوم ہوتا ہے۔ گاڑی میں عورتوں نے نوچا کھسوٹا ہے۔ سارے منہ پر نہیے لگے ہوئے ہیں۔

گلشن۔ (ہنسکر) اللہ کی قسم افشاں اپنی عمر میں کبھی ایسا نہیں کیا تھا۔ علیگڑھ کے اسٹیشن پر قیامت کا نمونہ تھا میں تو گاڑی کے دروازہ میں پھنس کر رہ گئی تھی وہ فرخ کی خاکی قمیض نے میری جان بچائی۔

حامد۔ گلشن آپا تمام راستہ روتی ہوئی آئی ہیں۔

گلشن۔ بھئی رونے کی بات ہی تھی سانس لینے کی تو جگہ نہیں تھی۔

تھا۔

حامد۔ (ہنسکر) تم تو کہہ رہی تھیں خورجہ پر ملائی کی کھرچن لوگی۔ قیمہ بھرے تکونے کھاؤگی غازی آباد پر دہی بڑے آلو کی پکوڑیاں خیرو گی۔ وہ سب چیزیں کہاں ہیں۔

گلشن۔ خالہ جان، ذرا نہالوں بڑی گرمی لگ رہی ہے۔

گلشن اور حامد نہانے چلے گئے افشاں اٹھ کر اپنے کمرہ میں آ گئی عابد حسن فرخ کو لے کر اندر آئے اس کی رتے روتے ہچکی بندھی ہوئی تھی وہ اپنی نانی کے مرنے کے بعد کا گیا ہوا اب آیا تھا۔ حسن آرا اور روشن آرا بھی اسے گلے لگا کر رونے لگیں۔ عابد حسن نے پانی منگوا کر پلایا۔

گلشن اور حامد میں نہا کر آ گئے۔ سب نے بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ عابد حسن سے گلشن اور حامد نے اپنے سفر کی تکلیف کا حال سنایا۔ مگر فرخ خاموش تھا۔ وہ اجنبی آدمی کی طرح چاروں طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں کونے کونے اپنی نانی کو تلاش کر رہی تھیں۔ حسن آرا نے پوچھا۔ ابا جان سے مل آئے۔

فرخ نے دھیمی آواز سے کہا۔ ہاں۔

اب خاصی شام ہوگئی تھی۔ سید صاحب بھی آ گئے وہ اب عالم آرا بیگم کے کمرہ میں تھے پہلے انہوں نے کمرہ کی بجلی جلائی۔ پھر افشاں کے کمرہ کا دروازہ کھول کر جھانکا اپنے دادا کو دیکھ کر وہ • کچھ سہم گئی اور گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔ ان کے دل کو سخت رنج ہوا۔ وہ فوراً باہر نکل آئے انگنائی میں تختوں پر سب بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ فرخ اپنے نانا کو آتا دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ گلشن اور حامد نے بھی کھڑے ہو کر آداب کیا۔ سید صاحب نے ان دونوں کے سر پا رہاتھ پھر کر فرخ سے کہا۔ بیٹا تم ابھی تک سفر کے کپڑے پہنے بیٹھے ہو۔ سامان بھی تمہارا باہر پڑا ہے۔ اپنی چیزیں اٹھوا کمرہ میں رکھو۔ باہر کے دروازے کھول لینا۔

فرخ اٹھ کر باہر چلے گئے۔ سید صاحب نے ذرا غصہ لہجہ میں حسن آرا سے کہا۔ بیٹی! افشاں تنہا کمرہ کے اندر بیٹھی ہے۔ تمہیں اس کا خیال کرنا چاہیے۔ اس کی دادی کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتی تھیں کہ وہ اکیلی گرمی میں بیٹھے اور سب ہوا میں بیٹھیں۔

سید صاحب اب بہت کمزور ہو گئے تھے۔ ذرا سی بات پر انہیں غصہ آ جاتا تھا اور وہ کانپنے لگتے تھے۔ سب خاموش ہو گئے...... روشن آرا الگ شرمندہ تھیں حسن آرا الگ۔ عابد حسن نے حامد سے کہا۔ جاؤ تم بھی فرخ کے کمرہ میں اپنا سامان رکھ دو۔

سید صاحب نے حامد سے پوچھا۔ کیا تم بھی فرخ کے کمرہ میں رہو گے۔

حامد۔ جی ہاں۔؟

سید صاحب۔ دیکھو بیٹا اندر چبوترہ پر جو اس کمرہ کے دروازے ہیں ان کو ہمیشہ بند رکھنا۔

حامد۔ بہت اچھا۔

سید صاحب۔ ایک بات کا اور خیال رکھنا۔ اپنا اور فرخ کا ناشتہ باہر ہی منگوا لیا کرنا۔

حامد۔ اور کھانا بھی۔

سید صاحب۔ کھانا تو میں اور عابد بھی اب باہر ہی کھائیں گے۔

حامد مسکراتے ہوئے باہر چلے گئے۔ فرخ اپنا سامان کمرہ میں رکھ رہے تھے حامد نے کہا فرخ بھائی تمہارے متعلق نانا ابا نے سخت احکامات جاری کیے ہیں۔

فرخ۔ ظاہر ہے پہلے حکومت کمزور تھی اب طاقتور ہے بجائے پولیس کے فوجی انتظام ہو گیا ہو گا۔

حامد۔ معمول انتظام نہیں کرفیو لگا۔

فرخ۔ چوبیس گھنٹے کا۔

حامد۔؛ ابھی زیادہ تفصیل معلوم نہیں ہوئی۔ کھانا اور ناشتہ بھی باہر ہو گا۔

اندر کی طرف جو کمرہ کے دروازے ہیں وہ ہر وقت بند رہیں گے۔

فرخ۔سیدھی سی بات کیوں نہیں کہتے میری نظر بندی کا حکم لے کر آئے ہو۔

حامد۔میں تو اس وقت نانا ابا کے غصہ سے ڈر گیا۔

فرخ۔کیا میرے اوپر غصہ آ گیا تھا۔

حامد۔نہیں گھر والوں پر۔

فرخ۔کس وجہ سے۔

حامد۔افشاں کو کمرہ میں اکیلا بیٹھے دیکھ لیا تھا۔

فرخ۔نانا ابا نے کیا کہا؟

حامد۔خالہ جان سے کہنے لگے افشاں گرمی میں بند بیٹھی ہے تمہیں اس کا خیال چاہیے۔اس کی دادی کبھی یہ گوارا نہ کرتیں۔

فرخ۔سب گھر والوں پر غصہ کہاں ہوا یہ تو امی جان پر ہوا۔

حامد۔مخاطب تو انہوں نے خالہ ہی کو کیا تھا لیکن دیکھا سب کو غصہ کی نظر سے تھا۔

فرخ۔ان کا غصہ بجا تھا۔امی جان کو خود خیال رکھنا چاہیے تھا۔معلوم ہوتا ہے اب سب اس کی طرف سے لاپروا ہو گئے۔

حامد۔ہاں بھئی تم یہی کہو گے۔

فرخ۔میں ایمان کی بات کہہ رہا ہوں جو خیال نانی اماں کو اس کا تھا وہ کسی کو نہیں ہو سکتا سب ہنسی خوشی باہر ہوا میں بیٹھے تھے۔ایک بے زبان کو قفس میں بند کر رکھا تھا۔

حامد۔کس کی وجہ سے۔

فرخ۔اچھا تم زیادہ بک بک نہ کرو مجھے کوفت ہو رہی ہے۔

حامد۔بک بک تو نہیں کر رہا اگر تمہیں اس کا ایسا ہی خیال ہے تو وہاں جا کر کیوں بیٹھے تھے۔

فرخ۔میں تو نہیں جا رہا تھا خالو ابا زبردستی لے گئے میں نے خیال کیا شاید اب

پردہ نہیں رہا ایک دفعہ ٹوٹ چکا تھا۔

حامد۔ انگوٹھی تو تم نے واپس نہیں کی پردہ کیسے ٹوٹ جاتا۔

فرخ۔ بکواس بند کرو۔

حامد۔ مگر مجھے آیندہ کو کان ہو گئے تمہیں بھی اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ کبھی میرے اوپر نانا ابا کی ڈانٹ پڑے۔

فرخ۔ آپ کی اس ہمدردی کا بہت بہت شکریہ۔

حامد۔ تھوڑی دیر کے لیے اجازت چاہتا ہوں ذرا افشاں سے مل آؤں گلشن آپا کہہ رہی تھیں بیچاری بہت دبلی ہو گئی ہیں۔

فرخ نے کوئی جواب نہیں دیا...... حامد اندر چلے گئے۔ فرخ بھی اپنا سامان ٹھیک کر کے نہا دھو کر کے باہر اپنے نانا کے پاس جا بیٹھے...... رات کو کھانا مردوں نے باہر ہی کھایا۔ کئی روز تک فرخ گھر میں نہیں گئے وہ بہت خاموش اور مغموم رہتے تھے معلوم ہوتا تھا ساری شرارتیں نانی کیساتھ ختم ہو گئیں مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا وہ بھی اصلی حالت پر آتے گئے۔

سید صاحب صبح کے ناشتہ کے بعد سے دوپہر تک رائے صاحب کے ہاں رہتے تھے پھر عصر کی نماز پڑھ کر چلے جاتے تھے۔ فرخ اپنی ماں اور خالہ کچھ خاطر میں نہیں بلاتے تھے۔ وہ اکثر بغیر کہے اندر آ جاتے تھے۔ افشاں ہمیشہ اپنے کمرہ میں رہتی تھی۔ گلشن کے آ جانے سے اس کی طبیعت بہل گئی تھی۔ دماغ پر جو بار تھا وہ ذرا ہلکا ہو گیا تھا۔ خیالات ایک مرکز پر نہ ٹھہرنے پاتے تھے وہ ہنستی بولتی تھی، پڑھتی لکھتی تھی۔ گھر کے کام کاج میں بھی پہلے کی طرح دلچسپی لینے لگی تھی۔ فرخ برابر موقع کی تاک میں رہتے تھے۔ ایک دن افشاں برآمدے میں میں بیٹھی خربوزے کاٹ رہی تھی۔ روشن آرا حسن آرا کچھ کپڑے کتر رہی تھیں۔ گلشن مشین میں سی رہی تھی۔ فرخ بے دھڑک اندر آ گئے۔ اور افشاں کے سامنے سے خربوزوں کی پلیٹ اٹھا کر اپنی خالہ

کے پاس کھڑے ہو کر کھانے لگے۔ گلشن نے کہا ''اے فرخ تم یہاں کیوں آ گئے۔

حسن آرا اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا ''کیوں بے حیائی کا جامہ پہن لیا ہے اب ابا جان کے آگے میرا منہ کالا کراؤ گے۔''

روشن آرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ بیٹا یہ کیا بے تمیزی کی بات ہے۔ جانتے ہو افشاں تم سے پردہ کرتی ہے۔''

فرخ نے جلدی جلدی خربوزے کھاتے ہوئے کہا۔ خالہ اماں مجھے کیا خبر یہ افشاں ہیں میں نے جانا کوئی بڑی بی بیٹھی۔ نانی اماں کے زمانے میں تو یہ کبھی سفید دوپٹہ نہیں اوڑھتی تھیں''

حسن آرا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اچھا پہلے تم باہر نکلو۔

فرخ نے خالی پلیٹ افشاں کے پاس رکھتے ہوئے کہا۔ میں ذرا دیکھنے آیا تھا سنا تھا بہت دبلی ہوگئی ہیں۔ مگر جیسی پہلے تھیں ویسی ہی ہیں۔''

حسن آرا نے فرخ کا ہاتھ پکڑ کر دھکیلتے ہوئے کہا۔ ڈھٹائی کی بھی حد ہوتی ہے خدا نہ کرے کسی کے دیدے کا پانی ڈھل جائے میں تو خوش تھی کہ چلو اس مرتبہ آدمی بن کر آئے ہیں۔ مگر تمہاری تو وہی مثل ہے۔ چور چوری سے جائے گا۔ تو کیا ہیرا پھیری سے بھی جائے گا۔ اگر اس وقت ابا جان آ جائیں تو مجھے ڈوب مرنے کی جگہ ہے۔

فرخ نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ آپ تو ذرا سے بات کا جھگڑا مچا دیتی ہیں خالہ اماں تو کچھ بھی نہیں کر رہیں۔ آپ ہی کی وجہ سے میں قیدیوں کی طرح ایک کمرہ میں بند پڑا رہتا ہوں اب میں بھی کہیں اپنا دوسرا ٹھکانا بناؤں گا۔ مجھے نظر بند رہنے کی عادت نہیں۔''

روشن آرا نے ہنستے ہوئے حسن آرا سے کہا۔ اے بی خربوزے تو اور منگواؤ۔ لڑکے نے سب ختم کر دیے۔ ابا جان نے آج فرمائش کی تھی۔

حسن آرا۔ آپا جان آپ ہنس رہی ہیں میرا جی جل کر خاک ہو رہا ہے۔

روشن آرا۔ مجھے تو اس بات پر ہنسی آ رہی ہے۔ کہ سب منع کرتے رہے اور وہ بندر کی طرح لپا لپ خربوزے کھائے گئے۔

حسن آرا۔ بے حیا ہے مجھے تو یہ ڈر تھا کہ کہیں ابا جان نہ آ جائیں۔

گلشن۔ خالہ جان آپ یہ تو دیکھئے کہ اتنی سی دیر میں افشاں کے سفید دوپٹہ پر فرخ نے سب کے اوپر چوٹ کر دی۔ نانی کی زندگی میں تو کبھی سفید دوپٹہ نہیں اوڑھتی تھیں۔ میں تو ابھی جا کر افشاں کے دوپٹے رنگتی ہوں۔ دیکھئے میں تو فرخ لاپرواہ ہیں۔ سفید اور رنگین جانتے ہیں۔ گلشن مشین بند کر کے اٹھیں...... افشاں پہلے ہی چپکے سے اپنے کمرہ میں چلی گئی تھی۔ فرخ کی اس حرکت پر اسے بھی ہنسی آ رہی تھی۔ گلشن نے اس کے پاس جا کر کہا۔ لاؤ بڑی بی اپنے دوپٹے میرے حوالے کرو فرخ کو سفید دوپٹہ پسند نہیں۔

افشاں۔ خواہ مخواہ۔

گلشن۔ ابھی سنا نہیں سب کو طعنہ دے کر گئے ہیں۔

افشاں۔ (مسکرا کر) وہ تو بات بنائی تھی۔

گلشن۔ اوہو تم اس وقت فرخ کے سامنے آ جانے سے بہت خوش معلوم ہوتی ہو ہنسی رکتی ہی نہیں۔ اچھی بات ہے اب میں روز بلا لیا کروں گی۔

افشاں۔ اے ہے گلشن آپا، میں کوئی سامنا ہونے سے تھوڑی ہنس رہی ہوں مجھے

[illegible]

صاف اور جلد اتنی نازک بنائی تھی کہ وہ اپنا رنج اور خوشی نہیں چھپا سکتی تھی ۔خون کا اتار چڑھاو چہرہ کی سرخی وسفیدی سے ظاہر ہو جاتا تھا وہ اسوقت ڈری سہمی بھی نہیں تھی ۔عالم آرا بیگم کی زندگی میں اگر ایسی بات ہو جاتی تو وہ مارے ڈر کے تمام دن منہ چھپائے رہتی ۔لیکن اب جمہورتے کا زمانہ تھا۔شخصی حکومت ختم ہو چکی تھی ۔دادا ہر بات میں اس سے مشورہ لیتے تھے۔اسکے اوپر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی اگر وہ چاہتی تو روزانہ فرخ سے اسکی مڈبھیڑ ہوا کرتی مگر دادی کی تربیت کا پختہ رنگ چڑھا ہوا تھا۔شرم وحیا اسکی گھٹی میں پڑی تھی گلشن نے اس کا شانہ ہلاتے ہوئے کہا۔میں کیا تمہاری نوکر ہوں ۔جلدی سے دوپٹہ نکالو۔

افشاں۔ایسی کا ہے مارمار پڑی ہے رنگ جائیں ۔(مسکراکر)

گلشن۔ مارامار کیسے نہیں ۔میں اپنے سب کام چھوڑ کر اسی لیے اٹھی ہوں ۔آج تمہارے دوپٹے سرخ پڑیا میں رنگوں گی۔

افشاں۔(ہنسکر)تم سے کچھ بعید نہیں معاف کرو میرے دوپٹے غارت کر دو گی میں خود رنگ لوں گی۔

گلشن نے اسکی پیٹھ پر گھونسا مار کر کہا۔یہ دانت کیوں نکلے آرہے ہیں فرخ کو دیکھا ہے باز عفران کے کھیت کو۔افشاں نے اپنی پیٹھ سہلاتے ہوئے کہا۔میں نے کسی کو دیکھا تھوڑی تھا میرے سامنے تو ایک ہاتھ آیا اور خربوزوں کی پلیٹ غائب ۔

گلشن۔اے ہے بیچاری نے دیکھا بھی نہیں ۔میں غل مچادیا۔خیر اب اسکی تلافی کر دوں گی۔

افشاں۔تلافی کیسی۔

گلشن۔ایک دفعہ اچھی طرح دکھا دونگی ۔وہ الگ بلبلاتا پھرتا ہے۔تم الگ اپنا دل مارے بیٹھی رہتی ہو۔

افشاں کہیں ایسا غضب نہ کر بیٹھنا۔

گلشن۔ میں نے تو طے کرلیا ہے ایک دفعہ تمہارے کمرہ میں فرخ کو بلاؤں گی۔

افشاں۔ دیکھو گلشن آپا۔ تمہیں میری جان کی قسم ایسی حرکت نہ کر بیٹھنا۔

گلشن۔ (ہنسکر) اچھا دوپٹے تو نکالو۔ میں لے جاؤں۔

افشاں۔ لے کہاں جاؤ گی۔ یہاں میرے غسلخانہ میں رنگ لو سب چیزیں موجود ہیں۔ کپڑے رنگنے کا کونڈا ابھی یہیں ہے۔

گلشن نے ایک ٹھٹھا لگایا۔ دقیانوسی کہیں کی۔ نوج میں مٹی کے کونڈے میں کپڑے رنگوں میرا تا مچینی کا تسلا ہے۔

افشاں۔ (ہنسکر) اس پرانے چینی اکھڑے ہوئے تسلے سے میرا مٹی کا کونڈا اچھا ہے۔ ملتان سے چچی اماں لائی تھیں۔ ایسا کونڈا تم نے کبھی دیکھا نہ ہوگا پنجاب کے مٹی کے برتن ایسے ہلکے ہوتے ہیں کہ تمہارو لائتی تسلا بھی نہ ہوگا۔ ذرا دیکھو کیسے نقش ونگار بنے ہوئے ہیں۔

گلشن۔ تو کہاں کی بوڑھی روح پیدا ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے رنگ بھی بازار سے نہیں منگواتی ہلدی ولدی گیرو ویرو میں رنگ لیتی ہوگی۔

افشاں۔ (ہنسکر) ہلدی کا تو کافوری رنگ ایسا پیارا ہوتا ہے کہ دیکھ کر جی خوش ہو جائے۔

گلشن۔ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا۔

افشاں۔ آج میں تمہارا ایک دوپٹہ ہلدی میں رنگ کر دکھاؤں گی۔

گلشن۔ مجھے ضرورت نہیں۔

افشاں۔ خیر میں اپنا رنگ کر تمہیں دکھاؤں گی۔ ذرا جیدی خانم سے کہہ دو ایک گرہ ہلدی کی چولہے میں ڈال کر جھلسا دیں اور سوکھ پیش کرا دیں۔

گلشن۔ پھر کیا کرو گی۔

افشاں۔ اس ہلدی کو باریک کپڑے میں باندھ کر ذرا سا پانی میں گھول لوں گی

اور اس میں دوپٹہ رنگ کر نچوڑ لوں گی پھر اسی پانی میں نیبو یا اور کوئی کھٹائی ڈال کر دوبارہ دوپٹہ کو غوطہ دے دوں گی۔ ایسا نکھرا ہوا کافوری رنگ چڑھے گا تم بھی دیکھ کر خوش ہو جاؤ گی۔

گلشن۔ نوج میں ایسا بھنکتا ہوا کام کروں جھٹ پٹ رنگ گھولا۔ ایک منٹ میں دوپٹہ تیار کر لیا۔

افشاں۔ تم ایک دوپٹہ رنگ کر تو دیکھو اتفاق سے کبھی گھر میں رنگ نہ ہو اتر کیب تو آنی چاہیے۔

گلشن۔ اے بس یہ بنیادی خانم کی ترکیبیں تمہیں کو مبارک رہیں رنگ نہ ہو گا سفید اوڑھ لیں گے۔

افشاں۔ (مسکرا کر) سنا ہے بھائی محمود بھی تو آنے والے ہیں۔

گلشن کو ہنسی آ گئی افشاں نے کہا۔ مجھے تو چڑا رہی تھیں تم تو نام سن کر ہی ہنسنے لگیں،

گلشن۔ میں تو تیری بیوقوفی پر ہنس رہی ہوں۔

افشاں۔ بیوقوفی کی کیا بات ہے۔ سنا ہے اب پھر کچھ سلسلہ شروع ہو رہا ہے آپا نزہت بڑی کوشاں ہیں اپنے بھائی کو راضی کر رہی ہیں۔ اس بار بھائی محمود سے تمہارا انٹرویو ہو گا گلشن نے دو تین گھونسے گدگدا افشاں کی پیٹھ پر مارتے ہوئے کہا۔ بے تمیز گدھی دیکھنے میں کیسی معصوم بنی بیٹھی رہتی ہے۔ گپیں خوب ہانکنی آتی ہیں۔ چار مہینے پہلے ایک مریل کیڑا معلوم ہوتی تھیں۔ اب تیتری کی طرح پر نکل آئے۔ معلوم ہوتا ہے۔ نانا ابا اور خالہ جان نے بالکل آزاد کر دیا۔

افشاں۔ (مسکرا کر) تم جھوٹ سمجھ رہی ہو۔ کہو تو نزہت بھابی کا خط دکھا دوں۔ وہ بھی تو آ رہی ہیں۔

گلشن۔ مجھے کیا مطلب آ رہی ہو گی۔

افشاں۔ تمہاری ہی مدد کر تو آ رہی ہیں۔

گلشن۔ (جل کر) کیسی مدد۔

افشاں۔انٹرویو کے سوال پہلے سے تمہیں بتادیں گی۔

گلشن۔ (منہ چڑا کر) بڑی بیچاری انگریزی دال بنی جب۔ انٹرویو انٹرویو لگایا ہے۔

افشاں۔ (ذرا دور جا کر) وہ سوالات مجھے تو معلوم ہیں کہو تو بتا دوں۔

گلشن۔ (گھونسا دکھا کر) اچھا اب مینڈکی کو بھی زکام ہوا معلوم ہوتا ہے میرے ہاتھ سے تیری شامت آرہی ہے۔

افشاں نے اپنے دوپٹے نکالتے ہوئے کہا۔جانے دو وقت پر ٹپٹا جاؤ گی۔

گلشن۔ (مسکرا کر)بولیجای ہے۔تجھے تو حمیدہ رشیدہ ہی خوب ٹھیک بناتی ہیں۔

افشاں کا رنگ ایک دم سفید ہوگیا گویا اس کے دل میں کسی نے ایک گھونسا مارا۔وہ سوچنے لگی گلشن کو بھی معلوم ہوگا کہ میں نرس کی لڑکی ہوں ان سے کم درجہ کی پھر مجھے کیا حق ہے کہ برابری سے باتیں کروں اسکو سخت رنج ہوا خاموشی سے اپنے دوپٹے نکالکر گلشن کو دے دیے۔

گلشن۔ (ہنسکر) حمیدہ کا نام آتے ہی تمہارے اوپر اوس کیں پڑ گئی۔

افشاں۔ (بناوٹی مسکراہٹ سے) نہیں تو۔

گلشن۔نہیں تو کیا،تمہارا رنگ بالکل دھویا کپڑا معلوم ہو رہا ہے میں کا اندھی ہوں۔

افشاں۔ (بات بناتے ہوئے) میری انگلی ٹرنک میں دب گئی تھی۔ اس میں تکلیف ہو رہی ہے۔

گلشن۔ مجھے دکھاؤ میں پٹی باندھ دوں۔

افشاں۔ (مسکر کر) کوئی کٹ تھوڑی ہے۔

گلشن۔خیر نیل تو پڑا ہوگا۔ مجھے دکھاؤ تو سہی۔

افشاں ۔ نے اپنی ایک انگلی زور سے دبا کر گلشن کے آگے کر دی ۔

گلشن ۔ لال تو ہو رہی ہے مگر تیری انگلیاں ویسے وہی پتلی پتلی نازک ہیں ذرا سا دبانے سے سرخ ہو جاتی ہیں ۔

افشاں ۔ تمہیں یقین نہیں آتا تو میں کیا کروں ۔

گلشن ۔ (مسکرا کر) یہ سب چالاکی کی باتیں بچپن سے استاد نے سکھائی ہیں ۔ میں خوب جانتی ہوں کیا فرخ کے ساتھ رہ کر اتنا بھی نہیں آئے گا ۔

افشاں ہنسکر خاموش ہو گئی گلشن نے کہا ۔ منگنی تو تمہاری ہو گئی ہے ۔ حمیدہ نگوڑی سے کیوں جلتی ہو موقع تو اس کے جلنے کا ہے ۔

افشاں ۔ گلشن آپ فضول باتیں نہ کرو ۔ میں حمیدہ سے کیوں جلنے لگی ۔

گلشن ۔ کبھی تمہارے پاس آتی بھی تھیں ۔

افشاں ۔ ہر اتوار کو آتی تھیں ۔

گلشن ۔ میرے آنے کے بعد تو ایک دفعہ بھی نہیں آئیں ۔

افشاں ۔ حمیدہ کی طبیعت خراب ہے ۔ اس دن پھوپھی نصیرہ بیگم کہہ تو رہی تھی تم نے سنا نہیں ۔

گلشن ۔ کہہ رہ ہوں گی مجھے ان سے کچھ دلچسپی نہیں ۔

افشاں ۔ ایک دن دیکھنے چلو ۔

گلشن ۔ اے بھی میں تو ابھی تک چچی جان بیچاری کو بھی دیکھنے نہیں گئی کیا کروں گرمی ہی ایسی بلا کی پڑ رہی ہے پرسوں چمن آپ چلتے چلتے کہہ گئی تھیں کہ ایک دن آ کر [illegible]

تھیں۔

گلشن۔ اے بی وہ جالج زدہ یہاں کیسے آئیں۔

افشاں۔ میں نے سنا تھا ان کی ٹانگیں بیکار ہوگئی ہیں۔

افشاں۔ (مسکرا کر) چاروں ہاتھ پیروں سے چلتی ہیں۔

گلشن۔ (کلوں پر ہاتھ مار کر) اللہ کے آگے توبہ ہے۔ بے چاری چوپایہ بن گئیں بندریا معلوم ہوتی ہوں گی۔

افشاں۔ (سوکھا منہ بنا کر) ٹانگیں زیادہ کام تھوڑی دیتی ہیں۔ ہاتھوں پر زور دے کر مینڈکی کی طرح پھدکتی ہیں۔

گلشن مارے ہنسی کے لوٹ گئیں۔ بے تمیز کیسا سوکھا منہ بنا کر کہہ رہی ہے۔

روشن آرا نے برآمدہ میں سے آواز دی۔ اے گلشن تم تو افشاں کے دوپٹے لینے گئی تھیں وہیں جا کر بیٹھ گئیں، کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔ وہ ککڑی پڑی جھک مار رہی ہے۔ رائتہ کب بنے گا۔

گلشن اپنے کلے پیٹتی ہوئی باہر آئیں۔

روشن آرا۔ کاہے کی ہنسیاں ہو رہی تھیں۔

گلشن۔ کچھ نہیں امی جان! بے چاری چچی جان کا حال افشاں سنا رہی تھیں۔

روشن آرا۔ توبہ کرو۔ یہ بھی کوئی ہنسنے کی بات ہے۔

گلشن۔ توبہ تو برابر کر رہی ہوں۔ کلے پیٹتے پیٹتے لال کر لیے۔

روشن آرا۔ اچھا تم جلدی سے رائتہ بنا لو۔ ابا جان آتے ہوں گے۔

گلشن۔ ککڑی تو ابھی کچی رکھی ہے۔

گلشن۔ کیسے بنے گا۔

روشن آرا۔ اے بی ککڑی کو کدوکش میں کس لو۔ دہی کو خوب لت کر کے نمک مرچ ذرا سی رائی ملا کر اوپر سے سفید زیرہ کا بگھار دے دو۔

گلشن۔ پیاز پودینہ نہیں پڑے گا۔

روشن آرا۔ نہیں ان کو یہی پسند ہے۔

گلشن باورچی خانہ میں چلی گئیں......

تھوڑی دیر میں سید صاحب بھی آ گئے۔

بیسواں باب

حسن آرا بیگم کی زندگی شروع سے اپنے والدین کی اطاعت و فرمانبرداری میں گذری تھی۔ ان کی امنگیں آرزوئیں مردہ ہو گئی تھیں۔ ان کی آزادی و خودداری فنا ہو چکی تھی۔ وہ اپنی غلامانہ زندگی کی عادی ہو گئی تھیں حکم کی تعمیل ان کا شعار تھا۔ انہوں نے اپنی ہر ضرورت اور ہر خواہش کو مٹا دیا تھا ورنہ ان کے سینہ میں دل تھا۔ ہزاروں خواہش اور سینکڑوں ارمان انکے دل میں بھی ہوں گے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان کے دماغ میں بھی اپنی آزدی اور خودمختاری کی تمنا ہو گی۔ وہ بھی اپنے گھر کی حکومت کے خواب دیکھتی ہوں گی مگر واقعات اور حالات نے انہیں مجبور اور بے بس کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنے ماں باپ کی مرضی کے خلاف کبھی اپنے اکلوتے بیٹے کی حمایت نہیں کی یہ ان کی عقلمندی تھی یا بیوقوفی بہر حال نفس کشی اور قربانی کی وہ ایک زندہ مثال تھیں۔ فرخ اپنی ماں کی ضد تا ھد وہ بعض وقت ان کی کمزوری اور ایثار پر جھلا اٹھتا ہے مگر نانی کی شفقت اور محبت اس کے غصہ کو ٹھنڈا کر دیتی تھی۔ اس وقت فرخ کے اندر آنے اور افشاں کے پاس سے خربوزے اٹھا کر کھانے پر حسن آرا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کر دیا وہ غصہ میں بھرا ہوا اپنے کمرہ میں جا کر پلنگ پر لیٹ گیا اور سوچنے لگا اگر نانی اماں زندہ ہوتیں تو میرے پیچھے پیچھے آ کر مجھے سمجھاتیں مگر امی جان تو ہمیشہ مجھ سے ایسی الگ رہتی ہیں گویا میں ان کا لڑکا ہی نہیں ہوں کوئی دوسری ماں ہوتیں تو اس معمولی بات کا خیال بھی نہیں کرتی۔ وہ اپنے پلنگ سے اٹھا پتلون پہنی ہیٹ لیا اور سائیکل اٹھا کر اپنی پھوپھی کے ہاں چل دیا...... نصیرہ بیگم بھتیجے کی شکل دیکھتے ہی باغ باغ ہو گئیں۔ اٹھ کر بلائیں لیں کمرہ میں پنکھے کے نیچے لا کر بٹھایا بے وقت آنے کا سبب پوچھا فرخ نے رومال سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔ ذرا بازار کی طرف آیا تھا دھوپ اس قدر تیز ہو گئی کہ گھر تک جانے ہمت نہیں رہی۔ سوچا لاؤ پھوپھی اماں کے ہاں دوپہر گذاردوں۔

نصیرہ بیگم نے دوبارہ فرخ کی بلائیں لے کر کہا۔ منہ تو دیکھو معلوم ہوتا ہے تپا ہو اتانبا میری جان دھوپ میں نہ نکلا کرو لو چلنے لگی ہے۔

فرخ۔ پھوپھی اماں میں نے کھانا نہیں کھایا ہے۔

نصیرہ بیگم۔ (ہنسکر) میرے چاند تمہارے لیے کھانے کی کیا کمی ہے۔ یہاں بھی ابھی کس نے نہیں کھایا۔ رشیدہ حمیدہ بھی کالج سے آتی ہوں گی تم جوتا اتار دو۔ منہ ہاتھ دھوڈالو۔ ذرا سا شربت روح افزاء پی لو۔

فرخ۔ شربت کی کیا ضرورت ہے اب کھانا ہی کھاؤں گا۔

نصیرہ بیگم نے کھڑے ہوئے ہوئے کہا۔ گرمی میں آئے ہو ذرا جی ٹھنڈا ہو جائے گا میں ابھی لاتی ہوں۔

فرخ جوتا اتار کر کھونٹی پر ہیٹ ٹانگنے گئے۔ کارنس پر ایک نیلے رنگ کا لفافہ رکھا تھا۔ وہ اس کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے۔ یہ زرتاج بیگم کا خط تھا فرخ کو بہت تعجب ہوا۔ انہوں نے لفافہ میں سے خط نکال کر جلدی سے اپنی پتلون کی جیب میں رکھ لیا پڑھنے کا موقع نہیں تھا۔

نصیرہ بیگم شربت لے کر آ رہی تھی۔ وہ گاؤ تکیے کے آگے لیٹ گئے...... تھوڑی دیر میں لڑکیاں بھی آ گئیں۔ رشیدہ نے فرخ کو بیٹھا دیکھ کر تعجب سے کہا۔ آج بے وقت کیسے آ گئے؟

فرخ۔ تمہیں دیکھنے کو دل چاہا تھا۔

رشیدہ۔ ہنس کر۔ سچ بتاؤ کیسے آئے؟

فرخ۔ کیا میں کبھی آتا نہیں۔

رشیدہ۔ اس وقت تو کبھی نہیں آتے۔ خیریت تو ہے۔

فرخ۔ ہاں سب خیریت ہے اور خیرو عافیت آپ کی خداوند کریم سے نیک مطلوب و دیگر احوال ہے کہ کہ اتفاقیہ ادھر آ گیا تھا گرمی کی تیزی سے برا حال ہو گیا۔

حلق میں کانٹے پڑنے لگے دور سے آپ کا دولت خانہ نظر آیا پناہ لینے کے واسطے آ گیا۔

حمیدہ۔وہ تو میں پہلے ہی سمجھ گئیں تھی کہ یہاں آنے کے ارادہ سے نہیں آئے۔

فرخ۔ماشاءاللہ اس عمر میں ہی آپ روشن ضمیر ہو گئیں آگے چل کروحی نازل ہونے لگے گی۔

حمیدہ بغیر کوئی جواب دیے اپنی کتابیں رکھنے چلی گئیں……فرخ ایک گھنٹے پہلے افشاں کو دیکھ کر آئے تھے وہ اس کی اور حمیدہ کی شکل کا مقابلہ اپنے دماغ میں کرنے لگے اور خود ہی گردن ہلا کر کہا۔لاحول ولاقوۃ رشیدہ آرہی تھیں انہوں نے سن لیا۔'' یہ لاحول کس پر بھیجی جارہی ہے۔''

فرخ۔شیطان پر۔

رشیدہ۔کیا ہم لوگ شیطان ہیں۔؟''

فرخ۔شیطان تو مرد ہے۔

رشیدہ۔لاحول کیوں پڑھ رہے تھے؟''

فرخ۔اپنے اوپر۔

رشیدہ۔آخر بات کیا ہوئی۔

فرخ۔بات کچھ بھی نہیں ہوئی شیطان ازل سے انسان کا دشمن ہے وہ خواہ مخواہ دو آدمیوں کے درمیان تفرقہ ڈلوانا چاہتا ہے۔اب حمیدہ ہی کو اکسا رہا ہے۔

رشیدہ نے حمیدہ کو آواز دی۔ا''یہاں آؤ فرخ سمجھ رہے ہیں تم ان سے خفا ہوئی۔

حمیدہ منہ ہاتھ دھو کر اپنے بال وغیرہ درست کر کے آئیں……فرخ مسکرانے لگے

رشیدہ نے پوچھا۔''افشاں تو اچھی ہیں؟''

فرخ۔ہاں بہت اچھی ہیں۔

حمیدہ۔آپا گلشن کو دیکھو جب سے آئی ہیں یہاں کھڑے کھڑے بھی ملنے نہ

آئیں۔

رشیدہ۔امیر آدمی غریبوں کے ہاں نہیں آتے ان کو اپنے ابا کی کلکٹری پر بڑا گھمنڈ ہے۔

حمیدہ۔ساری عمر تو ڈپٹی کلکٹر رہے اب سال بھر سے کلکٹر ہو گئے تو کونسی بڑی بات ہوئی۔

فرخ۔ہنسکر۔ارے بھئی گلشن سے ملنے کا ایسا ہی شوق ہے تو خوش چلی جاؤ طعنے دینے سے کیا فائدہ۔

حمیدہ۔بگڑ کر۔ہمیں کیا غرض پڑی ہے وہ اپنی دو روٹیاں زیادہ کھائیں۔

رشیدہ۔امیر اپنے مال میں مست ہے۔غریب اپنی کھال میں مست۔

فرخ۔تم لوگوں نے پڑھ لکھ کر بھی ڈبو دیا کیسے بیہودہ الفاظ بولتی ہو۔

حمیدہ۔ہم افشاں کے سے شائستہ الفاظ کہاں سے لائیں۔

فرخ نے ایک قہقہہ مارا۔نصیرہ بیگم نے سب کو کھانے کے واسطے بلایا۔کھانا کھا کر پھر اسی کمرہ میں آ گئے۔فرخ کے واسطے پنکھے کے نیچے نواڑی پلنگڑی پر سوزنی بچھا کر تکیہ رکھا گیا کمرہ کے سب دروازے بند کرے نصیرہ بیگم نے بیچ کے دروازہ میں خس کی ٹٹی لگوائی محلے کے بہت سے بچے ان کے پاس پڑھنے آتے تھے کسی کو پانی چھڑکنے کیواسطے بٹھایا کیس کو پنکھا جھلنے کیلئے۔

فرخ نے ہنس کر کہا۔پھوپھی اماں آپ اپنی امت کو دوپہر کی بھی چھٹی نہیں دیتیں۔

نصیرہ بیگم۔بیٹا ساری دوپہر دھوپ میں گلیوں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ان کے ماں باپ نے کہہ دیا ہے وہیں رکھا کرو مجھے بھی آرام ملتا ہے۔یہ بھی ٹھنڈک میں بیٹھے رہتے ہیں۔دو کو لٹا دیتی ہوں دو سے کام لیتی ہوں اسی طرح باری باری اٹھاتی بٹھاتی رہتی ہوں۔

فرخ۔ انتظام تو آپ نے بہت اچھا کر رکھا ہے اب میں روز دوپہر کو آپ ہی کے ہاں آ جایا کروں گا۔

نصیرہ بیگم۔ شوق سے شوق میرے نصیب ایسے کہاں! تم سویرے نو دس بجے آ جایا کرو۔ دوپہر کا کھانا یہیں کھا لیا کرنا۔

رشیدہ۔ اماں جان آپ بھی ان کی باتوں میں آ گئیں بھلا یہ بجلی کے پنکھے چھوڑ کر یہاں آئیں گے۔ میں تو کبھی ان کی بات کا یقین نہ کروں۔

فرخ۔ تمہیں یقین دلاتا ہی کون ہے میں تو پھوپھی اماں سے کہہ رہا ہوں۔

نصیرہ بیگم۔ ہاں بیٹا! جس وقت تمہارا دل چاہے آ جایا کرو۔

فرخ۔ آپ کا کمرہ اس قدر ٹھنڈا ہے کہ میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ بجلی کے پنکھے کی ہوا میں ایسی ٹھنڈک نہیں ہوتی۔

نصیرہ بیگم۔ بیٹا! تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جاؤ۔ میں نے تمہارے واسطے پلنگڑی بچھوا دی ہے۔

فرخ۔ نہیں پھوپھی اماں مجھے دوپہر کو سونے کی عادت نہیں۔

نصیرہ بیگم۔ خیر لیٹنے میں کیا حرج ہے۔ میں ذرا سا چنبیلی کا تیل تمہارے سر میں ڈال دوں۔ حمیدہ ذرا تیل کی شیشی لے آؤ۔

فرخ۔ نہیں نہیں پھوپھی اماں۔ تیل کبھی نہیں ڈالتا۔

نصیرہ بیگم۔ دھوپ میں جلتے ہوئے آئے ہو میں ذرا سا چندیا میں تیل دبا دوں، دیکھو کیسا آرام ملتا ہے۔

فرخ منع کرتے رہے مگر نصیرہ بیگم نے ٹھنڈے پانی میں شیشی رکھ کر ان کے سر میں تیل دبانا شروع کیا...... رشیدہ نے فرخ کو پان لا کر دیا۔ چھوٹی الائچیاں خاص طور پر الگ رکھی تھیں۔ وہ پانی میں ڈالیں...... نصیرہ بیگم بولیں ”اے ہے کیسا بھپکا سر میں سے نکلا ہے۔ معلوم ہوتا ہے، جلتے توے پر پانی ڈال دیا۔“

فرخ نے شرمندگی کے لہجہ میں کہا ''آپ خواہ مخواہ تکلیف کر رہی ہیں ''

نصیرہ بیگم۔ تکلیف کی کیا بات ہے۔ جیسے اشفاق ویسے تم، وہ تو چھٹیوں میں آتے ہیں میں بلا ناغہ روز رات کو ان کے سر میں تیل دباتی ہوں بھلا پڑھنے والے لڑکوں کے دماغ ایسے خشک رہنے چاہییں۔ ابھی ہتھیلی بھر کر تیل ڈالا تھا کہیں پتہ بھی نہیں رہا۔

فرخ۔ پھوپھی اماں آپ کا ہاتھ ایسا آرام کا ہے مجھے نیند آنے لگی۔

نصیرہ بیگم۔ بیٹا! گھنٹہ آدھ گھنٹہ کے لیے سو جاؤ۔

فرخ۔ سونا تو میں نہیں چاہتا، سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ بس اب آپ رہنے دیجیے۔

رشیدہ۔ کیا تم دوپہر کو نہیں سوتے۔

فرخ۔ نہیں۔

رشیدہ۔ اور سب گھر والے تو سوتے ہوں گے؟

فرخ۔ مجھے خبر نہیں سوتے ہوں گے۔

رشیدہ۔ تم کہاں رہتے ہو جو کسی کی خبر نہیں۔

نصیرہ بیگم۔ اے بی میں تو اس دن گئی تھی انہیں اندر جانے کا حکم کہاں ہے باہر اپنے کمرہ میں پڑے رہتے ہیں۔

حمیدہ۔ (طعن آمیز لہجہ میں) اب ایسا سخت پردہ ہو گیا ہے۔

رشیدہ۔ فرخ کے کمرہ میں تو بڑی سخت گرمی ہوتی ہے۔ دھوپ کے رخ ہے۔

حمیدہ۔ ان کے کمرہ میں تو چھت کا پنکھا بھی نہیں ہے۔

نصیرہ بیگم۔ ایک چھوٹا سا میز کا پنکھا رکھا تھا۔

رشیدہ۔ ممانی جان فرخ کا اتنا خیال بھی نہیں کرتیں کہ دوپہر کو اپنے کمرہ میں سلا لیا کریں۔

نصیرہ بیگم۔حسن آرا نے شروع سے ایسا ڈول ہی نہیں ڈالا ہر بات میں سب سے ڈرتی ہی رہیں۔وہ تو چچا کو خدا زندہ رکھے انہوں نے ہمیشہ فرخ کا خیال رکھا۔

رشیدہ۔مگر اب تو فرخ سے زیادہ نانا ابا کو افشاں کا خیال ہے۔

نصیرہ بیگم نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔خدا میں بڑی قدرت ہے شاید کبھی حسن آرا کا گھر بھی آباد ہو۔

حمیدہ۔(فرخ سے) اب تو آپ نے بی اے امتحان دے لیا۔شادی ہو جانی چاہیے فرخ چپکے پڑے سب کی باتیں سن رہے تھے۔حمیدہ کے سوال پر انہوں نے کہا۔بس میں خود کیسے کرلوں، تم لوگ کوشش کرو۔

رشیدہ۔(ہنسکر) ہماری کوشش سے کیا ہوتا ہے۔پہلے تم آئی سی ایس تو ہو جاؤ۔

فرخ۔یہ تو ناممکن ہے۔

رشیدہ۔پھر شادی کیسے ہوگی؟

فرخ۔نہ ہوگی۔

نصیرہ بیگم۔خدا نہ کرے کیوں نہ ہوگی۔بی اے ہو جائیں تو آئی سی ایس میں بیٹھ جائیں گے۔

رشیدہ۔یہ تو خواہ مخواہ کی محسن ماموں کی ضد ہے۔

نصیرہ بیگم۔اور کیا۔ضد تو ہے ہی اصل میں مرضی نہیں ہے۔

حمیدہ۔(دبی زبان سے) معلوم ہوتا ہے انہوں نے گوہر وجواہر سے افشاں کے متعلق سن لیا ہے۔

فرخ نے تکیہ سے سر اٹھا کر پوچھا۔''افشاں کے متعلق کیا سن لیا ہوگا۔''

نصیرہ بیگم۔کچھ نہیں بیٹا، ان لڑکیوں کے پیٹ میں ذرا سی بات نہیں ٹھہرتی۔

فرخ اٹھ کر بیٹھ گئے۔کیا بات ہے میں بھی تو سنوں۔؟''

نصیرہ بیگم۔یہ تو بیوقوف ہیں، دنیا میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔

فرخ۔ آپ کہنا بھی چاہ رہی ہیں اور خواہ مخواہ چھپانے کی کوشش بھی کر رہی ہیں۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا۔ مجھے صاف بتا دیجیے یہ معاملہ کیا ہے۔؟

نصیرہ بیگم۔ بیٹا معاملہ کچھ نہیں۔ افشاں کو جو زبردستی انگوٹھی پہنائی گئی تھی اسی کے متعلق کہہ رہی ہیں۔

فرخ۔ کیا افشاں کی مرضی کے خلاف اسکو زبردستی انگوٹی پہنائی تھی۔

رشیدہ معلوم تو ایسا ہی ہوتا تھا۔ ایک گھنٹہ کامل گلشن نے سمجھایا تھا۔

فرخ۔ کیا وہ انکار کر رہی تھی؟

رشیدہ۔ یہ تو خبر نہیں۔ کمرہ اندر سے بند کر کے بیٹھی تھی خالہ روشن آرا بیگم دروازہ پر کھڑی تھیں۔ جب باہر نکلیں تو روتے روتے منہ سوج گیا تھا۔

حمیدہ۔ اور انگوٹھی کو کیسی نفرت سے اتار کر پھینکا تھا۔ بہتیرا آپا گلشن نے کہا کہ پہنے رہو مگر انہوں نے اس کو ہاتھ نہیں لگایا۔

فرخ۔ گلشن نے تو مجھ سے کبھی ذکر نہیں کیا۔

رشیدہ۔ (ہنسکر) ساری کاروائی تو گلشن ہی کی تھی وہ تم سے کیا ذکر کرتیں۔

فرخ۔ دیکھو اب میں گلشن کی کیسی خبر لیتا ہوں افشاں کو مجبور کو نیکا ان کو کیا حق تھا۔؟

نصیرہ بیگم اے بیٹا لڑکیوں کو اسی طرح سمجھایا بجھایا جاتا ہے تم ابھی ان باتوں کو کیا جانو۔

فرخ۔ جی میں سب جانتا ہوں یہ آپ کا کہنا غلط ہے۔ نزہت کو کسی مجبور نہیں کیا تھا وہ ہمیشہ اپنی منگنی کی انگوٹھی پہنے رہتی تھی۔

نصیرہ بیگم۔ خیر اب اس قصہ کو چھوڑو کیوں خواہ مخواہ لڑکیوں کے کہنے سے اپنا جی برا کرتے ہو۔ چچا ابا اور چچی اماں سے زیادہ کون جہاندیدہ ہوگا۔ انہوں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی ایسا کیا ہوگا۔

فرخ۔ باس ان کر تجربہ معلوم ہے وہ اپنی بیٹی ہی کی زندگی برباد کر چکے ہیں۔

نصیرہ بیگم۔ ہاں نا رضامندی کی شادی کا نتیجہ ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔

فرخ۔ کیا آپ کے بھائی کی مرضی نہیں تھی۔

نصیرہ بیگم۔ وہ تو شروع سے کانوں پر ہاتھ رکھتے تھے۔ مگر میری بیوقوفی اور ناتجربہ کاری سے یہ ہوا میں سمجھتی تھی شادی کے بعد ٹھیک ہو جائیں گے۔

فرخ۔ آپ نے انہیں مجبور کیا ہوگا۔

نصیرہ بیگم۔ ہاں بیٹا! زبردستی راضی کیا تھا وہ تو اپنی زندگی آزاد گزارنا چاہتے تھے اور میں محسن بھی انہیں گے ہم خیال تھے۔ مگر وہاں جا کر خدا جانے کس بلا کے پھندے میں پھنس گئے۔

رشیدہ۔ اماں جان آپ نے بھی اس نرس کو دیکھا تھا؟

فرخ۔ (تعجب سے) کون نرس؟

نصیرہ بیگم۔ بیٹا جو افشاں کو لے کر آئی تھی۔

حمیدہ۔ (ہنسکر) آپ کیوں چھپا رہی ہیں۔ اگر افشاں کی ماں نرس تھی تو کونسی بری بات ہے۔

فرخ۔ (حیرت سے) ہائیں کیا افشاں کسی نرس کی لڑکی ہے۔؟

نصیرہ بیگم۔ یہاں تو سب کا یہی خیال ہے افشاں ہو بہو اسی کی شکل ہیں۔

فرخ۔ یہ بات تو آپ نے عجیب سنائی۔

نصیرہ بیگم۔ بیٹا میں کیا بتاؤں گی سارے خاندان کو معلوم ہے یہی تو مجھے رنج ہے کہ چچا ابا اور چچی اماں نے پوتی کی محبت میں اپنے خاندان میں بٹہ لگایا۔ اب تمہاری اولاد دوغلی کہلائے گی۔

فرخ۔ آپ نے نانی اماں کو سمجھایا ہوتا۔

نصیرہ بیگم۔ بیٹا میرا تو کوئی موقع نہیں تھا، خدا جانے لوگ کیا سمجھتے، ہاں چچی

جان کی معرفت میں نے بہتیری کوشش کرائی مگر حسن آرا نے کچھ خیال ہی نہیں کیا۔ وہ بیچاری بھی کیا کریں۔ اپنے ماں باپ کی نگاہ دیکھتی ہیں۔

فرخ۔ پھوپھی اماں آپ کے کہنے کا موقع کہیں نہیں تھا۔

نصیرہ بیگم بیٹا سب کو خیال ہوتا کہ میں اپنے فائدہ کے لئے مخالفت کر رہی ہوں۔

فرخ۔ آپکا کیا فائدہ تھا۔

نصیرہ بیگم۔ میری بھی تو لڑکیاں ہیں۔ حسن آرا کو خیال ہوتا کہ شاید مجھے کچھ لالچ ہے؟

فرخ۔ اگر لالچ بھی ہے تو کیا گناہ کی بات ہے دنیا میں ہر شخص اپنا ذاتی فائدہ مدنظر رکھتا ہے۔

نصیرہ بیگم۔ (سرد آہ بھر کر) بیٹا میرا اب کیا حق ہے تمہارے باپ اگر یہاں ہوتے تو مجھے بولنے کی گنجائش ہوتی اب تو چچا اور حسن آرا کی مرضی ہوگی وہی ہوگا۔

فرخ۔ مگر پھوپھی اماں بغیر میری مرضی کے وہ لوگ کچھ تھوڑی کر سکتے ہیں۔

نصیرہ بیگم۔ اے بیٹا کیا باتیں کرتے ہو۔ چچا ابا کے سامنے تم زبان نہیں ہلا سکتے۔

فرخ۔ ہاں یہ تو آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ میں نانا ابا کے خلاف کچھ نہیں بول سکتا۔

نصیرہ بیگم۔ میں تو پہلے ہی جانتی ہوں مرضی ہو یا نہ ہو چھری کے آگے گردن جھکانی ہی پڑے گی۔

فرخ۔ پھر کیا ترکیب کی جائے؟

نصیرہ بیگم۔ بیٹا صبر سے بیٹھے رہو ہم تو آپ چپکے بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ اور میاں محسن عین وقت پر کیا گل کھلاتے ہیں۔

فرخ۔ جی ہاں! ابھی تو یہ مرحلہ باقی ہے۔

نصیرہ بیگم۔ (مسکرا کر) محسن جیسا ضدی شخص کہیں اپنی مرضی کے خلاف کوئی کام ہونے دیگا۔

فرخ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نصیرہ بیگم ظہر کی نماز پڑھنے اٹھ گئیں...... فرخ نے رشیدہ سے کہا "تمہارے ہاں کوئی نیا رسالہ پڑھنے کے لائق ہو تو لاؤ"

رشیدہ نے حمیدہ کو آواز دی وہ منہ دھونے گئی ہوئی تھیں۔ کچھ پاؤڈر ذرا سی ہونٹوں پر سرخی۔ آنکھوں میں کاجل لگا کر آئیں۔ فرخ نے رشیدہ سے کہا۔ "میں دیکھتا ہوں اب تو حمیدہ نے کینچلی سی بدل لی۔"

حمیدہ نے اپنے سر کے بال درست کرتے ہوئے اترا کر کہا۔ کینچلی بدلنا کس کو کہتے ہیں؟"

فرخ۔ (مسکرا) جب سانپن اپنا خول اتار دیتی ہے تو صاف چمکدار نکل آتی ہے۔

حمیدہ۔ (بگڑ کر) کیا میں سانپن ہوں۔

فرخ۔ تم خفا کیوں ہو گئیں۔ یہ تو ایک محاورہ ہے کینچلی سی بدل لی۔ کیوں رشیدہ؟

رشیدہ۔ ہاں سب ہی کہتے ہیں اور فرخ نے بھی ٹھیک کہا۔ ماشاء اللہ اب تمہاری صورت پہلے سے کہیں اچھی ہو گئی ہے۔ سب دیکھنے والے یہی کہتے ہیں۔

فرخ۔ میں نے چار مہینے کے بعد آکر دیکھا تو حیرت ہو گئی کیا پری جمال صابن استعمال کرتی ہو۔

حمیدہ۔ (مسکرا کر) آپ رسالہ پڑھیے، خواہ مخواہ مجھے نہ بنایئے۔

فرخ نے مسکرا کر کہا۔ بہت اچھا جو آپ حکم ہو۔

نصیرہ بیگم نے شام کے کھانا کے لئے دونوں لڑکیوں کو بلایا۔ فرخ نے اپنی جیب

[illegible]

فرخ۔ پھوپھی اماں میں بغیر کہے آ گیا تھا۔ نانا ابا پریشان ہوں گے۔

نصیرہ بیگم۔ میں ایسی گرمی میں نہیں جانے دوں گی۔ شام کو جانا۔ ناشتہ کرلو۔ لڑکیاں خربوزہ کی راحت جان بنارہی ہیں، اگر تم چائے پیتے ہوت تو بنوادوں۔

فرخ۔ اب تو چار بج گئے، گرمی کم ہوگئی ہوگی۔

نصیرہ بیگم۔ نہیں بیٹا ذرا الگنائی میں نکلی تھی۔ لو کے تماچے منہ پر پڑ رہے ہیں۔

فرخ خاموش ہو گئے۔ ناشتہ کر کے شام کو چھ بجے گھر واپس پہنچے، عابد حسن نے دیکھتے ہی تاڑا۔ میاں چلچلاتی دھوپ میں کہاں نکل گئے تھے۔ کھانے پر سب کو تمہارا انتظار رہا ماموں جان برابر پوچھتے رہے۔"

فرخ نے ان سے بہانہ کردیا۔ خالہ آج پھوپھی اماں کے ہاں دعوت تھی جلدی میں بغیر کہے چلا گیا۔

رات کو بڑی دیر تک فرخ کو نیند نہ آئی۔ اپنی پھوپھی کی چالاکی پر غور کرتے رہے۔

زرتاج بیگم کے خط کا معمہ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ لڑکیوں کی باتوں نے حیرت میں ڈالدیا تھا۔ آج پہلی مرتبہ فرخ نے سنجیدگی سے اپنے معاملہ پر غور کیا۔ "کیا واقعی افشاں کی مرضی نہیں ہے؟ وہ

بھی کسی آئی سی ایس سے شادی کرنی چاہتی ہے کیا مجھ سے پردہ ہو۔ تے ہی اسکے خیالات بدل گئے وہ اب شہریار کو پسند کریگی۔ اسے انگوٹھی اتار کر کیوں پھینکدی؟ وہ تو بچپن سے میرے ساتھ رہی ہے کبھی میری مخالفت نہیں کی۔ میرے اشاروں پر ہمیشہ چلی گھر کے سب بچوں سے میری لڑائی ہوتی تھی۔ مگر وہ مجھ سے کبھی نہیں لڑی...... کیا اب وہ تمام عمر کیواسطے مجھ سے لڑائی کرنا چاہتی ہے۔ نہیں جھوٹ ہے بالکل غلط۔ میں کبھی یقین نہیں کرسکتا...... پھوپھی اماں چاہتی ہیں میں حمیدہ سے شادی کرلوں...... استغفر اللہ کوئی مقابلہ نہیں، مجھے مائل کرنے کی ترکیبیں شروع ہو گئیں۔ بن سنور کر میرے سامنے آنے لگیں...... وہ ہزار کوششیں کریں کامیاب نہیں ہوسکتیں۔ میں بچپن سے نفرت کرتا ہوں۔ بیہودہ بے تمیز۔ زبان دراز چھچھوری طبیعتیں کسی کے روپیہ پیسہ سے جل گئے، کسی کی صورت شکل سے حسد کریلگے...... کہتے ہیں وہ اسکی لڑکی ہے بالکل جھوٹ اس کی ننھیال بڑی اونچی تھی مجھے سب معلوم ہے...... اب خود تحقیق کروں گا۔ اسکی مرضی معلوم کرنا کوئی مشکل بات نہیں...... کرلیں جب اپنی سی کوششیں...... میری پھوپھی

ہیں گی۔ایک وہاموں ہیں حقیقی خیر دیکھا جائے گا۔

فرخ انہیں خیالات میں غرق ہو گئے ...... وہ کئی روز تک خاموش رہے حسن آرا نے خیال کیا اسدون گھر میں آنے پر جو برا بھلا کہا اس کا اثر ہے ...... ایک دن روشن آرا اپنی ساس کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔گلشن اور حامد گئے تھے گھر میں صرف حسن آرا تھیں۔فرخ نے اس موقع کو غنیمت جانا وہ باہر کی طرف سے سید صاحب کے کمرہ میں آئے۔اسکا ایک دروازہ افشاں کے کمرہ میں تھا۔وہ اس وقت تنہا بیٹھی تھیں۔

فرخ نے سید صاحب کی آواز بنا کر کہا۔تو بیٹی اپنا خط'' افشاں نے جلدی سے سر ڈھانک کر دوپٹہ اوڑھا اور دروازہ کھول کر آگے بڑھی فرخ سامنے کھڑے منہ چڑا رہے تھے۔افشاں سٹ پٹا گئی۔اسکا رنگ سفید پڑ گیا۔

فرخ نے کہا۔خود ہی تو دروازہ کھولا ہے۔اب گھبرائی کیوں ہو؟''

افشاں اس وقت بہت گھبرائی ہوئی تھی۔وہ خوب جواب نہیں دے سکی۔فرخ نے کہا کام ہے۔کچھ کہنا چاہتی ہو؟''

افشاں نے دروازہ بھیڑتے ہوئے کہا۔دھوکہ سے دروازہ کھلوایا ابھی کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا۔''

فرخ۔دروازہ بند نہ کرنا میں تم سے ضروری بات پوچھنے آیا ہوں۔

افشاں۔گلشن آپا کیسامنے آ کر پوچھنا میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔

فرخ۔اگر اس وقت دروازہ نہیں کھولا تو میں ابھی امی جان سے کہتا ہوں کہ افشاں دروازہ کھول کر میرے پاس آئی تھیں۔

افشاں نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔یہ اچھی زبردستی ہے۔

فرخ دروازہ میں آ کر کھڑے ہو گئے ...... افشاں نے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔ تم یہاں کیوں آ رہے ہو؟''

فرخ۔(ہنس کر) تمہارے کمرہ میں قدم رکھوں تو ابھی گلا کاٹ دینا میں تو دروازہ

میں کھڑا ہوں۔

افشاں اگر پھوپھی جان آ گئیں تو کیا کہیں گی؟

فرخ۔اچھا ہے آ جائیں۔ایک گواہ کی ضرورت ہے۔

افشاں۔مجھے پریشان کرنے سے کیا فائدہ۔

فرخ۔میں تو پریشان نہیں کر رہا میری ایک بات کا جواب دے دو ابھی چلا جاؤں گا۔

افشاں۔کیا بات ہے جلدی بتاؤ؟

فرخ۔(مسکر کر) سچ سچ بتانا۔جھوٹ بولیں تو ابھی نانا کو بلا لاؤں گا۔

افشاں کے دل میں فورا اپنی ماں کا خیال آیا۔وہ سوچنے لگی حمیدہ رشیدہ نے کہا ہو گا۔

فرخ نے کہا۔کیا سوچ رہی ہو۔؟"

افشاں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اس نے آہستہ سے کہا۔کچھ نہیں۔

افشاں نے عاجز ہو کر کہا" کیا پوچھنا ہے؟"

فرخ۔اچھا یہ بتاؤ تمھیں انگوٹھی جو پہنائی گئی تھی تو گلشن نے مجبور کیا تھا؟

افشاں کے دل میں اس سوال کا گمان بھی نہیں تھا اسکی زبان سے بیساختہ نکلا" کون کہتا ہے۔؟"

فرخ۔گلشن نے خود مجھ سے کہا تھا۔

افشاں۔مذاق میں کہا ہو گا۔

فرخ۔تم نے انگوٹھی اتار کر پھینک کیوں دی تھی۔

افشاں۔(مسکرا کر) یہ بھی آپا گلشن نے کہا تھا؟

فرخ۔(ہنسکر) ہاں!

افشاں۔جھوٹ تو اسی بات سے معلوم ہو گیا آپا گلشن اس وقت تھیں بھی نہیں۔

فرخ۔ (ہنسکر) خیر مگر یہ پتہ چل گیا کہ تم نے انگوٹھی اتار کر پھینکی تھی۔

افشاں۔ ہاں پھینکی تو تھی۔

فرخ۔ کیوں۔

افشاں۔ ان تمام باتوں کے پیچھے کیا مطلب ہے۔

فرخ۔ مطلب ہے اسی لیے پوچھ رہا ہوں۔

افشاں۔ یہ تو معمولی بات ہے۔

فرخ۔ معمولی ہی باتوں سے دل برا ہو جاتا ہے۔

افشاں کس کا؟

فرخ۔ میرا!

افشاں۔ صرف انگوٹھی پھینکنے سے؟

فرخ۔ ہاں ہاں! انگوٹھی پھینکنے سے۔

افشاں۔ مجھے کیا خبر تھی ایسی انگوٹھیوں کا ادب کیا جاتا ہے آپ نزہت دور بیٹھی تھیں انہوں نے دیکھنے کو مانگی میں نے اتار کر ان کی طرف پھینک دی۔

فرخ۔ (مسکرا کر) اچھا یہ قصہ تھا۔

افشاں کو غصہ آ رہا تھا وہ سمجھ گئی تھی ضرور رشیدہ حمیدہ نے فرخ کے کان بھرے ہیں اس نے بیزاری کے لہجہ میں کہا۔ ''مہربانی کر کے آپ تشریف لے جایئے۔''

فرخ۔ اچھا! اب تم اپنی مرضی کی باتیں کرینگلیں۔

افشان۔ ہاں اب تو ہر شخص اپنی اپنی مرضی کا مختار ہو گیا۔

فرخ۔ ہنس کر۔ اچھی بات ہے کوئی جبر نہیں کرتا۔ مگر ایک بات بتا دو وہ انگوٹھی تم پہنیں کیوں نہیں۔

افشاں نے لاپرواہی سے کہا۔ دادی اماں نے لے کر رکھ دی تھی۔

فرخ۔ اب کس کے پاس ہے۔؟

افشاں۔میرے

فرخ۔اس کو پہن لو۔

افشاں۔خواہ مخواہ پہن لوں۔دیکھنے والے کیا خیال کریں گے۔

فرخ۔اچھا مجھے تو دکھاؤ وہ کیسی انگوٹھی ہے۔

افشاں۔خدا کے لیے تم یہاں سے جاؤ گھنٹوں لگا دیے۔

فرخ۔میں بغیر انگوٹھی دیکھے نہیں جاؤں گا چاہے نانا ابا ہی کیوں نہ آ جائیں۔

افشاں نے اپنی صندوقچی کھول کر انگوٹھی فرخ کی طرف پھینک دی۔......فرخ نے مسکراتے ہوئے انگوٹھی اٹھا کر۔"پھر وہی حرکت کی شاید پسند نہیں ہے۔"

افشاں نے کوئی جواب نہیں دیا۔فرخ نے انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن کر جاتے ہوئے کہا۔

"کل سے میری انگوٹھی حمیدہ نے زبردستی لے کر پہن لی ہے اب یہ انگوٹھی ان کو دیکر اپنی واپس لونگا۔

افشاں کو غصہ تو پہلے ہی آ رہا تھا فرخ کے یہ الفاظ اس کے دل پر تیر کی طرح لگے۔ اس نے صرف اتنا کہا۔"میری انگوٹھی کسی کو دینے کی ضرورت نہیں ہے دوسری خرید کر دے دینا یہ تو مجھے دادا ابا نے پہنائی ہے۔"

افشاں کے اس جملہ سے فرخ کو سخت رنج ہوا انہوں نے واپس آتے ہوئے کہا۔ لو اپنی انگوٹھی میں بنیادی خانم کو انگوٹھی لے کر حمیدہ کو دے دوں گا۔

افشاں کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے وہ کمرہ کے کونے میں کھڑی تھی فرخ انگوٹھی ہاتھ میں لیے خاموش کھڑے رہے۔افشاں نے دوپٹہ سے اپنا منہ ڈھانک لیا وہ اس وقت اپنی دادی کو یاد کر کے رو رہی تھی۔اس کی ہچکی بندھ گئی۔فرخ گھبرا گئے انہوں نے کہا۔"اے بھئی خدا کے واسطے میرا قصور معاف کرو اب روؤ نہیں ورنہ میں امی جان کو بلا لاؤں گا۔"

افشاں نے منہ ڈھانکے ڈھانکے کہا۔ تم یہاں سے جاؤ دادا ابا کے آنے کا وقت ہو گیا۔

فرخ نے ہاتھ بڑھا کر "اپنی انگوٹھی تو لے لو۔"

افشاں نے آنسو پونچھ کر فرخ سے انگوٹھی لے لی۔ فرخ نے جاتے ہوئے کہا۔ بڑی بیوقوف ہو۔ میں تو یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ تمہیں زبردستی تو انگوٹھی نہیں پہنائی گئی...... اب پتہ چل گیا اس انگوٹھی سے تمہیں بہت محبت ہے...... اسی طرح رو روک اور ضد کر کے پہنی ہے۔

افشاں نے کوئی جواب نہ دیا...... فرخ اپنے دل ہی دل میں افشاں کا یہ فقرہ دہراتے ہوئے چلے گئے۔ "یہ تو مجھے دادا ابا نے پہنائی ہے۔"

دوسرے دن صبح حامد فرخ کا ہاتھ پکڑ کر گھر میں لائے اور حسن آرا سے کہا۔ دیکھئے خالہ جان کئی دن سے فرخ کے اوپر غصہ سوار ہے نہ بات کرتے ہیں نہ کہیں میرے ساتھ جاتے ہیں۔

گلشن۔ ہنسکر۔ ذرا دیکھنا دولہا میں ہاتھ پکڑے آرہے ہیں لائیے میں سر پر آنچل ڈال دوں۔

روشن آرا۔ (فرخ سے) بیٹا کیا بات ہے دو تین دن سے تم گھر میں بھی نہیں آئے۔

فرخ۔ خالہ اماں بات تو کچھ نہیں ہے پردہ کی وجہ سے نہیں آتا۔

حسن آرا۔ اس دن جو میں نے ہاتھ پکڑ کر باہر کر دیا تھا یہ اس کا غصہ چڑھا ہے۔

روشن آرا۔ ہاں بیٹا! اس دن جلتی دوپہر کہاں نکل گئے تھے۔ سارا گھر پریشان رہا۔

فرخ۔ پھوپھی اماں کے ہاں دعوت تھی۔

گلشن۔ (ہنسکر) بڑی بڑی خاطریں ہوئی ہوں گی۔

فرخ۔ خاطر تو ہمیشہ ہوتی ہے مگر مجھے اس دن آرام بہت ملا۔ خس ٹٹی۔ فرشی پنکھے

کی ٹھنڈی ہوا اور پھر پھوپھی اماں نے اس قدر آرام سے سر میں تیل دبایا کہ لطف آ گیا۔

گلشن۔ اور حمیدہ رشیدہ نے کون سی خدمت انجام دی۔

فرخ۔ (مسکرا کر) گلشن! میں نے سنا ہے اب حمیدہ بہت خوبصورت ہو گئی ہیں۔

گلشن۔ سنا ہے کیوں کہہ رہے ہو؟ دیکھتے تو ہو برابر۔

فرخ۔ ہاں! دیکھتا تو ہوں۔ مگر رشیدہ کہہ رہی تھیں کہ سب دیکھنے والے یہی کہتے ہیں۔

گلشن۔ (تیوری چڑھا کر) تمہارا اس سے کیا مطلب ہے؟

فرخ۔ مطلب کچھ نہیں ویسے ہی تمہیں سنا رہا ہوں۔

حسن آرا۔ (فرخ سے) میں پوچھتی ہو تم لڑکیوں سے اس قسم کی باتیں کیوں کرتے ہو اب مجھے تمہاری طرف تشویش پیدا ہو گئی ہے۔

روشن آرا۔ بیشک ابھی کچی لکڑی ہیں جس طرف جو چاہے دوڑے اور پھر تعویذ گنڈے ختم منتیں مرادیں۔ سب ہی کچھ تو ہو رہا ہے۔ کل ہی اماں جان سے سن کر آئی ہوں۔ پیر جی سے الائچیاں پڑھوا گئی ہیں۔ ہنڈیوں والے مزار پر منت مانی گئی ہے۔ بسم اللہ شریف کا ختم پڑھا گیا ہے۔

حسن آرا۔ علاوہ ان باتوں کے آپا نصیرہ کی میٹھی زبان اور خدمت گذاری غیروں کا اپنا بنا لیتی ہے۔

فرخ۔ غیروں کو بنا لیتی ہو گی۔ اپنوں کیواسطے صفائی قلب اور خلوص کی ضرورت ہے۔

حسن آرا۔ تمہیں زیادہ راہ رسم بڑھانے کی ضرورت نہیں۔

گلشن۔ خالہ جان ان کی سخت نگرانی کیضرورت ہے۔ اب صورت شکل تک

معاملہ پہنچا ہے۔

فرخ۔ (گلشن سے) بس تم خاموش بیٹھی رہو تمہاری کرگزاری کی بھی مجھے خبر ہوگئی ہے۔

گلشن۔ (بگڑکر) میری کارگزاری کون سی ہے۔ میں بھی تو سنوں۔

فرخ۔ (مسکرا کر) افشاں کو جو تم نے مجبور کر کے انگوٹھی پہنوائی تھی۔

گلشن۔ یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے اگر اس وقت سامنے ہوتیں تو اللہ کی قسم منہ نوچ لیتی۔ خیر جاتی کہاں ہیں۔ میں ان کے گھر جا کر خبر لوں گی۔ بڑی فرخ مجھے کوئی جاگیر دے رہے تھے جو میں اسے مجبور کرتی۔

فرخ۔ تمہیں تو معمول بات پر غصہ آجاتا ہے۔ وہ بیچاریاں تو تم سے ملنے کے لیے تڑپ رہی ہیں۔

گلشن۔ دیکھو فرخ تم میرا جی نہ جلاؤ۔ جھوٹی باتوں سے میرے بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔

فرخ۔ (مسکرا کر) امیر آدمی غریبوں سے نہیں ملا کرتے۔

گلشن۔ خدا کا شکر ہے کسی کے ہاں ڈاکہ ڈالنے نہیں گئے تھے۔

فرخ۔ خیر میرا اپنے مال میں مست غریب اپنی کھال میں مست۔

گلشن۔ (حسن آرا سے) خالہ جان نہ معلوم فرخ کو کیا کیا پٹی پڑھائی گئی۔

حسن آرا۔ میں خود اسی فکر میں ہوں۔

فرخ۔ یہ باتیں تو خیر معمولی ہیں البتہ ایک نئی فکر آپ کو ہوگی۔

حسن آرا۔ وہ کیا؟

فرخ۔ چھوٹی ممانی جان کا خط میں نے پڑھا ہے۔

روشن آرا۔ (تعجب سے) زرتاج بیگم کا؟

فرخ۔ جی ہاں۔ انہوں نے پھوپھی اماں کو کسی خاص مشورہ کے لیے بلایا۔

روشن آرا۔ اے بی یہ نصیرہ بیگم تو بس کی گانٹھ نکلیں۔ اماں کے مرتے ہی آسمان پھاڑ کے تھگلی لگانے لگیں۔

حسن آرا۔ مجھ سے تو طوطے کے سے دیدے پھیر لیے کبھی آ کر جھانکتی تک نہیں۔

روشن آرا۔ انہوں نے دیکھا کہ یہاں کچھ دال نہیں گلتی تو زرتاج بیگم کو گانٹھا۔

حسن آرا۔ (فرخ سے) بھابی زرتاج نے اور کیا کیا لکھا ہے؟

فرخ۔ اور معمولی باتیں لکھی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے عرصہ سے خط و کتابت ہو رہی ہے۔ شہریار کی تقرری پر پھوپھی اماں نے مبارکباد کا تار دیا تھا اس کا شکریہ لکھا ہے۔

روشن آرا۔ یہ چالاکی اور دنیا سازی تو بہت آتی ہے۔

حسن آرا۔ میں تو اس فکر میں پڑ گئی کہ آخر یہ مشورے کیا ہو رہے ہیں۔

فرخ۔ وہی افشاں کے متعلق ہوں گے۔ آج تو پھوپھی اماں میرے سامنے بھی کھل گئیں۔

حسن آرا۔ کیا کھل گئیں؟

فرخ نے نصیرہ بیگم کی کہی ہوئی تمام باتیں سنائیں...... حسن آرا نے پوچھا "تم نے کیا جواب دیا۔

فرخ۔ میں نے کوب ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

حسن آرا۔ تم نے یہ غضب کیا۔ اب انکو اور شہ مل گئی۔

فرخ۔ شہ ملنے سے کیا ہوتا ہے۔ ان کے خیالات تو مجھے معلوم ہو گئے۔

روشن آرا۔ بیٹا تم نے یہ بڑی بیوقوفی کی وہ محسن سے خوب گل پھول لگا کر کہیں گے۔

فرخ۔ کہنے دیجیے آپ ڈرتی کیوں ہیں۔

حسن آرا۔ دیکھیے اب کیا شگوفہ کھلتا ہے۔

فرخ ہنسکر۔ امی جان افشاں کا پردہ تڑوا دیجیے پھر کوئی شگوفہ نہیں کھلے گا۔

حسن آرا۔ افشاں کے پردہ سے کیا ہوتا ہے۔

فرخ۔ ہنسکر۔ میں اس کو ہموار کرلوں گا۔ کیوں گلشن؟

گلشن۔ اپنے کان پکڑ کر۔ خدا کیواسطے میرا نام نہ لو۔

فرخ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ آج پھر پھوپھی اماں کے ہاں جا رہا ہوں۔

حسن آرا نے کہا۔ دیکھو سوچ سمجھ کر بات کیا کرو ابا جان کو تمہاری طرف کچھ بد گمانی پیدا نہ ہو جائے۔

فرخ نے جاتے ہوئے کہا۔ آپ اطمینان رکھیے چچی جان کی زبان موٹی ہوگئی ہے نانا ابا سے کہنے کی اور کسی کی ہمت نہیں۔

اکیسواں باب

محسن نے دوسری شادی کرنے کے بعد افشاں کی طرف کبھی توجہ نہیں کی۔ نہ اس کے کسی معاملہ میں دخل دیا اس کے تمام اخراجات دادا۔ دادی کے ذمہ رہے انہوں نے کبھی ایک پیسہ اس کے خرچ کیواسطے اپنے بیٹے سے نہیں لیا۔ نہ انہیں اس کی ضرورت تھی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں سوتیلی ماں کولڑکی سے کیا حسد اور جلن ہو سکتی تھی۔ زرتاج بیگم نے بھی اپنی طرف سے کوئی بات اس قسم کی نہیں کچھ اس پر لوگوں کونکتہ چینی کا موقعہ ملتا۔ وہ بظاہر لڑکی سے نہایت خلوص اور محبت کا برتاؤ کرتی تھیں اس کے واسطے کبھی کبھی تحفے تحائف بھیجتی رہتی تھیں وہ سمجھتی تھیں کہ جب تک اس کے دادا۔ دادی زندہ ہیں کبھی محسن کے پاس نہیں چھوڑ دیجئے اور شادی ہو جاے کے بعد لڑکی خود ہی اپنے گھر بار کی ہو جائیگی انہیں فرخ کیساتھ افشاں کی شادی سے بھی ذاتی اختلاف نہیں تھا۔ ہاں محسنکی مخالفت اور لوگوں کے ابھارنے سے وہ اس معاملہ میں دلچسپی لینے لگی تھیں۔ نصیرہ بیگم نے جو مورچہ تیار کیا تھا اسکا سپہ سالار زرتاج بیگم ہی کو بنایا تھا اب وہ ہر پہلو سے اپنی فتح اور کامیابی کی چالیں نکال رہی تھیں۔ محسن چند روز سے بالکل خاموش تھے وہ ہمیشہ اس ذکر کو ٹال دیا کرتے تھے۔ لیکن زرتاج بیگم بحیثیت افشاں کی ماں ہونے کیاسکی بہبودی اور خیر خواہی کی کوشش کرتی تھیں۔ انہوں نصیرہ بیگم کوکسی مشورہ کے لیے بلایا تھا۔ وہ رات کی گاڑی سے پہنچی تھیں۔

محسن نے صبح کے ناشتہ کے بعد زرتاج بیگم کواپنے کمرہ میں بلا کر پوچھا۔ یہ آپا نصیرہ یہاں کیوں آئی ہیں؟

زرتاج بیگم وہ اپنے لڑکے کی شادی بمبئی میں کسی کے ہاں کرنی چاہتی ہیں لڑکی کو دیکھنے آئی تھیں۔ یہاں بھی ہم لوگوں سے ملنے آ گئیں بیچاری بڑی محبت کرتی ہیں۔ بچوں کے واسطے تحفے وغیرہ لے کر آئیں۔

محسن مجھے اس قسم کی لغویات سے بہت کوفت ہوتی ہے۔

زرتاج بیگم۔ تمہیں ہر چیز سے کوفت ہوتی ہے۔ یہ تو خوشی کی بات ہے آپس کے تعلقات بڑھتے ہیں۔

محسن ۔ (تیوری چڑھا کر) مجھے ان سے تعلقات بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔

زرتاج بیگم۔ تمہیں ان باتوں سے کیا مطلب کوئی موقعہ ہوگا میں اس کا بدلہ اتار دونگی۔

محسن ۔ کب تک یہاں رہیں گی؟

زرتاج بیگم ۔ رات ہی کو تو آئی ہیں کم از کم ایک ہفتہ رہیں گی۔

محسن ۔ (تعجب سے) ایک ہفتہ؟ ز

زرتاج بیگم۔ ہاں اتنی دور آئی ہیں تو کیا آٹھ دن بھی نہیں رہیں گی؟

محسن ۔ ابا جان وغیرہ کا کیا حال بتاتی ہیں؟

زرتاج بیگم ۔ تمہاری تو بہن ہیں ۔ تم خود کیوں نہیں سب حال پوچھتے، ناشتہ پر ایسے خاموش بیٹھے رہے گا گویا کوئی انجان آدمی ہوں۔

محسن ۔ مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں۔

زرتاج بیگم۔ (مسکرکر) افشاں کا کہہ رہی تھیں بہت دبلی ہوگئی ہے ہر وقت خاموش اور غمگین رہتی ہے۔

محسن ۔ آپا جان بھی تو اب وہیں رہتی ہیں گلشن وغیرہ ہوں گی۔

زرتاج بیگم ۔ ہاں فرخ بھی ہیں۔ افشاں سنا ہے تمام دن کمرہ میں بند بیٹھی رہتی ہے۔

اباجان بہت سختی سے اس کا پردہ کرا رہے ہیں

محسن ۔ (تعجب سے) ابھی تک پردہ ہے؟

زرتاج بیگم ۔ اب تو اور زیادہ پابندی ہے ۔ مگر فرخ تو آپ نصیرہ کے ہاں تمام دن

رہتے ہیں کہہ رہی تھیں رات کو نو دس بج جاتے ہے۔

محسن ۔ پردہ کی وجہ سے؟

زرتاج بیگم ۔ نہیں وہ پردہ وردہ کا خیال کرنے والا لڑکا نہیں ہے۔

محسن ۔ پہلے تو اسے پھوپھی سے زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ ہمیشہ ابا جان کے پاس رہا

زرتاج بیگم ۔ پھوپھی کی لڑکیوں سے دلچسپی ہوگی ۔ گھر میں کوئی تفریح کا سامان نہ ہوگا اس کے علاوہ اب اماں جان نہیں رہیں ان کا ڈر تھا حسن آرا کو تو وہ خاطر میں لاتا نہیں ابا جان سنا ہے زیادہ رائے صاحب کے ہاں رہتے ہیں۔

محسن ۔ آپا نصیرہ نے آتے ہی تمام قصے سنا ڈالے۔

زرتاج بیگم ۔ (بگڑ کر) میں نے سب حال پوچھا تھا اس پر انہوں نے بتایا۔

محسن ۔ تمہیں آپا نصیرہ سے بہت دلچسپی ہے۔

زرتاج بیگم ۔ (بگڑ کر) دلچسپی کی کیا بات ہے تمہارے خاندان میں سب سے زیادہ یہی معقول نظر آتی ہیں۔

محسن نے سگریٹ جلاتے ہوئے کہا ۔ ہاں تمہارے نزدیک ہم لوگ سب نا معقول ہیں۔

زرتاج بیگم ۔ نامعقول تو میں نہیں کہتی مگر تنگ خیال ضرور ہیں ۔ اسی وجہ سے میں چاہتی ہوں کہ افشاں کو یہاں بلا لوں تا کہ اس کے خیالات کچھ درست ہوں۔

محسن ۔ (لاپرواہی سے) وہ یہاں آ کر بہت گھبرائے گی۔

زرتاج بیگم ۔ اماں جان کے انتقال کے بعد تو تم اس کو یہاں لانا چاہتے تھے۔ اب میں کہہ رہی ہوں تو تم مخالفت کر رہے ہو۔ میں دیکھتی ہوں تمہاری طبیعت میں انتہا سے زیادہ ضد ہے۔

محسن نے کمرہ سے باہر جاتے ہوئے کہا ”میں اس معاملہ پر زیادہ گفتگو کرنا نہیں چاہتا زرتاج بیگم اپنے کمرہ میں واپس آ گئیں ۔ یہاں نصیرہ بیگم اکیلی بیٹھی تھیں۔

زرتاج بیگم نے کہا۔ معاف کیجئے آپا نصیرہ میں ذرا کام سے چلی گئی تھی۔ گوہر۔ جواہر بھی گھوڑے کی سواری سے واپس نہیں آئیں آپ اکیلی گھبرا رہی ہوں گی۔

نصیرہ بیگم۔ نہیں دلہن تمہارا گھر ایسا نہیں ہے کہ کسی کا دل گھبرائے۔

زرتاج بیگم نے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اصل معاملہ پر گفتگو شروع کی انہوں نے کہا۔ نصیرہ ایمان کی بات یہ ہے کہ میں کسی کا دل دکھانا نہیں چاہتی اگر درحقیقت فرخ کی مرضی نہیں ہے تو میں کوشش کروں اور جلد سے جلد افشاں کی شادی طے کرلوں ورنہ کیوں بے فائدہ حسن آرا کا صبر سمیٹوں۔

نصیرہ بیگم۔ میں تم سے قسمیہ کہتی ہوں فرخ کی مرضی ہرگز نہیں ہے۔ اس مرتبہ تو میں نے اس سے صاف صاف بات چیت کرلی۔ وہ تو بہت فکرمند ہے نانا کی وجہ سے زبان نہیں ہلا سکتا۔ کہتا تھا پھوپھی اماں کو کوئی ترکیب سمجھ نہیں آتی۔

زرتاج بیگم۔ اگر یہ بات ہے تو کیوں ایک بے زبان کی زندگی برباد کی جائے۔ محسن کا حال آپ کو معلوم ہی ہے وہ اس رشتہ کے سخت خلاف ہیں۔ اب اماں جان کے انتقال کے بعد خاموش ہیں اگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کے خیالات بدل گئے۔

نصیرہ بیگم۔ محسن کا حال تو سب کو معلو ہے میری تو یہ رائے ہے کہ تم اب بچی کو اپنے پاس بلا لو خدا جانتا ہے اس کی صورت دیکھ کر دل ٹکڑے ہوتا ہے سوکھ کر کانٹا ہوگئی ہے۔ چچا ابا چاہے کتنا بھی خیال رکھیں مگر یہ بات وہاں کہاں میسر آسکتی ہے۔ ماشاء اللہ تمہاری کوٹھی کیا ہے جنت کا نمونہ ہے دیکھ کر جی باغ باغ ہوگیا خدا تمہاری اور میاں محسن کی عمر میں برکت دے اپنے بچوں کو بہار دیکھو۔ میں تو جب سے آئی ہوں تمہاری خوش سلیقگی اور انتظام پر عش عش کر رہی ہوں۔ جو کمرہ ہے دلہن کی طرح آراستہ جو چیز ہے جھما جھم کر رہی ہے۔ باغ کیطرف کی کھڑکی کھولی تو سبحان اللہ فردوس بریں کا مزا آگیا کس خوبصورتی سے کیاریاں بنوائی ہیں اور کیسے کیسے

رنگ برنگ نایاب پھول لگوائے ہیں کہ نگاہ ہٹانے کو جی نہیں چاہتا۔

زرتاج بیگم۔ آپا نصیرہ۔ یہ تو آپ کی محبت اور قدر دانی ہے ورنہ دلی سے سب ہی آئے کبھی کسی نے تعریف نہیں کی۔

نصیرہ بیگم۔ میں تو ایمان کی بات کہہ رہی ہوں اگر تم قریب رہتی ہوتیں تو میں اپنی لڑکیوں کو تمہاری تربیت میں چھوڑ دیتی۔

زرتاج بیگم۔ میں کسی لائق ہوں آپ فضول مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔

نصیرہ بیگم۔ اے ہے دلہن بھلا اور تمہیں کروں جو بات دل میں ہے وہی زبان سے نکل رہی ہے بلکہ مجھ نگوڑی جاہل کے پاس تو اتنے الفاظ بھی نہیں جو تمہاری تعریف کر سکوں۔ مجھے تو اب یہ افسوس ہے کہ افشاں تمہاری تربیت سے کیسی محروم رہی۔

زرتاج بیگم۔ میری تو ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے اکثر اس کو بلاتی تھی مگر اماں جان نے کبھی ایک ہفتہ سے زیادہ یہاں نہیں چھوڑا بتایئے اس میں میرا کیا قصور ہے۔

نصیرہ بیگم۔ میں تو کہتی ہوں لڑکی کے حق میں کانٹے بوئے۔ آجکل کے زمانہ میں ایسی لڑکیوں کی کون قدر کرتا ہے چچی اماں کو خدا بخشے انہوں نے بن ماں کی بچی کے ساتھ یہ ایک طرح کی عداوت کی۔

زرتاج بیگم۔ جی ہاں۔ اصل میں اماں جان بہت قدامت پسند تھیں۔

نصیرہ بیگم۔ ہاں بی انہوں نے اپنی ساری قدامت پسندی اسی بچی پر اتاری دوسری پوتیوں اور نواسیوں پر بس نہ چلا اب تو سنا ہے شادی کے بعد نزہت نے بالکل پردہ توڑ دیا۔

زرتاج بیگم۔ (ہنس کر) آپ کو یاد ہوگا جب میں پہلی مرتبہ دلی گئی تھی تو آپ کے خاندان والوں نے مجھے کیسا نکو بنایا تھا۔

نصیرہ بیگم۔ ہاں بی۔ بڑا بول قاضی کا پیادہ ہوتا ہے اسی واسطے کہتے ہیں کہ بڑا

بول نہ بولے چاہے بڑا نوالہ کھائے۔

زرتاج بیگم۔ انسان کو زمانہ کے ساتھ چلنا چاہیے۔ مجھے افشاں کی طرف سے یہی فکر ہے۔ فرض کیجیے شادی کے بعد اسے پردہ توڑنا پڑا تو وہ کیسی بیوقوف بنے گی اسی وجہ سے میں چاہتی ہوں کہ یہاں بلا کر رکھوں رفتہ رفتہ آدب محفل سیکھے۔

نصیرہ بیگم۔ تمہاری رائے بالکل ٹھیک ہے۔ افشاں آجکل کی اور لڑکیوں کی طرح ہوشیار چالاک نہیں ہے کہ ایک دم سے اس کا پردہ توڑ دیا جائے شروع شروع میں تو وہ بہت جھینپیں گی۔

زرتاج بیگم۔ فرخ کے حالات تو آپ کی زبانی سب معلوم ہو گئے اور آپ نے ایک مرتبہ یہ بھی لکھا تھا کہ افشاں کی طرف سے یہی شبہ ہے۔

نصیرہ بیگم۔ ہاں بی۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے۔

زرتاج بیگم۔ پھر ہمیں کیا ضرورت ہے کہ دوسروں کی خوشی کے واسطے لڑکی کو قربان کریں میں اب بہت جلدی دوسرا انتظام کرنے والی ہوں۔

نصیرہ بیگم۔ کیا یہاں کوئی لڑکا ہے۔؟

زرتاج بیگم۔ لڑکا تو شروع سے ہے مگر میں نے کبھی اس طرف خیال نہیں کیا تھا اب یہ معاملہ ایسا پیچیدہ ہو گیا کہ میں سوچتی ہوں کیوں نہ شہریار سے کو لوں

نصیرہ بیگم۔ (آنکھیں پھاڑ کر) دلہن تمہارے برابر میں نے کوئی فرشتہ صفت عورت نہیں دیکھی واقعہ یہ ہے کہ بڑی حوصلہ مند اور اعلیٰ خیالات کی ہون۔ خدا جانتا ہے افشاں کی تو قسمت جاگ جائے گی۔ اگر خدا رکھے تمہارا لڑکا ایسا قابل اور اتنا بڑا افسر راضی بھی ہو گا یا نہیں؟

زرتاج بیگم۔ ابھی تک تو وہ میرا فرمانبردار ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ ابھی اس کا خیال بھی نہیں ہے۔

نصیرہ بیگم۔ (ٹھنڈا سانس لے کر) میاں فرخ کی بدنصیبی ہے کہ ایسا چاند کا ٹکڑا

اس کو پسند نہیں۔ مجھ سے تو جہاں تک ہو سکا میں نے اپنا مغز کھپایا مگر وہ ایسا ضدی لڑکا ہے۔ کہ جو اپنی سمجھ میں آ گیا ہے اس پر اڑا ہوا ہے پچھتائیں گے تو تمام عمر۔

زرتاج بیگم۔ تعجب ہے حسن آرا کا انجام دیکھ کر بھی آپ کو سبق نہیں ملا۔

نصیرہ بیگم۔ اگر سبق نہ ملتا تو تمہارے سامنے فرخ کی مخالفت کا ذکر ہی کیوں کرتی مگر میرے آگے بھی بیٹیاں ہیں میں نے سوچا بن ماں کی بچی کی زندگی جان بوجھ کر برباد نہیں کرنی چاہیے ورنہ میرا موقعہ نہیں تھا آپا روشن آرا اور حسن آرا کو مناسب تھا کہ لڑکی کا خیال کرتیں۔

زرتاج بیگم۔ حسن آرا سے تو مجھے کوئی شکایت نہیں۔ انہوں نے شروع سے افشاں کو رکھا ہے اپنے سے جدا کرنے کو دل نہ چاہتا ہوگا۔ مگر آپا روشن آرا کا فرض تھا کہ وہ ہم لوگوں کو آگاہ کر دیتیں۔

نصیرہ بیگم۔ وہ کیا آگاہ کرتیں انہیں کی زبردستی سے تو اس وقت افشاں کو انگوٹھی پہنائی گئی تھی سنا ہے چچی اماں تو خلاف تھیں۔ حسن آرا کانوں پر ہاتھ رکھ رہی تھیں مگر بھائی عابد حسن اور آپا روشن آرا نے چچا ابا کو آمادہ کیا۔

زرتاج بیگم۔ مجھے سب معلوم ہے محسن کو بھی انہوں نے اس دن بہت کچھ کہا تھا اور افشاں کو یہاں لانے پر بھی انہوں نے یہی اعتراض کیا۔ اگر اب میں ان باتوں کی بالکل پرواہ نہیں کروں گی مجھے تو لڑکی کی آئندہ زندگی درست کرنی ہے میں محسن کو بھی دخل نہیں دینے دوں گی نہ انہیں ابھی اپنے ارادہ کی خبر کروں گی۔

نصیرہ بیگم۔ ہاں بی آخر تم اس کی ماں ہو تمہیں پورا حق ہے۔ اگر تم نے اس معاملہ میں دخل نہیں دیا تو لڑکی کے دل میں ضرور خیال آئے گا اپنی ماں ہوتی تو ایسا نہ ہونے دیتی۔

زرتاج بیگم۔ جی ہاں یہی بات نہیں چاہتی۔ اول تو خود ہی ایسی تنگ خیال نہیں ہوں۔ دوسرے میرے بابو جان کی ہمیشہ یہی نصیحت رہی کہ دیکھو بیٹی جاہل عورتوں

کی طرح تم سوتیلی ماں کے نام پر دھبہ نہ آنے دینا بلکہ اپنی مثال قائم کرنا۔ تعلیم کے معنی ہیں کہ انسان کا دماغ روشن ہو خیالات بلند ہوں۔ تنگ نظری اور حسن انسان کی تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔

نصیرہ بیگم۔ دلہن تمہاری والد کی سی خوبیوں کا انسان ہونا مشکل ہے خدا ان کی عمر میں برکت دے۔

زرتاج بیگم۔ صحیح واقعہ تو یہ ہے کہ ابو جان ہی نے مجھے رائے دی ہے ورنہ میرا خیال نہیں تھا انہوں نے جب واقعات سنے اور ان کو یہ معلوم ہوا کہ افشاں کی شادی اس طرح کی جا رہی ہے تو وہ میرے اوپر بہت ناراض ہوئے اور کہا فوراً تم لڑکی کو لا کر اپنے پاس رکھو اور خاموشی کے ساتھ شہریار سے نکاح کر لو ہرگز نہ کرو کہ لڑکی آزاد نہیں ہے۔ اور اس نے پردہ میں پرورش پائی ہے یا وہ زیادہ تعلیم یافتہ اور دولت مند نہیں ہے یہ سب بیکار باتیں ہیں۔ چھ مہینہ کے اندر اندر وہ تمہاری تربیت میں سب کچھ سیکھ لے گی۔

نصیرہ بیگم۔ اس میں کیا شک ہے کوئی بالکل تو نہیں ہے انٹرنس پاس کر چکی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ تمہاری فرمانبردار رہے گی اور کوئی خیال بہو آئے تو ساس نندوں کی پرواہ بھی نہیں کرے گا۔

زرتاج بیگم۔ ابو جان کا یہی خیال ہے ان کو اپنی بہو کا تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔ میرے بھائی سلطان کی شادی بہت روشن خیال خاندان میں ہوئی ہے بڑی قابل اور خوبصورت لڑکی ہے مگر ایک ہفتہ بھی ابو جان کے ہاں بہو نہیں رہتیں۔ شادی کے پندرہ دن بعد میاں کو علیحدہ رہنے پر مجبور کیا۔ ابو جان بیچارے اپنی عالی شان کوٹھی میں تنہا رہتے ہیں بیٹے بھی کبھی کھڑے کھڑے ان کے پاس جاتے ہیں وہ خود ہی بچوں کو دیکھنے روزانہ بیٹے کے ہاں جاتے ہیں۔ اب ان کو شہریار کی شادی کی فکر ہے ہمیشہ مجھ سے کہتے تھے کہیں سلطان کی طرح شہریار بھی نہ پھنس جائیں۔

نصیرہ بیگم۔خدا کرے شہر یار راضی ہو جائیں۔

زرتاج بیگم۔اب لڑکی کو یہاں لا کر رکھوں گی۔میرا ارادہ شہر یار کے پاس جانے کا ہے وہاں اس کو بھی لے کر جاؤں گی ہر وقت کیساتھ رہنے بات چیت کرنے سے لڑکے کے خیالات بھی معلوم ہو جائیں گے ویسے تو وہ ہمیشہ اس کی تعریف کرتا ہے بلکہ گوہر و جواہر کو وہ افشاں کی مثال دے کر سمجھاتا ہے۔

نصیرہ بیگم۔بس تو انشاءاللہ وہ راضی ہو جائے گا۔میاں محسن کی دلی مراد بر آئے گی وہ یہی چاہتے ہیں کہ آئی سی ایس سے لڑکی کی شادی ہو۔

زرتاج بیگم۔لیکن ابھی آپ کے سامنے یہ ذکر نہ کیجئے گا۔پہلے میں اپنے گھر کا معاملہ پکا کر لوں۔

زرتاج بیگم کچھ جواب دینا چاہتی تھیں کہ گوہر و جواہر کمرہ میں آ گئیں۔گوہر نے نصیرہ بیگم سے کہا۔دلی کا کچھ حال سنائیے رات کو تو آپ سے بات ہی نہیں ہو سکی فرخ بھائی آج کل کہاں ہیں؟

نصیرہ بیگم۔فرخ، گلشن سب دلی ہی آئے ہوئے ہیں۔

جواہر۔امتحان دے کر آئے ہوں گے خدا کرے پاس ہو جائیں۔

گوہر۔امی جان آپ فرخ بھائی کو یہاں بلائیے مجھے تو وہ بہت ہی پسند ہیں۔

جواہر۔اور گلشن آپا کو بھی دونوں کی باتیں بڑی پر لطف ہوتی ہیں۔

نصیرہ بیگم۔(مسکرا کر) اور افشاں کو نہیں؟

جواہر۔بغیر افشاں آپا کے گلشن آپا کی باتوں کو کیا مزا۔بھئی ہمیں تو نزہت آپا کی شادی ہمیشہ یاد رہے گی۔

گوہر۔(ہنس کر) بغیر حمیدہ اور رشیدہ آپا کے کیا لطف آئے گا۔

نصیرہ بیگم۔اے بیٹی گلشن کے آگے حمیدہ اور رشیدہ کس گنتی میں ہیں انہیں تو بات کرنی بھی نہیں آتی۔

جواہر۔ واہ پھوپھی صاحب یہ تو آپ غلط کہتی ہیں انہیں تو خوب بولنا آتا ہے، ہاں ہماری افشاں آپا بے شک کم سخن ہیں۔

گوہر۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ فرخ بھائی کی شادی بے جوڑ ہوگی کہاں وہ روتوں کو ہنسانے والے کہاں افشاں آپا معصوم بے زبان ہنستی بھی ہیں تو ہونٹوں ہی ہونٹوں میں دانت بھی نہیں نکلتے۔

جواہر۔ ایسا ہی ہونا چاہیے ایک گرم ایک نرم۔

زرتاج بیگم نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ گوہر! آپا نصیرہ کو یہاں کی سیر کرانا تمہارے ذمہ ہے۔

گوہر۔ (مسکرکر) مگر ایک شرط پر۔

زرتاج بیگم۔ بیگم۔ شرط کیسی۔

گوہر۔ پھوپھی صاحب کو بغیر برقعہ کے لیجاؤں گی۔

زرتاج بیگم۔ (مسکرا کر) تم جانو تمہاری پھوپھی جانیں۔

نصیرہ بیگم۔ (ماتھے پر ہاتھ مارکر) کوئی بیٹی اب بڑھاپے میں میرا یہ لکھا پورا کراؤ گی۔

جواہر۔ آپ کو بڑھیا کون کہتا ہے سب دانت تو موجود ہیں بال سیاہ ہیں۔

گوہر۔ اس کے علاوہ آپ کو یہاں جانتا کون ہے۔

نصیرہ بیگم۔ (مسکرکر) بیٹی میاں محسن کیا کہیں گے۔

گوہر۔ ابا میں کوئی پردہ کو اچھا تھوڑی سمجھتے ہیں۔

نصیرہ بیگم۔ اچھا تو نہیں سمجھتے مگر میرے اوپر تو ہنسیں گے کہ یہاں آ کر دیونی ہو گئیں۔

گوہر۔ کچھ بھی ہو میں تو آپ کو بغیر برقعہ کے لے جاؤں گی۔

زرتاج بیگم۔ آپ اطمینان رکھئے بھائی مشتاق کے کانوں تک خبر نہیں پہنچے گی۔

نصیرہ بیگم۔(ہنسکر) انہوں نے تو مجھے بالکل آزاد کر دیا ہے اگر میں پردہ بھی توڑ دوں تو وہ کچھ نہیں کہیں۔

گوہر۔بس تو ٹھیک ہے آج آپ کا پردہ توڑے دیتے ہیں۔

نصیرہ بیگم۔برقعہ میں تمہارا کیا نقصان ہے منہ کھولے رکھوں گی۔

گوہر۔جی نہیں۔ہم آپ کا تماشہ بنا کر نہیں لے جائیں گے۔سب دیکھ کر ہنسیں گے۔

جواہر۔جب آپ منہ کھول لیں گی تو پردہ کیا رہ جائے گا۔

نصیرہ بیگم۔تمام جسم تو برقعہ میں ڈھکا رہے گا۔

جواہر۔جسم تو ساڑھی میں بھی ڈھکا رہتا ہے۔

گوہر۔پھوپھی صاحب سے پہلے چہرے پر نظر پڑتی ہے اور آپ منہ کھولنے پر راضی ہیں۔

نصیرہ بیگم۔بیٹی ایمان کی بات یہ ہے کہ اب مجھ سے منہ نہیں ڈھانکا جاتا دم گھٹنے لگتا ہے۔کوئی چیز اچھی طرح دکھائی نہیں دیتی۔میں نے تو جب سے کپڑا خود خریدنا شروع کیا ہے منہ ڈھانکنا چھوڑ دیا ہے۔نہ رنگ سمجھ میں آتے نہ کپڑے کی شناخت ہو سکے۔

گوہر۔چلئے ہم آج برقعہ کا قصہ بھی ختم کئے دیتے ہیں۔

زرتاج بیگم۔(گوہر سے)تم نے یہ بھی سنا زہت آرا نے بھی پردہ توڑ دیا۔

گوہر۔کون کہتا ہے؟

زرتاج بیگم۔آپا نصیرہ نے کہا ہے۔

گوہر۔شاہد بھائی تو پہلے ہی کہتے تھے۔

جواہر۔افشاں آپ کی شادی ہو جائے تو ہم فرخ بھائی سے کہہ کر ان کا پردہ بھی تڑوا دیں گے۔

زرتاج بیگم۔ افشاں کو تو اب میں یہاں لاکر رکھوں گی ان کا پردہ شادی سے پہلے ہی ٹوٹ جائیگا۔

گوہر۔ یہاں لانے کی کیا ضرورت ہے۔

زرتاج بیگم۔ ان کے باپ کا گھر ہے۔

جواہر۔ باپ کا گھر تو ہمیشہ سے ہے۔ پہلے آپ کو یہ خیال نہیں آیا۔

زرتاج بیگم۔ پہلے تمہاری دادی اماں نے کبھی یہاں رہنے ہی نہیں دیا میں تو بہت چاہا۔

جواہر۔ (زرتاج بیگم سے) امی جان! آپ ضرور لے آیئے افشاں آپا کی شادی یہیں سے ہونی چاہیے دلی سے برات آئے گی یہ پھوپھی صاحب بھی سمدھن بن کر آئیں گی اس وقت سب کے سامنے میں ان کے پردہ توڑنے کا بھانڈا پھوڑوں گی۔

گوہر۔ (نصیرہ بیگم) پھوپھی صاحب میں نے سنا ہے فرخ بھائی افشاں آپا سے شادی کرنی نہیں چاہتے۔ یہ کہاں تک سچ ہے۔؟

نصیرہ بیگم۔ تم سے کس نے کہا؟

گوہر۔ رشیدہ برابر کہتی تھیں کہ دادا ابا اور پھوپھی جان وغیرہ فرخ بھائی کو مجبور کر رہے ہیں

نصیرہ بیگم۔ بیٹی مجھے کیا خبر۔ ایسی باتیں تو برابر والوں کو معلوم ہوتی ہیں۔ فرخ مجھ سے کیوں کہیں گے۔

جواہر۔ (مسکرا کر) فرخ بھائی ایسی چیز ہیں کہ ہر لڑکی ان پر لٹو ہے۔ ایک بیچاری افشاں آپا کس کس کا مقابلہ کریں گی دنیا کا رنگ بھی عجیب ہے۔

گوہر۔ (تیوری چڑھا کر) تم بڑی بیوقوف ہو۔ تمام قصہ معلوم ہے کہ افشاں آپا کو بھی مجبور کیا گیا ہے۔

جواہر۔ میں بیوقوف نہیں ہوں تمہیں لوگ پاگل ہو ایسی بھی کیا خودغرضیکہ انسان

اندھا ہو جائے۔

زرتاج بیگم نے بیچ میں دخل دیتے ہوئے۔ اچھا تو پھر سیر کا پروگرام کیا رہا؟

جواہر نے کمرہ سے باہر جاتے ہوئے کہا گوہر کے ذمہ ہے انہیں سے پوچھیے۔

گوہر نے بھی کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ شام کو سب چلیں گے۔

زرتاج بیگم بھی کھڑی ہو گئیں...... نصیرہ بیگم کچھ سوچ میں پڑ گئیں...... دوپہر کا کھانا سب کے ساتھ کھایا...... محسن نے سرسری بات نصیرہ بیگم سے کی انہوں نے خود ہی سید صاحب کی کمزوری۔ کوٹھی کی تبدیلیاں۔ افشاں کا غمگین رہنا وغیرہ سنایا۔ محسن صرف ہاں، ہوں کرتے رہے...... رات کے کھانے کے بعد زرتاج بیگم نے محسن کے کمرہ میں جا کر افشاں کی شادی کا ذکر چھیڑا۔ محسن نے ٹالنا چاہا مگر انہوں نے تمام حالات سنا کر کہا۔ کہیں ایسا نہ ہو لڑکی کو مجبور کر کے شادی کی دی جائے۔

محسن۔ لڑکے کو بھی مجبور کیا جائے گا۔

زرتاج بیگم۔ ابا جان کے سامنے فرخ بھی کچھ نہیں بولے گا۔ بہت اچھا لڑکا ہے مجھے بے حد افسوس ہے کہ وہ افشاں کو پسند نہیں کرتا۔

محسن۔ اور افشاں بھی تو اسے پسند نہیں کرتی۔

زرتاج بیگم۔ ہاں یہ اور زیدہ حیرت کی بات ہے ہر لڑکی اس کی گرویدہ ہے۔ مگر افشاں گھبراتی ہے۔

محسن۔ (تعجب سے) کون سی لڑکی گرویدہ ہے۔؟

زرتاج بیگم۔ خاندان کی لڑکیوں کو اس کی باتوں سے دلچسپی ہے بلکہ ہر شخص اسے پسند کرتا ہے ایک تم ایسے ہو جو فرخ کے نام سے نفرت کرتے ہو تمہاری لڑکی کے متعلق سنا ہے۔

محسن۔ (زرتاج بیگم کو غور سے دیکھ کر) ہاں۔ اچھا تمہارا مطلب کیا ہے۔ فرخ اور افشاں کی نا رضامندی بھی بیان کر رہی ہو اور لڑکے کی تعریف بھی کر رہی ہو۔ یہ

معاملہ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔

زرتاج بیگم۔ تم گھر سے اس قدر بے تعلق ہو کہ کسی معاملہ کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ افشاں کی شادی دوسری جگہ کر دی جائے اور گوہر کی فرح سے ہو جائے۔

محسن۔ (حیرت سے) گوہر کی؟ میرے خاندان میں؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔؟

زرتاج بیگم۔ (مسکرا کر) اس قدر حیرت کی کیا بات ہے۔ گوہر تمہاری ہی تو لڑکی ہے تمہارے خاندان میں ہو جائے گی تو کیا حرج ہے۔

محسن۔ میرا خاندان تو بہت ہی دقیانوسی ہے ادھر کا خیال بھی نہ کرنا۔ شاید آپا نصیرہ اسی لیے آئی ہیں۔

محسن نے کچھ سوچا اور کہا۔ خیر دیکھا جائیگا ابھی دو چار مہینے میں اس معاملہ کے متعلق ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتا۔ لیکن آج معاملہ کی تہ تک پہنچ گیا۔

زرتاج بیگم۔ تمہیں کوئی نہیں سناتا اب میں خود کوئی کاروائی کروں گی۔ چاہے معاملہ کو سمجھو یا نہ سمجھو۔

محسن نے کہا۔ مہربانی کر کے اب میرا وقت ضائع نہ کرو۔ میں بہت ضروری کام کو رہا ہوں۔

زرتاج بیگم نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ تم کبھی کوئی بات ہی نہیں سنتے میں نے تو ایسا شخص آج تک نہیں دیکھا۔

محسن نے کوئی جواب نہیں دیا زرتاج بیگم وہاں سے چلی آئیں۔

بائیسواں باب

نانا جان۔ آداب عرض۔"

جیتے رہو بیٹا میں تو تمہارا انتظار کرتے کرتے سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔

فرخ۔ ابھی تو نو ہی بجے ہیں آپ بڑی جلدی سو جاتے ہیں۔

مرزا صاحب۔ سوتا کیا ہوں۔ روشنی گل کر کے پڑ جاتا ہوں۔ اکیلا آدمی کس سے بات چیت کروں۔ بقل تخصے شکستہ مسجد نشستہ تو۔"

فرخ۔ (ہنسکر) نانا جان ہر دفعہ ایک نئی بات آپ سے سننے میں آئی ہے۔

مرزا صاحب نے فرخ کو اپنے پلنگ پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ تم اتنی دیر میں کیوں آئے؟"

فرخ۔ مغرب سے ذرا پہلے آپ کا پرچہ پہنچا تھا کھانا کھا کر سیدھا یہیں چلا آ رہا ہوں پان تک نہیں کھایا گرمی کی راتیں ہوتی ہی ایسی چھوٹی ہیں ادھر سورج غروب ہوا ادھر نو بجے۔

مرزا صاحب۔ میاں کھانے کا کیا تھا میرے ساتھ کھا لیتے ایک وقت چٹنی روٹی ہی سہی۔

فرخ۔ آپ کے ہاں کی چٹنی روٹی میسر کسے آتی ہے۔ مگر مجھے تو آپکے اصول معلوم ہیں نہ بغیر کہے کسی کے ہاں خود کھائیں نہ کسی کو اپنے ساتھ کھلائیں۔ اگر رات کو فاقہ کونے کی ہمت ہوتی تو آ جاتا۔

مرزا صاحب۔ (مسکرا کر) وہ تو ہم جانتے ہی ہیں کہ تم ہم ہی کو بیوقوف بناؤ گے خیر خدا تمہاری عمر عمر دراز کرے اور نیک توفیق دے۔

مرزا صاحب۔ نیک توفیق کہنا کوئی بری بات ہے۔

فرخ۔ بات تو بہت اچھی ہے مگر اس کے کہنے کا خاص موقعہ ہوتا ہے۔

مرزا صاحب۔ (ہنسکر) ابھی جمعہ آٹھ دن کی پیدائش موقعہ محل سب جانتے ہو۔

فرخ۔(ہنسکر) آپ کی تربیت میں رہ کر اگر اتنا نہ سیکھا تو ڈوب مرنے کی جگی ہے۔

مرزا صاحب۔اب آزمائش کا وقت ہے دیکھیں کیا سیکھا ہے۔

فرخ۔کیا آپ امتحان لیں گے۔

مرزا صاحب۔اس وقت بلایا کس لئے ہے۔

فرخ۔ارے نانا جان۔یہ آپ کیا فرما رہے ہیں میں تو تیار نہیں ہوں آپ نے پہلے سے کہا ہوتا نہ معلوم۔میر،مومن،داغ کس کس کے متعلق آپ سوال کر بیٹھیں گے۔

مرزا صاحب۔(مسکرا کر) میرے سوالوں کے جواب خود بخود تمہارے دل سے نکلیں گے۔فرخ نے مرزا صاحب کے قریب کھسکتے ہوئے کہا۔فرمائیے۔

مرزا صاحب۔ذرا میز پر سے میرے دانت اٹھا دو۔

فرخ نے دور ہٹتے ہوئے کہا۔نانا جان! یہ عادت تو بچوں میں ہوتی ہے۔

مرزا صاحب۔(مسکرا کر) کونسی عادت۔

فرخ۔یہی دانتوں والی۔

مرزا صاحب۔بیٹا! صاف الفاظ میں کیوں نہیں کہتے کاٹنے کی۔

فرخ۔نے مرزا صاحب کو دانت دیتے ہوئے کہا۔تیز کر دوں۔

مرزا صاحب۔تمہارے لیے یہی کافی ہیں۔

فرخ۔کیا آپ مجھے موم کا سمجھتے ہیں۔

مرزا صاحب۔اور کیا۔موم کے نہ ہوتے تو ادھر ادھر کی گرما گرم باتوں میں کیوں پگھلتے پھرتے۔

فرخ۔یہ کیا فرمایا آپ نے؟

مرزا صاحب۔پہلے میرے پانوں کی ڈبیہ اٹھاؤ۔حقی تو اس معلون کی وجہ سے مل

نہیں سکتا۔

فرخ۔کون ملعون۔

مرزا صاحب۔میاں۔وہی شرفو کمبخت کو سینما دیکھنے کی ایسی دھت ہوئی ہے کہ ہر چھوتھے دن غائب اب کہیں دس بجے تک آئے گا۔

فرخ نے پانوں کی ڈبیا مرزا صاحب کو دیتے ہوئے کہا۔ بتائیے میں کہاں پگھل گیا۔؟مرزا صاحب نے ایک پان فرخ کو دیتے ہوئے کہا۔بیٹا تمہارے امتحان کا نتیجہ کب آئے گا۔

فرخ۔کون سے امتحان کا۔

مرزا صاحب۔یہی۔بی اے کا جو تم دے کر آئے ہو۔

فرخ۔نانا جان آپ تو بالکل مرزا غالب ہو گئے۔

مرزا صاحب۔یعنے۔

فرخ۔آپ کے نسیان کی یہ حالت ہے کہ صبح میرے امتحان کے متعلق دریافت کر چکے ہیں اور اب پھر وہی سوال آپ نے کیا۔

مرزا صاحب۔ہاں پوچھ تو چکا ہوں مطلب میرا یہ ہے کہ نتیجہ تے ہی تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔

فرخ۔نانا جان۔آپ•پرانے زمانہ کے ہو کر مجھ سے ایسی باتیں کر رہے ہیں نانا ابا اور امی جان سے کہیے۔

مرزا صاحب۔ان کو تو آرزو یہی ہے مگر تمہاری رائے بھی تو معلوم ہونی چاہیے۔

فرخ۔ جی اور کیا۔

مرزا صاحب نے پہلو بدل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اسی کے متعلق آج میں تم سے تفصیل کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

فرخ۔ نانا جان آپ بھی حد کرتے ہیں۔ میں ان تمام جھگڑوں کو کیا جانوں۔ کیا میں نے کبھی کسی کی شادی رچائی ہے۔ جوڑے چڑھاوے۔ بری چھوہارے۔ مٹھائی نہ معلوم کیا کیا چیزیں ہوتی ہیں۔

مرزا صاحب نے مسکرا کر فرخ کی پیٹھ پر تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا۔ ابے کیوں چٹکیوں میں اڑاتا ہے جسے خبر نہ ہو اسے سبز باغ دکھا۔ یہاں رتی رتی حال معلوم ہے۔ آج ہی میں مشتاق احمد سب کچھ بتا چکے ہیں۔

فرخ۔ (مسکرا کر) ارے نانا جان آپ بھی کس کی باتوں میں آگئے وہ سادہ کار مشتاق تو بڑا جھوٹا اور بدمعاش آدمی ہے میں نے صرف ایک مرتبہ اس کے ہاں سے انگوٹھی خریدی تھی۔

مرزا صاحب نے پھر ایک تھپڑ مارا۔ اب لگا آئیں بائیں شائیں بکنے۔ سادہ کار کا اس وقت کیا ذکر ہے میں تو تمہارے پھوپھا ابا مشتاق احمد کے متعلق کہہ رہا ہوں۔

فرخ۔ نے اپنی پیٹھ سہلاتے ہوئے کہا۔ یہ ہاتھ ذرا تگڑا تھا۔ اچھا تو پھوپھا ابا نے آپ سے کیا کہا تھا۔

مرزا صاحب نے فرخ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ دیکھو بیٹا میری باتوں کا سنجیدگی سے جواب دو۔ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ ہنسی مذاق پر ٹال دیا جائے محسن پہلے ہی

فرخ۔ نانا جان آپ کس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔

مرزا صاحب۔ (آنکھیں نکال کر) غلط فہمی کیسی؟ کیا تم نے اپنی پھوپھی سے یہ نہیں کہا تم افشاں سے شادی کرنا نہیں چاہتے۔؟

فرخ۔ مسکرا کر۔ خدا کی قسم نانا جان یہ تو میں نے کبھی نہیں کہا۔

مرزا صاحب، مشتاق احمد تو یہی کہہ رہے تھے کہ فرخ کی مرضی نہیں ہے۔

فرخ۔ میں تو ان لوگوں کو بنایا کرتا ہوں۔

مرزا صاحب۔ واہ بیٹا واہ دیکھنے میں تو ماشاء اللہ تم اتنے بڑے ہو گئے مگر ابھی بچپنا نہ گیا۔ وہ تو یہ کہو اس وقت تک تمہارے نانا کو ان باتوں کی خبر نہیں ہوئی ورنہ ان کو سخت رنج ہوتا۔

فرخ۔ آپ بھی معمول باتوں کو اس قدر اہمیت دے رہے ہیں۔

مرزا صاحب۔ میں اہمیت نہیں دے رہا۔ بلکہ تمہاری بیوقوفی نے سخت مشکلات کا سامنا کر دیا۔

فرخ۔ مشکلات کیسی؟

مرزا صاحب۔ تمہاری پھوپھی یہ سمجھ رہی ہیں کہ تم ان کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہو چنانچہ اسی سلسلہ میں میاں مشتاق احمد میرے پاس آئے تھے اور کہتے تھے کہ میں تمہارے نانا کے کان تک یہ خبر پہنچا دوں۔

فرخ۔ کون سی خبر۔

مرزا صاحب۔ یہی کہ افشاں سے شادی کرنا نہیں چاہتے۔

فرخ۔ آپ کہیں ایسا غضب نہ کیجئے گا۔

مرزا صاحب۔ میں کیا غضب کروں گا تمہاری بیوقوفی اور نادانی نے معاملہ کو الجھا دیا سنا ہے میں محسن نے لڑکی کی نسبت کسی آئی سی ایس سے ٹھہرا دی ہے۔ اور عنقریب وہ اس کو اپنے گھر لے جا کر شادی کر دیں گے۔

فرخ۔ اس میں میرا کیا قصور ہے چھوٹے ماموں جان کو شروع سے اختلاف ہے وہ میری صورت سے نفرت کرتے ہیں۔

مرزا صاحب۔ نفرت وفرت نہیں وہ بھی بیوقوف ہے مگر اب تو ان کو بہانہ مل گیا کہ لڑکے کی مرضی نہیں ہے۔

فرخ نے کچھ سوچ کر کہا۔ آپ کو تمام حالات کیسے معلوم ہوئے۔

مرزا صاحب۔ تمہاری پھوپھی محسن کے ہاں سے سنکر آئی ہیں بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ اسی غرض سے وہاں گئی تھیں۔

فرخ۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو۔

مرزا صاحب۔ ممکن کیا یہ یقینی بات ہے اب تم پختہ ہو جاؤ۔

فرخ۔ نانا جان آپ تو خاموش تماشا دیکھئے جو ماموں جان کا دل چاہے کریں۔

مرزا صاحب۔ میاں ہم کیا بچہ ہیں جو تماشا دیکھیں گے۔ میاں محسن کو تماشا دیکھنا پڑے گا۔

فرخ۔ آپ کیا کر سکتے ہیں۔

مرزا صاحب۔ ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں کھونٹا مضبوط ہونا چاہیے تم پکے ہو جاؤ ایک ہفتہ کے اندر نکاح پڑھوا دیں گے۔

فرخ۔ معاف کیجئے۔ میں تو ابھی تک نانا ابا کے خیال سے خاموش تھا اگر ذرا سی کوشش کروں تو فوج میں کمیشن مل جائے۔

مرزا صاحب۔ کیا مطلب ہے تمہارا اس گفتگو سے۔

فرخ۔ میں اپنی توہین کبھی گوارہ نہیں کر سکتا۔

مرزا صاحب۔ توہین کیسی؟

فرخ۔ میں یہ نہیں چاہتا کسی آئی سی ایس کے مقابلہ میں مجھے کوئی ذلت کی نگاہ سے دیکھے ابھی میں دنیا میں نام پیدا کرنا چاہتا ہوں۔

مرزا صاحب۔ اے میاں یہ سبق کسی اور کو پڑھانا ہم بہت کچھ دنیا کا گرم و سرد دیکھے ہوئے ہیں اول تو لڑائی سے واپس آنا ہی معجزہ ہے اور اگر کوئی ایسا ہی سخت جان ہوا تو کسی کا ہاتھ غائب کسی کی ٹانگ ندارد کوئی آنکھوں سے معذور۔ اپاہج ہو کر نام پیدا کیا تو کس کام کا۔ علاوہ بریں تمہاری واپسی تک کوئی لڑکی کو بٹھائے رکھے گا۔ اپنے نانا کی حالت جانتے ہو بقول شخصے کیا۔ بھروسہ ہے چراغ سحری کا ان کو ضعیفی میں صدمہ پہنچانے سیا کیا فائدہ۔

فرخ نے کوئی جواب نہیں دیا خاموش گردن جھکائے بیٹھے رہے مرزا صاحب نے ان کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر پوچھا آج کیا دن ہے۔

فرخ۔ دن تو نہیں جمعہ کی رات ہے۔

مرزا صاحب۔ اچھا میں کل جمعہ کی نماز کے بعد آؤں گا اور سب معاملہ خاموشی سے طے کردوں گا۔

فرخ۔ کونسا معاملہ۔

مرزا صاحب۔ آئندہ جمعہ کو انشاء اللہ تمہارا نکاح ہو جائگا۔ مگر دیکھو خبردار کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو، میں چاہتا ہوں تمہاری ماں اور خالہ کو بھی عین وقت پر اطلاع ہو۔

فرخ۔ نانا جان آپ بزرگ ہیں میں آپ کے سامنے کچھ بول نہیں سکتا مگر ......

مرزا صاحب نے بات کاٹ کر کہا۔ اگر مگر میں کچھ نہیں جانتا جو کچھ تم سے کہنا تھا کہہ دیا ...... اب گیارہ بج گئے تمہیں دیر ہو رہی ہے۔ جاؤ۔ خدا حافظ۔ فرخ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ نانا جان آپ بہت زیادتی کر رہے ہیں کم از کم میرا نتیجہ تو آجائے دیجئے۔

مرزا صاحب نے فرخ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ بڑوں کی باتوں میں بچے دخل نہیں دیا کرتے۔

فرخ آداب عرض کر کے بڑبڑاتے ہوئے زینہ سے نیچے اتر گئے مرزا صاحب نے قہقہہ لگا کر ذرا اونچی آواز سے کہا۔ اونٹ بڑبڑاتے ہی لدا کرتے ہیں۔

تمام راستے فرخ مرزا صاحب کی گفتگو پر غور کرتے رہے گھر پہنچے تو سب سو گئے تھے صرف سید صاحب اپنے بستر پر لیٹے حقہ پی رہے تھے انہوں نے ذرا اونچی آواز میں پوچھا۔ شام سے کہاں غائب تھے؟ فرخ نے دبی زبان سے کہا مرزا صاحب کیہاں گیا تھا"

سید صاحب نے ذرا غصہ کے لہجہ میں کہا۔ ابھ تک جھوٹ بولنے کی عادت نہیں گئی۔

فرخ نے آہستہ سے کہا۔ جی نہیں جھوٹ نہیں بول رہا۔ مرزا صاحب نے بلایا تھا۔

سید صاحب نے کہا۔ خیر اب بارہ بج گئے ہیں سو وکل ہوجائیگا۔

فرخ نے اپنے پلنگ پر لیٹتے ہوئے چپکے سے کہا۔ بڑی مشکل بات ہے کسی کو میرے کہنے کا یقین ہی نہیں آتا۔

صبح کا ناشتہ پر سید صاحب نے پھر وہی سوال فرخ سے کیا۔ اکبر مرزا نے رات کو کو تمہیں کیوں بلایا تھا۔

فرخ نے کچھ سوچ کر کہا۔ ایک مشاعرہ ہونیوالا ہے اس کے متعلق مرزا صاحب گفتگو کر رہے تھے۔

سید صاحب۔ (تیوری پر بل ڈال کر) مشاعرہ کہاں ہو رہا ہے؟ میں نے کچھ سنا نہیں کل ہی اکبر مرزا آئے تھے۔

فرخ۔ ابھی کچھ نہیں ہوا مرزا صاحب کی تجویز ہے۔

سید صاحب۔ لاپرواہی ہے۔ وہ اپنا وقت انہیں مشغلوں میں صرف کرتے ہیں۔

عابد حسن۔ (فرخ سے) کیا مرزا صاحب کے مکان پر مشاعرہ ہوگا؟

سید صاحب۔ ان کے مکان میں اتنی گنجائش کہاں ہے۔ نیچے کے حصہ میں کرایہ دار ہیں کوٹھے پر صرف دو کمرے اور چھوٹا صحن۔

فرخ۔ شاید کہیں اور ہو گا۔

سید صاحب نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ کہیں اور کہا ہو گا۔ یہاں رائے صاحب کے ہاں۔ فرخ مسکراتے ہوئے اپنے کمرہ میں چلے گئے۔ انہوں نے سوچا مرزا صاحب کو جا کر سمجھا دوں گا۔

سید صاحب جمعہ کے دن رائے صاحب کے ہاں نہیں جاتے تھے گیارہ بجے کھانا کھا کر جامع مسجد جانے کے لیے تیار ہو جاتے تھے...... آج بھی اپنے معمول کے مطابق انہوں نے پہلے خط بنوایا پھر غسل سے فارغ ہو کر باہر برآمدہ میں اخبار لے کر بیٹھ گئے۔ رحیم اللہ ملازم نے ڈاک لا کر رکھ دی۔ اس کی عادت تھی پوری ڈاک پہلے سید صاحب کے پاس لاتا تھا وہ سب کے خط الگ الگ کر کے اس کو دے دیا کرتے تھے۔ اس وقت بھی انہوں نے اخبار میز پر رکھ کر خطوط چھانٹنے شروع کیے ایک لفافہ اپنے پاس رکھ کر باقی ڈاک رحیم اللہ سے...... عابد حسن کو بھجوا دی...... تھوڑی دیر کے بعد گھر میں سے کھانے کے لئے کہلوایا گیا۔ مگر سید صاحب خط پڑھنے میں اس قدر منہمک تھے کہ انہوں نے کچھ خیال نہیں کیا دس منٹ کے بعد فرخ آئے۔ سید صاحب نے ان کو آتا دیکھ کر خط اخبار کے نیچے رکھ دیا

فرخ نے کہا۔ نانا ابا کھانا تیار ہے۔ خالو ابا کہہ رہے ہیں جامع مسجد میں جگہ مشکل سے ملے گی۔

سید صاحب کچھ متحیر سے تھے انہوں نے فرخ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا اچھا تم چلو میں آتا ہوں۔

فرخ خاموش کھانے کے کمرے میں گئے وہ سوچ رہے تھے نانا ابا نے کس خط چھپایا اور مجھے غور سے کیوں دیکھا ان کا چہرہ بھی سرخ ہو رہا تھا۔ ضرور چھوٹے ماموں

جان کا خط تھا انہوں نے افشاں کی شادی کے متعلق لکھا ہے۔...... عابد حسن نے پوچھا ماموں جان کیا کر رہے ہیں ساڑھے گیارہ ہو گئے آج بہت دیر کر دی۔

فرخ کوئی جواب نہیں دینے پائے تھے کہ سید صاحب کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور ہاتھ بھی کانپ رہے تھے انہوں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔حسن آرا کہاں ہیں؟ ذرا بلانا۔"

عابد حسن نے سید صاحب کی طرف دیکھ کر گھبرا کر پوچھا۔خیریت تو ہے خلاف معمول آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے۔

سید صاحب نے مسکرا کر کہا۔ہاں خیریت ہے یہ عمر کا تقاضا ہے برداشت کی قوت نہیں رہی۔

فرخ نے گھبرا کر اپنی ماں اور خالہ کو بلایا۔دونوں سخت پریشان اور سہمی ہوئی آئیں وہ صبح کو فرخ کی زبانی افشاں کی نسبت کا حال اور مرزا صاحب کی تجویز سن چکی تھیں۔

سید صاحب نے حسن آرا کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ بیٹھ جاؤ گھبرانے کی بات نہیں ہے۔

کمرہ میں دو تین سیکنڈ بالکل سکوت رہا...... سید صاحب نے عابد حسن اور روشن آرا کو مخاطب کر کے کہا۔ بھئی مبارک ہو رضا علی آرہے ہیں۔سب لوگ ہکا بکا سید صاحب کو طرف دیکھنے لگے...... عابد حسن نے خوش ہو کر اونچی آواز میں پوچھا۔ کب آرہے ہیں، کہاں سے خط آیا ہے۔

سید صاحب۔اٹلی سے ان کا خط آیا ہے پندرہ بیس روز میں یہاں پہنچ جائیں گے۔

عابد حسن۔وہ خط تو مجھے دکھائیے۔

سید صاحب وہ تو میں نے چاک کر دیا۔

عابد حسن۔ کیا کوئی خاص بات لکھی تھی۔؟

’’سید صاحب نے اپنی پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے لاپرواہی سے کہا‘‘

’’انہوں نے اپنے متعلق کچھ نہیں لکھا تھا۔‘‘

فرخ جلدی سے بولے۔ معلوم ہوتا ہے انہوں نے وہاں شادی کر لی تھی۔

سید صاحب نے فرخ وک گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ بیوقوفی کی بات کیں بول اٹھتے ہو۔

عابد حسن۔ اللہ تعالیٰ ان کو بعافیت پہنچائے۔

سید صاحب۔ بھئی مجھے تو علی رضا کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی تھی میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ میری زندگی میں واپس آئیں گے۔

عابد حسن۔ بے شک۔ جنگ شروع ہو جانے کے بعد سے قطعی ناامیدی تھی۔

سید صاحب۔ ان کے حق میں جنگ مفید ثابت ہوئی۔ گورنمنٹ برطانیہ اپنے ہاں کے لوگوں کو اندھا دھند وہاں سے نکال رہی ہے۔ پہلے عورتوں اور بچوں کو نکالا اب یہ آخری جہاز ہے جس میں رضا علی کو جگہ ملی ہے۔

عابد حسن۔ جہاز کا نام کیا ہے۔

سید صاحب۔ مالٹا۔

عابد حسن۔ آپ نے رضا علی کا خط کیوں چاک کر دیا۔

سید صاحب۔ وہ کچھ محسن کے متعلق لکھا تھا۔ اور انہوں نے خط کو چاک کرنیکی تاکید لکھی تھی۔

عابد حسن۔ محسن کے متعلق کیا لکھا تھا۔

سید صاحب نے ٹالتے ہوئے کہا۔ ہاں! وہ کچھ قصہ تھا۔ تم لوگوں کو خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ اچھا بھئی احسن اور محسن تو تار دے دو۔

روشن آرا نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ آج کو اماں زندہ ہوتیں تو کیسی خوش ہو

تیں۔

سید صاحب۔ہاں یہ انتظامات قدرت کے ہیں ان کی قسمت میں یہ خوشی دیکھنی نصیب نہیں تھی۔

عابد حسن۔(فرخ سے)میاں کھانا کھا کر اماں جان اور نصیرہ کو جا کر اطلاع دے دو۔

سید صاحب۔ہاں بھئی دونوں جگہ کہلوا دو۔

باہر سے اطلاع آئی مرزا صاحب کے پاس گئے اور اپنے باپ کے خط کی اطلاع کی وہ خوشی سے اچھل پڑے فرخ گلے لگایا۔تھوڑی دیر کے بعد سید صاحب بھی باہر آ گئے۔

رائے صاحب کو خبر پہنچی وہ دوڑے ہوئے مبارکباد دینے آئے اندر سے لیکر باہر تک ایک کھل بلی سی مچی ہوئی تھی۔شام تک سارے کنبہ میں اطلاع ہو گئی...... اشرف بیگم اور نصیرہ بیگم وغیرہ بھی آ گئیں سب کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑی ہوئی تھی......مگر عالم آرا بیگم کی کمی سب محسوس کر رہے تھے خصوصاً حسن آرا وہ بظاہر خوش تھیں مگر ان کا دل اپنی ماں کی یاد میں رو رہا تھا...... عابد حسن نے احسن ممتاز اور محسن کو تار کے ذریعہ اطلاع دی۔دوسرے دن خلاف امید محسن کے تین تار مبارکباد کے آئے ایک سید صاحب کے نام ایک حسن آرا اور ایک فرخ کے نام جن کے الفاظ نہایت محبت اور خلوص اور خوشی کے تھے فرخ کو حیرت تھی۔حسن آرا اور سید صاحب بھی متعجب تھے لیکن اس کے ساتھ ہی خوش بھی تھے نصیرہ بیگم بے شک محسن کے تاروں کا سنکر رنجیدہ ہوئیں ان کے دل میں ایک کانٹا کھٹکنے لگا۔ان کو جس قدر اپنے بھائی کی آمد سے خوشی تھی اس سے زیادہ محسن کے رویہ سے رنج ہوا۔

تیسواں باب

پیارے محسن، سلام شوق میں زندہ ہوں بخیریت ہوں۔ ایک خط پہلے تم کو بھیجا تھا اس میں تمام واقعات تفصیل کے ساتھ لکھ دیئے تھے کئی مہینے جواب کا انتظار کیا۔ مگر اب حالات اجازت نہیں دیتے۔ یہاں سے سب لوگ چلے گئے۔ چند باقی ہیں ان کو لینے "مالٹا" جہاز آ رہا ہے یہ آخری جہاز ہے ہم لوگوں کو بڑی کوشش اور دوڑ دھوپ کے بعد اس میں جگہ ملی ہے۔ اگر زندہ رہا تو ایک ہفتہ کے بعد روانہ ہو جاؤں گا بمبئی پہنچ کر بذریعہ تار تم کو اطلاع دوں گا۔ ایک خط چچا ابا کو دلی لکھ رہا ہوں زندگی ہے تو...... انشاء اللہ جلد ملاقات ہوگی۔ امید ہے میرے پہنچنے سے قبل تم کو اطمینان قلبی حاصل ہو گیا ہوگا اور میری غلطی کو معاف کر چکے ہو گے۔ تمہارا بھائی۔ علی۔

خط کو لفافہ میں رکھ کر محسن ممتاز کمرہ میں ٹہلنے لگے...... جب سے رضا علی کا پہلا خط آیا تھا محسن کی پرسکون اور خوشگوار زندگی میں ایک تلاطم پیدا ہو گیا تھا وہ رات کی تنہائی میں گھنٹوں اپنے کمرہ میں ٹہلا کرتے تھے وہ ہر چیز سے بیزار معلوم ہوتے تھے انکے مزاج میں چڑچڑا پن آ گیا تھا بات بات پر اپنی بیوی سے الجھا کرتے تھے۔ انکو اپنی لڑکیوں تک سے دلچسپی نہیں رہی تھی۔ ان کا کوئی رازدار نہیں تھا۔ انہوں نے بارہا ارادہ کیا کہ دلی جا کر اپنی بہن حسن آرا کو تمام واقعات بتا دیں۔ مگر ان کی خوددار طبیعت نے گوارا نہیں کیا۔ وہ رضا علی کی آمد اور ان کے دوسرے خط کے منتظر تھے۔

......اس وقت رات کے بارہ بج چکے تھے۔ سب گھر والے اپنے اپنے کمروں میں بے خبر سو رہے ہیں لیکن محسن کو تین راتیں برابر جاگتے گذری ہیں۔ رضا علی کی آمد کے خط نے ان کے دماغ میں ایک ہلچل سی مچا دی ہے اٹھارہ برس پیشتر کے واقعات ایک ایک کر کے ان کی آنکھوں کے سامنے پھر رہے ہیں چہرہ سرخ ہو رہا ہے اور وہ کسی گہری سوچ میں تیز تیز قدموں سے ٹہل رہے ہیں ایک گھنٹہ کا وقت ان کو اسی حال میں گذر گیا۔ برابر کے کمرہ سے ایک بجنے کی آواز آئی انہوں نے اپنی کلائی کی

گھڑی دیکھی اور ایک لمبا سانس لے کر آرام کرسی پر بیٹھ گئے۔ جیب سے رومال نکال کر پسینہ پونچھا جو مسلسل ٹہلنے سے چہرہ سے ٹپک رہا تھا۔ سامنے میز پر رضا علی کے دونوں خط رکھے تھے...... محسن نے پہلا خط اٹھا کر کہیں کہیں سے پڑھنا شروع کیا۔

''جو خط تم نے مجھے جہاز سے لکھ کر زمان غلام کیہا تھ بھیجا تھا اس کو پڑھ کر میرا دل ٹوٹ گیا تھا خدا گواہ ہے میری نیت نیک تھی میں اپنی بیوقوفی سے جو اہم کام اس وقت کیا تھا وہ بیشک تمہارے واسطے تکلیف دہ اور اشتعال انگیز تھا مگر میری ذاتی غرض ہر گز نہیں تھی صرف تمہاری اور تمہاری اولاد کی بہبودی مدنظر تھی۔ افسوس تم نے مجھے اپنا دشمن اور کچھ اس سے بھی زیدہ سمجھا اور ایسے سخت الفاظ لکھے کہ برسوں میرے دل پر نقش رہے۔

میں چند روز ''الماس'' غلام کے گھر میں پوشیدہ طور پر رہا اور جب مجھے کامل یقین ہو گیا کہ بوڑھا داؤد اپنے کیے پر پشیمان ہے اور کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے تو میں الماس کو اچھی طرح سمجھا بجھا کر چلا آیا لیکن وہاں کے حالات برابر معلوم کرتا رہا اور سوچتا تھا کہ تم کو بھی کسی ذریعہ سے اطلاع کرا دوں۔ کیونکہ تمہارے خط سے جب یہ اطلاع ملی کہ تم نے تین مہینے کے بعد ہی دوسری شادی کر لی تو میں سناٹے میں آ گیا۔ اب سوائے خاموشی کے کوئی چارہ نہیں تھا میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ تمہاری خوشگوار اور پرلطف زندگی میں ہلچل پیدا کر دوں لہذا میں خود ہی سب طرف سے بے خبر اور روپوش ہو گیا اور کبھی کسی کو اپنا صحیح پتہ نہیں دیا۔ آج اٹھارہ برس کے بعد تم کو خط لکھ رہا ہوں پچھلی تمام باتیں بھول چکا ہوں۔ میرے خیال میں تم بھی اس عرصہ میں اپنی زندگی کی کافی بہاریں دیکھ چکے ہو گے اور میری تحریر تمہارے واسطے باعث پریشانی ہو گی۔ یہاں کے حالات بگڑ رہے ہیں میں اب پا بر کاب بیٹھا ہوں تمہارا ہیرا جو غلطی سے میں اپنے ساتھ لے گیا تھا بہت بیش قیمت ہو گیا ہے وہ میں

بوڑھے سوداگر کے منگوانے پر لے گیا تھا۔ نہ معلوم تم کیا خیال کرتے ہو گے خیر عرصہ ہوا بڈھا مر چکا ہے۔

دنیا کے انقلابات کے ساتھ ہر طرف انقلاب ہی انقلاب نظر آتا ہے۔۔۔۔۔۔اب تو مجھے تم ہی تم نظر آتے ہو۔۔۔۔میری تو تجویز یہی ہے۔۔۔۔۔اس خط کا جواب ضرور دینا میرے متعلق دلی والوں کو ابھی کچھ نہ لکھنا کیونکہ میں جا رہا ہوں۔۔۔۔۔روانگی سے قبل تم کو اطلاع دوں گا۔

محسن نے خط میز پر رکھ دیا اور آپ ہی باتیں کرنے لگے۔ لوگ کہتے ہیں کسی مرے ہوئے شخص کو برا نہ کہو وہ اپنی منزل کو پہنچ گیا مگر جس کی سکو اس کی ذات سے تکلیف پہنچی ہو وہ کیسے برا نہ کہے۔ بے ایمان، دغا باز، جھوٹا، مکار۔ اس نے مجھے دھوکہ دیا میرے ساتھ چالاکی کی میں اس کے فریب میں آ گیا۔ میں نے اپنے دوست کو دشمن سمجھا میں نے ایسی چیز کو فراموش کر دیا جو دنیا میں انسان کو سب سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔۔۔۔۔بڈھے کے سخت الفاظ میرے دل پر نقش تھے۔ مگر وہ خود بخود مٹ گئے۔۔۔۔۔کوئی شخص اپنی کھوئی ہوئی دولت واپس لینے سے انکار کرے گا۔ کسی اندھے کو اپنی بینائی واپس لینے میں تامل ہو گا؟ کوئی کمزور ونا تواں اپنی طاقت کا متمنی نہ ہو گا۔ مجھے اب یہاں کی ہر چیز بری معلوم ہو رہی ہے۔ بیوی لڑکیاں۔ گھر سب وبال نظر آتے ہیں۔ اٹھارہ برس سے میری زندگی کسی جاندار آدمی کی سی نہیں تھی۔ بلکہ میری حالت ایک مشین کی مانند تھی نجم السحر کی موت نے میری فطرت بدل دی تھی۔ میرا مزاج خراب ہو گیا تھا میری طبیعت کی امنگ اور خوشی جاتی رہی تھی۔ لوگ مجھے مغرور اور بد دماغ کہتے تھے گھر والے بے حس اور لا پرواہ سمجھتے تھے مگر میں مجبور تھا میرا دل و دماغ مفلوج ہو کر رہ گیا تھا میری عمر اب پچاس کے قریب ہے۔ جوانی ڈھل گئی۔ آدھے بال سفید ہو گئے۔۔۔۔۔مگر آج میں اپنے آپ میں زندگی کے آثار محسوس کر رہا ہوں۔۔۔۔۔میں نے اپنے پاؤں میں زنجیر کیوں ڈال لی مگر میرا اس

میں کوئی قصور نہیں۔ اس وقت میں اپنے آپے میں نہیں تھا مجھے کسی کی تسلی و تشفی کی ضرورت تھی آغا صاحب نے میرے سر پر ہاتھ رکھا میرے ساتھ ہمدردی اور محبت کا برتاؤ کیا زبردستی اپنی لڑکی کی شادی میرے ساتھ کی دی مجھے زرتاج سے عشق تھا نہ محبت میرا دل ہی مردہ ہو چکا تھا میں دوسروں کے لئے ہنستا بولتا تھا۔ دوسروں کے لئے اٹھتا بیٹھتا تھا۔ دوسروں کے لئے کام کاج کرتا تھا۔ حتیٰ کہ میں نے شادی بھی دوسروں ہی کی خاطر کی تھی۔ اٹھارہ برس تک زرتاج نے میرے اوپر حکومت کی میں نے کسی معاملہ میں دخل نہیں دیا۔ مجھے احساس ہی نہیں رہ تھا...... ہاں فرخ کی صورت دیکھ کر مجھے غصہ آ جاتا تھا میری طبیعت بے قابو ہو جاتی تھی اب کے باپ کی حرکت مجھے یاد آ جاتی تھی...... خیر اب اس کی تلافی کر دوں گا میں نے اس کے نام بھی مبارکباد کا تار دے دیا ہے...... اس وقت افشاں کو دیکھنے لے لئے میرا دل بے قرار ہے۔ میں نے اپنی لڑکی کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا۔ وہ شکایت کرے گی۔ بڑی معصوم اور صابر لڑکی ہے۔ لوگ اس کے متعلق کیا کیا خیال کرتے ہیں۔ علی کے آنے پر سب کو معلوم ہو گا۔

محسن اب خاموش ہو گئے۔ انہوں نے اٹھ کر اپنے کپڑے تبدیل کئے اور بستر پر لیٹ گئے ایک ہفتہ اسی حال میں گذر گیا۔ محسن کو رضا علی کے تار کا بے چینی سے انتظار تھا کبھی سوچتے تھے دلی جائیں کبھی خیال کرتے تھے بمبئی جانا چاہیے۔ آخر انہوں نے بمبئی جانے کا فیصلہ کیا۔ زرتاج بیگم سے اپنی طبیعت کی خرابی کا بہانہ کیا وہ پہلے ہی محسن کی حالت کا اندازہ لگا رہی تھیں اور سمجھ رہی تھیں کہ رضا علی کی آمد سے پریشان ہیں۔ انہوں نے کہا بجائے بمبئی جانے کے تم رضا علی کے آنے سے پہلے دلی جا کر لڑکی کو لے آؤ۔

محسن نے انجان بن کر پوچھا۔ کس لڑکی کو۔؟

زرتاج بیگم۔ افشاں کو۔

محسن۔کیا کوئی خاص بات ہے۔؟

زرتاج بیگم۔خاص بات نہ ہوتی تو اس قدر پریشان کیوں ہوتے میں سمجھ رہی ہوں کہ تم رضا علی کے آنے سے ڈر رہے ہو۔

محسن۔کیا کائی خاص بات ہے؟

زرتاج بیگم۔خاص بات نہ ہوتی تو اس قدر پریشان کیوں ہوتے میں سمجھ رہی ہوں کہ تم رضا علی کے آنے سے ڈر رہے ہون۔

محسن۔ڈرنے کی وجہ کیا ہے۔

زرتاج بیگم۔میں اتنی بیوقوف نہیں ہوں تم سمجھ رہے ہو۔کہ اس ہنگامہ میں ابا جان لڑکی کو نکاح کردیں گے۔

محسن زرتاج بیگمکی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئے۔انہوں نے پھر کہا۔اگر تم جانا نہیں چاہتے تو میں خود جا کر لے آؤں۔

محسن۔ابا جان بغیر فرخ کی مرضی کے کیسے کردیں گے۔علاوہ اس کے اب تو اس کے باپ بھی آجائیں گے وہ ان سے کہہ دے گا کوئی اسے مجبور نہیں کرسکتا۔

زرتاج بیگم۔تم بھی عجیب قسم کی باتیں کررہے ہو اس کے باپ کے آنے سے تو اور زیادہ امکان ہے۔بیس برس کے بعد آرہے ہیں ابا جان اور حسن آرا کی دلشکنی نہیں کریں گے۔

محسن۔(لاپرواہی سے) پھر مجھے بھی مجبور ہونا پڑے گا۔

زرتاج بیگم۔میں بھی تو یہی کہہ رہی ہوں کہ تم بھیان لوگوں کی مروت میں آجاؤ گے اور ایک بے زبان کی زندگی برباد ہو جائے گی میں نے اس کے حق میں جو تجویز سوچی ہے وہ خاک میں مل جائے گی۔

محسن۔(تیوری چڑھا کر) تمہاری تجویز کونسی ہے۔

زرتاج بیگم۔لڑکی کو یہاں لے آؤں تو بتاؤں گی۔

محسن۔ شاید آپا نصیرہ اپنے لڑکے سے چاہتی ہیں۔

زرتاج بیگم۔ میں ایسی نہیں ہو کہ چولہے سے نکال کر بھاڑ میں جھونک دوں۔

محسن۔ مجھے بھی تو معلوم ہونا چاہیے تمہارا خیال کہاں ہے۔

زرتاج بیگم۔ خدا نے چاہ تو تمہاری مرضی کے مطابق آئی سی ایس سے اس کی شادی کروں گی۔

محسن۔ (کچھ سوچ کر) وہ کونسا۔ آئی سی ایس ہے؟

زرتاج بیگم۔ (مسکرا کر) اب میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ شہر یار کی دوسری جگہ شادی نہیں کروں گی۔ افشاں مجھے ہرصورت میں پسند ہے۔

محسن۔ تمہارا اپنا خیال ہے یا شہر یار کا؟

زرتاج بیگم۔ ابھی تو میرا اور ابو جان کا خیال ہے شہر یار کو ہم لوگوں کی رائے سے اختلاف نہیں ہوگا۔

محسن۔ کیا آغا صاحب دوسر پھندڈال کر اب مجھے بالکل مجبور کرنا چاہتے ہیں؟

زرتاج بیگم۔ پھند کیسا؟ شہر یار سے بہتر تمہاری لڑکی کو اور کونسا لڑکا مل سکتا ہے تمہیں تو ابو جان کا شکر گذار ہونا چاہیے۔

محسن۔ میں ان کے پہلے احسان کا شکریہ نہیں ادا کر سکا دوسرا بوجھ اٹھانے کی قوت نہیں۔

زرتاج بیگم۔ ضرورت کیسی میں سیر کے واسطے جاؤں گی لڑکیاں بہت دنوں سے کہہ رہی ہیں۔ ڈاکٹر کرمانی کہہ گئے تھے۔

محسن۔ میں تو ہفتہ دو ہفتے کے لیے جا رہا ہوں اپنا علاج کراؤں گا پورا قافلہ لے کر ڈاکٹر کرمانی کے ہاں نہیں پڑوں گا۔

زرتاج بیگم۔ ہفتہ دو ہفتے وہاں رہنے کی کیا ضرورت ہے ڈاکٹر کو دکھا کر چلے آنا ضرورت ہوگی۔ پھر چلے جانا۔ بمبئی کوئی دور جگہ نہیں ہے بظاہر تمہیں کوئی بیماری بھی

معلوم نہیں ہوتی۔

محسن۔بہر حال تمہیں اس وقت بمبئی جانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تم لڑکیوں کو لے کر دلی جاؤ وہاں جانا بہت ضروری ہے۔رضا علی آنے والے ہیں ابا جان کو بہت خوشی ہے ان کا خط آیا تھا سب کو بلایا ہے میں بھی بمبئی سے سیدھا دلی جاؤں گا ممکن ہے رضا علی کے ساتھ ہی وہاں پہنچوں۔

زرتاج بیگم۔(بگڑ کر) تم بیکار بیماری کا بہانہ کر رہے ہو دراصل رضا علی کے خیر مقدم کے لئے جا رہے ہو۔

محسن۔(تیوری چڑھا کر) تمہارا کیا حرج ہے۔

زرتاج بیگم۔میرا کوئی حرج نہیں مگر چھپانے کی کیا بات ہے۔

محسن۔میں قطعی نہیں چھپا رہا مجھے خبر نہیں رضا علی کا جہاز کب بمبئی پہنچے گا میں تو صرف ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں۔

زرتاج بیگم۔خیر میں بھی ڈاکٹر کی بیوی سے ملنے جاؤں گی۔

محسن۔تمہاری عمر اب اس قسم کی باتیں کرنی کی نہیں رہی۔

زرتاج بیگم۔(غصہ کے لہجہ میں) میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔

محسن۔میرا مطلب ہیکہ تم ضد نہ کرو ورنہ میرے تمہارے تعلقات خراب ہو جائیں گے۔

زرتاج بیگم۔تعلقات اچھے کب تھے یہ تو میرا ہی حوصلہ ہے کہ کسی کو پتہ نہیں چل سکا کوئی دوسری عورت ہوتی تو ایک سال کے اندر قطع تعلق کر لیتی۔

محسن۔ایسی صورت میں ہر عورت اپنی غلطی کو بناہتی ہے کوئی بلند حوصلگی نہیں ہے۔

زرتاج بیگم۔تم اپنے دماغ کا اعلاج کرو میں اس قسم کی باتیں زیدہ برداشت نہیں کر سکتی۔

محسن نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔علاج ہی کی غرض سے جا رہا ہوں۔

زرتاج بیگم نے جواب دیا میں نے کہہ دیا ہے میں بھی چلوں گی۔

محسن خاموش باہر چلے گئے انہوں ے سامان وغیرہ اپنے خاص نوکر سے پہلے ہی ٹھیک کر لیا تھا۔موٹر بھی باہر نکلو چکے تھے زرتاج بیگم کے پاس سے آ کر وہ سیدھے موٹر میں بیٹھ کر بمبئی روانہ ہو گئے۔

زرتاج بیگم سمجھ رہی تھیں کہ شاید دو ایک دن میں جائیں گے جب ان کو محسن کی روانگی کا معلوم ہوا تو وہ مارے غصہ کے آپے سے باہر ہو گئیں۔؛اور خود بھی جانے کو تیار ہو گئیں مگر لڑکیوں نے بمبئی جانے سے انکار کیا گوہر کو یہ غصہ تھا کہ دوسرے دن ان کی سالگرہ تھی سب جگہ دعوت نامے جا چکے تھے،علاوہ اس کے دونوں لڑکیاں دلی جانا چاہتی تھیں زرتاج بیگم نے دلی جانے سے انکار کیا لڑکیوں نے وجہ پوچھی انہوں نے کہا۔میں اتنا روپیہ برباد کرنا نہیں چاہتی مجھے شہریار کے پاس جانا ضروری ہے۔

گورہ نے متعجب ہو کر پوچھا۔بھائی جان کیپاس جانے کی آپ کو کیا ضرورت

ہے۔

زرتاج بیگم۔ایک ضروری کام ہے۔

جواہر۔کیا کام ہے ہمیں بھی بتائیے۔

زرتاج بیگم۔تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا پہلے میں اپنا اطمینان کر لوں۔

گوہر۔میں سمجھ گئی بھائی جان کہیں اپنی شادی ٹھہرا رہے ہیں آپ بھی لڑکی کو دیکھنے جائیں گی مگر میں کہہ دیتی ہوں پہلے میں دلی جاؤں گی۔وہاں کچھ گڑ بڑ نہ ہو جائے۔بھائی جان کا کیا ہے ان کو اپنی مرضی سے کرنے دیجئے۔

جواہر۔کیا بھائی جان کہیں اپنی شادی طے کر رہے ہیں

زرتاج بیگم۔وہ تو ابھی کہیں نہیں کر رہے میرا اور ابو جان کا خیال ہے۔

جواہر۔آپ کا خیال کہاں ہے۔کیا آپ بھی جاہل لوگوں کی طرح اپنی مرضی سے

لڑکے کی شادی کریں گے۔

زرتاج بیگم۔ میں نے تو اب فیصلہ کرلیا ہے کہ شہریار کو افشاں سے شادی کرنے پر آمادہ کروں

جواہر۔ (تعجب سے) امی جان آپ کیا کہہ رہی ہیں دنیا میں کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ بھائی کی شادی بہن سے ہو جائے۔

گوہر۔ افشاں آپا بھائی جان کی بہن کہاں سے آ گئیں۔ امی جان اور نانا جان کی تجویز بہت اچھی ہے۔

جواہر۔ تم تو یہی کہو گی۔ مگر جانتی ہو دنیا کیا کہے گی۔؟

گوہر۔ دنیا کے کہنے کا کیا ہے۔

جواہر۔ یہ تو بڑے شرم اور افسوس کی بات ہے کہ تم اپنی غرض سے لئے بالکل اندھی ہو لیکن۔

گوہر۔ تم مجھ سے اس قسم کی بیہودہ باتیں نہ کرو ذرا زبان سنبھال کرلو یہ تجویز امی جان اور نانا ن جان کی ہے تم نے مجھ کو اندھا نہیں کہا بلکہ اپنے بزرگوں کی شان میں گستاخی کی۔

جواہر۔ کیا مجھے خبر نہین کہ امی جان کو تم مجبور کر رہی ہو۔ ورنہ ان کو افشاں آپا سے کوئی ہمدردی نہیں۔

زرتاج بیگم۔ جوہر آج تم کیسی بیوقوفی کی باتیں کر رہے ہو اگر مجھے افشاں سے ہمدردی نہ ہوئی تو شہریار جیسے قابل اور روشن خیال لڑکے سے افشاں جیسی لڑکی کا نام بھی نہ لیتی۔

جواہر۔ امی جان میں ایسی بچہ نہیں ہوں مجھے سب معلوم ہے نانا جان کی گفتگو بھی سن چکی ہوں۔ آپ لوگ بظاہر افشاں آپا کے ساتھ ہمدردی جتا رہے ہیں حقیقت کچھ اور ہے۔

زرتاج بیگ، تم میری لڑکی ہوکر اس قسم کی باتیں کر رہی ہو۔

جواہر۔ یہی تو مجھے افسوس ہے کہ شروع سے اس وقت تک اپ افشاں آپا کے معاملات سے بالکل بے خبر رہیں سب آپ کی تعریف کرتے تھے لیکن اس وقت آپ خود غرضی سے کام لے رہی ہیں۔

زرتاج بیگم (غصہ کے لہجہ میں) اچھا تم خاموش ہو جاؤ تمہیں مجھے نصیحت کرنیکی ضرورت نہیں۔

جواہر۔ گوہر کی مامتا میں آکر آپ جو چاہیں کریں۔ مگر خدا کیواسطے بھائی کی شادی بہن سے نہ کرائیں۔ میں تو آج ہی بھائی جان کو خط لکھتی ہوں

گوہر۔ (زرتاج بیگم سے) دیکھئے۔ امی جان میں ابھی تک خاموش ہوں آپ جواہر کو منع کر دیجیے۔

زرتاج بیگم۔ بٹی تم خاموش ہی رہو جواہر کا دماغ تو اپنے باپ کی طرح خراب ہو رہا ہے۔

جواہر۔ (مسکراکر) معلوم ہوتا ہے ابا میاں نے بھی یہ رشتہ ناپسند کیا ہے۔

گوہر۔ (زرتاج بیگم سے) امی جان آپ کو کیا ضرورت ہے کہ ایک جاہل اور پردہ والی لڑکی سے بھائی جانکی شادی کریں۔ جہاں ابا میاں کا دل چاہے کریں۔

جواہر۔ (ہنسکر) اس جاہل لڑکی تو جاہل فرخ ہی سے ہوگی۔ تم قابل کیوں اپنے خیالات خراب کر رہی ہو۔

گوہر۔ میرے معاملہ میں نہیں ایک لفظ بولنے کا حق نہیں نہ میں تمہارے کسی معاملہ میں دخل دوں۔

جواہر۔ میں اس قسم کی بیوقوفی نہیں کروں گی جو کسی کو میرے معاملہ میں بولنے کی ضرورت پیش آئے۔

گوہر۔ آپ تو گویا فرشتہ ہیں کلب میں گیارہ بجے رات تک کون مسٹر غزنوی سے

برج کھیلا کرتا ہے۔

جواہر۔ کھیل کا کیا ہے تم نہیں کھیلتیں۔ بلکہ چند مہینے پہلے تم تو مسٹر شمیم کے ساتھ ڈانس بھی کرتی تھیں۔ مگر نزہت آپا کی شادی کے بعد سے تم فرخ بھائی پر لٹو ہو گئیں چاہے ان کو تمہارے ساتھ محبت نہ ہو۔

گوہر۔ انہیں شاید تم سے محبت ہے۔

جوہر۔ مجھ سے کیوں ہونے لگی۔

گوہر۔ تمہارے خیال میں افشاں آپا سے ہے۔

جواہر۔ میرا کوئی خیال نہیں، مگر یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ۔ اگر فرخ بھائی کی شادی افشاں آپا سے نہ ہوئی تو حمیدہ سے ہوگی تم سے کسی صورنہیں ہو سکتی۔

گوہر۔ دنیا میں تمہاری طرح کوئی بہن کسی بہن کی ایسی مخالف نہ ہوگی۔

جواہر۔ میں مخالف تو نہیں ہوں مگر تم نے اپنی آئیندہ زندگی کے واسطے کیا سوچا ہے۔

زرتاج بیگم۔ پس اس قصہ کو ختم کرو آج مجھے محسن کی اس حرکت پر بہت غصہ آ رہا ہے کل تم لڑکیوں...... کی سالگرہ ہو جائے تو میں پرسوں بمبئی جاؤں

گوہر۔ میں تو آپ کو دلی لے کر چلوں گی۔ بمبئی ہرگز نہیں جانے دوں گی۔

جواہر نہیں امی جان آپ کو بمبئی جانا چاہیے پتہ تو چلے ابا جان کس کا کے لئے گئے ہیں۔

گوہر۔ کیا میں تنہا دلی نہیں جا سکتی؟

جواہر۔ ہم لوگوں کی آزادی کو وہاں پہلے ہی بری نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور تم تنہا جا کر امی جان کا نام بدنام کرو۔

زرتاج بیگم۔ اس کا تو مجھے خیال نہیں ہے لیکن ایسی بیوقوفی نہیں کرنی چاہیے میں خود کچھ نہ کچھ حل سوچوں گی۔ پہلے محسن کی طرف سے اطمینان کرو۔

گوہر۔ ان کی طرف سے آپ کو کیا بے اطمینانی ہے؟ کیا وہ کہیں بھاگ جائیں گے۔ زرتاج بیگم نے گوہر کی بات کا کوئی جواب نہ دیا جوہر سے کہا۔ دیکھو خبردار شہریار کو کچھ نہ لکھنا۔

جواہر۔ تو آپ بھی اپنا خیال چھوڑ دیجئے میں سخت خلاف ہوں۔

گوہر۔ (زرتاج بیگم سے) آپ کو یہ رشتہ جوڑنے کی کیا ضرورت ہے سلطان ماموں ان کی بیوی اور خود ان کی لڑکی بھائی جان کو پسند کرتے ہیں تو آپ کیوں بیچ میں دخل دیتی ہیں زمردتاج تو آپ کی بھتیجی ہے۔

جواہر۔ (مسکرا کر) نانا جان کی اپنی بہو نا پسند ہیں ان کی فرمانبردار نہیں۔ لہذا زمردتاج بھی ہماری امی جان کی فرمانبردار نہیں ہوں گی۔ وہ بھی بھائی جان کو سلطان ماموں کی طرح سب سے الگ کر لیں گی۔

گوہر۔ امی جان کیا آپ کا یہی خیال ہے۔

جواہر۔ امی جان سے کیا پوچھتی ہو۔ میں نے نانا جان کی گفتگو سنی ہے انہوں نے یہ مشورہ دیا ہے کہ افشاں آپا امی جان کی فرمانبردر رہیں گی۔

زرتاج بیگم۔ دیکھو جواہر اس وقت تو تم نے اپنی بیوقوفی سے یہ باتیں کہہ دی ہیں آئیندہ میں یہ ذکر کبھی نہ سنوں۔

جواہر نے کوئی جواب نہیں دیا تیوری پر بل ڈالے کھڑی ہو گئیں...... گوہر اور زرتاج بیگم کچھ دیر رازدارانہ گفتگو کرتی رہیں۔

چوبیسواں باب

سید صاحب کے ہاں آج کل ایسی تیاریاں ہو رہی ہیں گویا بہت بڑی تقریب ہونے والی ہے تمام کوٹھی میں اندر سے لے کر باہر تک سفیدی ہوئی ہے دروازوں پر نیا روغن کیا گیا ہے۔ سید صاحب ہر کام اور ہر انتظام میں بذات خود حصہ لیتے ہیں...... رضا علی کی آمد کے موقع پر انہوں نے ایک بڑی دعوت کا انتظام کیا ہے۔ بلاوے کے کارڈ بھی خرید کر رکھ لئے ہیں۔ حسن آرا فرخ اور رضا علی کے جوڑے بنوائے ہیں۔ وہ سب سے یہی کہتے ہیں کہ حسن آرا کے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ ماں زندہ ہوتیں تو سب کچھ کرتیں انہوں نے اپنے دونوں لڑکوں کو مع بیوی بچوں کے تاکید سے آنے کو لکھا ہے سید صاحب کی خوشی کی وجہ سے سب کنبہ والوں نے اپنے اپنے تعلقات اور رشتہ کے مطابق تیاریاں کی ہیں۔ روشن آرا نے بہن بہنوئی اور فرخ کے جوڑے بنائے ہیں۔ مرزا صاحب اور رائے صاحب کے ہاں بھی دعوتوں کی تجویز ہے۔ نصیرہ بیگم نے بھی جوڑے بنائے ہیں۔ باقی رشتہ داروں کے ہاں کونڈے آنے کی تیاریاں ہیں۔ کسی نے تانبے کے کونڈے خرید کر رضا علی کا نام کھدوایا ہے کسی نے مرادآبادی کونڈے لئے ہیں کارچوبی خوان پوش بنوائے جا رہے ہیں یہاں تک کہ مغلانی بنیادی خانم نے بھی مٹی کے رنگین کونڈے منگوئے ہیں جھوٹے مصالحہ کے خوان پوش ٹکوا رہی ہیں غرض آج کل دن عید اور رات شب برات معلوم ہوتی ہے شاید پہلے سے چھٹی لے کر آگئے ہیں عابد حسن مع دونوں بیٹوں اور فرخ کے بمبئی جانے کو تیار بیٹھے ہیں کارچوبی اور گوٹے کے ہار خرید لئے ہیں۔

اس وقت دن کے نو بجے ہوں گے سید صاحب حسب معمول رائے صاحب کے ہاں گئے ہوئے ہیں گھر میں خوب چہل پہل ہے، کوئی سی رہا ہے کوئی ٹانک رہا ہے۔ حسن آرا نے افشاں کا کارچوبی جوڑا بنایا ہے ہنسی مذاق کی باتیں ہو رہی ہیں سب

کے چہروں سے خوشی و شادمانی ٹپک رہی ہے۔ روشن آرا نے اپنے بیٹے شاہد سے کہا۔ جس وقت رضا علی جہاز سے اتریں تو بجائے فرخ کے حامد کو ان سے ملوانا دیکھو پہچانتے ہیں یا نہیں۔

بنیادی خانم بھی بیٹھیں اپنے خوان پوش ٹکوا رہی تھیں کہنے لگیں۔ اے بیگم پہچانیں گے کیوں نہیں شکل دیکھتے ہی مامتا جوش میں آئے گی۔ دودھ کی دھاریں چلنے لگیں گی۔

سب لڑکیاں اور لڑکے ہنسی سے لوٹ لوٹ گئے۔

روشن آرا بیگم۔ (مسکرا کر) اے بی کچھ دیوانی ہوئی ہو ماں کے متعلق تو سنا تھا مگر باپ کی دودھ کی دھاریں کہیں نہیں سنیں۔

بنیادی خانم۔ (اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر) اے ہے بیگم بھاڑ میں جائے یہ زبان کہتی کچھ تھی نکل کچھ گیا میں تو کہہ رہی تھی کہ اپنے خون کی بدبو میلوں پرے سے آجاتی ہے۔ گلشن نے ٹھٹھا لگا کر کہا۔ خون میں کیا بدبو ہوتی ہے خوشبو نہیں ہوتی۔

بنیادی خانم۔ بیگم ہنسی کی بات تھوڑی ہے حضرت یعقوب کی ناک میں حضرت یوسف کی خوشبو ہزاروں کوس سے آ گئی تھی۔

فرخ۔ مغلانی خانم۔ تمہیں بڑی معلومات ہیں۔

بنیادی خانم۔ اے میاں معمولات کیا خاک ہے میری بیگم کو اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے یاد کئے کا ثواب پہنچائے وہ تصویر یوسف (تفسیر) پڑھا کرتی تھیں میں بھی پاس بیٹھی سنتی تھی۔ ہائے آج کو وہ زندہ ہوتیں تو مارے ارمان کے دوبارہ حسن آرا بیگم کی شادی کرتیں۔

روشن بیگم۔ اے بھئی تم سچ مچ سٹھیا گئی ہو سوچو نہ سمجھو جو منہ آیا کہہ گزریں

بنیادی خانم نے اپنے دونوں کلے پیٹتے ہوئے کہا۔ بیگم مارے خوشی کے زبان قابو میں نہیں رہی خدا حسن آرا بیگم کو اپنے سب پیاروں کی جان کی سلامتی نویں مہنہ چاند

سا بیٹا دے۔

روشن آرا کو ہنسی آ گئی۔

اور سب بھی مسکرانے لگے۔ حسن آرا نے جھینپ کر کہا۔ بنیادی خانم تم یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو باورچی خانہ میں جا کر دیکھو آج ٹنڈوں کا دلمہ پکے گا کریمن خراب نہ کر دے۔

بنیادی خانم بیگم۔ ابھی جاتی ہوں۔ میں تو گلشن بیگم کے پاس خوان پوش ٹکوانے آئی تھی۔

گلشن۔ تو یہ ہے مغلانی خانم تم نے تو میری جان کھالی، کہہ تو دیا کہ ٹانگ دوں گی۔

حسن آرا۔ افشاں کو دے دو وہ ٹانگ دیں گی۔

مغلانی بیگم۔ بڑی بیگم تو پہلے ہی کہتی ہیں کہ تم سٹھیا گئی ہو اگر افشاں بیگم سے ٹکوائی تو اور خفا ہوتیں۔

حسن آرا۔ اس میں خفا ہونے کی کیا بات تھی۔

بنیادی خانم۔ خدا رکھے ان کے سسر کے آنے کے کونڈے ہیں یا نہیں؟ ان سے کیسے ٹکوائی۔

فرخ۔ (مسکرا کر) یہ تو تم بڑی عقلمندی کی بات کہی ہماری امی کو ان باتوں کا بالکل خیال نہیں۔

بنیادی خانم۔ (فرخ کی بلائیں لے کر) میاں ابا جان کے آگے تو شرم کرنا۔

فرخ۔ (روشن آرا سے) خالہ اماں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ان کو کہوں گا کیا؟

روشن آرا۔ ابا جان کہنا ہماری دلی کا تو یہی دستور ہے۔

گلشن۔ نہیں فرخ تم تو ابا میں کہنا۔

فرخ۔ اگر داڑھی ہوگی تو ابا جان کہوں گا اور داڑھی نہ ہوئی تو ابا میاں۔

شاہد۔ اگر ڈاڑھی مونچھ دونوں نہ ہوئیں تو؟

گلشن۔ (ہنسکر) خالی ابا۔

فرخ۔ ایک مرحلہ اور ہے ان کو پہچانے گا کون کہیں ایسا نہ ہو کسی اور کو ہار وار پہنا کر پکڑ لائیں۔

روشن آرا۔ تمہارے خالو ابا بھی تو جائیں گے۔ احسن نے جانے کو لکھا ہے اور شاہد محسن بھی جائیں۔

فرخ۔ مجھے تو یہ دیکھنا ہے کہ ان کے سامنے چھوٹے ماموں جان میرے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں۔

گلشن۔ مجھے بھی یہی شوق لگا ہوا ہے۔ اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ خالو جان افشاں کو پہچانتے ہیں یا نہیں؟

چمن آرا بولیں۔ میں نے تو یہ سوچ رکھا ہے افشاں کے بدلے تمہیں دکھایا جائے۔

عابد حسن باہر سے گھبرائے ہوئے۔ جلدی پردہ کرو ماموں جان کی طبیعت خراب ہوگئی ہے ان کو اس کمرہ میں لٹایا جائے گا...... لڑکے بے تحاشا باہر دوڑے روشن آرا اور حسن آرا بید کی طرح تھر تھر کانپنے لگیں۔ لوگ سید صاحب کی کرسی پکڑوا کر اندر لائے۔ حسن آرا اپنے باپ کی شکل دیکھ کر تڑاقہ کھا کر گریں۔ روشن آرا کی چیخیں نکلنے لگیں۔ افشاں کو غش آ گیا۔ سید صاحب کے چہرہ پر مردنی کھنڈی ہوئی تھی گردن ایک طرف کو ڈھلکی جا رہی تھی۔ بڑی مشکل سے لڑکوں نے پلنگ پر لٹایا رائے صاحب نے پہلے ہی ڈاکٹر کو بلانے کے لئے موٹر بھیج دی تھی۔ مرزا صاحب بھی موجود تھے کوئی کوئی پنکھا جھل رہا تھا۔ کوئی ہاتھ پاؤں سہلا رہا تھا...... فرخ ایک کونے میں منہ دیئے ہچکیوں سے رو رہے تھے...... روشن آرا گھبراہٹ میں سب کے سامنے نکلی

آ رہی تھیں۔ عابد حسن نے ان کو سمجھایا۔ گھبراؤ نہیں کچھ دورہ پڑ گیا ہے۔ خدا نے چاہا ٹھیک ہو جائیں گے۔

روشن آرا۔ خدا کیواسطے یہ تو بتاؤ ہوا کیا۔ ان کو تو کبھی دورہ دورہ نہیں پڑا تھا عابد حسن بھی سخت پریشان تھے انہوں نے گھبراہٹ میں کہا۔ دل پر صدمہ پہنچا ہے ضعیفی ہے۔ اب میں تمہیں کیا بتاؤں

روشن آرا۔ خدا کے لئے کچھ نہ بتاؤ؟ کیسا صدمہ پہنچا ہے۔

عابد حسن نے اشارہ سے روشن آرا کو برآمدہ میں بلا کر کہا۔ رضا علی جس جہاز سے آ رہے تھے وہ ڈوب گیا۔

روشن آرا ہے کہہ کر زمین پر بیٹھ گئیں ان کی آنکھوں کے آنسو بھی خشک ہو گئے۔

عابد نے ان کو منع کر دیا کہ حسن آرا سے نہ کہیں...... دس منٹ کے بعد دو تین ڈاکٹر آ گئے۔ سب نے ایک رائے ہو کر انجکشن دیا...... پندرہ بیس منٹ کے بعد سید صاحب نے آنکھیں کھولیں عابد حسن سامنے کھڑے تھے ان کو اشارہ سے بلا کر آہستہ سے کہا۔ محسن کو ٹیلیفون کر کے بلاؤ۔

عابد حسن نے جواب دیا۔ احسن محسن دونوں کو فون کر دیا ہے۔ اب آپ کی طبیعت بھی جلدی ٹھیک ہو جائے گی۔

ڈاکٹروں نے بھی یہی کہا۔ آپ بالکل نہ گھبرائیں۔ ایک انجکشن اور دیں گے اس کے بعد آپ میں طاقت آ جائے گی۔ صرف کمزوری کی وجہ ہے۔

سید صاحب مسکرانے لگے۔ ڈاکٹروں نے باہر جا کر عابد حسن سے کہا۔ اب کچھ نہیں صرف انجکشن کے اثر سے سنبھل گئے ہیں۔ رات گزری مشکل ہے۔

مرزا صاحب اور رائے صاحب آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے سید صاحب نے مرزا صاحب کو اپنے قریب بلا کر کچھ کہا وہ فوراً باہر چلے گئے رائے صاحب بھی باہر جا بیٹھے...... سید صاحب نے بچوں اور لڑکیوں کو اپنے پاس بلا کر

بیٹھایا۔ بڑی دیر تک حسن آرا کے سر پر ہاتھ رکھے رہے وہ گردن جھکائے بیٹھی تھیں آنکھوں سے آنسو جاری تھے مگر ان کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی...... فرخ کی حالت بہت خراب تھی وہ کوٹھی سے باہر نکل کر چیخیں مار مار کر رو رہے تھے...... سید صاحب نے چاروں طرف نگاہیں ڈال کر عابد حسن سے پوچھا۔ فرخ کہاں ہے۔

انہوں نے ادھر ادھر دیکھ کر شاہد سے کہا۔ فرخ کو بلاؤ۔

شاہد نے باہر جا کر فرخ کو بلایا۔ زبردستی ان کا منہ دھلوا کر لائے۔ سید صاحب نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ میری آرزو تھی کہ اپنی زندگی میں تمہارا نکاح کر دوں اب میں چند گھنٹوں کا مہمان ہوں...... محسن کے آنے میں دیر لگے گی...... میں نے قاضی کو بلوایا ہے تم تیار ہو یا نہیں؟...... سب گھر والے متحیر ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

فرخ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ میں تیار ہوں۔"

سید صاحب نے روشن آرا کی طرف دیکھ کر کہا۔ لڑکی سے بھی کہہ دو۔

عابد نے کہا۔ ماموں جان آپ اس قدر مایوسی کی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔

انشاء اللہ آپ کی طبیعت بہتر ہو جائے گی تو کل پرسوں تک نکاح کر دیجئے گا۔

سید صاحب نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔ تم کو شاید محسن کا ڈر ہے مگر وہ کچھ نہیں کہے گا۔

عابد حسن نے کہا۔ جی نہیں مجھے محسن کا کچھ خیال نہیں ویسے ہی کہہ رہا ہوں۔

باہر سے مرزا صاحب نے عابد حسن کو آواز دی وہ اٹھ کر وہاں گئے...... سید صاحب نے شاہد سے کہا فرخ کو وہ شیروانی پہنا دو جو میں نے ابھی سلوائی ہے اور قمیض وغیرہ بھی وہی پہنانا صافہ تمہارے پاس ہو تو اس کے سر پر باندھو اور اکبر مرزا قاضی صاحب کو لے کر آ گئے ہیں۔

شاہد فرخ کا ہاتھ پکڑ کر دوسرے کمرہ میں لے گئے۔ فرخ دیواروں سے اپنا سر

پھوڑنے لگے۔شاہد نے اپنے آنسو پونچھ کر دھیمی آواز میں کہا۔فرخ اپنا دل مضبوط کرو۔

فرخ نے روتے ہوئے کہا۔شاہد بھائی میرا دل پھٹ جائے گا۔ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔نانا ابا ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہے ہیں اور مجھے دولہا بنوا کر دیکھ رہے ہیں، مجھ سے ضبط نہیں ہو سکتا...... خدا کے واسطے کوئی انہیں سمجھائے میں قسم کھاتا ہوں سوائے افشاں کے اور کسی لڑکی سے شادی نہیں کروں گا...... مین چھوٹے ماموں جان کے قدموں پر سر رکھ کر ان کو راضی کرلوں گا...... مگر...... اس وقت مجھے معاف کر دو۔شاہد بھائی میرے حال پر رحم کرو...... میں کس دل سے یہ کپڑے پہنوں۔تم خود رو رہے ہو۔دنیا میں ایسا سخت وقت کسی پر نہیں آیا ہوگا۔

عابد حسن نے کمرہ میں آ کر کہا۔شاہد جلدی کرو۔

شاہد روتے گئے اور فرخ کو کپڑے پہنواتے گئے۔صافہ باندھتے وقت فرخ کی ہچکی بندھ گئی۔

سید صاحب نے روشن آرا سے کہہ کر افشاں کو سرخ دوپٹہ اڑھوایا۔جس کمرہ میں لیٹے تھے وہیں قاضی صاحب کو بلا لیا۔مرزا صاحب اور عابد حسن کی گواہی میں فرخ کا نکاح افشاں ہوگیا...... قاضی صاحب کے جانے کے بعد سید صاحب نے اپنا صندوقچہ منگوایا...... افشاں اور فرخ کو سامنے بٹھا کر کچھ کاغذات فرخ کے ہاتھ میں دیکر کہا۔تمہارے باپ وقتاً فوقتاً روپیہ بھیجتے رہتے تھے میں نے تمہارے نام سے کچھ جائداد خرید لی ہے اس کی تفصیل رائے صاحب سے معلوم ہو جائے گی۔پھر افشاں کو ایک چیک بک دے کر کہا۔یہ پانچ ہزار روپیہ، تمہاری دادی نے تمہاری شادی کے لئے رکھا تھا۔جس طرح چاہو خرچ کرنا اس کے بعد عابد حسن سے کہا کچھ کاغذات اس صندوقچہ میں اور ہیں وہ احسن اور محسن دیکھ لیں گے۔پھر پوچھا کیا بجا ہے۔؟

عابد حسن نے کہا۔دو بجے۔

سید صاحب نے روشن آرا سے کہا بیٹی کھانا کھالو تو ایک بات اور کہنی ہے۔

روشن آرا اور عابد حسن سمجھ گئے کہ رضا علی کے متعلق کہیں گے۔ ڈاکٹر کہہ گئے تھے کہ یہ ذکر ان کے سامنے ہرگز نہ آئے اس مرتبہ برداشت نہیں کر سکیں گے عابد حسن نے کہا۔ یہ لوگ کھانا کھانے جائیں میں رائے صاحب اور مرزا صاحب کو یہاں بلا لوں وہ باہر بیٹھے ہیں۔

سید صاحب نے کہا۔ نہیں ان کو وہیں رہنے دو۔

عابد حسن نے کہا۔ آپ بھی تھوڑا سا نارنگی کا عرق اور گلوکوز پی لیجئے۔

سید صاحب نے کہا۔ ڈاکٹر نے تو کچھ کہا نہیں۔ خیر تم لوگ کھانا کھالو تو میرے واسطے شہد کا شربت بنانا آپ زمزم میری الماری میں رکھا ہے وہ نکال لینا۔

اس وقت کھانا کس سے کھایا جا سکتا تھا دس پانچ منٹ کے لیے سب دوسرے کمرہ میں ہو ہو کر آ گئے رائے صاحب اور مرزا صاحب کے لیے بھی کھانا بھیجا گیا۔ مگر انہوں نے واپس کر دیا۔ کوئی تین بجے سید صاحب نے آب زمزم اور شہد خود مانگ کر پیا۔ حسن آرا اور فرخ کو اپنے پلنگ کے پاس بٹھایا فرخ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اپنی ماں کا خیال رکھنا اب سوائے تمہارے اس کا کوئی نہیں ہے۔ تمہارے باپ جس جہاز میں آ رہے تھے وہ ڈوب گیا...... عابد حسن نے اپنی انگلی دانتوں میں دبالی...... سید صاحب کے ہاتھ کانپنے لگے اور پیشانی سے پسینہ کی بوندیں ٹپکنے لگیں چہرہ بالکل زرد ہو گیا۔ انہوں نے بہت مشکل سے کہا وہ...... رضا علی...... نے...... خط...... میں...... لکھا...... تھا...... کہ...... محسن...... کا...... آگے کچھ نہیں بول سکے۔ عابد حسن نے گھبرا کر نبض پر ہاتھ رکھا۔ پھر دل پر۔ مگر ہر چیز ساکت تھی...... فرخ باہر کے کمرہ میں جا کر مرزا صاحب سے لپٹ کر رونے لگے...... گھر میں کہرام مچ گیا...... آنا فانا یہ خبر سارے کنبہ اور شہر میں پھیل گئی...... جو سنتا تھا سکتہ کے عالم میں رہ جاتا تھا...... شام تک گھر تمام لوگوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔

گھر میں سوائے عابد حسن کے اور کوئی اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔ حسن آرا باپ کی پٹی پکڑے جس طرح بیٹھی تھیں اسی حال میں گھنٹوں گزر گئے افشاں دادا کی پائنتی پتھر کی طرح بیٹھی تھی...... روشن آرا سارے گھر میں ہاتھ ملتی پھرتی تھیں...... فرخ کی بیقراری ایسی تھی کہ وہ کسی کے سنبھالے نہیں سنبھل سکتے تھے۔ اول تو سید صاحب جیسے شفیق نانا کی اچانک موت دوسرے باپ کی طرف سے مایوسی وہ پاگلوں کی طرح ایک ایک کمرہ میں روتے پھرتے تھے۔ مرزا صاحب بیچارے کی اس ناگہانی حادثہ نے بالکل کمر توڑ دی تھی...... مگر وہ گرتے پڑتے بازار گئے اور تمام سامان خرید کر لائے...... مغرب تک جنازہ تیار ہو گیا...... مگر احسن ممتاز کے انتظار میں رات بھر رکھنا پڑا وہ دو بجے کو موٹر سے پہنچے۔ محسن کے ہاں پہلے ہی جواب مل گیا تھا وہ بمبئی گئے ہوئے تھے۔ ان کا شریک ہونا غیر ممکن تھا۔ دوسرے دن دوپہر سے پہلے ہی بیچارے سید صاحب سپرد خاک ہو گئے......

گرمی کا موسم تھا۔ چوبیس گھنٹے گھر والوں کو بغیر دانے پانی کے گزر گئے تھے۔ بیماروں سے بدتر سب کی حالت ہو گئی تھی...... رائے صاحب نے پہلے سب کو دودھ کی لسی پلوائی اس کے بعد دستر خوان بچھوا کر زبردستی کھانے پر بٹھایا...... گھر میں بھی رائے صاحب کی بہو آ گئی تھیں۔ انہوں نے روشن آرا اور حسن آرا کو سمجھا بجھا کر دستر خوان پر بٹھایا...... ایسے موقعہ پر نصیرہ بیگم کھڑی ہو جاتی تھیں مگر اس وقت وہ بھی اپنے بھائی کی خبر سے بہت بیقرار تھیں۔ بوڑھی چچی جان مفلوج تھیں مگر سید صاحب کی شکل دیکھنے وہ ڈولی میں پڑ کر آئی تھیں کھانے کے بعد انہوں نے اشارہ سے روشن کو اپنے پاس بلا کر چپکے سے کہا۔ اے بیٹی حسن آرا کے ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ دو اور ناک کی کیل اتار دو۔

روشن آرا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ انہوں نے کہا چچی جان یہ کام مجھ سے نہیں ہو گا۔

چچی جان کا ابھی کا ہونٹ کانپنے لگا۔ انہوں نے بسورتی ہوئی شکل بنا کر کہا۔ ہائے وہ تو بیس برس پہلے ہی رانڈ ہوگئیں تھیں میاں کا کوئی سکھ اس نے نہیں دیکھا مگر ایک آس لگی ہوئی تھی وہ بھی ٹوٹ گئی ابا بھی ختم ہوئے جو دل کو ڈھارس بندھاتیں۔

خد بچے کی عمر ہزاری کرے ایک اسی کا سہارا رہ گیا...... اے بیٹی میں نے سنا ہے میں سید نے نزع کی حالت میں افشاں کا نکاح پڑھوادیا۔

روشن آرا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ جی ہاں۔

چچی جان نے ایک لمبی آہ بھر کر کہا۔ وہ تو مرتے مرتے اپنا فرض پورا کر گئے اب جو جس کا دل چاہے کرے...... ہاں بیٹی محسن نہیں آئے۔ روشن آرا کو اس وقت ایک ایک بات بری معلوم ہو رہی تھی انہوں نے جواب دیا۔ مجھے کچھ خبر نہیں محسن بہت دور ہیں۔ شاید دو تین دن میں آئیں۔

چچی جان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ اب دیکھو وہ آ کر قیامت برپا کرتے ہیں۔

روشن آرا نے کوئی جواب نہیں دیا یہاں سے اٹھ گئیں...... چچی جان چلنے پھرنے سے معذور تھیں انہوں ے سب کو اپنے پاس بلا کر گلے لگایا...... نصیرہ بیگم چچی جان کے گلے لگ کر بیقراری سے رونے لگھیں بڑھاپے کی وجہ سے چچی جان کے آنسو خشک ہوگئے تھے مگر شکل رونے کی سی ہوئی تھی...... تھوڑی دیر کے بعد نصیرہ بیگم نے اپنے آنسو پونچھ کر کہا۔ چچی جان ایسا اندھیر بھی کہیں آپ نے دیکھا ہے کہ باپ کر مرنے کی خبر آئے اور بیٹے کا اسی وقت نکاح ہو۔ ہائے دنیا کیسے خون سفید ہوگئے۔ لوگوں کو اس وقت شادی بیاہ کی پڑی تھی۔

چچی جان بولیں۔ سنا ہے میں سید نے خود نکاح پڑھوایا ہے۔

نصیر بیگم۔ ارے چچی جان یہ سب کہنے کی باتیں ہیں بھلا چچا ابا کو ہوش ہوگا ان کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ یہ ساری کاروائی بھائی عابد حسن اور آپا روشن آرا کی ہے۔ میں چار قدم پر بیٹھی تھی مجھے کسی نے چچا ابا کی بیماری کی خبر نہ کی مرنے کی اطلاع پہنچی سب

جانتے تھے کہ میری موجودگی میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ میرا تو سب کی طرف سے دل پھٹ گیا آج ہی چلی جاتی مگر دنیا بری جگہ ہے بخدا جانے لوگ کیا سمجھیں۔ سویم کی فاتحہ تک اپنے دل پر پتھر رکھ کر رہوں گی۔ اس کے بعد میرا سب سے قطع تعلق ہے۔

چچی جان اے بیٹی خدا بھتیجہ کے دم کو رکھے ایسی بات منہ سے نہ نکالو۔

نصیرہ بیگم۔ (سرد آہ بھر کر) جب اپنا بھائی ہی نہیں رہا تو بھتیجہ بھتیجی کس کے ہوتے ہیں۔

چچی جان۔ بیٹی لڑکے کا کیا قصور ہے نانا کے دم سے وہ کیسے انکار کر سکتا تھا۔

نصیرہ بیگم۔ یہی تو چالاکی کی گئی۔ خیر میں تو کچھ نہیں کہتی ذرا میاں محسن کو آنے دو پھر پتہ چلے گا۔

چچی جان اور نصیرہ بیگم کے علاوہ جو دو چار بیویاں گھر میں آئی ہوئی تھیں سب کی زبان پر یہی ذکر تھا۔ کوئی دانتوں میں انگلی دبائے بیٹھی تھی۔ کوئی حیرت سے آنکھیں پھاڑے سن رہی تھیں۔ کوئی اپنے ماتھے پر ہاتھ مار رہی تھیں۔ کوئی اپنے کلے پیٹ کر توبہ کر رہی تھیں...... شام تک باہر کے لوگ رخصت ہوئے گھر کے مرد اندر آئے۔

عابد حسن فرخ کا ہاتھ پکڑ کر لائے۔ احسن ممتاز کے ہاتھ میں وہ اخبار تھا جس میں مالٹا جہاز کے ڈوبنے کی خبر تھی انہوں نے حسن آرا اور فرخ کو تسلی و تشفی دی۔ بڑے بھائی کی صورت دیکھ کر وہ بیقراری سے رونے لگیں۔ بڑی دیر تک سب لوگ روتے رہے...... احسن ممتاز نے عابد سے کہا ''بھائی عابد جہاز ڈوبنے کے یہ معنی تو نہیں کہ اس کے تمام مسافر بھی ڈوب جائیں۔

عابد حسن۔ ہاں یہی میں سوچ رہا ہوں۔ کبھی یہ بھی خیال آتا ہے کہ ممکن ہے رضا علی اس جہاز سے نہ چلے ہوں۔

احسن ممتاز۔ ہاں۔ بہت ممکن ہے مگر افسوس ابا جان کے کان میں کسی نے یہ آواز نہیں ڈالی۔ شاید ان کے دل کو کچھ تقویت ہوتی۔

عابد حسن۔ ارے بھئی کیا کہوں وہ تو رائے صاحب کے ہاں سے ایسی حالت میں یہاں پہنچے کہ میرے پیروں تلے کی زمین نکل گئی بدحواس ہو گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر پڑھ کر ان کے دل کو صدمہ پہنچا ہے۔ اخبار تک میں نے نہیں دیکھا تھا میں تو بیٹھا دعوت کی فہرست بنا رہا تھا۔

احسن ممتاز پھر اخبار کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے۔ آخری صفحہ پر انہوں نے انگلی رکھ کر عابد حسن سے کہا۔ یہ دیکھئے اسی جہاز کے کچھ لوگ امریکہ کے جہاز نے بچائے ہیں۔ کچھ ٹرکی کے جہاز نے۔

شاہد۔ وہ لوگ ہندوستانی نہیں ہیں شاید انگریز ہیں۔

احسن ممتاز۔ بھئی ایسے موقعہ پر کیا شناخت ہو سکتی ہے ممکن ہے ہندوستانی بھی ہوں۔

عابد حسن۔ ہاں ابھی ناامید نہیں ہونا چاہیے خدا میں بڑی قدرت ہے۔

روشن آرا نے روتے ہوئے کہا۔ ہائے میرے ابا جان کو کسی نے ڈھارس بھی نہیں دلائی وہ تو بتاشہ کی طرح بیٹھ گئے۔

احسن نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ آپا آپ لوگوں نے تو کچھ دیر ان کی حالت دیکھ لی مجھے تو تمام عمر یہ افسوس رہے گا کہ ان کی زندگی میں نہیں پہنچ سکا۔

عابد حسن۔ خیر تم نے شکل تو دیکھ لی جنازہ میں شریک ہو گئے۔ مگر محسن غریب تو اس سے بھی محروم رہا۔

حسن آرا نے بڑی مشکل سے اپنی طبیعت پر قابو پا کر کہا۔ خیر نہیں ابا جان بھائی محسن کے متعلق کیا کہنا چاہتے تھے انکا نام لے کر زبان بند ہو گئی۔

عابد حسن نے احسن ممتاز کو تفصیل کے ساتھ تمام قصہ سنایا۔ افشاں کے نکاح کو سنکر انہوں نے کہا۔ الحمدللہ وہ اپنے یہ حسرت پوری کر گئے خدا نے ان کی بات اسیٹی نہ ہونے دی میرے دل کو اس وقت ایک قسم کا سکون ہو گیا۔...... کچھ دیر غمزدہ لوگ

روتے رہے باتیں کرتے رہیں...... بارہ بجے سب تھکے ہارے پڑ رہے دوسرے دن شام کو چار بجے کے بعد احسن ممتاز اور عابد حسن ایک تار ہاتھ میں لیے پریشان اندر آئے روشن آرا اور حسن آرا کو بلا کر عابد حسن نے کہا۔ یہ تار آیا ہے محسن کی طبیعت خراب ہے۔ افشاں کو فوراً بلایا ہے۔

روشن آرا۔ گھبراؤ نہیں یہ بتاؤ اب کیا کیا جائے۔

روشن آرا۔ تیری تو عقل جاتی رہی جو سب کی رائے ہو وہ کرو۔

احسن ممتاز۔ فرخ تو تار پڑھتے ہی کہ دیا کہ بہانہ سے لڑکی کو بلایا جا رہا ہے۔

حسن آرا۔ فرخ کو بکنے دو۔ لڑکی کو لے جا کر جانا چاہیے۔

عابد حسن۔ میری بھی یہی رائے ہے۔

روشن آرا۔ تار کہاں سے آیا ہے؟ کس نے دیا ہے۔

عابد حسن۔ بمبئی کے آیا ہے۔ کوئی ڈاکٹر کرمانی ہیں انہوں نے دیا ہے۔

روشن آرا نے اپنے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ وہ شاید پہلے سے بیمار ہیں علاج ہی واسطے گئے ہوئے ہیں۔ دیکھئے اب قسمت کیا دکھاتی ہے۔

احسن ممتاز۔ پہلے میں جاتا ہوں۔ ان کی حالت دیکھ کر تار دے دونگا۔ ممکن ہے فرخ ہی کا خیال ٹھیک ہو۔

روشن آرا۔ فرخ تو بیوقوفی کی باتیں کرتے ہیں۔ محسن اپنے گھر میں کہاں ہیں جو ان کو ابا جان کی بیماری یا ان کے انتقال کی خبر پہنچی ہو۔

احسن ممتاز۔ ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ یہاں سے تو ٹیلیفون بھی یونا ہی کیا اور تار بھی وہیں گئے۔

افشاں سے بھی کسی نے جا کر محسن کی بیماری کا کہہ دیا وہ پریشان ہو کر باہر نکل آئی۔ اس وقت اسے نہ فرخ کی موجودگی کا خیال تھا اور نہ اپنے چچا ابا اور پھوپھا کا وہ حسن آرا سے لپٹ گئی۔ اچھی پھوپھی جان مجھے نہ روکیے خدا کے واسطے جانے دیجیے

میں چچا ابا ہی کیساتھ واپس آجاؤں گی۔ مجھے ابا میاں کی صورت دکھا دیجئے۔

حسن آرا زار وقطار رونے لگیں۔ انہوں نے اسے گلے لگا کر کہا۔ میں نہیں روک رہی تم شوق سے جاؤ۔ خدا تمہیں ساتھ خوشی کے واپس لائے تم اپنے ابا میاں کو تندرست جا کر دیکھو۔

افشاں نے اپنے چچا کی طرف دیکھا۔ چچا ابا آپ مجھے چھوڑ کر نہ جایئے گا۔

احسن ممتاز نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ تم گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا اس وقت کی گاڑی تو ملے گی نہیں۔ رات کو چلنا۔

افشاں نے روشن آرا سے کہا۔ پھوپھی اماں آپ بھی کہہ دیجئے میں سب کی اجازت سے جاؤں گی۔

روشن آرا نے گلے لگا کر کہا۔ میری جان تمہیں وئی نہیں روک رہا خدا تمہارے باپ کو تمہارے سر پار قائم رکھے۔ میں تو خود ساتھ چلتی مگر سویم کی فاتحہ ہے۔ احسن تمہیں اپنے ساتھ مردانی گاڑی میں بٹھا کر لے جائیں گے گھبراؤ نہیں۔

فرخ برابر کے کمرہ میں ٹہل رہے تھے ان کو پکا یقین تھا کہ محسن کو سید صاحب کی خبر پہنچ گئی ہے اور انہوں نے لڑکی کو بہانہ سے بلایا ہے۔ واپس نہیں آنے دیں گے افشاں اپنے کمرہ میں چلی گئی تو فرخ نے آکر حسن آرا سے کہا۔ بھیج تو رہی ہو مگر واپسی کی امید نہ رکھاں۔

حسن آرا نے کہا۔ تمہیں اس معاملہ میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔

فرخ نے غصہ کے لہجہ میں کہا۔ کیا نانا ابا نے مرتے وقت اسی لئے نکاح کیا تھا۔

حسن آرا نے کہا۔ تمہارا خون سفید ہو گیا ہے۔ ماموں کی بیماری کا سنکر بھی تمہارے دل پر اثر نہیں ہوا میں تو چاہتی ہوں تم بھی جاؤ خدا جانے ان کا کیا حال ہے۔

فرخ نے کچھ سوچ کر کہا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ میں بھی جاؤں مگر آپ یہ سمجھ لیجئے ،

میرے ساتھ وہاں کسی نے بدسلوکی کی تو واپس نہیں آؤں گا۔ جہاں میرا دل چاہے گا چلا جاؤں گا۔

عابد حسن نے فرخ کو باہر لے جا کر سمجھایا۔ احسن ممتاز نے یقین دلایا کہ وہ بغیر لڑکی کے واپس نہیں آئیں گے تمام گھر میں ایک کھچڑی پک رہی تھی۔ گلشن اور زہت نے افشاں کا سامان رکھا وہ خود برابر رو رہی تھی۔ رات کو گاڑی سے احسن ممتاز مع افشاں کے بمبئی روانہ ہو گئے۔

پچسواں باب

رات کی تاریکی ختم ہوگئی صبح صادق کی دھندلی روشنی میں بمبئی کے ملوں اور کارخانوں کی چمنیاں اوران کا ہلکا ہلکا دھواں نظر آنے لگا۔ گویا سمندر دیوتا نے آنکھ کھولتے ہی لیٹے لیٹے درجنوں سگار منہ دبا لئے ہیں...... پشاور ایکسپرس پورے ڈیڑھ ہزار میل کی مسافت طے کر کے سرنگوں اور سمندر کی کھاڑیوں کو لانگتی پھلانگتی تھکی ہاری اپنی آخری منزل کے قریب پہنچ رہی ہے۔ نکلتے ہوئے سورج کی سرخ شعاعیں سمندر پر پڑ کر خطرہ کی جھنڈی کا کام دے رہی ہیں۔ انجن نے ایک خوفناک اور چیخی ہوئی آواز کے ساتھ اپنی رفتار دھیمی کر دی۔ وکٹوریہ اسٹیشن نے گاڑی کو اپنی آغوش محبت میں لے لیا۔ مسافروں میں بھی ایک ہلچل سی مچ گئی۔ اپنا اپنا سامان کھڑکیوں سے باہر پھینکنا شروع کر دیا...... احسن ممتاز دو راتوں کے جاگے نہایت خستہ حال افشاں کو لے کر گاڑی سے اترے۔ وہ حیران تھے کہ اتنے بڑے غدار شہر میں ڈاکٹر کرمانی کا پتہ کیسے چلے گا۔ گھبراہٹ میں تار بھی اپنے ساتھ لانا بھول گئے تھے...... سامان ان کے ساتھ زیادہ نہیں تھا۔ صرف وہ ہینڈ بیگ اور ایک ہولڈال تھا قلی کے سر پر رکھوا کر وہ ٹیکسی کے لئے آگے بڑھے...... پیچھے سے کسی فوجی سپاہی نے ان کا کندھا پکڑ کر پوچھا۔ کیا آپ دہلی سے آئے ہیں۔

احسن ممتاز نے پیچھے مڑ کر کہا۔ ہاں۔

کیا آپ کا نام عابد حسن ہے۔؟

"ہاں میں عابد حسن ہی کے ہاں سے آیا ہوں۔"

آپ کے واسطے ڈاکٹر کرمانی کی کار کھڑی ہے۔

احسن ممتاز نے پوچھا۔ ڈاکٹر صاحب کے ہاں کوئی صاحب پونا سے آئے ہوئے ہیں۔

یہ تو مجھے خبر نہیں۔

ارے بھئی کوئی مریض ان کے ہاں ہیں۔؟

ہسپتال میں تو بہت سے مریض اور زخمی ہیں گھر کی مجھے خبر نہیں۔

احسن ممتاز اس کے پیچھے چلنے لگے مگر ان کا دل نہیں مانا انہوں نے سوال کیا کیا تم ڈاکٹر صاحب کے ملازم نہیں ہو۔؟

جی نہیں میں ہسپتال کا ملازم ہوں دو روز سے ڈاکٹر صاحب نے میری ڈیوٹی لگادی تھی کہ جو گاڑی دہلی سے آئے اس کو جا کر دیکھوں۔

احسن ممتاز خاموش ہوگئے وہ افشاں کو لیکر پیچھے کی سیٹ پر کار میں بیٹھ گئے محسن کی طرف سے سخت پریشان تھے۔۔۔افشاں برابر روئے جارہی تھی اسکو تسلی دے رہے تھے۔اسٹیشن سے ڈاکٹر کی کوٹھی تک کا راستہ کاٹنا مشکل ہوگیا۔خدا خدا کر کے موٹر ایک کوٹھی کے احاطہ میں داخل ہوئے۔سامنے والے برآمدہ میں خود ڈاکٹر صاحب ٹہل رہے تھے۔نہایت خوشرو موٹے تازے شان وشوکت کے آدمی تھے۔موٹر کو دیکھتے ہی وہ آگے بڑھے اور ہاتھ کے اشارے سے دوسری طرف لے جانے کو کہا خود بھی تیز تیز قدموں سے موٹر کے پیچھے بڑھے احسن ممتاز باوجود مستقل مزاج ہونے کے اس وقت گھبرا گئے انہوں نے موٹر سے گردن نکال کر اونچی آواز سے پوچھا۔محسن کا کیا حال ہے؟ ڈاکٹر صاحب کے جواب دینے سے پہلے ہی موٹر پچھلے برآمدہ کے آگے رک گئی۔احسن ممتاز فوراً اتر پڑے ڈاکٹر صاحب نے ہنسکر کہا۔ آپ گھبرائیں نہیں محسن صاحب اب بہتر ہیں۔

احسن ممتاز کو یقین نہیں آیا۔انہوں نے خیال کیا ڈاکٹر صرف تسلی کے لئے ہنس رہے ہیں۔معاملہ کچھ اور ہے......

ڈاکٹر صاحب نے قریب آکر احسن ممتاز سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔یہ تو کہیے آپ محسن صاحب کی صاحبزادی کو بھی لائے ہیں یا نہیں؟

احسن ممتاز نے دھیمی آواز میں موٹر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔وہ بیٹھی ہے۔

ڈاکٹر صاحب۔ ارے تو پھر آپ اتارتے کیوں نہیں میں ہٹا جاتا ہوں۔ اسی سامنے والے کمرہ میں لے جایئے آپ ہی لوگوں کے واسطے ہے۔

احسن ممتاز۔ لڑکی تو اتر آئے گی آپ مہربانی کر کے محسن کا ٹھیک حال بتا دیجئے۔

ڈاکٹر صاحب۔ (ہنسکر) شاہد آپ کو میرے کہنے کا یقین نہیں آیا خدا کے فضل سے محسن صاحب اب اچھے ہیں۔ تھوڑی دیر میں آپ خود چل کر دیکھ لیجئے گا۔

مگر مجھے یہ بتا دیجئے کہ آپ ہی عابد حسن صاحب ہیں؟

احسن ممتاز۔ میں محسن کا بھائی ہوں احسن۔

ڈاکٹر صاحب نے گلے ملتے ہوئے کہا۔ بھائی صاحب آپ نے یہ اپنا کیا حال بنا لیا چل کر منہ ہاتھ دھویئے ناشتہ کے بعد محسن صاحب کو دیکھئے گا دماغ پر ذرا سا صدمہ پہنچا تھا۔ آپ لڑکی کو اتاریئے وہ غریب بھی پریشان ہو گی۔

ڈاکٹر صاحب خود موٹر کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ احسن ممتاز نے افشاں کو اتار کر کمرہ میں پہنچایا سامان بھی وہیں رکھوا دیا۔ پورے کمرہ میں قالین کا فرش تھا۔ ایک طرف مسہری بچھی تھی۔ چار گدے دار کرسیاں تھیں ایک چھوٹی میز پر ناشتہ کی ٹرے رکھی تھی اس پر نہایت خوبصورت کڑھا ہوا جالی کا کشتی پوش ڈھکا تھا۔ افشاں برقعہ اوڑھے سہمی ہوئی سی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کی عمر میں یہ پہلا موقعہ تھا وہ کبھی کسی غیر جگہ تنہا نہیں گئی تھی۔ وہ چاروں طرف گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ احسن ممتاز کو ڈاکٹر صاحب اپنے ساتھ دوسرے کمرے میں لے گئے تھے۔ افشاں سوچ رہی تھی کہ زرتاج بیگم اور گوہر و جواہر بھی یہیں ہوں گی۔ اس کو ان کے پاس کیوں نہیں پہنچایا گیا چند منٹ کی آواز آئی وہ حیران و پریشان بیٹھی رہی ...... اس کے کانوں میں کچھ کھٹ کھٹ کی آواز آئی اور دروازہ کے پردہ کو کچھ جنبش ہوئی۔ نیچے سے ایک لکڑی نظر آئی اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلنے والی تھی مگر فوراً ہی پردہ میں سے ڈاکٹر کرمانی کی بیوی کا خوبصورت اور مسکرات چہرہ دیکھ کو وہ ایک دم سے کھڑی

ہوگئی...... مسز کرمانی بیچاری لنگڑی تھیں وہ بیساکھی کی مدد سے چلتی پھرتی تھیں۔
افشاں ہکا بکا ان کی طرف دیکھتی رہی پھر اس کو کچھ خیال آیا اس نے اپنی دلی کے طریق سے ذرا گردن جھکا کر سلام کیا۔ مسز کرمانی نے آگے بڑھ کر پیار کیا اور ٹوٹی پھوٹی اردو میں پوچھا۔ آپ محسن صاحب کی لڑکی ہیں۔

افشاں نے کہا۔ جی ہاں۔

مسز کرمانی نے بڑی محبت سے اس کے منہ پر ہاتھ پھر کر کہا۔ میں مسز کرمانی ہوں اب آپ منہ دھو کر ناشتہ کر لیجئے۔

مسز کرمانی خود افشاں کا برقعہ اتارنے لگیں اور کہا۔ یہاں کوئی مرد نہیں آئے گا ڈاکٹر صاحب نے پہلے ہی مجھے بتا دیا ہے کہ آپ پردہ کرتی ہیں وہ محسن صاحب کے بڑے پیارے دوست ہیں۔

افشاں نے کچھ شرمندہ ہو کر کہا۔ جی نہیں میں پردہ کے خیال سے برقعہ نہیں اوڑھے تھی پریشانی میں اسی طرح بیٹھ گئی۔

مسز کرمانی نے کہا۔ پریشانی کی بات نہیں۔ محسن صاحب اب خطرے سے باہر ہیں۔

افشاں نے پوچھا۔ پونا سے امی جان وغیرہ بھی تو آئی ہوں گی۔

مسز کرمانی نے جواب دیا۔ ہاں۔ مسز محسن اور لڑکیاں آئی تھیں کل واپس چلی گئیں۔

افشاں پریشان ہوئی واپس کیوں چلی گئیں ابھی تو ابا جان بیمار ہیں یا نہیں؟

افشاں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے مگر کچھ پوچھنے کو دل نہیں چاہا...... مسز کرمانی لنگڑاتی ہوئی اس کو غسل خانہ میں لے کر گئیں۔ تولیہ۔ صابن۔ پانی۔ ہر چیز دکھا کر کمرہ میں آ گئیں نوکر سے چاء منگوائی۔ افشاں دو چلو منہ میں ڈال کر واپس آ گئی اس کو اپنے باپ کی طرف سے قطعی مایوسی تھی...... مسز کرمانی خود اس کے ساتھ ناشتہ

کرنے بیٹھیں۔ افشاں نے چاء کی پیالی اٹھائی تو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

مسز کرمانی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ آپ رو کیوں رہی ہیں۔؟

افشاں نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ مجھے ابا میاں کی طرف سے اطمینان نہیں ہے وہ ہسپتال میں ہیں یا گھر میں؟

مسز کرمانی نے خود اپنے رومال سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ آپ بالکل اطمینان رکھیے محسن صاحب گھر میں ہیں ابھی سو کر نہیں اٹھے ان کو کچھ دماغی تکلیف ہو گئی تھی دو دن بیہوش رہے لیکن اب کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ کل شام کو بھی میں ان کو دیکھنے گئی تھی۔

افشاں کو اطمینان ہوا۔ مسز کرمانی اس کو ہر چیز اپنے ہاتھ سے کھلا رہی تھیں......

دوسرے کمرہ مین احسن ممتاز اور ڈاکٹر صاحب میں گفتگو ہو رہی تھی۔ احسن ممتاز نے پوچھا کیا محسن ہسپتال میں ہیں۔؟

ڈاکٹر صاحب۔ نہیں گھر میں۔ ابھی ناشتہ کے بعد میں آپ کو ان کے کمرہ میں لے چلوں گا۔

احسن ممتاز۔ مسز محسن اور لڑکیاں بھی یہیں ہوں گی۔

ڈاکٹر صاحب۔ وہ لوگ کل ہی واپس پونا گئے ہیں۔

احسن ممتاز۔ (تعجب سے) واپس کیوں گئیں؟

ڈاکٹر صاحب۔ محسن صاحب کی طبیعت اب بہتر ہو گی تھی۔ مسز محسن میرے تار سے گھبرا کر آ گئی تھیں۔ گھر پر کوئی نہیں تھا اس وجہ سے چلی گئیں۔

احسن ممتاز۔ کیا محسن پونا سے بیمار ہو کر نہیں آئے تھے؟

ڈاکٹر صاحب۔ نہیں صاحب وہاں سے تو بالکل تندرست آئے تھے۔

احسن ممتاز۔ آخر بیمار کیوں ہوئے۔؟

ڈاکٹر صاحب۔ کیا بیماری بتاؤں بس ایک دم بے ہوش ہوگئے بلڈ پریشر بڑھ گیا۔

احسن ممتاز۔ کوئی وجہ بھی تھی؟

ڈاکٹر صاحب۔ (مسکرا کر) بھائی صاحب بعض وقت انسان بلا وجہ بھی بیمار پڑ جاتا ہے۔

احسن ممتاز نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ یہ آپ کا کہنا ٹھیک ہے مگر بعض وقت کسی اچانک حادثہ کے اثر سے جان تک چلی جاتی ہے۔ مالٹا جہاز کے ڈوبنے کی خبر سے میرے والد کا ہارٹ فیل ہوگیا؟

ڈاکٹر نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔؟

احسن ممتاز۔ اس واقعہ کو آج چوتھا روز ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے چاء کی پیالی ہاتھ سے رکھتے ہوئے کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بخدا اسوقت دل کو سخت صدمہ پہنچا۔ کیا آپ کا کوئی عزیز اس جہاز سے آ رہا تھا۔

احسن ممتاز نے رضا علی کا مختصر حال بتایا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ اسی خبر سے تو محسن صاحب بیہوش ہوئے تھے۔ وہ ایک ہفتہ سے میرے ہاں آئے ہوئے تھے مگر انہوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ رضا علی سے ان کا کچھ رشتہ ہے صرف اپنا دوست اور بچپن کا ساتھی کہا تھا افسوس آپ لوگوں کے اوپر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اس پر طرہ یہ ہوا کہ محسن صاحب کی بیماری کی اطلاع پہنچی۔ مگر میں مجبور تھا۔ بیہوشی کی حالت سے لے کر اس وقت تک ان کی زبان پر اپنی لڑکی کا نام ہے کل سے دہلی سے آنے والی ہر گاڑی پر موٹر بھجوا رہے ہیں۔"

احسن ممتاز۔ پرسوں شام آپ کا تار ملا والد صاحب کے انتقال کو دوسرا ہی دن تھا۔ گھر والوں کی حالت کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔ میں تنہا آنے کو تیار ہوا تھا مگر لڑکی اپنے باپ کی بیماری کا سنکر بیقرار ہوگئی میری دونوں بہنوں میں سے ایک

بھی اس کے ساتھ اس وقت نہیں آ سکتی تھیں۔مجبوراً تنہا لانا پڑا۔

ڈاکٹر صاحب۔اس موقعہ پر وہاں سے کون آ سکتا تھا۔آپ کا بھی..... آنا کیا ہے۔خیر آپ اطمینان رکھیے محسن صاحب کا میں صرف معالج ہی نہیں ہوں بلکہ وہ میرے بہت عزیز دوست بھی ہیں۔میری بیوی لڑکی کا پورا خیال رکھیں گی۔

اس کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی..... اچھا ذرا میں پہلے محسن صاحب کو جا کر دیکھوں پھر آپ کو لے چلوں گا۔محسن اس وقت تکیوں کے سہارے بیٹھے تھے۔ڈاکٹر صاحب آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر گئے۔محسن نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔اس وقت بھی کوئی نہیں آیا؟"

ڈاکٹر صاحب نے ان کے پلنگ کے قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا ذرا نبض تو دکھایئے۔؟

محسن نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔پہلے میرے سوال کا جواب دیجئے۔

ڈاکٹر۔(قہقہہ لگا کر) آپ تو بالکل بچہ بن گئے۔آج صبح سے میں نے آپ کو دیکھا نہیں اپنا اطمینان کرلوں پھر آپ کے سوال کا جواب دوں۔

محسن۔شاید کوئی آیا نہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے نبض دیکھتے ہوئے کہا۔یہ خیال آپ نے کیسے قائم کرلیا کوئی نہیں آیا۔

محسن خاموش رہے..... ڈاکٹر نے دل وغیرہ دیکھ کر کہا آپ کے بھائی صاحب آئے ہیں۔

محسن نے کہا۔میں پہلے جانتا تھا افشاں کو کوئی نہیں آنے دے گا۔

اب آپ مجھے دلیجانے کی اجازت دیجئے۔

ڈاکٹر نے کہا۔میری طرف سے اجازت ہے اگر آپ کی ہمت ہو تو شوق سے جایئے۔

محسن۔ میں اب بالکل اچھا ہوں۔ ذرا بھائی صاحب کو بلایئے کہاں ہیں؟

ڈاکٹر اٹھ کر دوسرے کمرہ میں گئے اور احسن ممتاز کو سمجھاتے ہوئے لے کر آئے۔

محسن نے اپنے بھائی کی صورت دیکھتے ہی متعجب ہو کر کہا۔ ارے بھائی جان۔ آپ کیسے آ گئے تار تو بھائی صاحب کو دلی دیا گیا تھا۔

بھائی کی صورت دیکھتے ہی احسن ممتاز کا دل بھر آیا تھا مگر انہوں نے اس وقت بہت ضبط سے کام لیا اور محسن سے گلے ملتے ہوئے کہا۔ میں آج کل چھٹی پر ہوں

محسن نے کوئی جواب نہیں دیا ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

احسن ممتاز کے بھی آنسو نکلے آئے انہوں نے محسن کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

رونے کی کیا بات ہے خدا کا شکر ہے اب تم اچھے ہو۔

محسن نے جواب دیا۔ بھائی جان آپ کو کچھ خبر نہیں میرے واسطے رونے ہی کی بات ہے میں آپ کو بتاؤں گا نہیں۔ کوئی فائدہ نہیں۔ آپ کو بھی سنکر رنج ہو گا۔ میری بدقسمتی پر آنسو بہائیں گے۔ سب روئیں گے۔ ابا جان بھی روئیں گے۔ اماں زندہ ہوتیں تو وہ بھی روتیں مگر سب سے زیادہ کون روئے گا۔ افشاں روئیگی وہ مجھ سے بھی زیادہ روئے گی۔ میں نہیں بتاؤں گا۔

احسن ممتاز کو ڈاکٹر نے سمجھایا دیا تھا کہ محسن بعض وقت مہمل کی باتیں کرنے لگتے ہیں جواب نہیں دینا چاہیے اس وجہ سے خاموش بیٹھے رہے۔ محسن نے کہا۔ بھائی جان افشاں کو ساتھ نہ لا کر آپ نے میرے اوپر ظلم کیا ہے۔

ڈاکٹر نے کہا۔ آپ اپنے بھائی سے مل کر تو عورتوں کی طرح رونے لگے لڑکی کو دیکھ کر نہ معلوم کیا کرتے۔

محسن۔ ڈاکٹر ابھی تک آپکے کوئی اولاد نہیں ہوئی ہے دل سخت ہے۔

ڈاکٹر۔ (قہقہہ لگا کر) اگر اولاد والے ایسے ہی بزدل ہوتے ہیں تو ایسی اولاد کو میرا دور سے سلام ہے۔

احسن ممتاز۔اگر افشاں کو دیکھنے کو تمہار بہت دل چاہ رہا ہے تو آ جائے گی۔

محسن ۔وہ میں جانتا ہوں وہ بغیر حسن آرا کے نہیں آ سکتی اور ان کا آنا ناممکن ہے۔ شاید آپ لوگوں کو کچھ خبر نہیں۔

احسن ۔ہم لوگوں کو سب کچھ معلوم ہے مگر خدا میں بڑی قدرت ہے اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

محسن ۔آپ بھی وہی ڈاکٹر والا جملہ دہرا رہے ہیں۔شاید انہوں نے سبق پڑھا دیا ہے۔

ڈاکٹر۔مسکرا کر۔آپ میری طرف سے بدگمان ہیں۔

محسن ۔نہیں ڈاکٹر دنیا کا یہی دستور ہے۔اپنے آپ کو دھوکہ دینے کیواسطے انسان کے پاس بہت سے الفاظ ہیں۔خدا کی قدرت ۔خدا کی شان ۔خدا کی رحمت ۔مگر خدا نے جو ایک مرتبہ لکھ دیا ہے اس کو مٹاتا نہیں ۔وہ میرا اور آپ کا انتظام نہیں ہے۔ ایک بہت مضبوط اور مستحکم اور بہت قوی۔ڈاکٹر نے بیچ میں دخل دیتے ہوئے کہا۔ محسن صاحب دیکھیے میری اور آپکی اس بات پر لڑائی ہوتی ہے آپ بولتے ہوں تو بولے چلے جاتے ہیں تھوڑی دیر آرام کیجیے...... دیکھیے میں آپکی لڑکی کو بلائے دیتا ہوں وہ برابر والے کمرہ میں بیٹھی ہیں۔

محسن نے اپنے بھائی کی طرف دیکھ کر کہا۔کیا افشاں آپ کے ساتھ آئی ہے۔

احسن ممتاز۔ایسا ہو سکتا تھا کہ تمہاری بیماری کا سنکر وہ نہ آتی۔

محسن ۔ابا جان نے اس کو اکیلا کیسے بھیج دیا اماں جان زندہ ہوتیں تو کبھی نہ آنے دیتیں خود ساتھ آتیں۔

ڈاکٹر۔میں دوسرے کمرہ میں چلا جاتا ہوں آپ لڑکی سے ملیے ۔مگر مہربانی کر کے کوئی بات ایسی نہ کیجئے گا کہ وہ گھبرائے۔

محسن ۔آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے وہ آپ سے پردہ نہیں کریگی۔

احسن ممتاز۔ ڈاکٹر صاحب آپ یہیں رہیے جیسا میں چچا ویسے آپ

ڈاکٹر صاحب نے دوسرے کمرہ میں سے نرس کو بھیجا افشاں کو بلوایا احسن ممتاز نے افشاں سے کہا۔ ڈاکٹر صاحب کو آداب عرض کرو۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ جیتی رہو بیٹی خوش رہو۔

محسن ٹکٹکی باندھے خاموش لڑکی کو دیکھتے رہے۔ احسن ممتاز نے اس کو پلنگ پر بٹھا دیا۔ محسن نے افشاں کے سر پر ہاتھ پھر کر کہا۔ میں خیال کرتا تھا۔ تمہیں ایک خوشخبری سناؤں گا ایک ایسی چیز تم کو لے جا کر دوں گا جو دنیا میں انسان کو سب سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ مگر میرا خیال، خیال ہی رہا اور تم جیسی تھیں ویسی ہی رہیں۔ محسن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ افشاں گھبرا کر اپنے چچا کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ خود حیران تھے۔ ڈاکٹر خاموش بیٹھے تھے۔ محسن نے اپنے منہ پر رومال رکھ لیا تھا کوئی دس منٹ اسی حال میں گزر گئے انہوں نے خود ہی اپنے آنسو پونچھ کر احسن ممتاز سے کہا۔ آپ لوگ یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ میں پاگل ہو گیا یا مجھے ہذیان ہو رہا ہے۔ لیکن حقیقت کچھ اور ہے میرا دماغ بالکل صحیح ہے۔ خدا اس دغا باز کو جہنم میں بدترین جگہ دے جس نے میری زندگی برباد کی۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ محسن کوئی دوسری گفتگو کیجئے لڑکی اتنا لمبا سفر کر کے آئی ہے نہ اس کا حال پوچھا نہ بھائی صاحب سے کچھ باتیں کر رہے ہیں فضول ادھر ادھر کی شکائتیں کر رہے ہیں۔ اگر آپ کیساتھ کسی نے کچھ زیادتی کی ہے تو بھول جائیے دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

محسن۔ بہت اچھا۔ ڈاکٹر تمہارا حکم بجا لاؤں گا...... دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

احسن ممتاز۔ کیا زرتاج بیگم کل ہی گئی ہیں؟

محسن۔ ہاں وہ چلی گئیں انہیں اپنا گھر بار زیادہ عزیز ہے۔ خیر آپ یہ تو بتائیے فرخ اور حسن آرا کا کیا حال ہے۔

احسن ممتاز نے دھیمی آواز سے کہا۔ سب ٹھیک ہیں۔

محسن ۔ ابا جان کو تو رضا علی کا بہت صدمہ ہوا ہوگا۔

احسن ۔۔ وہ تو ظاہر ہے۔ مگر میں تو ابھی نا امید نہیں ہوں۔

محسن ۔ میں بھی اپنے دل کو دھوکہ دینے کی کوشش کرونگا۔ افشاں کو دیکھ کر میرے دل کو تسکین ہوگئی۔ دل چاہتا ہے۔ یہ اب میرے پاس رہے۔

احسن ممتاز۔ تم شوق سے اپنے پاس رکھو کوئی نہیں روک سکتا۔

محسن ۔ اگر اماں زندہ ہوتیں تو میں ضرور ایسا کرتا۔ مگر ابا جان کو ناراض کرنا نہیں چاہتا۔

اس کے علاوہ حسن آرا کا دل بھی نہیں توڑوں گا۔ آپ سمجھ گئے۔ حسن آرا کو اب رنج پہنچانا نہیں چاہتا۔ مجھے فرخ اور حسن آرا سے خاص ہمدردی ہے۔ ذرا میری حالت درست ہو جائے تو خود افشاں لو لے کر دلی جاؤں گا اور ابا جان سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگو گا۔

افشاں خاموش گردن جھکائے اپنے باپ کی گفتگو سن رہی تھی مگر دادا کا نام آتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے...... محسن نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

تم کیوں رو رہی ہو، میری طبیعت اب بالکل اچھی ہے ایک ہفتہ کے اندر اندر تمہیں دلی لے کر چلوں گا۔

ڈاکٹر ۔ اب لڑکی کو دوسرے کمرہ میں جانے دیجیے دو راتوں کی جاگی ہوئی ہے۔ کچھ دیر آرام کرے۔

محسن ۔ ہاں اب دوپہر کو بلاؤں گا۔ آپ مسز کرمانی کو سمجھا دیجیے گا یہ پہلی مرتبہ گھر سے تنہا آئی ہے اس کا خیال رکھیں۔

ڈاکٹر محسن صاحب وہ تو آج اس قدر خوش ہیں کہ اس سے پہلے میں نے ان کو

کبھی ایسا خوش نہیں دیکھا۔ کہہ رہی تھی کہ معلوم ہوتا ہے میرا کوئی عزیز آ گیا۔

ڈاکٹر صاحب نے نرس کو بلا کر افشاں کو واپس بھیج دیا۔ احسن ممتاز بیٹھے رہے۔

ڈاکٹر صاحب بھی ہسپتال چلے گئے۔

چھبیسواں باب

تاج بیگم کو پونا پہنچ کر سید صاحب کے انتقال کا تار ملا۔ وہ وقت اور موقعہ کی نزاکت کا خیال کر کے مع لڑکیوں کے دلی روانہ ہو گئیں...... یہاں پہنچیں تو سید صاحب کے انتقال کو چار روز ہوئے تھے۔ اکثر رشتہ دار بیویاں موجود تھیں۔ گھر والے ان کو دیکھ کر بہت متحیر ہوئے لیکن محسن کی خیریت معلوم کر کے سب کو اطمینان ہوا...... زرتاج بیگم افشاں کے بمبئی جانے کا سنکر دنگ رہ گئی ان کو اس بات کا گمان بھی نہیں تھا کہ ایسی حالت میں یہ لوگ لڑکی کو بھیجدیں گے...... فرخ کو اب پختہ یقین ہو گیا کہ محسن نے لڑکی کو بہانہ سے بلایا تھا وہ اندر ہی اندر خون کا سا گھونٹ پی کر رہ گئے۔ ماں کے آگے بھی غصہ کا اظہار نہیں کیا۔ قہر درویش بر جان درویش۔ نصیرہ بیگم نے زرتاج بیگم کو افشاں کے نکاح کا قصہ خوب نمک مرچ لگا کر سنایا وہ روشن آرا اور حسن آرا سے کھنچی کھنچی رہیں مگر بات کرنے کا موقع نہیں تھا دو روز خاموشی کے گذر گئے۔ گوہر کو بھی بہت رنج ہوا۔ انہوں نے اپنی ماں سے واپس چلنے کا تقاضا کیا۔ تیسرے دن زرتاج بیگم نے عابد حسن وغیرہ کی موجودگی میں روشن آرا سے پوچھا۔ باجی جان میں نے سنا ہے افشاں کا نکاح کر دیا گیا۔

روشن آرا (سرد آہ بھر کر) ہاں۔ اس وقت ابا جان کی یہی خوشی تھی۔

زرتاج بیگم۔ (تعجب سے) آپ لوگوں نے محسن کی عدم موجودگی میں یہ کام کیسے ہونے دیا۔

روشن آرا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے کہا۔ ہمیں تو اسوقت کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ ان کی صورت بیٹھے دیکھ رہے تھے۔

زرتاج بیگم نے عابد حسن سے کہا۔ بھائی صاحب آپ تو جہاندیدہ آدمی ہیں کم از کم آپ کو تو یہ خیال کرنا چاہیئے تھا کہ محسن اس رشتہ کے خلاف ہیں۔

عابد حسن۔ میں بھی انسان ہوں حیوان نہیں۔

زرتاج بیگم۔ مگر یہ کام تو انسانیت کے خلاف کیا گیا۔

عابد کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے کہا۔ معاف کیجئے گا زرتاج بیگم۔ آپ تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہیں آپ کے ہاں ہمارے ہاں آخر وقت تک اپنے بڑوں کا حکم بجالانا اپنا فرض سمجھا جاتا ہے۔

زرتاج بیگم نے بھی ذرا تیز لہجہ سے کہا۔ بزرگوں کا حکم بجالانے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ بلا سوچے سمجھے اپنے بچوں کے گلے پر چھری پھیر دی جائے۔

عابد حسن۔ حکم کی تعمیل آنکھ بند کر کے کی جاتی ہے۔

زرتاج بیگم (بگڑ کر) آپ کا اپنا معاملہ ہوتا تو آپ کو اختیار تھا پرائی اولاد پر کسی کا کیا زور تھا۔

عابد حسن۔ لک (تیز لہجہ میں) کیا آپ سمجھتی ہیں میرے مشورہ سے نکاح ہوا ہے

زرتاج بیگم۔ یہ تو آپ ہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ مگر گھر میں سب سے بڑے اسوقت آپ ہی تھے اگر چاہتے تو معاملہ کو ٹال سکتے تھے۔

عابد حسن کو سخت غصہ آیا مگر وہ زرتاج بیگم کے منہ نہ لگنا چاہتے تھے انہوں نے بہت ضبط سے کام لے کر کہا۔ اس کا جواب چار آدمیوں کی گواہی میں محسن کو دوں گا۔

روشن آرا۔ (زرتاج بیگم سے) سانپ نکل گیا ہے اب لکیر کو پیٹنے سے کیا فائدہ۔ محسن کو سمجھایا بجھایا جائے گا ایسے نالائق نہیں ہیں کہ باپ کی آخری خوشی کے خلف کچھ بولیں۔ دیکھو انگوٹھی پہنانے کے بعد سے وہ خاموش ہی ہیں لڑکی کو بھی لے جانے کا اصرار نہیں کیا۔

زرتاج بیگم۔ آپ انکی خاموشی کو رضامندی سمجھتی ہیں۔ یہ خبر نہیں کہ جب سے لڑکی کو انگوٹھی پہنائی گئی ہے ان کی دماغی حالت خراب ہوگئی ہے۔ چھ مہینے سے پریکٹس آدھی بھی نہیں رہی اور رضا علی کی آمد کی خبر سے تو بالکل پاگل کر دیا۔

عابد حسن۔ رضا علی غریب نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟

زرتاج بیگم۔ یہ تو مجھے خبر نہیں مگر وہ رضا علی کا نام تک سننا گوارا نہیں کرتے۔

حسن آرا ابھی تک خاموش بیٹھی تھیں اپنے میاں کے متعلق اسی قسم کی گفتگو سن کر انہیں بہت رنج ہوا انہوں نے آہستہ سے کہا۔ اب تو جہاز ڈوبنے کی خوشخبری سن لی ہوگی۔

زرتاج بیگم۔ بڑی خوشخبری تو اب لڑکی کے نکاح کی سنیں گے میرا تو خیال ہے ان کا بھی ہارٹ فیل ہو جائے گا۔

روشن آرا۔ خدا نہ کرے۔ ان کے دشمنوں کا ہارٹ فیل ہو۔ تمہیں ایسے الفاظ کہتے ہوئے وہم بھی نہیں آیا۔

زرتاج بیگم۔ میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے آپ لوگوں نے تو اسکا سبب پیدا کر دیا۔

عابد حسن۔ رضا علی کی آمد کا خط آنے پر یہاں سے فوراً ہی محسن کو تار دیا گیا تھا اگر ان کو ایسی ہی نفرت تھی تو اپنی لڑکی کو لے جاتے۔ انہوں نے یہاں فرخ اور حسن آرا کو مبارکباد کے تار کیوں دیئے اور ماموں جان کے خط میں خوشی کا اظہار کیوں کیا۔

زرتاج بیگم۔ وہ تو خیر ابا جان کو خوش کرنے کے لیے ایسا کیا تھا۔

عابد حسن۔ آپ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر اس وقت مجھے بڑی خوشی ہوئی خدا کا شکر ہے محسن کو اتنا تو خیال ہے۔ اطمینان رکھئے وہ اپنے باپ کی روح کو ناخوش نہیں کریں گے۔

زرتاج بیگم۔ روحوں کی پرستش آپ ہی لوگوں کے ہاں ہوتی ہے۔ محسن اس حماقت میں نہیں پڑیں گے۔

عابد حسن۔ خدا محسن کے حال پر رحم کرے اور انہیں راہ راست پر لائے۔

روشن آرا۔ (بگڑ کر) اب تو محسن اسی حماقت میں پڑیں گے۔ نکاح ہو گیا ہے وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

زرتاج بیگم۔ (غصہ سے) آپ اس خیال میں نہ رہیے محسن کا حق ہے کہ وہ اس نکاح کو فسخ کرادیں۔

حسن آرا۔بس اس ذکر کو چھوڑیے جوان کا دل چاہے کریں۔

عابد حسن ۔ (غصہ کے لہجہ میں) ہم لوگوں کی موجودگی میں محسن کی کیا مجال ہے کہ وہ نکاح کے معاملہ میں زبان بھی ہلا سکیں۔

زرتاج بیگم۔ (تیز آواز سے) یہ بھی کوئی آپ لوگوں کی زبردستی ہے ایک تو ناجائز طریق سے نکاح پڑھوایا ہے۔اب محسن کو دبانا چاہتے ہو۔

عابد حسن ۔ناجائز طریق کیسا؟ کیا نابالغ بچوں کا نکاح ہوا ہے؟

زرتاج بیگم۔بابالغ ہوتے تو کوئی بات نہیں تھی لوگوں کے ہاں اکثر ایسا ہوتا ہے۔ مگر آپ لوگوں نے تو دونوں کی مرضی کے خلاف جبراً کیا ہے۔کوئی باپ یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ اس کی لڑکی کی مرضی کے خلاف دوسرے لوگ نکاح کردیں۔

عابد حسن ۔یہ آپ سے کس نے کہا کہ مرضی نہیں ہے؟

زرتاج بیگم۔ میں اس گفتگو کو طول دینا نہیں چاہتی مگر آپ لوگ کان کھول کر سنیں یہ نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔

فرخ کمرہ کے دروازے سے کان لگائے زرتاج بیگم کی گفتگو سن رہے تھے ان کے آخری فقرہ پر وہ غصہ سے کانپ گئے نہ عابد حسن کا خیال کیا اور نہ زرتاج بیگم کا وہ فوراً دروازہ کھول کر کمرہ میں آ گئے۔حسن آرا فرخ کی صورت دیکھتے ہی سمجھ گئیں کہ انہوں نے سب باتیں سن لی ہیں۔

عابد نے فرخ سے پوچھا۔کیوں بھئی کیا باہر میرے پاس کوئی آیا تھا۔؟

فرخ۔میں باہر نہیں تھا برابر کے کمرہ میں تھا۔

عابد حسن ۔تم کیوں آئے ہو؟

فرخ۔میں امی جان سے کچھ کہنے آیا ہوں۔

حسن آرا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔تم چلو میں آ رہی ہوں۔

فرخ۔آ پکو کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں سب کی موجودگی میں بات کرنا چاہتا ہوں حسن آرا سخت پریشان ہوئیں کہ اب دیکھو کیا شگوفہ کھلتا ہے...... فرخ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ عابد حسن بھی گھبرائے کہ کہیں غصہ میں کوئی بے جا لفظ نہ بول اٹھے انہوں نے ہاتھ پکڑ کر کہا۔تم باہر چلو جو کہنا ہے میری معرفت کہلوادو۔

فرخ۔ مجھے کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے۔صرف چھوٹے ماموں جان کو اطمینان دلانا چاہتا ہوں۔

زرتاج بیگم۔ (عابد حسن سے) آپ کہنے کیوں نہیں دیتے۔جس کا معاملہ ہے اس کے منہ پر مہر لگاتے ہیں۔اسی طرح تو زبردستی نکاح کر دیا۔

عابد حسن نے فرخ کا ہاتھ چھوڑ کر کہا۔کہو میاں جو تمہارا دل چاہے۔

حسن آرا کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے دل دھڑکنے لگا کہیں خدانخواستہ طلاق کا لفظ منہ سے نہ نکال دے...... فرخ نے زرتاج بیگم کو مخاطب ہو کر کہا۔

''میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میرا نکاح کسی نے زبردستی نہیں کیا۔نانا اب نے دونوں کی مرضی معلوم کر لی تھی۔کوئی ہزار کوشش کرے میری زندگی میں اس نکاح کو فسخ نہیں کرا سکتا...... مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے ماموں جان کو رنج پہنچے یا ان کی جان خطرہ میں پڑ جائے۔لہذا میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ بہت جلد ہی افشاں بیوہ ہو جائے۔

عابد حسن ڈانٹ کر کہا۔کیا بیہودہ بکتے ہو۔

فرخ۔آپ بیہودگی نہ سمجھئے بغیر اس کے چارہ نہیں۔میں ابھی جا کر درخواست دیتا ہوں فوراً کمیشن مل جائیگا ورنہ سپاہیوں میں بھرتی ہو جاؤں گا۔

حسن آرا بالکل خاموش رہیں۔روشن آرا نے کہا۔بیٹا کیوں اپنی ماں کا خون خشک کرتا ہے۔وہ پہلے ہی مردہ سے بدتر ہو رہی ہیں۔فرخ بغیر جواب دیئے باہر

چلے گئے۔ عابد حسن بھی فرخ کے پیچھے گئے۔۔۔۔۔ زرتاج بیگم نے کہا۔ ''ہم تو خود ہی سمجھتے تھے کہ نکاح کے بعد کوئی نہ کوئی گل کھلے گا میرے کہنے کا تو بہانہ مل گیا یہ تجویز پہلے سے ہوگی آپا نصیرہ بیچاری تو ہمیشہ کہتی تھیں۔

روشن آرا اس وقت فرخ کی طرف سے پریشانی تھی انہوں نے زرتاج بیگم کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔۔۔۔۔ حسن آرا کے ہاتھوں کے طوطے اڑے ہوئے تھے وہ سکتہ کے عالم میں بیٹھی تھیں۔ لڑکیاں بھی موجود تھیں۔۔۔۔۔ جواہر کا منہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ بار بار اپنی دونوں پھوپھیوں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔۔۔۔۔ کچھ دیر خاموشی رہی زرتاج بیگم نے کھڑے ہوتے ہوئے لڑکیوں سے کہا۔ مجھے آپا نصیرہ کیہاں جانا ہے تم بھی تیار ہو جاؤ۔

جواہر نے بگڑ کر کہا۔ آپ جائیے مجھے ان کے ہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا ان سے محفوظ رکھے اس وقت انہیں کی وجہ سے یہ آفت آئی۔

زرتاج بیگم نے کہا۔ اچھا تم چل کر اسباب ٹھیک کرو۔ میں رات کی گاڑی سے جاؤں گی۔

جواہر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اب چاہے آپ رات کو جائیں چاہے ابھی جو ہونا تھا وہ ہو گیا اس تو بہتر تھا کہ یہاں نہ آتیں۔

زرتاج بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گوہر بالکل خاموش تھیں۔۔۔۔۔ روشن آرا وغیرہ کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ جواہر کو اپنی ماں کی باتیں ناگوار گزریں۔۔۔۔۔ شام زرتاج بیگم نصیرہ بیگم کے ہاں رہیں رات کو گاڑی سے پونا روانہ ہو گئیں گھر میں سے ان کو کسی نے نہیں روکا۔

عابد حسن نے فرخ کو سمجھا بجھا کر درخواست دینے سے روک دیا تھا۔۔۔۔۔ دوسرے دن احسن ممتاز کا خط بمبئی سے حسن آرا کے نام آیا فرخ کو پہلے ہی انتظار تھا وہ ہر ڈاک خود لیا کرتے تھے۔ یہ خط انہوں نے باہر ہی کھول کر پڑھا اور اپنی جیب میں

رکھ لیا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ لفافہ اپنی ماں کے آگے ڈال دیا...... عابد حسن نے پوچھا۔ کس کا خط ہے۔

فرخ۔ بڑے ماموں جان کا۔

عابد حسن ۔ کیا لکھا ہے۔

فرخ نے لفافہ انکو دیتے ہوئے کہا۔ آپ پڑھ لیجئے۔

روشن آرا نے اپنے میاں سے کہا۔ پکڑ کر پڑھنا کیا لکھتے ہیں۔

عابد حسن نے خط پڑھان شروع کیا احسن ممتاز نے پہلے تو محسن کی طرف سے اطمینان دلایا تھا پھر لکھا تھا۔ میں نے ابا جان اور لڑکی کے نکاح کا ذکر ابھی محسن سے نہیں کیا ہے مجھے ان کی دماغی حالت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ گو ڈاکٹر اطمینان دلاتے ہیں لیکن کم از کم ایک مہینہ لگ گا۔ میری رائے میں تم فرخ کو لے کر کچھ دن کے لیے یہاں آ جاؤ ابھی لڑکی کو ان سے جدا کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے اس کے آنے سے وہ بہت خوش ہو گئے ہیں۔ میں زیادہ ٹھہر نہیں سکتا......لڑکی ابھی یہیں رہے گی ڈاکٹر صاحب اور ان کی بیوی اس کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ مگر میرے جانے کے بعد وہ گھبرائے گی ہے

عابد حسن نے خط پڑھ کر حسن آرا سے کہا۔ میرے خیال میں تم فرخ کو لے کر ضرور چلی جاؤن واقعی افشاں گھبرائے گی۔

فرخ۔ اب تو وہ تمام عمر گھبرائے گی۔

عابد حسن ۔تم کیسی لغو باتیں کر رہے ہو۔

فرخ۔لغو نہیں ہیں مجھے جو کچھ کرنا تھا کر چکا۔

عابد حسن ۔(اونچی آواز سے) کیا کر چکے۔؟

فرخ۔ درخواست بھیجدی اور ایسے ذریعہ سے بھیجی ہے کہ کمیشن ملنا یقینی ہے۔

عابد حسن ۔(گھبرا کر) کب بھیجی؟

فرخ۔(مسکرا کر) وہیں سے چلا آرہا ہوں۔

عابد حسن۔میرے سمجھانے کا تمہارے اوپر کچھ اثر نہ ہوا۔

فرخ۔کل تو میں نے آپ کا حکم مان لیا تھا مگر اس خط کو پڑھ کر اپنے حق میں یہی بہتر سمجھا۔

عابد حسن۔خط تو کوئی ایسی بات نہیں لکھی تمہیں بلایا ہے۔

فرخ۔وہ تو بڑے ماموں جان کی رائے ہے۔

عابد حسن۔تمہیں ضرور جانا چاہیے۔

فرخ۔خالو ابا آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ان کو میری شکل سے نفرت ہے۔ میرے باپ سے عداوت۔میں وہاں جا کر انکا ہارٹ فیل کراؤں گا۔

عابد حسن۔بھئی وہ تو زرتاج بیگم اپنی طرف سے کہہ رہی تھی۔

فرخ۔زرتاج بیگم پر کیا منحصر ہے ہر شخص اپنی ہی طرف سے کہہ رہا ہے۔میں کس کس کا یقین کروں۔

عابد حسن۔تم ابھی بالکل خاموش رہو وقتیکہ محسن خود کوئی فیصلہ نہ کریں۔

فرخ محسن؟محسن کا فیصلہ مجھے معلوم ہے۔

عابد حسن۔تمہیں کچھ نہیں معلوم تم بالکل بیوقوف ہو۔محسن کبھی اپنے باپ کی بات کی سبکی نہیں کریں گے۔

فرخ۔میں بھی اپنے باپ کی اونچی رکھوں گا۔

عابد حسن۔میں اس قسم کی مہمل باتوں کا مطلب نہیں سمجھ سکتا۔

فرخ۔جب محسن ممتاز صاحب میرے باپ کا نام بھی سننا گوارا نہیں کرتے تھے تو ظاہر ہے میرے باپ کی بھی یہی حالت ہو گی۔میں کیسے اپنے باپ کے دشمن کی صورت دیکھ سکتا ہوں۔

عابد حسن۔بس بھئی تمہارے ساتھ مغز مارنا حماقت ہے تم بہت ضدی ہو۔

روشن آرا۔ بیٹا تمہیں اختیار ہے ساری عمر محسن کی شکل نہ دیکھنا۔

فرخ۔ اگر صرف ماموں ہی کا رشتہ ہوتا تو میں ایسا کر سکتا تھا مگر اس نئے رشتے نے تو مجھے جکڑ کر رکھ دیا ہے۔

عابد حسن۔ جکڑنے کی تو کوئی بات نہیں ہے نئے رشتہ کو توڑ دو جان سے زیادہ نہیں ہے۔

فرخ۔ (غصہ سے) خالو ابا آپ بھی یہی کہنے لگے۔ خدا کی قسم جان دیدوں گا مگر اپنے مخالفوں کی خوشی کبھی پوری نہیں ہونے دوں گا۔

عابد حسن نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ خیر خدا تمہارے ماں کے حال پر رحم کرے ماموں جان کے مرتے ہی شیرازہ بکھر گیا...... فرخ بھی اپنے کمرے میں چلے گئے...... عابد حسن نے رائے صاحب اور مرزا صاحب سے تمام کیفیت بیان کی دونوں پریشان ہو گئے اسی وقت دوڑے ہوئے آئے۔ اپنے حتی المقدور فرخ کو سب ہی نے سمجھایا۔ مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا...... فرخ نے شروع میں ملٹری اسکول میں تعلیم پائی تھی ان کے کئی ساتھی چھاؤنی میں موجود تھے گھر والوں کو خبر بھی نہیں ہوئی تیسرے روز فرخ چپکے سے کہیں چل دیے...... عابد حسن اور رائے صاحب نے اپنی سی بہت کوشش کی مگر فرخ کا پتہ نہیں چلا۔ حسن آرا نے باپ اور شوہر کے صدمے نہایت خاموشی سے برداشت کیے تھے مگر فرخ کے غائب ہونے سے ان کا پیانہ صبر ٹوٹ گیا وہ دن رات مچھلی کی طرح تڑپتی تھیں...... احسن ممتاز نے بمبئی سے واپس آ کر خبر سنی تو ششدہ رہ گئے۔ وہ یہ سوچ کر آئے تھے کہ فوراً حسن آرا اور فرخ کو محسن کے پاس بھیجدیں گے۔ مگر یہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ حسن آرا سے کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں تھی وہ حیران تھے کہ کیا کرنا چاہیے۔ حسن آرا کا یہ بہانہ کیا کہ وہ عدت میں ہیں چار مہینے تک گھر سے باہر نہیں جا سکتیں۔

گھر میں بھی احسن ممتاز نے ہر شخص کو ہدایت کر دی کہ فرخ کے فوج میں جانیکے

ذکر کسی سے نہ کیا جائے۔ یہ معاملہ راز میں رہے۔ گھر والوں نے خود ہی اس بات کو چھپائے رکھا تھا احسن ممتاز دو ہفتہ کی چھٹی لیکر آئے تھے وہ اپنے گھر والوں کو دلی چھوڑ گئے...... حسن آرا کو دو ہفتہ بے قراری کی حالت میں گزر گئے وہ فرخ کی طرف سے بالکل مایوس ہوگئی تھیں وہ اس کی زندگی کیطرف سے ناامید تھیں ان کو یقین تھا کہ اس نے خودکشی کرلی...... ایک دن بے خبری میں فرخ کا خط اپنی ماں کے نام آیا انہوں نے کمیشن ملنے کی امید لکھی تھی اور اپنا راولپنڈی جانا لکھ دیا تھا۔ اپنی ماں کو بہت کچھ تسلی تشفی لکھی تھی۔ اس خط کے آنے حسن آرا کی ڈھارس بندھ گئی وہ پہلہ سی بیقراری نہیں رہی اب ان کا مشغلہ تھا کہ دن رات وظیفے اور ختم پڑھتی تھی۔ جمعرات کو اپنے باپ اور میاں کی فاتحہ کے لیے اپنے ہاتھ سے انواع واقسام کے کھانے پکا کر مسجدوں میں بھیجتی تھیں...... افشاں کے لیے وہ اب بھی بے چین رہتی تھیں اکثر اپنے ہاتھ سے اس کو خط لکھتی تھیں وہ بھی روزانہ اپنی پھوپھی کو خط بھیجتی تھی۔

ستائیسواں باب

زرتاج بیگم دلی سیدھی اپنے والد آغا سرمحمد جان کے پاس گئیں...... آغا صاحب کی چھوٹی لڑکی مہرتاج یہیں رہتی تھیں۔ محسن کی بیماری کی اطلاع یہاں پہلے پہنچ چکی تھی۔ زرتاج بیگم کے یکایک آجانے سے آغا صاحب پریشان ہوئے۔ لیکن واقعات معلوم کرکے ان کو اطمینان ہوا۔ سید صاحب کے انتقال اور افشاں کے نکاح کا سنکروہ کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ زرتاج بیگم نے اپنی تمام گفتگو جو دلی میں کی تھی اپنے باپ کو سنائی آغا صاحب نے بہت افسوس کیا اور کہا "بیٹا اس وقت تم بہت نادانی کر گئیں یہ موقعہ ایسا تھا کہ تم ہر بات میں ان لوگوں کی تائید کرتیں۔ بظاہر لڑکی کے نکاح پر اظہار مسرت کرتیں بعد میں اس کو اپنے پاس لاکر رکھتیں۔ سید صاحب کے انتقال سے تمہارے میدان صاف ہوگیا تھا۔ ایک زریں موقعہ ہاتھ آ گیا تھا۔

زرتاج بیگم۔ ابو جان میدان کہاں صاف ہوگیا نکاح تو کر دیا گیا تھا اسی وجہ سے مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس قسم کی باتیں کیں کہ فرخ غصہ میں کوئی حرت ایسی کر بیٹھے مجھے محسن کی طرف سے بھی اطمینان نہیں ہے وہ اپنی ماں کیمرنے کے بعد سے لڑکی کے متعلق کچھ ذکر نہیں آنے دیتے تھے۔ اب تو معاملہ ہی دوسرا ہے باپ کے خلاف کچھ نہ کرتے علاوہ اس کے بہنوئی بھی نہیں رہے تھے بہن اور بھانجے کا بھی خیال ہوتا۔

آغا صاحب۔ یہ سب صحیح ہے لیکن لڑکی کے اوپر اچھا اثر نہیں پڑے گا اس وقت ضرورت اس چیز کی تھی کہ اس کی دلجوئی کرتیں محسن کا دل ہاتھ میں لیتیں بجائے یہاں آنے کے تم بمبئی جاتیں محسن بیمار ہیں تمہارا فرض تھا کہ انکی خدمت کرتیں۔

زرتاج بیگم۔ ابو جان آپ کو نہیں معلوم محسن مجھے دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتے تھے ہر وقت افشاں ہی افشاں پکارتے تھے۔ میں اپنی توہین کبھی گوارا نہیں کر سکتی۔

آغا صاحب۔ (مسکرا کر) بیٹا تم افشاں کے برابر نہیں ہو۔ اس کی ماں کہلاتی ہو۔

تمہیں برا نہیں ماننا چاہیے تھا۔ کیا بجائے افشاں کے محسن گوہر۔ یا جواہر کو پکارتے تو تمہیں ایسا ہی ناگوار گذرتا؟

زرتاج بیگم۔ ابو جان میں کسی کی نازبرداری نہیں کر سکتی وہ محسن ہوں یا ان کے گھر والے۔

آغا صاحب۔ مگر بیٹا اس وقت تو اپنی غرض تھی نہ محسن کے اوپر احسان تھا نہ انکے گھر والوں پر۔ تمہاری اپنی لڑکی اور لڑکے کا معاملہ تھا۔

زرتاج بیگم۔ میں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ یہ نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔

آغا صاحب۔ جہاں تک میرا خیال ہے محسن اور افشاں دونو سید صاحب کے کئے ہوئے نکاح کے پابند رہیں گے۔ تم بیچ میں بری بنوگی۔ تمہیں چاہیے تھا۔ پہلے مجھ سے مشورہ کر لیتیں بعد میں کوئی بات منہ سے نکالتیں۔

زرتاج بیگم۔ ابو جان میں تو ابا جان کے انتقال کی اطلاع پاتے ہی چلی گئی مجھے یہ خبر تھوڑی تھی کہ لڑکی کا نکاح کر دیا ہوگا۔ فرخ کی پھوپھی بیچاری نے تمام حال سنایا وہ ایکشہر میں بیٹھی رہیں ان تک کو خبر نہیں کی مجھے آنا کہ نہیں۔

آغا صاحب۔ ان لوگوں کی کچھ مصلحت ہوگی۔ تمہیں غصہ کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر ایمان سے دیکھا جائے تو انہوں نے جو کچھ کیا حق بجانب کیا یہ بات دوسری ہے کہ تم یا میں اپنے مطلب کے لیے انہیں چالاک یا چالباز کہیں۔

زرتاج بیگم۔ اگر ہمارا مطلب نہ ہوتا تب بھی لڑکی کے ساتھ زیادتی کی گئی بغیر اس کی مرضی کے نکاح کر دیا۔

آغا صاحب۔ مجھے تو اس میں بھی شبہ ہے تم نے جو کچھ سنا ہے فرخ کی پھوپھی کی زبانی سنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ اپنی لڑکی کی شادی فرخ سے کرنا چاہتی تھی۔

آغا صاحب کی چھوٹی مہر تاج نے کہا۔ ابو جان وہ تو جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ آپ کوئی رائے بتائیے۔ کیونکہ ابھی صرف نکاح ہوا ہے اور سنا ہے لڑکا فوج میں جا رہا

ہے۔

آغا صاحب۔ بیٹا۔ ابھی خاموش رہنا چاہیے اگر درحقیقت فرخ کو فوج میں لے لیا گیا اور لڑائی پر بھجوا دیا گیا تو کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ فی الحال ضرورت اس چیز کی ہے کہ گوہر کے لیے بہت جلد کوئی انتظام کرو۔ مجھے شروع سے فرخ والی بات نا پسند تھی میں نے پہلے بھی زرتاج کو سمجھایا تھا لڑکی ابھی کمسن ہے اور بیوقوف ہے دنیا میں عزت شہرت جو کچھ ہے دولت سے ہے فرخ والدہ کے پاس نہ کوئی جائداد ہے نہ روپیہ اور لڑکے میں بھی کوئی خاص قابلیت نہیں ہے۔ مجھے تو اس وقت اس کے نکاح کا سنکر ایک قسم کا اطمینان ہو گیا ہے میں بہت ششں پنج میں تھا کہ لڑکی کی آئندہ زندگی کس طرح گذرے گی۔

مہر تاج۔ جی ہاں یہ بات میری بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی میں نے کئی مرتبہ باجی کو لکھا تھا کہ گوہر کو میرے پاس بھیجدیں تا کہ میں اس کو سمجھاؤں۔

آغا صاحب۔ نہیں بیٹا یہ سمجھانے بجھانے کا طریقہ غلط ہے بلکہ لڑکے کے واسطے ایسا موحول پیدا کرنا چاہیے کہ خود بخود ادھر کا خیال چھوڑ دے۔ فرخ سے زیادہ شریر اس سے زیادہ مذاق اور اس سے زیدہ خوبصورت لڑکا تلاش کرو اس سے راہ رسم بڑھاؤ مگر یہ یاد رکھنا کہ وہ دولت مند بھی ہو۔ میں اب زیادہ تعلیم کا قائل نہیں رہا۔ زندگی کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ دنیا میں روپیہ نہیں اسے کوئی نہیں پوچھتا خواہ وہ عالی نسب ہو یا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہی وہ۔ ہم نے اپنی اولاد لے لیے یہی دیکھا خدا کا شکر ہے تینوں کی زندگی عیش و آرام سے گزر رہی ہے۔ شہریار کے باپ اگر زندہ ہوتے تو زرتاج کی لاکھوں کی جائداد ہوتی اور اب بھی یہ محسن کی محتاج نہیں ہیں تمہارے لیے بھی ہم نے یہی دیکھا لوگوں نے بہت کہا ابراہم جی۔ نو مسلم ہیں زیادہ تعلیم بھی نہیں معمولی بی اے ہیں۔ مگر ہم نے ان چیزوں کی پرواہ نہیں کی۔ صرف ان کی دولت دیکھی سلطان کے واسطے بھی مالدار گھر کی اکلوتی لڑکی تلاش کی۔ بیٹا اپنی زندگی بھی عیش

سے گزرتی ہے اور آئندہ اولاد فائدہ اٹھاتی ہے..... لڑکی کے واسطے تو بہت ضروری ہے مگر لڑکے کے لیے بھی دولت مند لڑکی دیکھنی چاہیے گو اپنے آپ کو کوئی فائدہ نہیں لیکن اپنی اولاد خوشحال نظر آتی ہے میری ذاتی رائے تو یہ تھی کہ شہریار کی شادی اس کے چچا کی بیٹی سے ہوتی کیونکہ ان کی صرف دو لڑکیاں ہیں اور کئی لاکھ کی جائداد۔

زرتاج بیگم۔ نہیں ابو جان وہ لڑکیاں تو بہت ہی معمول صورت کی ہیں شہریار کبھی پسند نہیں کرے گا۔

مہرتاج۔ شہریار کے لیے تو افشاں ہی مناسب ہے کاش کوئی صورت ایسی نکل آئے کہ اب بھی اسی سے ہو جائے۔ میں نے تو جس وقت اس کو بمبی کے ہسپتال میں دیکھا تھا معا میرے دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ اگر یہ بچی زندہ رہی تو ہم اپنے شہریار سے کریں گے۔

آغا صاحب۔ ہاں لڑکی حسین ہے اگر صرف حسن ہی دیکھا جائے تو اس سے بہتر لڑکی نہیں مل سکتی۔ مگر اب اس خیال کو چھوڑ دینا چاہیے۔

زرتاج بیگم۔ ابو جان اب تو مجھے ضد آگئی ہے جہاں تک ہو سکے گا میں اس نکاح کو ختم کرا کے رہوں گی۔

آغا صاحب۔ مگر بیٹا تمہیں فائدہ کیا ہو گا میری رائے قطعی نہیں۔ ہاں یہ بات دوسری ہے کہ محسن خود نکاح کی مخالفت کریں یا لڑکی یہ رشتہ ناپسند کرے اس صورت میں تمہارا فرض ہے کہ اس کی مدد کرو۔ اپنی طرف سے کوشش کرنی سراسر غلطی ہے۔

زرتاج بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اپنی بہن کو لے کر دوسرے کمرہ میں چلی گئیں اور وہاں جا کر دونوں بہنوں میں رازدارانہ گفتگو ہونے لگی۔ مہرتاج بیگم نے کہا۔ باجی حقیقت ہیں آپ اس خیال کو چھوڑیئے ابو جان کی مرضی نہیں ہے وہ ناراض ہوں گے۔

زرتاج بیگم۔ ابو جان کی تو ضعیفی ہے۔ میں دیکھتی ہوں وہ اب جھگڑے فساد سے

گھبرانےلگے ہیں انہیں محسن کی طرف سے اندیشہ مگر میں ان کی رتی برابر پرواہ نہیں کرتی۔

مہر تاج۔باجی میری سمجھ میں نہیں آتا نکاح تو ہوگیا ہے آپ کیا کرسکتی ہیں۔

زرتاج۔جس طرح اسے ان لوگوں نے نکاح کردیا ہے اسی طرح ہر شخص کرسکتا ہے مجھے تو آپا نصیرہ نے یہی مشورہ دیا ہے کہ افشاں کو شہریار کے ہاں لے جا کر نکاح وداع سب کچھ کردوں۔بعد میں کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔

مہر تاج۔توبہ کیجئے۔باجی آپ تو قصے کہانیوں کی سی باتیں کرنے لگیں۔وہ لڑکی کوئی جانور ہے۔اس کی زبان نہیں۔

زرتاج۔کیا جانور۔زبردستی سب کچھ ہوسکتا ہے اس لڑکی پر کیا منحصر ہے۔

مہر تاج۔جاجی۔یہ تو سراسر ظلم ہے، میں تو خیال سے کانپ جاتی ہوں۔آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔

زرتاج بیگم۔پہلے میں بھی تمہاری طرح تھی۔مگر اب میرا دل سخت ہوگیا ہے۔مجھے دلی والوں سے انتقام لینا ہے جو سلوک اس مرتبہ لوگوں نے میرے ساتھ کیا ہے وہ میرا ہی دل جانتا ہے۔عابد حسن کی گفتگو دل پر نقش ہے۔بہت بڑھ چڑھ کر بول رہے تھے اور روشن آرا بیگم کو بھی اپنے بھائی کی سعادت مندی پر پورا اطمینان تھا۔

مہر تاج۔فرض کیجئے۔محسن بھائی کو فرخ کے ساتھ نکاح پر کوئی اعتراض نہ ہو اور وہ بھی اپنی رضامندی ظاہر کردیں تو آپ کے اور ان کے تعلقات خواہ مخواہ خراب ہوں

زرتاج بیگم۔اس کو تو مجھے پرواہ نہیں رہی۔میں بھی اب محسن سے اکتا گئی ہوں اپنے لڑکے کے پاس جا کر رہوں گی۔

مہر تاج۔(ہنسکر) باجی۔ابھی یہ بھی تو خبر نہیں کہ شہریار کو یہ رشتہ پسند آئے گا یا نہیں۔

زرتاج بیگم۔ شہریار ضرور راضی ہو جائیگا۔ وہ افشاں کو ہمیشہ سے پسند کرتا ہے مجھ سے برابر کہا کرتا تھا کہ اس کو اپنے پاس کیوں نہیں رکھتیں۔ اور اگر پسند نہ بھی کریگا تو کیا ہے اپنی مرضی کی دوسری شادی کر لیگا۔ میں نے تو اس کام کا تہیہ کر لیا ہے۔

مہر تاج۔ آپ جانیں مجھے تو ایسی باتوں سے خفقان ہونے لگتا ہے۔

زرتاج بیگم۔ تم ہمیشہ کی ڈرپوک ہو۔ دیکھنا کس قدر آسانی سے یہ کام ہو جائے گا ہاں یہ خیال رکھنا کہ سلطان کو اور ان کے گھر والوں کو خبر نہ ہونے پائے۔ اول تو وہ اپنی لڑکی سے شہریار کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرے سلطان محسن کے بہت دوست ہیں ان کی موافقت میں بولتے ہیں

مہر تاج۔ سلطان بھائی اور بھابی جان کے خیالات مجھے معلوم ہیں اور خود زمرد تاج سے میری بات چیت ہو چکی ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ میں بھی زمرد تاج کو افشاں پر ترجیح دیتی ہوں۔ مگر اس وقت آپ کو دلی والوں سے بحث ہو گئی ہے۔

زرتاج بیگم۔ ہاں اس وقت تو میں ان لوگوں کو نیچا دکھانا چاہتی ہوں تم کو شہریار کے ہاں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔

مہر تاج۔ دل تو میرا نہیں چاہتا نہ میں اس قسم کے مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں گی۔ مگر آپ میری بہن ہیں اپنے دل کو سخت کر کے آپ کا ساتھ دوں گی۔

زرتاج بیگم۔ (مسکرا کر) خیر میں تمہاری مشکور ہوں تم نے بہن کا رشتہ کا خیال کیا۔

مہر تاج۔ باجی ابو جان کی اس رائے سے مجھے اتفاق ہے کہ گوہر کی شادی کی جلدی کرنی چاہیے تا کہ اس کے خیالات تبدیل ہوں۔

زرتاج بیگم۔ میں خود اسی فکر میں ہوں۔ مجھے فرخ بالکل پسند نہیں۔ نہ تو اعلیٰ تعلیم ہی ہے نہ روپیہ پیسہ۔ گوہر کی وجہ سے میں مجبور ہوں چھ مہینے سے اس نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔

مہر تاج۔ گوہر ابھی بالکل بچہ ہے میں اس کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی دو ایک لڑکے میری نظر میں ہیں۔

زرتاج بیگم۔ فی الحال تو میں گوہر کو تمہارے ساتھ نہیں بھیج سکتی۔ ذرا محسن ٹھیک ہو کر واپس آجائیں۔ اس کے بعد کوئی رائے قائم کروں گی۔

مہر تاج۔ جو آپ مناسب سمجھیں۔

زرتاج بیگم۔ اب میں سوچ رہی ہوں عینی سے افشاں کو اپنے ہاں لے آؤں وہ دلی نہ جانے پائے۔

مہر تاج۔ کیا محسن بھائی اپنے والد کے انتقال کی خبر سنکر دلی نہیں جائیں گے۔

زرتاج بیگم۔ مجھے ابھی کچھ خبر نہیں احسن بھائی نے اپنے باپ کے مرنے کی اطلاع محسن کو دی یا نہیں۔ میرا جہاں تک خیال ہے ڈاکٹر نے منع کر دیا ہوگا۔

مہر تاج۔ باجی، آپکو بمبئی جانا چاہیے۔ آپ نے بڑی غلطی کی محسن بھائی کو اس حال میں چھوڑ کر چلی آئیں۔

زرتاج بیگم۔ ایک لحاظ سے اس وقت میرا چلے آنا اچھا ہی ہوا نہ گھر آتیں نہ ابا جان کے انتقال کی خبر ملتی دلی سے جو اطلاعیں محسن کو دی گئی تھیں وہ گھر پر پہنچی تھے۔

مہر تاج۔ ہاں تو اچھا ہوا کہ آپ اس موقعہ پر دلی چلی گئیں بڑا دردناک واقعہ ہوا میرا تو خیال کئے سے کلیجہ پھٹتا ہے گھر والوں کی کیا حالت ہوگی۔

زرتاج بیگم۔ ہاں واقعہ تو بہت المناک ہوا میرے اوپر بہت اثر تھا خصوصاً حسن آرا کی حالت دیکھ کر جو عورت بیس برس سے ایک آس پر بیٹھی ہو اور دفعتاً اس کی تمام امیدیں ختم ہو جائے تم خود اندازہ کر سکتی ہو۔ مگر میں نے ایسا صبر و ضبط کسی میں نہیں دیکھا بڑی بہن تو مجھ سے مل کر چیخیں مار مار کر رو رہی تھیں اور وہ اپنی عادت کے مطابق ہم لوگوں کے واسطے شربت بنانے کھڑی ہو گئیں۔

مہر تاج۔ (آنکھوں میں آنسو بھر کر) شاباش ہے باجی آپ کو ایسی مظلوم کے اوپر

آپ ایک اور ظلم ڈھا رہی ہیں۔ میں اب آپ کا ساتھ ہرگز نہیں دوں گی۔ واہ وا کیا خدا کو منہ دکھانا نہیں ہے۔

زرتاج بیگم۔ (مسکرا کر) بس تمہارا دل موم ہو گیا۔ اور یہ افشاں پر جو زبردستی ہوئی ہے اسکی مرضی کے خلاف نکاح کر دیا گیا۔

مہر تاج۔ بس رہنے دیجیے باجی آپ کو تو وہ ایک نصیرہ بیگم مل گئی ہیں۔ میں سمجھتی ہوں۔ وہ بڑی ہی حضرت ہیں۔

زرتاج بیگم نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اچھا خیر اس وقت اس ذکر کو چھوڑو۔

اٹھائیسواں باب

انبالہ چھاؤنی کے اسٹیشن پر اس وقت ایک ہنگامہ بر پا ہے ایک پلیٹ فارم پر راولپنڈی سے آئی ہوئی ملٹری اسپیشل کھڑی ہے فوجی افسران اور سپاہی کھڑکیوں سے آدھے آدھے نکلے ہوئے ہیں...... بہت سے سپاہی اپنے کندھوں پر تھیلے لادے گاڑی سے اتر رہے ہیں بہت سے سوار ہو رہے ہیں۔ کچھ لوگ بستر جمائے لمبے سفر کے لیے خاموش پڑے سگریٹ پی رہے ہیں۔ کچھ نوجوان آفیسرز اپنی ٹریننگ ختم کر کے چھٹی پر گھر جا رہے ہیں کسی کے چہرہ پر مایوسی ہے۔ کوئی مسکرا رہا ہے......

فرخ بھی گاڑی کا دروازہ کھولے اپنے کسی ساتھی سے باتیں کر رہے ہیں سامنیوالے پلیٹ فارم پر فرنٹیر میل آ کر ٹھہرا۔ فرخ نے اپنے ساتھی سے کہا۔ میں تو اب چھٹی پر ہوں کیوں نہ اجازت لے کر فرنٹیر میل سے چلا جاؤں یہ سسری اسپیشل تو چار گھنٹے یہاں کھڑی رہے گی۔

دوسرے شخص نے جواب دیا۔ ہاں ترکیب اچھی ہے جلدی کرو۔

فرخ نے دوسرے ڈبہ میں جا کر کچھ بات چیت کی اور وہاں سے خوش خوش اپنی گاڑی میں آئے پہلے اپنا بستر نیچے پھینکا پھر سوٹ کیس اتار ہینڈ بیک ہاتھ میں لے کر اپنے ساتھیوں سے خدا حافظ کر کے گاڑی سے کود پڑے سامان قلی کے سر پر رکھوا کر فرنٹیر میل کی طرف دوڑے پہنچتے پہنچتے گاڑی نے سیٹی دے دی۔ فرخ لپک کر ایک سیکنڈ کلاس میں چڑھ گئے جلدی جلدی اپنا سامان قلی سے لیا۔ گاڑی چل پڑی۔ اس ڈبہ کی چاروں سیٹیں رزرو تھیں مسافر نہایت اطمینان سے کمبل تانے پڑے تھے فرخ کے سوار ہونے کی شاید کسی کو خبر نہ ہوئی۔ گاڑی کی رفتار تیز ہو گئی۔

فرخ نے چاروں طرف نگاہیں دوڑا کر کہا۔ اے یہاں تو شہر خموشاں ہے کیا زمین کے نیچے جگہ نہیں ملی بھی ابھی اتنا مہنگا نہیں ہوا ہے۔

مسافروں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فرخ نے ایک مسافر کا پاؤں ہلاتے ہوئے

کہا۔تھوڑی سی جگہ درکار ہے۔

یہ صاحب بھی کوئی خوش طبع حاضر جواب تھے پڑے پڑے بولے۔جناب ابھی ایسا وقت نہیں آیا کہ ایک ایک قبر میں دو دو مردے دفن ہوں۔

فرخ نے کہا۔قبلہ میں آپ کے ساتھ دفن ہونے نہیں آیا۔اٹھ کر بیٹھئے سوال و جواب کا وقت ہے۔

ان صاحب نے پڑے پڑے کہا۔میں منکر نکیر دو سنے ہیں کیا اس زمانہ میں خدائی قانون بھی بدل گئے؟

فرخ نے جواب دیا۔آپ کو خبر نہیں آدھے فرشتے لڑائی پر گئے ہوئے ہیں۔آج کل دو کا کام ایک ہی انجام دیتا ہے۔

ارے صاحب آپ کوئی اناڑی معلوم ہوتے ہیں وہ جو پہلے لوگ پڑے ہیں آپ کو ان کے پاس جانا چاہیے۔

فرخ نے دوسری سیٹ والے مسافر کو پاؤں ہلاتے ہوئے کہا۔اٹھئے بندہ پرور بہت آرام کر چکے۔

مسافر نے بگڑ کر کہا۔آپ دیکھتے نہیں اس ڈبہ کی سیٹیں رزرو ڈ ہیں یہاں بیٹھنے کا آپ کو کوئی حق نہیں کسی اور گاڑی میں جائیے۔

فرخ نے کہا۔اٹھئے اگر آپ سے ہو سکے تو چلتی گاڑی سے نیچے گرا دیجئے گا۔ آپ بغیر دیکھے اس گاڑی میں کیوں آگئے۔

فرخ نے جواب دیا۔آپ لوگوں کی انسانیت کا امتحان لینے آیا تھا۔ اب معلوم ہوگا ایسے ہی خود غرض لوگوں کی وجہ سے دنیا تباہ ہو رہی ہے کوئی پوری سیٹ پر دراز ہے کوئی کھڑا ہوا اپنی ٹانگیں توڑ رہا ہے۔

آپ کو کس نے منع کیا تھا آپ نے بھی سیٹ رزرو ڈ کرالی ہوتی۔

فرخ نے کہا۔خیر میں بھی دیکھوں گا۔آپ چاروں میں سے کون سو سکتا ہے ذرا

کسی نے آنکھ جھپکائی اور میں نے اس کی فاختہ اڑائی۔

پہلے صاحب نے ایک زبردست قہقہہ لگایا.....اوپر والی سیٹ سے تیسرے صاحب نے کمبل منہ پر سے ہٹا کر فرخ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اچھا۔ آپ خاکی وردی والے ہیں اسی وجہ سے شتر بے مہار بنے پھر رہے ہیں۔

فرخ نے کہا۔ اور شاید جناب ریگستانی علاقہ سے تشریف لا رہے ہیں ساربانی کا پیشہ کرتے ہوں گے مہار لگانے کی کوشش کیجئے۔

ہمیں کیا ضرورت ہے چند روز میں ہٹلر ایسی مہار لگائے گا کہ جنبش بھی نہیں کر سکو گے۔

فرخ نے کہا۔ جناب ہٹلر کے خیال میں نہ رہیے گا چپل کا جوتا بغیر آواز کا ہے۔

پہلے صاحب بولے۔ آئے جناب یہاں آ کر بیٹھے جوتے ڈنڈے گاڑی میں نہیں چلتے۔

چوتھے صاحب نے اپنی رضائی میں سے منہ نکال کر آنکھیں ملتے ہوئے فرخ سے پوچھا۔ یہ کونسا اسٹیشن تھا جی۔

فرخ نے کہا۔ اب تو گزر گیا کیا آپ کو اترنا تھا؟ گاڑی واپس لے چلوں؟

نہیں جی گاڑی واپس لے جانے کی ضرورت نہیں ہم نے تو ویسے ہی نام پوچھا تھا۔

فرخ۔ دس روپے لائیے۔

کس بات کے۔

فرخ۔ اسٹیشن کا نام بتانے کی فیس۔

ہمیں نام پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

فرخ۔ مگر ہم لوگ اس کام پر تعینات ہوئے ہیں کہ مسافروں کو اسٹیشن کے نام بتائیں بڑے اسٹیشن کے دس روپیہ چھوٹے کے پانچ روپیہ۔

یہ قاعدہ کب سے نکلا ہم نے تو بہت سفر کیے ہیں۔

فرخ۔ یہ حکم آج ہی سے جاری ہوا ہے۔ اگر آپ کے پاس روپیہ نہیں ہیں تو یہ مالٹوں کو ٹوکرا دے دیجیے۔

اجی صاحب یہ باتیں کسی اور سے کرنا مالٹوں کو ہاتھ لگایا تو اچھا نہ ہوگا۔

فرخ۔ مالٹے تو بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں اجازت ہو تو ایک چکھ لوں

اوپر والے صاحب نے گردن جھکا کر نیچے کی برتھ والے سے کہا۔ شاہ صاحب ذرا خیال رکھیے گا۔ یہ ہمارے مالٹوں کو ہاتھ نہ لگائیں۔

شاہ صاحب نے کہا۔ سیٹھ جی اپنا ٹوکرا اوپر رکھ لیجیے۔

فرخ نے ایک مالٹا چھیلتے ہوئے کہا۔ ہم تو آپ کے واسطے اپنی جان قربان کرنے جا رہے ہیں آپ دو چار مالٹوں پر جان دیئے دیتے ہیں

سیٹھ جی مٹاپے کی وجہ سے جلدی اتر نہیں سکتے تھے انہوں نے شاہ صاحب سے کہا۔ مہربان کر کے ذرا میرے مالٹوں کا ٹوکرا اوپر دے دیجیے۔ یہ لوگ تو ڈاکو ہوتے ہیں۔

فرخ نے منہ بنا کر کھڑکی میں سے باہر پھینکتے ہوئے کہا۔ سیٹھ جی یہ مٹرے ہوئے مالٹے آپ کہاں سے خریدے تھے پیسے پھینک دیے۔

سیٹھ جی۔ (غصہ سے) کھائے چلے جا رہے ہیں اور سڑے ہوئے کہہ رہے ہیں۔ لائیے میرا ٹوکرا اوپر دیجیے۔

فرخ۔ (مسکرا کر) ایک اور چکھ کر دیکھتا ہوں ہوں اگر واقعی سب خراب ہوئے تو ٹوکرے کا ٹوکرا باہر پھینک دوں گا۔ جاڑے کا موسم ہے نمونیہ پھیلا ہوا ہے کھٹے مالٹے کھا کر آپ کے بال بچے بیمار نہ پڑ جائیں۔

سیٹھ جی نے نیچے اترنے کی کوشش کی۔ فرخ نے کہا۔ آیئے آیئے مالٹوں کی رکھوالی کیجیے میں آپ کے بستر پر تھوڑی دیر آرام کروں۔

سیٹھ جی نے اپنا پاؤں اوپر کھینچتے ہوئے دوسرے لوگوں سے کہا۔ آپ لوگ بڑے

پڑے دیکھ رہے ہیں ہماری چیز برباد ہو رہی ہے۔

فرخ۔ دیکھئے ایسا ہی خود غرضی کا زمانہ ہے ہماری ٹانگوں کا تو کسی نے خیال نہیں کیا آپ کی حقے کی چیز کس شمار میں ہے۔

شاہ صاحب نے فرخ سے کہا۔ آیئے جناب میں نے آپ کے واسطے جگہ کردی ہے۔

فرخ نے شاہ صاحب کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ بہت بہت شکریہ آپ کو میری وجہ سے بڑی تکلیف ہوئی۔

شاہ صاحب، نہیں صاحب تکلیف کی کیا بات ہے سفر میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

فرخ۔ مگر آپ کی سیٹ تو رزورڈ ہے۔ مجھے یہاں بیٹھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ آپ کا احسان ہے۔

شاہ صاحب۔ نہیں صاحب مجھے تو بہت افسوس ہے کہ آپ کو اتنی دیر کھڑا رہنا پڑا مگر آپ کی باتوں کا لطف لے رہا تھا۔ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔

فرخ۔ گھر۔

شاہ صاحب۔ آپ کا گھر کہاں ہے۔

فرخ۔ جہاں میں پیدا ہوا تھا۔

شاہ صاحب۔ آپ کہاں پیدا ہوئے۔

فرخ۔ اپنے گھر میں۔

شاہ صاحب۔ کس شہر میں ہے آپ کا گھر؟

سیٹھ جی اوپر والی سیٹ پر سے بولے۔ شاہ صاحب آپ کیوں اپنا دماغ خراب کر رہے ہیں ان کے ڈھنگ تو یہ بتاتے ہیں کہ اپنے گھر کر فوج میں بھرتی ہو گئے ہیں۔

فرخ۔ واہ سیٹھ صاحب واہ آپ تو اڑتی چڑیا کے پر گنتے والے ہیں۔ اب مجھے اگلے اسٹیشن پر یہاں سے کسی اور ڈبہ میں بیٹھنا پڑے گا ورنہ آپ پکڑوا دیں گے۔

شاہ صاحب۔ (سنجیدگی سے) میاں صاحبزادہ آپ نے بتایا نہیں کس شہر میں آپ کا مکان ہے۔

فرخ نے بھی سنجیدہ ہو کر آہستہ سے کہا۔ قبلہ میں میرٹھ رہا ہوں۔

شاہ صاحب۔ میرٹھ میں کس محلّہ میں آپ رہتے ہیں؟

فرخ۔ اللہ میاں کے پچھواڑے۔

شاہ صاحب نے مسکرا کر کہا۔ خیر جانے دیجئے لیجئے سگریٹ پی لیجئے۔

فرخ۔ شاہ صاحب گستاخی معاف آپ فقیر قسم کے آدمی ہو کر سگریٹ پیتے بھی ہیں اور دوسرں کو بھی پلاتے ہیں۔

شاہ صاحب۔ (مسکرا کر) میں فقیری کی شان تو پینے پلانے ہی میں ہے۔

فرخ۔ (ہنسکر) اچھا تو آپ پینے پلانے والے فقیر ہیں۔

شاہ صاحب۔ (مسکر کر) اور آپ کا خیال میرے متعلق کیا تھا۔

فرخ۔ حضرت میں تو آپ کی نورانی شکل سفید ڈاڑھی سبز عمامہ اور یہ سیکنڈ کلاس کی رزوڈ سیٹ سے یہ سمجھتا تھا کہ آپ پیری مرید کا پیشہ کرتے ہیں۔

شاہ صاحب۔ یہ خیال بھی آپ کا ٹھیک ہے۔ ایک مرید نے سیٹ رزروڈ کرادی ہے آپ کا دل چاہے آپ بھی بیعت کر لیجئے۔

فرخ نے ذرا اونچی آواز سے کہا۔ قبلہ میرے پاس تو اس وقت آپ کے تدرانہ کے لیے صرف مالٹوں کا ٹوکرا ہے یہی پیش کر دوں گا۔ ایسے مالٹے کبھی آپ نے کھانے نہ ہوں گے۔

سیٹھ جی اوپر سے بڑبڑائے اب رکھا گیا ہے۔ اس ٹوکرے میں سارے تو کھائیے یہ بھی شاہ صاحب کو دے دو۔

فرخ۔ (مسکرا کر) سیٹھ جی اگر دو مالٹوں سے تیسرا مالٹا کھایا ہو تو جیسے گئو ماتا کا ماس۔

سیٹھ جی۔ہم نے مسخرہ پن مت کرو۔فوج میں رہ کر کسی کا دھرم نہیں رہتا ہندو ہویا مسلمان۔

شاہ صاحب۔(فرخ سے) آپ نے سگریٹ نہیں لیا؟

فرخ۔میں اس چیز کا عادی نہیں ہوں کبھی کبھی کھانے کے بعد پی لیتا ہوں۔آج صبح کسی ایسے منحوس کی صورت دیکھی تھی کہ سارا دن فاقہ سے گذر گیا۔سیٹھ جی کا پرماتما بھلا کرے دو مالٹے کھا کر ذرا دم آیا ہے اب اوپر والی ٹوکری میں سے کچھ مٹھائی اور پوری کچوری مل جائے تو رات آرام سے گزر جائے۔

سیٹھ جی۔ارے بابا تم میرے پیچھے کیوں پڑے ہو اپنے شاہ جی سے کہو کچھ کھانے کو دے دیں۔

فرخ۔شاہ جی تو پلاتے ہیں کھلانے کی عادت نہیں ہے۔

شاہ صاحب نے مسکرا کر اپنے تھیلے سے کچھ خشک میوہ فرخ کو دیتے ہوئے کہا میاں صاحبزادے میرے پاس اس وقت یہی موجود ہے۔

فرخ نے شکریہ ادا کر کے میوہ لیتے ہوئے کہا۔حضرت یہ تبرک کس کو میسر آتا ہے میری خوش قسمتی ہے کہ اس ڈبہ میں آ گیا۔یہ تو اپنے گھر لے جا کر تقسیم کرونگا خاص طور پر اپنی بیوی کو کھلاؤں گا شاید اس کے ہاں کوئی اولاد ہو جائے۔

شاہ صاحب نے فرخ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ابھی تو آپ خود ہی کمسن ہیں اولاد کی طرف اس قدر مایوسی کیوں ہوگئی۔

فرخ۔قبلہ [illegible] کمسن [illegible] چھ مہینے شادی کو ہو گئے ابھی تک [illegible] کا بچہ بھی نہیں

پر زہ ہیں اپنا الو سیدھا کرنے اس ڈبہ میں آگئے ہیں ان کا نام تو پوچھئے؟

فرخ۔(جلدی سے) سیٹھ جی میرا نام سنگھ ہے۔

سیٹھ جی۔اور کوم؟

فرخ۔راجپوت۔

سیٹھ جی۔متھراوالے پرنام سنگھ کے لڑکے تو نہیں ہو وہ بھی ایسا ہی مسخرہ تھا۔

فرخ۔(مسکراکر) چاچا تم نے خوب پہچانا کہو گھر پر سب راضی خوشی ہیں۔

سیٹھ جی نے گردن جھکاکر فرخ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ہم نے تو سنا تھا ہرنام سنگھ لڑائی میں کام آ گیا سب گھر والے رو پیٹ کو بیٹھ گئے۔

فرخ۔ہاں چاچا ہرنام سنگھ تو کام آ گیا مگر اس کی آتما تو موجود ہے اب اپنے گھر جارہی ہے آپ کا ساتھی اچھا ہو گیا۔

سیٹھ جی نے کوئی جواب نہیں دیا۔فرخ نے کہا۔چاچا سو گئے؟

سیٹھ جی۔(خوفزدہ ہوکر) میں تمہارا چاچا کہاں سے آ گیا۔تم قوم کے راجپوت میں اگروال

فرخ۔قوم سے کیا ہوتا ہے اپنے محبت کرنے والوں اور محلے والوں کو چاچا ماما کہا ہی کرتے ہیں جب میں زندہ تھا تو آپ کو سیٹھ مکھن لال تھوڑی کہا کرتا تھا۔

سیٹھ جی اپنا نام سنکر بہت گھبرائے بالکل چپ چاپ پڑے رہے۔فرخ نے کھڑے ہوکر زور سے پیر مار کر کہا۔میں اوپر آپ کے پاس آتا ہوں۔

سیٹھ جی۔(چیخ کر) ارے بھائیو! اسے منع کرو کون آفت میرے پیچھے پڑ گئی۔

دوسری سیٹوں والے لوگ بے خبر پڑے سو رہے تھے شاہ صاحب بیٹھے ہنس رہے تھے۔

فرخ۔چاچا کچھ کھانے کو دے دوپہر میں تم سے کچھ نہیں بولوں گا لڑائی میں تین وقت کے فاقے سے مارا گیا ہوں۔

سیٹھ جی نے ٹوکری میں سے کچھ مٹھائی نکال کر نیچے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”لیجئے شاہ صاحب یہ مٹھائی اس سپاہی کو دے دیجئے۔

فرخ۔(ڈانٹ کر) اور تم بنیا آدمی ہمیں سپاہی کہتا ہے اگر پھر ایسی گستاخی کی تو اوپر آ کر ہیرے کی انگوٹھیاں اتار لوں گا۔

سیٹھ جی نے کوئی جواب نہیں دیا اپنا منہ ڈھاک کر لیٹ گئے اور چادر کے اندر ہاتھ کر کے انگوٹھیاں اتار کر اپنی جیب میں رکھ لیں۔

فرخ۔(شاہ صاحب) لیجئے آپ بھی مٹھائی کھایئے۔

شاہ صاحب۔آپ کو بھوک لگ رہی ہے آپ ہی کھایئے میں تو لاہور کے اسٹیشن سے کھانا کھا کر چلا تھا۔

فرخ۔شاہ صاحب آپ کا مکان کہاں ہے؟

شاہ صاحب۔میں تو خانہ بدوش ہوں۔آج یہاں کل وہاں۔

فرخ۔اب آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔

شاہ صاحب۔جہاں دل چاہے گا اتر پڑوں گا۔

فرخ۔آخر آپ نے یہ سیٹ کہاں کے واسطے رزروڈ کرائی ہے۔

شاہ صاحب۔میں پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں ایک مرید نے یہ سیٹ رزروڈ کرا دی تھی اور کہہ دیا کہ جہاں آپ کا دل چاہے اتر جایئے گا۔

فرخ۔(ہنسکر) یہ پیری مریدی کا پیشہ بھی خوب ہے معلوم ہوتا ہے آپ کی سیٹ بمبئی تک رزورڈ ہے۔اچھا آپ کا اسم شریف۔

شاہ صاحب۔گمنام سنگھ۔

فرخ نے ایک ٹھٹھہ لگا کر کہا۔قسم خدا کی آپ میری نقل کر رہے ہیں خیر میں بھی آپ کو نہیں چھوڑوں گا چاہے میرا کتنا ہی نقصان ہو جائے مگر اتروں گا اسی اسٹیشن پر جہاں آپ اتریں گے۔

شاہ صاحب۔ (ہنسکر) اور میں اپنے دل میں کچھ اور ٹھانے بیٹھا ہوں

فرخ نے تالی بجا کر قہقہہ لگا کر کہا۔ یعنی آپ میرے ساتھ اتر پڑیں گے اور اگر میں شرارت پر آ گیا تو بمبئی سے پھر واپس لوٹ پڑوں گا۔

شاہ صاحب۔ ہنسکر۔ کیا مضائقہ ہے میں تو بیکار آدمی ہوں اسی طرح آتا جاتا رہوں گا۔

سیٹھ جی اب بالکل خاموش تھے شاید نیند آ گئی تھی فرخ شاہ صاحب سے بہت اصرار کیا کہ آپ لیٹ جایئے مگر وہ برابر بیٹھے رہے۔ فرخ کو نیند آنے لگی انہوں نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے تاش نکال کر شاہ صاحب سے پوچھا۔ آپ کھیل سکتے ہیں؟

شاہ صاحب۔ مسکرا کر۔ جوانی میں کبھی کھیل لیتا تھا اب آپ کی خاطر کوشش کروں گا۔

فرخ نے اپنے دل میں کہا عجیب شاہ صاحب ہیں۔ دونوں تاش کھیلنے بیٹھ گئے وقت کا کچھ پتہ نہیں چلا میرٹھ آ گیا۔ شاہ صاحب نے فرخ سے کہا لیجئے آپ کا میرٹھ آ گیا۔ قلی کو آواز دوں؟

فرخ۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں جہاں آپ اتریں گے وہیں میں بھی اترونگا۔

شاہ صاحب۔ سنجیدگی سے۔ آپ کیوں اپنی منزل کھوئی کرتے ہیں آپ کے گھر والوں کو انتظار ہوگا۔

فرخ۔ میں نے اپنے پہنچنے کی اطلاع گھر پر نہیں کی ہے آپ کچھ خیال نہ کیجئے۔

شاہ صاحب بڑی کشش و پیچ میں تھے انہوں نے دوبارہ کہا۔ میاں صاحبزادے میرا کیا ٹھیک ہے ٹھہرنے کو جگہ نہ ملے آپ کو بیکار میں تکلیف اٹھانی پڑے گی۔

فرخ۔ نہایت اطمینان سے۔ کوئی ہرج نہیں میں ہوٹل میں ٹھہر جاؤں گا۔

شاہ صاحب۔ (مسکرا کر) خیر آپ کی مرضی۔

تھوڑی دیر تک یہ لوگ اور کھیلتے رہے جب گاڑی غازی آباد پر ٹھہر کر چلی تو شاہ

صاحب نے اپنا بستر لپیٹتے ہوئے فرخ سے کہا۔ میں آپ کو زیادہ دور لے جانا نہیں چاہتا دلی ہی پر اتر جاؤں گا۔

فرخ۔ (ہنسکر) یہ آپ کی خوشی میں تو بمبئی چلنے کو تیار ہوں۔

شاہ صاحب نے اپنا سب سامان ایک جگہ رکھ لیا فرخ بھی غسل خانہ میں جا کر منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو گئے چار غازی آباد پر پی چکے تھے۔ دلی کے اسٹیشن پر پہلے فرخ اترے قلی کو بلا کر اپنا سامان اتروایا۔ اسٹیشن سے باہر نکل کر فرخ نے شاہ صاحب سے پوچھا۔ کہاں جایئے گا؟

شاہ صاحب نے مسکر کر کہا۔ میاں میں تو فقیر ہوں جہاں لے چلو گے وہیں چلوں گا۔

فرخ۔ واہ حضرت میں تو آپ کیساتھ آیا ہوں۔

شاہ صاحب۔ میں تو آپ سے پہلے ہی کہہ رہا تھا میرٹھ میں آپ کا مکان ہے اتر جایئے میں بھی دو چار روز آپ کے ہاں آرام کر لیتا۔

فرخ۔ اچھا تو قصہ ہے کہ آپ اسی طرح لوگوں کیساتھ لگ جاتے ہیں خوب دعوتیں اڑاتے ہوں گے۔

شاہ صاحب۔ مگر آپ میرے بھی استاد نکلے۔

فرخ۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

شاہ صاحب۔ یعنی آپ میرے ساتھ لگ گئے اپنی منزل کھوٹی کی میں یہاں کے کسی بڑے ادمی کو جانتا بھی نہیں آپ کو کہاں لے کر چلوں؟

فرخ۔ ہوٹل میں ٹھہریئے۔

شاہ صاحب۔ میاں اگر ہوٹل کا بل ادا کرنے کا ذمہ لو تو شوق سے چلو۔

فرخ نہیں حضرت سپاہی آدمی ہوں میرے پاس پیسے کہاں میں تو اس لالچ میں آپ کے ساتھ لگا تھا کہ آپ کے مریدوں میں مرغن کھانے ملیں گے دو چار روز

آرام سے بسر ہوں گے۔

شاہ صاحب۔ (قہقہہ لگا کر) واہ میاں واہ ابھی ناتجربہ کار ہی ہو۔

فرخ نے جواب نہ دیا۔ تانگہ پر سامان رکھوا کر تانگے والے سے کہا۔ دریا گنج چلو۔

شاہ صاحب نے پوچھا۔ کیا کسی ہوٹل میں ٹھہرنے کا خیال ہے۔؟

فرخ نے کہا۔ آپ چلے چلئے جو میری سمجھ میں آئے گا وہ کروں گا۔

شاہ صاحب۔ تسبیح لیکر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئے۔ تانگہ چلنے لگا۔

انتیسواں باب

زمانہ تیز رفتاری سے گزرتا چلا جاتا ہے جو آج بچے ہیں وہ دیکھتے ہی دیکھتے جوان نظر آنے لگتے ہیں، نوجوان بڈھے ہو جاتے ہیں اور بڈھوں کیواسطے آنکھیں ترستی ہیں بہت سی نئی نئی شکلیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ پرانی صورتیں خاک میں مل جاتی ہیں جہاں چٹیل میدان اور ٹوٹے جھونپڑے ہوتے ہیں وہاں سر بفلک عمارتیں کھڑی ہو جاتی ہیں جس جگہ گنجان محلے اور پختہ حویلیاں ہوتی ہیں وہاں چوڑی چوڑی سڑکیں اور خوشنما پارک بن جاتے ہیں کہیں مسجدوں کی جگہ مندر اور کہیں مندروں کی مسجدیں نظر آتی ہیں، دنیا کے چرخہ کی شروع سے یہی رفتار ہے اور آئندہ بھی یہی رہے گی۔

فرخ کو چھ ہی مہینے بعد دلی میں نمایاں فرق نظر آیا۔ ان کی روانگی کے وقت دریا گنج میں جو فلیٹ زیر تعمیر تھے وہ ایک ہی برسات گزرنے پر برسوں پہلے کے معلوم ہونے لگے اسٹیشن سے گھر تک پہنچنے میں نئی امریکن موٹریں اور اجنبی امریکن سپاہیوں کی صورتیں نظر آئیں۔ فرخ نے ایک اور نئی چیز دیکھی موڑ میں ملتے جلتے کاٹھ کے چھوٹے چھوٹے مکان سڑک کے کنارے کھڑے تھے انہوں نے تانگے والے سے پوچھا۔ بھئی یہ کیا چیز ہے۔

میاں اس کا نام کارواں ہے۔ جس کے پاس پیسہ ہو۔ وہ خریدے سب ضرورت کی چیزیں اس میں موجود ہیں۔ باورچی خانہ۔ غسل خانہ جہاں جی چاہے موٹر کے پیچھے باندھ کر لے جاؤ۔

فرخ نے ہنس کر کہا۔ دنیا بڑھیا تو ہو گئی مگر اولا بڑی زہین پیدا کر رہی ہے۔ تانگے [illegible]

موئی سناٹا کا چھٹی کا کھایا یاد آجاتا۔

شاہ صاحب نے اونگھتے ہوئے پوچھا۔ یہ کس کا ذکر ہو رہا ہے۔

فرخ نے مسکرا کر کہا۔ یہ ہمارے تانگے والے صاحب دنیا سے بہت خفا معلوم ہوتے ہیں۔

تانگے والے نے بیزاری کے لہجے میں کہا۔ ارے صاحب دنیا سے کیا خفا ہوں گے اپنی جان ہی سے بیزار ہیں خدا اسی لڑائی کو غارت کرے اب سن رہے ہیں جاپان خم ٹھونک رہا ہے۔ وہ سیدھا کلکتہ کی طرف اڑان کرے گا اور دلی پر آ کر دم لے گا بچاؤ کی تیاریاں شروع ہوگئی ہیں بازاروں میں خندقیں کھد رہی ہیں ملبہ کے ڈھیر لگے ہیں تانگہ چلانا مشکل ہے۔

فرخ نے تانگہ والہ سے کہا۔ بس بھئی بائیں موڑ لو تانگہ ممتاز منزل کے پھاٹک میں داخل ہوا۔ فرخ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کوٹھی کی رونق سید صاحب کے دم سے تھی ناشتہ سے فارغ ہو کر وہ باہر برآمدہ میں بیٹھا کرتے تھے...... اس وقت صبح کے نو بجے ہوں گے کوٹھی میں سناٹا پڑا تھا۔ سردی کی وجہ سے کوئی نوکر تک باہر نہیں تھا۔ گول کمرہ کا دروازہ بھی بند تھا۔ تانگہ برستی مین جا کر ٹھیرا برآمدہ میں چند کرسیاں پڑی تھیں فرخ کا چیتا کتا جنگی ایک کرسی پر سکڑا اسکڑا آیا آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا تانگہ کی گڑگڑاہٹ ہر کان کھڑے کر کے غرآیا مگر اپنے مالک کی سیٹی پر دم ہلاتا ہوا تانگہ پر چڑھ آیا فرخ نے اسکی پیٹھ پر ہاتھ پھیرے ہوئے شاہ صاحب سے کہا۔ آپ یہاں برآمدہ میں تشریف رکھئے میں ابھی جا کر کمرہ کھولتا ہوں۔

شاہ صاحب نے متعجب ہو کر پوچھا۔ یہ کوٹھی کس کی ہے۔

فرخ نے مسکرا کر کہا۔ آپ ہی کی ہے۔

شاہ صاحب نے کہا۔ اچھا۔ آپ کا دولت خانہ یہیں ہے پھر تو مجھے کافی آرام ملے گا۔ مہربانی فرما کر گھنٹہ دو گھنٹے کے واسطے مجھے کوئی تخلیے کی جگہ ایسی دے دیجئے

جہاں میں اپنی قضا نمازیں وغیرہ پڑھ لوں۔

فرخ نے کہا۔ میں ابھی اس کا انتظام کیے دیتا ہوں۔

شاہ صاحب۔ خاموش کرسی پر بیٹھ کر تسبیح پڑھنے لگے۔

فرخ انگنائی کے دروازہ سے گھر میں داخل ہوئے۔ سامنے ہی حسن آرا کا کمرہ تھا وہ اس وقت چبوترہ پر دھوپ میں بیٹھی تھیں۔ سب سے پہلے انہیں کی نظر فرخ پر پڑی حیرت اور خوشی کے عالم میں وہ خاموش بیٹے کی صورت دیکھتی رہیں۔ فرخ دوڑ کر اپنی ماں سے لپٹ گئے دونوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ گھر کے اور لوگ بھی آ کر جمع ہو گئے عابد حسن بھی اپنے کمرہ سے نکل آئے سب نے فرخ کو گلے لگایا۔ دس پانچ منٹ اسی طرح گذر گئے۔ فرخ کو ایک دم شاہ صاحب کا خیال آیا انہوں نے اپنی ماں سے کنجیاں لے کر کمرہ کھولا باہر سے شاہ صاحب کو کمرہ میں لے کر آئے اپنا سامان بھی وہیں لا کر رکھا غسلخانہ میں گرم پانی رکھوایا شاہ صاحب نے فرخ سے کہا اب آپ اندر تشریف لے جائیے میری وجہ سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔

فرخ نے کہا۔ شاہ صاحب تکلیف کیسی؟ میں تو اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھ رہا ہوں اپنی عمر میں کبھی کسی بزرگ کی خدمت کرنے کو دل نہیں چاہا آپ نے شاید کچھ عمل کر دیا ہے۔

شاہ صاحب نے مسکرا کر کہا۔ میں آپ کے متعلق یہ خیال کر رہا ہوں کہ شاید آپنے کچھ جادو کر دیا۔

فرخ نے کہا۔ پہلے آپ ناشتہ کر لیجئے پھر وظیفہ شروع کیجئے گا۔

شاہ صاحب نے کہا نہیں میاں اس وقت میں کچھ ناشتہ نہیں کروں گا۔ صبح چاء پی چکا ہوں بارہ ایک بجے کھانا کھاؤں گا۔

فرخ نے ہنسکر کہا۔ آپ کے وظیفے ایسے تو نہیں ہوتے جن میں گوشت وغیرہ کا پرہیز ہوتا ہے۔

شاہ صاحب نے مسکرا کر کہا اگر میں ترک حیوانات کروں تو کباب قورمے بریانیاں اور نہاری کیسے کھانے کو ملے۔

فرخ ہنستے ہوئے چلے گئے۔شاہ صاحب نے اندر سے کمرہ بند کرلیا۔

گھر میں فرخ کے آجانے سے ایک کھلبلی سی مچی ہوئی تھی سب کے چہرے خوشی سے کھلے جارہے تھے حسن آرا کی صورت پر آج چھ مہینے کے بعد بحالی نظر آرہی تھی۔ مگر فرخ نے تھوڑی ہی دیر میں اپنی ماں کی حالت میں نمایاں فرق پایا۔سید صاحب کی زندگی میں گھر کا کل انتظام اور ہر کام ان کے سپرد تھا۔مہمانوں کی خاطر تواضع آئے گئے کی آو بھگت سب انہیں کے ذمہ تھی۔لیکن اس مرتبہ وہ خود مہمانوں کی طرح الگ اپنے کمرے میں تھیں گھر کا پورا انتظام روشن آرا کے ہاتھ میں تھا۔فرخ کے دل کو سخت صدمہ ہوا وہ اپنے آپ کو بھی اجنبی مہمان تصور کرنے لگے انہیں شاہ صاحب کے اپنے ساتھ لا کر شرمندگی سی محسوس ہونے لگی۔وہ سوچنے لگے حقیقت میں یہ گھر ابخالہ جان کا ہے ہمارا اس کے اوپر کوئی دعوٰی نہیں۔ بڑی دیر تک وہ خاموش بیٹھے سوچتے رہے۔روشن آرا نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا بیٹا اٹھو نہا دھو کر ناشتہ کرو۔جو صاحب تمہارے ساتھ آئے ہیں ان کو بھی ناشتہ کرا دو دیر ہو رہی ہے۔

عابد حسن نے فرخ سے پوچھا۔کیا تمہارے کوئی دوست آئے ہیں؟

فرخ۔جی نہیں میں دوستوں کی علت میں پالتا۔یہ تو خواہ مخواہ ایک صاحب ریل میں مل گئے فقیر قسم کے آدمی ہیں میرے ساتھ لگ گئے۔

عابد حسن۔مجھے تو ان سے بلواؤ۔دیکھوں کس قسم کے فقیر ہیں۔

فرخ۔آدمی تو عجیب وغریب ہیں آپ ان سے مل کر خوش ہو جائیں گے۔مگر اس وقت بند کر کے عبادت میں مصروف ہیں کھانے پر ملاقات ہوگی۔

عابد حسین نے اپنی بیوی سے کہا۔کھانا ذرا اچھی قسم کا ہونا چاہیے۔پیر فقیر مرغن

چیزوں کے شوقین ہوتے ہیں اور بغیر مٹھاس کے نوالہ نہیں توڑتے سویاں پکوالو اور حبشی حلوا سوہن منگوالو۔

روشن آرا۔ ہنس کر۔ خواہ مخواہ بے چارے پیروں، فقیروں کو بدنام کر رکھا ہے لوگ خود اپنی خوش اعتقادی میں انہیں اچھے سے اچھا کھلاتے ہیں اور بعد میں مذاق اڑاتے ہیں۔

فرخ۔ روشن آرا سے۔ خالہ اماں اگر نہاری مل جائے تو ضرور منگوا لیجیے۔

عابد حسن۔ (مسکرا کر) شاہ صاحب نے نہاری کی فرمائش کی ہے۔

فرخ۔ فرمائش تو نہیں کی مگر کھانے کے ذکر پر میں نے ان کی زبان سے نہاری کا نام سنا تھا۔

عابد حسن۔ (قہقہہ لگا کر) ضرور تمہاری آنی چاہیے۔ سائیکل پر کسی آدمی کو بھیج دو گنجے کی دکان سے لائے دیر بہت ہوگئی ہے مگر نیچے کا لیدھڑا تو مل ہی جائے گا۔ پیاز لال کر کے اوپر بگھار دینا۔

روشن آرا۔ فرخ سے۔ بیٹا تم کپڑے بدل کر ناشتہ کر لو۔ اس وردی کو دیکھ دیکھ کر ہول آتا ہے اتارو۔ اس کو۔

فرخ۔ میں نے غلطی سے اپنا سامان کمرہ میں رکھوا دیا شاہ صاحب نے اندر سے بند کر لیا۔

حسن آرا۔ تمہارے سب کپڑے یہاں موجود ہیں چلو میں دیے دیتی ہوں۔ مگر بیٹا مجھے تو ایسے راہ چلتے فقیروں کا اعتبار نہیں ذرا خیال رکھنا ایسا نہ ہو وہ شاہ صاحب سامان لے کر غائب ہو جائیں۔

فرخ نے حسن آرا کے ساتھ جاتے ہوئے کہا۔ نہیں امی جان وہ معقول آدمی ہیں۔

کپڑے تبدیل کر کے فرخ نے ناشتہ کیا پھر حسن آرا کے کمرہ میں جا کر باتیں

کرنے لگے پچھلے چھ مہینے کے تمام حالات اپنی ماں سے سنے ۔فرخ نے پوچھا۔ چھوٹے ماموں جان کو نانا ابا کے انتقال کی اطلاع کس طریقہ سے دی گئی ۔؟

حسن آرا نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ دولہا بھائی بمبئی گئے تھے وہیں انہوں نے کہہ دیا تھا تمہارے نکاح کا ذکر بھی کر دیا تھا۔

فرخ ۔وہ کیا بولے۔

حسن آرا۔وہ تو کچھ نہیں بولتے بلکہ اپنی خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔

فرخ خاموش ہو کر سوچنے لگے ۔۔۔پھر آپ ہی آپ کہا۔خیر جو کچھ ہونا تھا ہو گیا میں بہت اچھی لائین میں چلا گیا جلدی ترقی حاصل کر لوں گا۔

حسن آرا۔ خدا بہتر کرے ۔تم نے بھابی زرتاج کی باتوں میں آ کر بڑی نادانی کی۔

فرخ ۔آپ نے افشاں کو ان کیساتھ کیوں بھیجدیا؟

حسن آرا۔ یہاں رکھ کر کیا کرتی ۔چھوٹے بھائی اس کا بہت خیال کرتے ہیں اسکے کام کاج کے لیے ایک عورت بمبئی سے ساتھ لائے ہیں۔ یہاں اس کو ایسا آرام نہیں مل سکتا تھا میں تو خود ہی دوسری ں کے اوپر پڑی ہوں سوچا تم آ ؤ گے تو تمھیں ساتھ لے کر چلوں گی۔

فرخ ۔میر متعلق انہیں معلوم ہو گیا تھا۔

حسن آرا۔ میں تو چاہتی تھی کہ صاف صاف کہہ دوں مگر آپا اور دولہا بھائی کی رائے نہیں ہوگی۔

فرخ ۔ماموں جان نے میرے متعلق پوچھا بھی نہیں؟

حسن آرا۔ پوچھا کیوں نہیں۔ان سے کہہ دیا اسے رنج تھا شاہد کے ساتھ بھیجدیا ہے

فرخ ۔بڑی غلطی کی کہہ دینا چاہیے تھا، کیا افشاں کو بھی خبر نہیں ہوئی۔

حسن آرا۔ اس وقت تو نہیں تھی مگر اب شاید ہو گئی۔

فرخ۔ کس طرح ہوئی؟

حسن آرا۔ آپا نصیرہ نے بھابی زرتاج کو لکھا تھا۔

فرخ۔ انہوں نے ماموں جان سے کہہ دیا ہوگا۔

حسن آر۔ نہیں ان سے نہیں کہا۔

فرخ۔ آپ کو کیسے خبر؟

حسن آرا۔ افشاں نے گلشن کو لکھا تھا۔

عابد حسن اور روشن آرا کو آتا دیکھ کر فرخ خاموش ہو گئے۔ مختلف قسم کی گفتگو ہونے لگی۔ باہر سے لڑکے نے آ کر فرخ سے کہا۔ آپ کو کوئی صاحب بلا رہے ہیں۔

فرخ نے پوچھا جو شاہ صاحب صبح میر ساتھ آئے ہیں وہ بلا رہے ہیں۔

لڑکے نے کہا۔ جی نہیں یہ تو کوئی نئے صاحب ہیں یہاں کبھی نہیں آئے پہلے تو انہوں نے پوچھا یہ کوٹھی کس کی ہے میں نے بڑے سرکار کا نام بتا دیا۔ پھر پوچھا جو صاحب صبح فوجی وردی میں آئے ہیں ان کا کیا نام ہے۔ میں نے آپ کا نام بتایا۔ وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔

فرخ۔ تم بھی عجیب بیوقوف آدمی ہو نہ معلوم کون چلتے پھرتے آ گئے؟ صبح تانگہ پر مجھے یہاں آتے دیکھ لیا ہوگا۔

لڑکے نے کہا نہیں میاں، وہ تو کوئی صاحب ہوٹ پہنے۔

فرخ۔ ہاں، ہاں سوٹ پہنے بہت پھرا کرتے ہیں تم ان کا نام پوچھ کر آؤ اور یہ بھی پوچھنا کہ کیا کام ہے۔؟

لڑکے نے واپس آ کر کہا۔ وہ نام نہیں بتاتے کہتے ہیں صبح ریل میں سے ہماری ایک قیمتی چیز یہاں آ گئی ہے اس کی تلاش میں آئے ہیں۔

فرخ نے کھڑے ہوتے ہوئے غصہ سے کہا۔ ان کی ایسی کی تیسی میں ابھی جا کر

ٹھیک بناتا ہوں اب یہ کوئی طریقہ بھیک مانگنے کا نکال ہے ریل کی سواریوں کے پیچھے اپنی چیزیں ڈھونڈ ھنے آگئے۔

عابد حسن نے قہقہہ لگا کر کہا۔ معلوم ہوتا ہے پورا گروہ ہے شاہ صاحب بھی انہیں کے کوئی ساتھ ہوں گے۔

فرخ نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ میں سب کو پولیس کے حوالہ کر دوں گا۔

روشن آرا۔ پہلے جا کر ان سے بات کرو شاید کوئی غلط فہمی میں آگیا ہو۔ خواہ مخواہ کسی سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔

حسن آرا۔ کوئی سی آئی ڈی کا نہ ہو۔ انسانیت سے بات کرنا۔

فرخ نے پہلے گول کمرہ میں جھانکا۔ ایک صاحب ادھیڑ عمر کے نہایت معقول کلین برآمدہ میں ٹہل رہے تھے۔ فرخ ان کی وضع قطع دیکھ کر پہلے تو جھجکے پھر اپنے بال درست کر کے باہر نکلے۔ اجنبی شخص نے سلام علیک کے بعد مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

واہ میاں صاحب واہ خوب بیوقوف بنایا۔ یعنی ہماری بلی اور ہمیں سے میاؤں۔

فرخ۔ تعجب سے۔ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ کیسی بلی کس نے آپ کو بیوقوف بنایا؟

اجنبی شخص۔ (مسکرا کر) آپ ہی کے متعلق میں نے عرض کیا ہے۔

فرخ۔ شاید آپکو غلط فہمی ہو رہی ہے، میں نے اس سے پہلے کبھی آپ کی صورت بھی نہیں دیکھی۔

اجنبی شخص۔ مسکرا کر۔ مجھ سے زیادہ آپ بیوقوف بنے ہیں اور اسوقت بھی غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ لیکن ابھی لڑکے ہیں قابل معافی ہیں تعجب تو مجھے اپنے اوپر ہے۔ اتنی عمر آئی ہے کبھی ایسا دھوکہ نہیں کھایا تھا۔

فرخ۔ آپ اس خیال میں نہ رہیے گا کہ میں لڑکا ہوں مجھے بیوقوف بنالیا جائے۔

اجنبی شخص۔ مسکرا کر۔ یہ تو یقینی بات ہے کہ آپ اور میں دونوں بیوقوف ہیں۔

فرخ۔ (غصہ سے) آپ ہوں گے، میں تو دوسروں کو بیوقوف بنا کر چھوڑ دوں۔ آپ جیسے بہت آیا کرتے ہیں مہربانی کر کے کسی دوسری کوٹھی میں جایئے۔

اجنبی شخص۔ جب میری اشیاء یہاں ہیں تو مجھے دوسری کوٹھی میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔

فرخ۔ دیکھئے میں ابھی تک آپ سے شرافت سے گفتگو کر رہا ہوں۔ ایسا نہ ہو مجھے دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے۔

اجنبی شخص۔ (مسکرا کر) مجھے امید تو نہیں کہ آپ میرے ساتھ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کریں گے۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ آیندہ اور زیادہ ادب و شرافت سے پیش آئیں گے۔

فرخ۔ آپ شاید مجھے اپنی لسانی سے الو بنانا چاہتے ہیں۔

اجنبی شخص۔ خیر الو تو میں ہوں آپ کے لئے دوسرا لفظ مناسب ہے۔ مگر شاید آپ مجھے مار بیٹھیں گے آپ کو زیادہ مشتعل کرنا نہیں چاہتا صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے نانا صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں؟

فرخ نے کوئی جواب نہیں دیا وہ سوچ رہے تھے کہ یہ آواز سنی ہوئی اور لب ولہجہ پہچانا ہوا ہے۔ وہ غور سے اجنبی کی طرف دیکھنے لگے انہوں نے دوبارہ کہا۔ آپ نے بتایا نہیں آپ کے نانا صاحب کیا گھر میں تشریف رکھتے ہیں؟

فرخ نے دھیمی آواز میں کہا۔ ان کا تو انتقال ہوگیا۔

اجنبی شخص نے گھبرا کر اونچی آواز میں کہا کہ۔

فرخ۔ بڑے ماموں امرتسر میں ہیں چھوٹے پونا میں۔

اجنبی شخص۔ یہاں گھر میں کون رہتا ہے۔

فرخ سوچنے لگے ایک انجان آدمی کو گھر کے حالات بتاؤں، یا نہیں؟ اجنبی نے کہا۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔

فرخ۔ سوچ تو کچھ نہیں رہا۔ یہاں میری والدہ اور خالہ، خالو وغیرہ ہیں۔

اجنبی شخص۔ اچھا اندر جا کر اطلاع کر دیجیے۔ رضا علی آیا ہے۔

فرخ۔ (آنکھیں پھاڑ کر) کون رضا علی؟

اجنبی شخص۔ تمہارا باپ۔

فرخ (گھبراہٹ کے لہجہ میں) آپ کہاں سے آ گئے؟

اجنبی۔ جہاں سے آنا چاہیے تھا۔

فرخ۔ آپ ٹھیک بتائیے۔

اجنبی۔ میاں تم اپنے خالو عابد حسن کو بلا لاؤ۔

فرخ بے تحاشا چیختے ہوئے اندر دوڑے۔ امی جان آپ کہاں ہیں؟ ابا جان آ گئے خالو ابا جلدی آیئے وہ آپ کو بلا رہے ہیں دیکھئے تو چل کر۔ فرخ کی آواز اور گھبراہٹ سے گھر کے سب لوگ اکٹھے ہو گئے۔ مگر کسی کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ عابد حسن نے کہا، میں کچھ بتاؤ تو سہی اتنے بدحواس کیوں ہو رہے ہو؟

فرخ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے جاتے ہوئے کہا۔ آپ آیئے دیکھئے رضا علی آ گئے۔ عابد حسن نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ تم رضا علی کو کیا جانو پہلے دیکھ لوں خواہ مخواہ شور کیوں مچاتے ہو۔

فرخ نے کہا یہ قسم خدا کی خالو ابا وہ ضرور باپ ہیں ان میں خاص کشش ہے۔

عابد حسن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تیز تیز قدموں سے باہر آئے۔ اجنبی شخص انکو

دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔ عابد حسن نے ان کی طرف غور دیکھتے ہوئے کہا۔ آپکا اسم شریف؟

اجنبی شخص نے کہا۔ بھائی صاحب اس وقت گھر میں سب سے بڑے آپ ہی ہیں جب آپ ہی بھول گئے تو اوراس کی شناخت لے لیے بلایا جائے۔

عابد حسن اس وقت عجیب بدحواسی کے عالم میں تھے وہ کبھی فرخ کی طرف دیکھتے تھے کبھی ان اجنبی کی طرف کمرے کے دروازہ میں سے سب عورتیں دیکھ رہی تھیں۔

روشن آرا نے رضا علی کو پہچان کر کمرہ کا دروازہ کھولتے ہوئے اپنے میاں سے۔

ارے تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ یہ رضا علی ہی تو ہیں اندر لے کر آؤ۔

عابد حسن نے رضا علی سے گلے ملتے ہوئے کہا۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ زندہ کیسے آ گئے؟

رضا علی۔ کیا یہاں میرے مرنے کی اطلاع آ گئی تھی؟

عابد حسن۔ بھئی جس جہاز سے تم نے آنے کو لکھا تھا اس کے ڈوبنے کی خبر اخبار میں بھی چھپی تھی۔ یہاں کا تو شیرازہ ہی بکھر گیا۔ خیر آؤ تم اندر چلو۔

گھر میں اس وقت بجائے خوشی کے سب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ سید صاحب کی موت کا خیال کر کے سب کے دلوں کے ٹکڑے ہوئے جاتے تھے۔ بڑی دیر تک سب روتے رہے۔ رضا علی نے خود ہی اپنے آنسو پونچھ کر عابد حسن سے پوچھا۔ کیا میری روانگی کا خط چچا ابا کی زندگی میں آ گیا تھا؟

عابد حسن۔ دھیمی آواز سے ہاں۔

رضا علی۔ اور جہاز ڈوبنے کی خبر بھی انہوں نے سن لی تھی۔

روشن آرا۔ (آنسو پونچھ کر) ارے بھائی اسی خبر سے تو ابا جان پانی کے بلبلے کی طرح بیٹھ گئے دو گھنٹے بھی نہیں لگے۔

عابد حسن۔ وہ تو یہ کہو کہ محسن کو خدا نے بچا دا ے بارہ گھنٹے وہ بے ہوش رہے تھے

رضا علی۔ محسن بھی یہیں تھے؟

عابد حسن۔ محسن بمبئی میں تھے، ماموں جان کے انتقال کے دوسرے ہی دن ان کی بیماری کا تار آیا عجیب وقت گذر گیا۔ خیر خدا کا یہی حکم تھا اس کا ہزار شکر ہے کہ ناامیدی میں اس نے تمہاری صورت دکھائی۔ بقول شخصیکہ مردے زندہ ہوگئے۔

روشن آرا۔ اس میں کیا شک ہے، ہم نے مرنے والوں کے ساتھ ان کے دشمنوں کو بھی رو پیٹ کر صبر کر کے بیٹھ گئے تھے۔

عابد حسن۔ کل چھ ماہی کی فاتحہ بھی ہوگئی تھی۔

رضا علی۔ میرا پچھلا خط جس میں میں نے اپنی روانگی کا لکھا تھا۔ آپ لوگوں نے پڑھا تھا؟

عابد حسن۔ ماموں جان نے وہ کسی کو بھی نہیں دکھایا چاک کر دیا تھا۔ کیا کوئی خاص بات اس میں لکھی تھی؟

رضا علی نے کچھ سوچ کر کہا۔ نہیں۔ کوئی خاص بات تو نہیں تھی...... ہاں وہ محسن کی لڑکی کہاں ہے؟

عابد حسن۔ آج کل وہ محسن کے پاس ہے۔

رضا علی۔ اس کا نام کیا ہے۔؟

روشن آرا۔ اماں نے تو اس کا نام ''انجمن آرا'' رکھا تھا مگر محسن نے ''انجم افشاں'' رکھا اب تو صرف افشاں ہی کہلاتی ہے۔

رضا علی۔ کیا وہ شروع سے محسن ہی کے پاس رہی ہے؟

روشن آرا نہیں اس کی پرورش تو حسن آرا نے کی ہے ہمیشہ یہیں رہی اماں نے اس کو نہیں بھیجا۔ ابا جان کے انتقال کے بعد سے محسن کے پاس ہے۔

عابد حسن۔ بھئی یہ لمبی داستانیں ہیں اطمینان سے سننا پہلے اپنے سفر کا حال بیان کرو کس راستہ سے آئے؟

رضا علی۔ کچھ نہ پوچھیے　　بدوقت غم سے کشتی جان حزیں نکلی
کہیں ڈوبی کہیں اچھلی کہیں بیٹھی کہیں نکلی

کس نے قید کیا کہیں دھتکارا گیا۔ کوئی جاسوس سمجھا، کہیں آؤ بھگت اور خاطر تواضع ہوئی سخت جانی کا بھلا ہو کسی نہ طرح یہاں تک پہنچ گیا۔ مگر یہاں پہنچ کر میری تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ افسوس۔ چچا ابا اور چچی اماں سے میں اپنی خطاؤں کی معافی بھی نہ مانگ سکا۔ تمام عمر اس کا رنج رہے گا۔

رضا علی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

عابد حسن۔ میاں دنیا اسی کا نام ہے مگر اس وقت تمہارا زندہ آنا یہاں والوں کیلیے مسیحا و خضر کے آنے کے برابر ہے تمام پرانے ناسور بھر جائیں گے ٹوٹے ہوئے دل جڑ جائینگے۔

روشن آرا۔ بے شک۔ ان کا آنا معجزہ سے کم نہیں بھلا کسی کو یہ گمان ہو سکتا تھا۔ ہمارا تو منہ نہیں جو اپنے خدا کا شکر ادا کر سکیں۔

فرخ۔ (حسن آرا سے) امی جان پھوپھی اماں وغیرہ کے ہاں تو اطلاع کروا دیجیے۔

عابد حسن۔ ہاں بھئی نصیرہ اور اماں جان کے ہاں فوراً خبر کراؤ حسن اور محسن کو بھی تار دے دو۔

رضا علی۔ غنیمت ہے کہ پھوپھی جان زندہ ہیں۔

عابد حسن۔ ہاں بھئی ایک اماں جان ہی بزرگوں میں رہ گئی ہیں مگر ماموں جان کے مرنے کے بعد ان کی کمر جھک گئی ہے۔

فرخ۔ چچی جان بھی تو زندہ ہیں

رضا علی۔ چچی جان کون؟

روشن آرا۔ دادا اعجاز علی مرحوم کی بیوی۔

رضا علی۔(تعجب سے) وہ ابھی تک زندہ ہیں؟

عابد حسن۔مفلوج ہو گئی ہیں چلا پھرا نہیں جاتا۔مگر دیکھنا تمہارے آنیکی اطلاع پاتے ہی آئیں گی۔

بنیادی خانم نے آکر کہا۔دو بجنے والے ہیں کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔

عابد حسن نے رضا علی سے کہا۔ہاں بھئی چلو منہ ہاتھ دھوڈالو اور باتیں پھر ہوں گی۔

رضا علی نے فرخ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔منہ ہاتھ دھونا کیسا میں نہا دھو کر تیار ہوں چلئے کھانا ہی کھالیا جائے۔

حسن آرا نے فرخ سے کہا۔تم اپنے مہمان کو تو جا کر دیکھو وہ بیچارے بھوکے بیٹھے ہونگے۔

فرخ نے گھبرا کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ارے لاحول ولاقوۃ میں تو بالکل بھول گیا امی جان جلدی باہر کھانا بھجوا دیجیے۔

روشن آرا نے گلشن سے کہا۔تم کھانا نکلواؤ۔

سب لوگ کھانے کے کمرہ میں آئے......فرخ کچھ پریشان صورت بنائے باہر سے آئے۔

روشن آرا نے کہا۔بیٹا کھانا تیار ہے۔

فرخ۔کھانا کیا ہوگا وہ حضرت تو غائب ہیں اور میرا تمام سامان الٹ پلٹ پڑا ہے نہ معلوم کیا کیا چیزیں لے کر چمپت ہو گئے۔

رضا علی نے اپنے کوٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔اور کچھ نہیں لے گئے صرف یہ سوٹ پہنا ہے۔

فرخ نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ارے کیا آپ ہی شاہ صاحب بنے ہوئے تھے؟

عابد حسن نے قہقہہ لگا کر کہا۔واہ بیوقوف اتنی دیر سے دیکھ رہے ہو۔پہچان بھی

نہیں سکے۔

فرخ شرمندہ ہو کر کمرہ سے باہر چلے گئے انہیں اپنی ریل کی باتیں یاد آ گئیں......

رضا علی نے آواز دی۔ ''میاں یہاں آؤ کچھ تعویذ وغیرہ نہیں لکھو گے؟

فرخ نے دانتوں تلے انگلی دبا لی وہ اس وقت بہت جھینپ رہے تھے گلشن نے پوچھا۔ ''کیا ریل میں تعویذ لکھوا رہے تھے۔

فرخ نے انگلی کے اشارہ سے گلشن کو چپ کراتے ہوئے کہا۔ کچھ نہ پوچھو بہت بیہودگی کر چکا ہوں۔

عابد حسن نے رضا علی سے کہا۔ بھئی یہ لطیفہ خوب رہا تمہارا ان کا ساتھ کیسے ہو گیا؟

رضا علی۔ محض۔ اتفاق۔ انبالہ سے یہ حضرت گاڑی میں آ بیٹھے تھے تمام راستہ دماغ چاٹتے آئے ہیں۔ چند گھنٹوں میں ان کے رگ و ریشہ سے ایسا واقف ہو گیا کہ یہاں برسوں ہی میرے ساتھ رہتے تو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ان کی باتیں آپ کو اطمینان سے سناؤں گا۔ میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کاش یہ میرا لڑکا ہوتا۔ مگر جس وقت سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہی میرا لڑکا ہے آپ یقین مانئے روح سلب ہو گئی دل بیٹھ گیا۔ میں نے کہا اگر میرا لڑکا نہ ہوتا تو بہتر تھا۔۔۔۔۔ رضا علی اپنا سر پکڑ کر گردن جھکا کر بیٹھ گئے۔

عابد حسن۔ (تعجب سے) آ کر کس وجہ سے؟

رضا علی۔ (دھیمی آواز سے (خاکی وردی سے۔

حسن آرا کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔۔۔۔۔۔ رضا علی نے پوچھا۔ یہ کس کی رائے سے فوج میں گیا؟

عابد حسن۔ (دبی زبان سے) اپنی۔

رضا علی۔ کیا اور کوئی ملازمت نہیں تھی؟

عابد حسن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فرخ کو پکارا۔ آؤ بیٹا فرخ، کھانا ٹھنڈا ہو رہا

ہے۔

فرخ جھینپتے ہوئے کمرے میں آئے۔ عابد حسن نے کہا۔ ویسے تو تم بہت ذہین ہو مگر شاہ صاحب کو نہیں پہچان سکے۔

فرخ۔ خالو ابا۔ وہ داڑھی عجیب قسم کی تھی تمام چہرہ پر چھائی ہوئی تھی شکل کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔

عابد حسن۔ (رضا علی سے) کیا مصنوعی داڑھی لگا رکھی تھی۔

رضا علی۔ نہیں داڑھی تو اصلی تھی اس وقت مونڈتے ہوئے بھی افسوس ہوا۔ مگر اپنے اس حلیہ سے کوفت ہو رہی تھی مصلحتاً بھیس بدلنا پڑا۔

عابد حسن۔ (فرخ سے) میاں تمہاری تو ادھر بڑھاؤ۔ خاص طور سے شاہ صاحب کے لیے منگوائی گئی ہے۔

رضا علی۔ یہی چیز ایسی ہے جو بیس برس سے زبان پر نہیں رکھی۔

فرخ نے اپنا تھیلا منگوا کر مٹھائی نکالتے ہوئے کہا۔ سیٹھ جی اب میری جان کو رو رہے ہوں گے۔

رضا علی۔ کیا اس غریب کی مٹھائی لے آئے۔

فرخ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پوری ٹوکری مٹھائی کی اور آدھے مالٹے اڑا لایا۔

رضا علی۔ وہ تو اپنا دل پکڑ کر بیٹھ گئے ہوں گے۔

روشن آرا۔ اے ہے بیٹا، یہ تو چوری کا مال ہوا۔ یہ عادت کب سے سیکھی۔

رضا علی۔ آپا جان تو بالکل چچی اماں معلوم ہونے لگیں۔ ویسی ہی باتیں، وہی صورت اور شکل جب میں یہاں سے گیا تھا تو ان کی اتنی ہی عمر ہو گی۔

یہ لوگ ابھی کھانے سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ ڈولیاں اور تانگے آنے شروع ہو گئے۔ فرخ کے آنے کی اطلاع سب کو ہو گئی تھی۔ شام تک رضا علی کے آنے کی خبر بھی کنبہ میں پھیل گئی سب لوگ مبارکباد کو آنے لگے۔

تیسواں باب

افشاں چھ مہینے سے اپنے باپ کے پاس تھی۔ بظاہر اس کی زندگی میں نمایاں فرق آتا تھا۔وہ اب پردہ کی قید سے آزاد تھی۔ روزانہ اپنے باپ کے ساتھ سیر و تفریح کو جاتی تھی وہ اپنی مرضی سے جیسا چاہتی تھی پہنتی تھی جس طرح چاہتی تھی سوتی جب چاہتی اٹھتی کوئی روکنے یا منع کرنے والا نہیں تھا۔۔محسن نے اس کا دل بہلانے کے لیے نئے نئے رسالے اور دلچسپ ناول منگوا دیے تھے وہ اپنی عادت کے خلاف رات کے کھانےکے بعد اس کو اپنے ساتھ لے کر باغ میں چہل قدمی کرتے تھے۔اس کی معلومات میں اضافہ کے لیے کبھی واقعات عالم اور کبھی اپنے سیر و سفر کے حالات سناتے تھے۔وہ ہمیشہ اس سے انگریزی میں گفتگو کرتے تھے ان کی خواہش تھی کہ افشاں گوہر و جواہر سے کسی چیز میں کم نہ رہے۔ افشاں خود بھی حتی المقدور باپ کے سامنے خوش رہنے اور ان کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔۔مگر جو فکر و غم کا پہاڑ اس کے اوپر ٹوٹا تھا وہ اس کی میں دبی جارہی تھی۔ علاوہ اس کے وہ زرتاج بیگم کی چالوں اور ان کے ارادوں سے بھی واقف تھی اس کو گوہر کے طنزیہ فقروں سے بھی کوفت ہوتی تھی وہ بچپن سے اس قسم کی باتوں کی عادی نہیں تھی دادی پھوپھی نے بڑے لاڈ پیار سے پالا تھا وہ نصیحت کیلئے اس کو ڈانٹتی بھی تھیں غصہ کرتی تھیں مگر ان کے ہر ہر لفظ سے محبت کی بو آتی تھی۔ یہاں نہ کسی کی ڈانٹ تھی نہ غصہ صرف بے رخی اور بے تعلقی اس کے دل کو پاش پاش کئے دیتی تھی جس قدر محسن لڑکی کا خیال کرتے تھے اسی قدر زرتاج بیگم اس سے کشیدہ ہوتی جاتی تھیں افشاں اپنی اٹھارہ برس کی قید کی اس آزادی پر ترجیح دیتی تھیں۔ اس کو اپنا وہی پران قفس اور اجرا ہوا باغ یاد آتا تھا۔وہ یہاں کے چہچہوں نغمہ سرائیوں اور سبزہ زاروں سے اکتا گئی تھی مگر ایک پر کٹی چڑیا کی طرح پھڑ پھڑا کر رہ جاتی تھیں وہ اپنے باپ کی شفقت اور محبت کا خیال کرکے خاموش تھی زیادہ تر اس کو اپنے مستقبل کی فکر تھی آنے والے دور میں اندھیرا

ہی اندھیر انظر آتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ٹریننگ ختم ہوتے ہی فرخ کو لڑائی پر بھیجدیا جائے گا پھر انجام کیا ہوگا؟ وہ کانپ جاتی تھی، گھنٹوں سوچا کرتی تھی اور رویا کرتی تھی کیا فرخ کے فوج میں جانے کیوجہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی اکثر وہ خیال کرتی تھی کیا نصیرہ بیگم اور ان کی لڑکیوں ہی کا کہنا ٹھیک تھا؟ فرخ کے ساتھ زبردستی کی گئی؟ کیا وہ حمیدہ ہی کو پسند کرتے تھے؟ لیکن یہ خیال اس کے دماغ میں زیادہ دیر نہیں ٹھیرتا تھا اس کو چین نہیں آتا تھا بچپن سے لے کر نکاح کے وقت کا زمانہ ایک منٹ میں اس کی آنکھوں کیسامنے سے گذر جاتا تھا سینکڑوں شرارتیں فرخ کی ایسی تھیں جن کا کبھیک اسے خیال بھی نہیں آتا تھا بہت سے واقعات وہ بھول چکی تھی مگر اب وہ نشتر بن کر دل میں ہر وقت چبھا کرتے تھے جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا تھا۔ سینکڑوں شرارتیں فرخ کی ایسی تھیں جن کا کبھی اسے خیال بھی نہیں آتا تھا بہت سے واقعات وہ بھول چکی تھی مگر اب وہ نشتر بن کر دل میں ہر وقت چبھا کرتے تھے جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا تھا۔ افشاں کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی۔ گلشن کے پچھلے خط نے تو اس کی راتوں کی نیند اڑادی تھی۔ انہوں نے لکھا تھا۔ فرخ اپنی ٹریننگ ختم کر کے عنقریب آنے والے ہیں اس کو آنے کے لفظ سے کچھ خوشی نہیں ہوئی وہ فرخ کے جانے کی فکر میں پڑ گئی...... وہ اب پہلے کی طرح ہر بات سے بے خبر نہیں ہوئی۔ چھ مہینے میں کافی معلومات ہو گئی تھی وہ روزانہ ریڈیو پر لڑائی کی خبریں سنتی تھی۔ اخبار پڑھتی تھی فلموں میں اپنی آنکھ سے لڑائی کے ہولناک اور تباہ کن منظر دیکھتی تھی اس کو جس وقت یہ خیال آتا تھا کہ فرخ کی صورت اب کبھی نظر نہیں آئے گی تو وہ اپنی زندگی سے بیزار ہو جاتی تھی وہ گمان بھی نہیں کر سکتی تھی کہ فرخ کبھی اس سے جدا ہو

اپنی بلی کو گود میں لیے آ گئیں اور تیوری چڑھا کر افشاں سے پوچھا۔رات آپ ڈنر میں کیوں نہیں گئیں

افشاں۔مجھے زیادہ مجمع میں جاتے ہوئے شرم آتی ہے ابھی تک میں کسی ڈنر پارٹی میں شریک نہیں ہوئی۔

گوہر۔تمہاری وجہ سے ابا میاں نہیں گئے حالانکہ ان کا جانا ضروری تھا ہر شخص نے ان کے متعلق پوچھا۔

افشاں۔میں نے ابا میاں کو منع تھوڑی کیا تھا۔

گوہر۔منع تو خیر نہیں کر سکتی تھیں مگر تمہاری وجہ سے ان کی آزادی میں فرق آ گیا انہوں نے تمہیں اپنے پاؤں کی بیڑی بنا لیا۔

افشاں کو یہ فقرہ بہت ناگوار گذرا اس کو لڑنے کی عادت نہیں تھی آنکھوں میں آنسو بھر کر خاموش ہو گئی۔جواہر نے اپنی بہن سے کہا۔اس قسم کی باتوں سے تمہار مطلب کیا ہے۔

گوہر۔میرا مطلب ہے کہ جب ان کا پردہ اٹھ گیا تو یہ ہم لوگوں کیساتھ ہر جگہ کیوں نہیں آتیں جاتیں۔

جواہر۔ابھی انہیں عادت نہیں ہے رفتہ رفتہ آنے جانے لگیں گی۔

گوہر۔تم ان کی طرف سے کیوں بول رہی ہو؟

جواہر۔میں ہزار مرتبہ بولوں گی ایک شخص کو بالکل پاگل ہی بنا لیا۔

گوہر۔اوہو تمہیں بڑی ان کی مامتا ہے۔

جواہر۔دیکھو میں کہے دیتی ہوں آئندہ مجھ سے اس قسم کی باتیں نہ کرنا میں تمہاری طرح خودغرض اور بے انصاف نہیں ہوں۔

گوہر۔خودغرضی اور بے انصافی کیا ہوتی ہے۔یہ تم نے کیا کہا؟

جواہر۔اچھا جاؤ فضول باتیں مت کرو۔

گوہر طنزاً۔ اب دادی اماں اور پھوپھی جانکی قائم مقامی تم کر رہی ہو۔

جوہر۔ ہاں کسی تو کرنی چاہیے۔

گوہر۔ کیا ابا میاں کی دلجوئی اور محبت ان کے لیے ناکامی ہے۔ انہوں نے تو ان کی وجہ سے دنیا ترک کر رکھی ہے۔

جواہر۔ تم کیوں جلتی ہو؟

گوہر۔ جلنے کی بات ہی ہے ہم لوگوں کو تو کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ان میں کون سا سرخاب کا پر لگا ہے۔

جواہر۔ امی جان کو خدا زندہ رکھے وہ ہماری دل جوئی اور محبت کے لیے کم ہیں جو ہم ابا میاں کی شکایت کریں۔ ان بیچاری کے سوائے ان کے اور کون ہے۔

گوہر۔ یہ تو انہیں کی غلطی ہے شروع سے انہوں نے امی جان کو غیر سمجھا اور ان کی اب بھی یہ کیفیت ہے کہ ان کی فلاح و بہبود کی کوشاں ہے۔ اگر یہ ان کی مرضی پر چلیں تو زندگی سنور جائے۔

افشاں نے گوہر کی طرف دیکھ کر کہا۔ میں نے تو کبھی امی جان کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔

گوہر۔ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں بمبئی سے آنے کے بعد امی جان تمہیں بھائی جان کے ہاں لے جانا چاہتی تھیں مگر تم نہیں گئیں۔

اول تو ابا میں اس زمانہ میں کافی کمزور تھے دوسرے انہوں نے مجھے اجازت نہیں دی میں کیسے چلی جاتی۔

گوہر۔ اگر تمہیں امی جان کی خوشی منظور تو ضد کر کے جاتیں۔

افشاں مسکرا کر۔ ضد تو میں نے کبھی کسی بات پر کی ہی نہیں۔

گوہر۔ ایسی نہ ہوتیں تو اپنی مرضی کے خلاف زبردستی نکاح کیوں پڑھوا لیتیں نہ اپنے انجام کا خیال کیا نہ دوسرے کی زندگی کا۔

افشاں۔ میں نے کس کی زندگی کا خیال نہیں کیا؟

گوہر۔ فرخ بھائی بیچارے اس کمبخت نکاح کی وجہ سے تو فوج میں گئے لڑائی پر جانا کوئی ہنسی کھیل ہے۔ کون زندہ واپس آتا ہے۔

افشاں نے کوئی جواب نہیں دیا وہ سوچ میں پڑ گئی۔ کیا نکاح کی وجہ سے فرخ فوج میں گئے؟

جواہر نے اپنی بہن سے کہا۔ دیکھو میری زبان نہ کھلواؤ مجھے غصہ آ رہا ہے۔ یہ بیچاری ابھی تک بے خبر ہے۔

گوہر۔ تمہیں کیوں غصہ آ رہا ہے۔

جواہر۔ تمہاری بیوقوفی پر۔

گوہر۔ دنیا میں ایک تم ہی عقلمند ہو۔

جواہر۔ (مسکرا کر) دنیا میں تو نہیں مگر تم سے زیادہ ہوں۔

گوہر۔ اچھا مہربانی کر کے خاموش رہو۔ میں افشاں آپا سے بات کر رہی ہوں۔

افشاں (جواہر سے) تم نے ابھی یہ کیا کہا تھا کہ یہ بے چاری بے خبر ہیں۔

جواہر۔ جانے بھی دو اس ذکر کو دوسری بات کرو۔

افشاں۔ کیا کوئی خاص بات مجھ سے چھپانے کی ہے۔

گوہر۔ چھپانے کی کوئی بات نہیں امی جان نے اس وقت جو کچھ کہا تھا سب ٹھیک تھا کسی کا ڈر تو ہے نہیں جو چھپایا جائے۔

افشاں۔ مجھے بھی تو بتاؤ امی جان نے کیا کہا تھا کس موقع پر کہا تھا؟

جواہر۔ دادا ابا کے انتقال کے بعد امی جان دلی گئی تھیں تم بمبئی میں تھیں اس موقع پر کچھ ناخوشگوار باتیں ہو گئی تھیں۔

افشاں۔ کس سے ہوتی تھیں۔

افشاں۔ کس سے ہوئی تھیں۔

جواہر۔ پھوپھی اماں اور پھوپھا ابا اور امی جان سے۔

افشاں۔ کس وجہ سے؟

گوہر۔ ابا میں کی عدم موجودگی میں آپ کا نکاح جوان لوگوں نے کر دیا تھا۔

افشاں۔ وہ تو دادا ابا نے کیا تھا۔

افشاں۔ امی جان نے کیا کہا تھا۔

جواہر۔ امی جان نے اس وقت خواہ مخواہ جھگڑا نکالا۔ فرخ بھائی بھی بگڑ گئے۔ اور شاید اسی وجہ سے وہ فوج میں چلے گئے۔

افشاں نے کوئی جواب نہیں دیا کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے جواہر سے پوچھا۔ ابا میاں کو ان باتوں کی خبر ہے۔

جواہر۔ میرے خیال میں تو ابھی تک ابا میاں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ فرخ بھائی فوج میں چلے گئے۔ کئی روز امی جان سے کہہ رہے تھے کہ اب میں بالکل اچھا ہوں۔ افشاں کو دلی پہنچا دوں گا۔

افشاں کچھ جواب دینا چاہتی تھی کہ محسن گھبرائے ہوئے تار کا لفافہ ہاتھ میں لیے کمرہ میں آئے لڑکیاں خاموش ہو گئیں۔ افشاں اپنے باپ کی صورت اور تار دیکھ کر سہم گئی محسن نے لفافہ افشاں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ لو رضا علی آ گئے۔ افشاں اس قدر متحیر تھی کہ کچھ بول نہ سکی۔ گوہر نے پوچھا۔ کون رضا علی۔

محسن نے کہا۔ فرخ کے باپ۔

گوہر و جواہر دونوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔ ان کا تو جہاز ڈوب گیا تھا وہ کہاں سے آ گئے۔

محسن نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ مجھے کچھ خبر نہیں زرتاج بیگم سے کہدو گوہر اپنی ماں کو بلا کر لائیں۔۔۔ محسن نے تار اٹھا کر ان کے ہاتھ میں دیدیا زرتاج بیگم نے تار پڑھ کر کہا۔ یہ کیسے آ گئے مجھے تو یقین نہیں آتا؟

محسن ۔یقین آنے کی تو بات نہیں ہے ۔مگر بھائی حامد حسن نے تار دیا ہے یقین کر نا ہی پڑے گا۔

زرتاج بیگم ۔مجھے تو شبہ ہے کسی نے مذاق نہ کیا ہو۔

محسن ۔مذاق کرنے کا کیا موقع ہے اور کون مذاق کرے گا۔

زرتاج بیگم۔شاید فرخ کی حرکت ہے۔

محسن ۔کس وجہ سے؟

زرتاج بیگم۔ویسے ہی شرارت میں۔

محسن نے کوئی جواب نہیں دیا۔خاموش اٹھ کر باہر چلے گئے۔وہ سوچ رہے تھے اکثر ڈوبے جہازوں میں مسافر بچا لیے جاتے ہیں۔رضا علی بھی انہیں لوگوں میں ہوں گے ان کے اور ساتھی معلوم ہوتا ہے ڈوب گئے ورنہ سب ساتھی بھی آتے مجھے ایک آس لگی ہوئی تھی کبھی امید کی جھلک نظر آجاتی تھی میں خیال کرتا تھا ممکن ہے بچ نکلے ہوں مگر اس وقت وہ آس بالکل ٹوٹ گئی محسن کا سر چکرانے لگا وہ بمشکل اپنے کمرہ میں پہنچ کر سہری پر لیٹ گئے انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں پھر دماغی دورہ نہ پڑ جائے مگر پے در پے حادثات نے ان کے دل و دماغ کو مضبوط کر دیا تھا طبیعت رنج وغم کھانے کی خوگر ہو گئی تھی۔وہ دوپہر تک پڑے سوچتے رہے کھانا بھی نہیں کھایا۔شام کی چاء پر بھی خاموش رہے رات کے کھانے کے بعد افشاں کو اپنے کمرہ میں بلا کر شروع سے آخر تک کے مفصل حالات اس کو سنائے اور ایک بیش قیمت انگوٹھی پانچ ہیروں کی دیکر کہا۔یہ تمہاری ماں کی نشانی ہے اس کو ہمیشہ اپنی انگلی میں پہنے رہنا۔"

افشاں یہ عجیب وغریب قصہ سن کر حیران رہ گئی اس کے دل کو سخت صدمہ ہوا مگر وہ اپنے باپ کی حالت کا اندازہ کر رہی تھی۔کس قسم کے آدمی ہیں ایسا تو کوئی نہیں ہو سکتا۔محسن نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔اب تم جا کر سو جاؤ اور کسی سے ذکر نہ کرنا میں تو چاہتا تھا تم سے بھی نہ کہوں مگر آج میرا صبر وضبط ختم ہو گیا۔

افشاں خاموش اٹھ کر چلی گئی مگر تمام رات اسے نیند نہیں آئی۔

دوسرے دن دوپہر کی ڈاک سے رضا علی کا خط محسن کے نام آیا جو انہوں نے لاہور پہنچ کر لکھا تھا اپنے سیر و سفر کے حالت اور کچھ پوشیدہ باتیں۔خط پڑھ کر محسن نے ایک لمبا سانس لے کر کہا۔شکر ہے۔مالٹا میں کسی کو بھی جگہ نہیں ملی۔افسوس ابا جان کی موت نے بڑی جلدی کی کچھ تو انتظار کرنا چاہیے تھا۔

رات کے کھانے پر محسن نے افشاں سے کہا۔تم اپنا سامان ٹھیک کرلو۔میں دو ایک دن میں دلی جاؤں گا۔

زرتاج بیگم۔افشاں کو لے جانے کا موقع نہیں ہے تم خود چلے جاؤ۔

محسن۔کیوں افشاں کو لے جانے کا موقع کیوں نہیں ہے۔

زرتاج بیگم۔رضا علی اور حسن آرا کو خود برات لے کر آنا چاہیے۔یہ دستو تو ہم نے کہیں نہیں دیکھا کہ لڑکی کے باپ خود پہچانے جائیں۔

افشاں اٹھ کر اپنے کمرہ میں چلی گئی۔وہ دلی جانے کا سن کر خوش ہوگئی مگر زرتاج بیگم کے دخل دینے سے اسے کوفت ہوئی۔

محسن نے زرتاج بیگم سے کہا۔میں کسی دستور رواج کا پابند نہیں ہوں اس موقع پر لڑکی کا لے جانا ضروری ہے۔

زرتاج بیگم۔لڑکی کا لے جانا کوئی ضروری نہیں ہے۔میں اس کے واسطے کپڑے تیار کر رہی ہوں اس کو کچھ جہیز بھی دو گے یا نہیں؟

محسن نے کچھ سوچ کر کہا۔میں اس کو اپنے ساتھ واپس لے آؤنگا۔

زرتاج بیگم۔اب کوئی واپس نہیں آنے دے گا۔اس وقت تو تمہاری بیماری کے خیال سے سب خاموش ہوگئے تھے۔

محسن۔یہ کیا ضروری ہے کہ کپڑے وغیرہ ہی دے جائیں گے۔جو کچھ ہمیں دینا ہوگا نقد دے دیں گے۔

زرتاج بیگم۔ تمہاری طبیعت میں اس قدر ضد کیوں ہے تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا تمام برائی میرے اوپر آئے گی ہر شخص یہی کہے گا اس کی اپنی ماں ہوتی تو کبھی اس طرح نہ بھیج دیتی۔ علاوہ اس کے لڑکی کے دل میں بھی یہی خیال آئے گا۔

محسن نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ میں بعد میں سوچ کر بتاؤں گا۔

زرتاج بیگم۔ بھی اپنے کمرہ میں آ گئیں اس وقت ان کے دل میں نئے نئے منصوبے اور طرح طرح کے خیالات چکر لگا رہے تھے کبھی وہ سوچتی تھیں کہ محسن کے دلی جانے کے بعد افشاں کو لیکر شہریار کے ہاں چلی جائیں۔ کبھی خیال کرتی تھیں خود محسن کے ساتھ دلی جا کر حالات معلوم کریں وہ خدا سے چاہتی تھیں کہ فرخ جلد سے جلد لڑائی پر بھیج دیئے جائیے۔ انہیں اس وقت محسن کا دلی جانا بھی ناگوار تھا وہ سمجھتی تھیں کہ فرخ بھی اپنے باپ سے ملنے آئے ہوں گے۔ اب تک محسن کو یہ خبر نہیں تھی کہ فرخ فوج میں چلے گئے اور کس وجہ سے گئے آغا صاحب بیٹی کے ہم خیال نہیں تھے انہوں نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ افشاں کے معاملہ میں ہرگز دخل نہ دیں۔

نصیر بیگم کو جب سے یہ معلوم ہوا تھا کہ زرتاج بیگم گوہر سے فرخ کی شادی کرنا چاہتی ہیں انہوں نے خط و کتابت بند کر دی تھی۔

رضا علی کے یکا یک آ جانے سے زرتاج بیگم عجیب شش و پنج اور کش مکش میں پڑ گئی تھیں۔

اکتیسواں باب

رضا علی کا آنا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ ان کی آمد کی خبر سن کر ہر شخص اچنبھے مین رہ جاتا تھا۔ تمام خاندان اور دوست احباب میں ایک دھوم مچ گئی تھی باوجود سید صاحب کے حسرناک واقعہ کے گھر میں کئی روز خوب گہما گہمی رہی۔ سب رشتہ داروں کے ہاں سے کونڈے اور صدقہ کے تیل ماش اور ٹکے آئے۔ جوڑے آئے۔ دعوتیں ہوئیں۔ گھر میں نیازیں نزریں ہوئیں منتیں مرادیں پوری کی گئیں غرض جو جو باتیں سید صاحب کی زندگی میں ہونی چاہیے تھیں سب ہی ہوئیں آٹھویں روز تک رضا علی کو ایک منٹ کی فرصت نہیں ملی۔ لوگ ان کو ہر وقت گھیرے رہتے تھے احسن ممتاز اطلاع پاتے ہی ملنے آئے گھر والوں کو محسن کے نہ آنے پر تعجب تھا۔ رضا علی جب سے آئے تھے بار بار انہیں کا ذکر کرتے تھے۔ وہ افشاں کو دیکھنے کے بیحد متمنی تھے اور فرخ کے ساتھ اس کے نکاح کو معلوم کر کے اس کے دیکھنے کا بہت شوق پیدا ہو گیا تھا ان کی آنکھوں میں وہی اٹھارہ برس پہلے کا سرخ گوشت کا لوتھڑا سفید کپڑے میں لپٹا ہوا پھرنے لگتا تھا جس کو وہ خود جہاز پر نرس کے حوالہ کر گئے تھے۔ نہ جس کی پرورش کا کوئی انتظام تھا زندگی کی کوئی امید جو اپنی ماں کی آغوش سے ایسی نفرت سے دور پھینکا گیا تھا گویا وہ کوئی زہریلا سانپ تھا۔ وہ خیال کرتے تھے یہ سب کچھ میں نے ہی کیا تھا اگر چاہتا تو اس کو بھی اپنے ساتھ واپس لے جاتا واقعی میں نے محسن کے ساتھ بہت زیادتی کی تھی۔ مگر مجھے خود ہی اس وقت تک کچھ علم نہیں تھا میں نے یہی سوچا کہ مرے یا جیے لڑکی ہے۔ اس کو یہودیوں کے ہاتھ میں نہیں چھوڑنا چاہیے خدا خود محافظ ہے۔۔۔ رضا علی خود ہی محسن کے پاس جانا چاہتے تھے۔ مگر ان کو فرخ کی طرف سے ایک کھٹکا سا لگا ہوا تھا۔ وہ سمجھتے تھے نہ معلوم کس وقت اس کی طلبی کا حکم آ جائے لڑائی نے خطرناک صورت اختیار کر لی تھی مڈل ایسٹ کے مورچہ پر بھار بھن رہا تھا ہندوستان سے لگاتار فوجیں ادھر بھیجی جا رہی تھیں۔ حسن آرا اور روشن آرا کی

خواہش تھی کہ افشاں کو رخصت کرالائیں مگر عابد حسن اور رضا علی نے مخالفت کی۔ نصیرہ بیگم کو ابھی تک بھائی سے مفصل گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملا تھا ایک دن انہوں نے بیماری کا بہانہ کر کے رضا علی کو اپنے ہاں بلایا اور شروع سے آخر تک محسن اور ان کی بیوی کی تمام باتیں بیان کیں رضا علی نے اپنی بہن سے تو ہاں ہوں کر کے ٹال دیا لیکن گھر میں آ کر عابد حسن اور حسن آرا روشن آرا سے معاملہ کی تشریح کی۔ انہوں نے عابد حسن سے کہا۔ تعجب ہے آپ لوگوں میں سے کسی نے ابھی تک مجھے فرخ کے فوج میں جانے کی اصل وجہ نہیں بتائی۔ آج آپا کی زبانی مفصل حالات معلوم ہوئے۔

عابد حسن۔ بھئی میں نے تو تم سے کہا تھا کہ فرخ کو محسن کی طرف سے غلط فہمی ہوئی اور وہ بغیر سمجھے بوجھے یہ حرکت کر بیٹھا۔

رضا علی۔ محسن کی طرف سے تو اس کو اس وقت غلط فہمی ہوئی جبکہ انکی بیوی نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ طلاق دلوا سکتے ہیں۔

عابد حسن۔ (دھیمی آواز میں) طلاق کا لفظ تو نہیں تھا بے شک انہوں ے غصہ میں یہ کہہ دیا تھا کہ محسن کو نکاح فسخ کرانے کا حق ہے۔

رضا علی۔ خیر وہ بات ایک ہی ہے۔ مطلب ان کا علیحدگی کروانے سے تھا۔ فرخ تو خیر غصہ کا تیز اور بیوقوف لڑکا ہے گر کوئی بھی غیرت دار شخص اپنی توہین اور ذلت گوارا نہیں کر سکتا، میں تو کہتا ہوں اس نے بہت تحمل اور ضبط سے کام لیا ورنہ ایسے موقوں پر جانیں جاتی رہتی ہیں۔

عابد حسن۔ ہاں یہ تو تمہارا کہنا ٹھیک ہے مجھے بھی بہت غصہ آیا تھا۔

رضا علی نے حسن آرا اور روشن آرا کی طرف دیکھ کر کہا۔ جب حالات ایسے ناخوشگوار تھے اور محسن کو فرخ اسے اس قدر نفرت تھی تو تم سب کو اس رشتہ کی مخالفت کرنی چاہیے تھی۔

روشن آرا سمجھ گئیں کہ یہ نصیرہ بیگم کے سکھائے پڑھائے ہیں انہوں نے کہا۔ بھائی میں تو اس گھر میں بیٹھ کر چور بن گئی مجھے تو ابا جان اور حسن آرا کی تنہائی کا خیال تھا میں نہیں جانتی تھی کہ سارا الزام ہمیں دونوں میاں بیوی پر آئیگا۔

میں آپ لوگوں پر الزام نہیں لگا رہا۔ یہ کہہ رہا ہوں۔۔۔ روشن آرا نے بات کاٹ کر کہا۔ تمھیں کیا خبر یہاں کیا کیا جال پھیر پڑے ہوئے ہیں۔ میں تو خاندان میں شیطان کی طرح مشہور ہو رہی ہوں فرخ کی منگنی میں نے زبردستی کروائی ابا جان کی نزع کی حالت میں تمہارے بھائی نے ہی قاضی کو بلوا کر نکاح پڑھوایا خدا جانتا ہے اس وقت ہم لوگوں کو اپنی جان کا بھی ہوش نہیں تھا۔ کس کا نکاح کیسا بیاہ اگر یقین نہ ہو تو رائے صاحب اور مرزا صاحب سے پوچھ لو۔

روشن آرا کا لہجہ تیز ہوتا جا رہا تھا عابد حسن نے بیچ میں دخل دیتے ہوئے کہا۔ بھئی میں نے تم سے کہا تھا نا کہ ماموں جان نے وہ خبر رائے صاحب کے ہاں پڑھی تھی انہوں نے اپنی حالت کا اندازہ کر کے وہیں سے قاضی صاحب کو بلانے کو آدمی بھیج دیا تھا گھر میں تو بعد میں آئے تھے۔

رضا علی۔ میں تو یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ لوگوں نے نکاح پڑھوایا۔ میرا مقصد ہے شروع ہی سے خیال قائم نہیں کرنا چاہیے تھا۔

روشن آرا۔ یہ مرنیوالے جانیں۔

رضا علی۔ مرنے والوں کا کوئی ذکر نہیں خدا انہیں بہشت نصیب کرے یہ تو حسن آرا کو چاہیے تھا یہ اپنے لڑکی کی طبیعت سے بھی ناواقف تھیں اور محسن کا رنگ بھی انکو معلوم تھا انہوں نے دوراندیشی سے کام نہیں لیا۔

روشن آرا۔ حسن آرا کی تو وہی مثل ہے۔ نقصان مایہ شماتت ہمسایہ قسمت کی بات ہے نہ ابا جان کو اچانک موت آتی نہ یہ بنا بنایا کھیل بگڑتا۔ اب تو مخالفین کی بن آئی

رضا علی۔ مخالفین کون؟

حسن آرا نے خیال کیا کہیں روشن آرا نصیرہ بیگم کا نام نہ لے دیں۔ وہ جلدی سے بولیں افشاں کے تو خاندان والے سب ہی مخالف ہیں کوئی نہیں چاہتا تھا کہ فرخ سے اس کی شادی ہو وہ تو اماں کے آگے کی کی بولنے کی جرات نہیں ہوئی۔

رضا علی۔ کیا فرخ بھی نہیں چاہتا تھا۔

عابد حسن۔ فرخ موجود ہے جس وقت چاہو پوچھ لو مگر ان فضول باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ خدا اس کو لڑائی کی آگ سے محفوظ رکھے اگر اس کی مرضی ہو گی لڑکی کو وداع کرا لانا ورنہ جہاں اس کی خوشی ہو گی کر دینا۔ محسن کو اپنی لڑکی کا اختیار ہے نہ ماموں جان رہے نہ ممانی جان۔

رضا علی۔ فرخ کے فوج میں جانے سے محسن مطمئن ہوں گے۔

عابد حسن۔ محسن کو اب تک خبر ہی نہیں۔

رضا علی۔ ان سے چھپانے میں کیا مصلحت تھی؟

عابد حسن۔ بھئی محسن نے بیماری کی حالت میں ماموں جان کے انتقال کی خبر سنی پھر میں نے ڈرتے ڈرتے نکاح کا تذکرہ کیا کیونکہ ان کی بیوی کی باتوں سے مجھے اندیشہ ہو گیا تھا میں سمجھتا تھا نکاح کا سن کر بگڑ جائیں گے مگر انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یہاں آئے تو بار بار فرخ کو پوچھتے تھے ہم لوگوں نے مناسب نہیں سمجھا کہ یہ تکلیف دہ خبر ان کو سنائیں۔

رضا علی۔ ان کی بیوی نے تو کہہ دیا ہو گا۔

گئی۔

رضا علی۔ اس نے اپنے باپ سے نہ کہا ہوگا۔

روشن آرا۔ وہ لڑکی ایسی نہیں ہے، خدا اس کا نصیبہ اچھا کرے اس زمانہ میں ایسی لڑکی کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گی۔

رضا علی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموش باہر چلے گئے۔

فرخ ایک مہینہ کی چھٹی پر گھر آئے تھے لیکن تین ہی ہفتے بعد ان کی طلبی کا حکم آ گیا...... حسن آرا کی پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ میاں کے آنے سے جو خون بڑھا تھا وہ ایک دم خشک ہو گیا۔ فرخ نے بہتیرا سمجھایا کہ ابھی میری ٹریننگ باقی ہے اناڑی آدمیوں کو لڑائی پر نہیں بھیجا جاتا۔ مگر وہ کوئی بچہ تھے کہ لڑکے لئے بہلانے میں آ جاتیں ان کی حالت بیماروں سے بدتر ہو گئی۔۔۔ فرخ اپنے باپ کے آ جانے سے ماں کی طرف سے مطمئن تھے مگر افشاں کی معصوم صورت گھر کے کونہ کونہ میں نظر آ رہی تھی۔ وہ کچھ گھبرائے ہوئے سے گھڑی اندر آتے تھے گھڑی باہر جاتے تھے گویا کسی گمشدہ چیز کی تلاش ہو۔ وہ کئی مرتبہ بغیر ارادہ کے افشاں کے کمرہ میں آئے اور لاحول والقوۃ کہہ کر الٹے پاؤں واپس چلے گئے۔ اس کمرہ میں اب گلشن رہتی تھیں ایک مرتبہ انہوں نے پوچھا۔ فرخ کیا تمہاری کوئی چیز کھو گئی ہے۔

فرخ نے جواب دیا۔۔ ہاں''

گلشن۔ کیا چیز تھی؟

فرخ [illegible]

گلشن۔ کیا کوئی قیمتی چیز تھی؟

فرخ۔ انمول۔

گلشن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ معلوم ہوتا ہے منگنی کی انگوٹھی کہیں پھینک دی۔

فرخ نے یہ بناوٹی مسکراہٹ سے کہا۔ تم کافی ذہین ہو۔

گلشن نے گھبراہٹ کے لہجہ میں کہا۔ کیا واقعی انگوٹھی جاتی رہی۔

فرخ نے اپنی انگلی کی انگوٹھی دکھاتے ہوئے کہا۔ ارے بی نہ معلوم کیوں۔ آج اس گدھی کا بار بار خیال آ رہا ہے کیا تمہارے پاس اس کی کوئی تصویر ہے۔

گلشن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے انہوں نے آہستہ سے کہا۔ ہاں ہے تو۔

فرخ کا دل بھی بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے فرش پر بیٹھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا مجھے دکھا سکتی ہو۔

گلشن بغیر کوئی جواب دیے آنسو پونچھتی ہوئی اٹھیں اور افشاں کی تصویر فرخ کے ہاتھ میں دے دی...... بے بسی اور مظلومیت کا مجسمہ سامنے آ گیا۔ ایک بے زبان فریادی کی خاموش نظروں نے فرخ کے دل و دماغ میں ایک طوفان سا برپا کر دیا ان کے ہاتھ کانپنے لگے انہیں اس وت اپنی غلطی پر بے حد افسوس ہوا۔ وہ بڑی دیر تک سر پکڑے خاموش بیٹھے رہے گلشن فرخ کی حالت کا اندازہ کر رہی تھیں انہوں نے اٹھ کر پانی پلایا فرخ نے پانی پی کر فیصلہ کن انداز سے کہا۔ ضرور ضرور۔

گلشن نے پوچھا۔ کیا کہہ رہے ہو۔

فرخ نے کہا۔ تم سے نہیں کہہ رہا۔

گلشن نے طعن آمیز لہجہ میں کہا۔ پہلے تو اس بیچاری کا خیال نہیں کا اب پاگلوں کی طرح تصویر سے باتیں کرنے لگے۔

رضا علی نے فرخ کو آواز دی۔ فرخ کھڑے ہو گئے تصویر گلشن کو دینے لگے انہوں نے کہا۔ تم اپنے پاس رکھ لو میں اور منگوا لوں گی۔

فرخ نے سنجیدگی سے شکریہ۔ کہہ کر اپنی جیب میں تصویر رکھ لی۔

رضا علی نے احتیاطاً باتوں باتوں میں تمام اٹلی کے حالات فرخ کو بتا دیے کون کون مقامات کہاں کہاں ہیں وہاں کے لوگ کس قسم کے ہوتے ہیں انکے آپس کے اختلافات پارٹی بندیاں، ان کی ذہنیت، غرض اپنے پچیس سال کے قیام میں جو تجربات اور معلومات حاصل کی تھی اس کا لب لباب انہوں نے بتا دیا تھا۔ کئی فوجی ڈاکٹروں اور اپنے ملنے والوں کے نام اور ان سے اپنے تعلقات بھی بتا دیئے تھے۔ ایک نوٹ بک پر بہت سے ضروری الفاظ اطالوی زبان کے لکھ دیے تھے ایک اپنی تصویر چھوٹے سائز کی دے دی تھی۔

رات کی گاڑی سے فرخ کی روانگی تھی۔ حسن آرا کے ہاتھ پیروں کی سکت جاتی رہی تھی۔ چہرہ پر زردی کھنڈی ہوئی تھی۔ مگر منہ سے بھاپ نہیں نکال رہی تھیں۔ رضا علی بظاہر خاموش تھے مگر ان کا دل بیٹھ گیا تھا ہمت پست ہوگئی تھی۔ ان کی آنکھوں میں وہی ریل کا سماں پھرتا تھا فرخ کی شرارت آمیز گفتگو اس کا پر لطف مذاق، اس کی حاضر جوابی، اس کے چٹکلے اور لطیفے غرض ایک ایک بات دل پر نشتر کی طرح چبھ رہی تھی۔

روشن آرا اور لڑکیاں چھپ چھپ کر رو رہی تھیں۔ فرخ نہایت مستعدی سے اپنے جانے کی تیاری میں مصروف تھے۔ ماں باپ کے خیال سے تیوری پر بل نہیں آنے دیا۔ اپنے دل کی بھڑاس نانا نانی کی قبر پر جا کر نکال کر آئے تھے۔ قریبی رشتہ داروں کے ہاں خود جا کر مل آئے مگر کسی سے اپنے جانے کا ذکر نہیں کیا۔ گھر والوں کو بھی تاکید کی کہ کسی کو اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمام دن اپنی ماں سے الگ الگ رہے۔ سوار ہونے سے کچھ دیر پہلے ان کے پاس آ کر بیٹھے۔ حسن آرا کا دل بے قابو ہوگیا بیٹے کو گلے لگا کر ان کی ہچکی بندھ گئی۔ فرخ کے بھی باوجو انتہائی ضبط کے آنسو جاری ہوگئے۔ رضا علی اس منظر کی تاب نہ لا کر باہر چلے گئے۔ کچھ دیر کے بعد حامد

حسن نے اپنی بیوی روشن آرا سے کہا۔ عورتیں تو بہت شگون کا خیال کرتی ہے تم سب اس وقت کیا بدشگونی کر رہی ہوں۔ خدا کا بھروسہ بالکل ہی چھوڑ دیا۔ قضاء قدر پر یقین رکھنا ہمارا ایمان ہے، انسان کے اوپر بڑی سے بری مصیبت پڑے۔ دہکتی آگ میں کود پڑے، بہتے دریا میں ڈوب جائے، مکان کی چھت آپڑے گہرے غار مے گر جائے، اگر زندگی مضبوط ہے تو اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ تمہارے سامنے تو یہ رضا علی خدا کی قدرت کا زندہ نمونہ موجود ہیں اس کی ناشکری نہ کرو۔ لڑکا ابھی لڑائی پر نہیں جا رہا۔ اس کو ہنسی خوشی اپنے کام پر جانے دو۔

رضا علی نے بھی اپنی طبیعت پر قابو پا کر کہا۔ میں ابھی دوسرے ممالک کی عورتوں کو دیکھ کر آ رہا ہوں اپنے شوہروں، بھائیوں اور بیٹیوں کو نہایت خندہ پیشانی سے رخصت کرتی ہیں۔

عابد حسن۔ ہاں بھئی پہلے ہمارے ہاں کی خواتین ان سے زیادہ بہادر اور حوصلہ مند ہوتی تھیں اپنے ہاتھوں سے ہتھیار باندھ کر بیٹوں کو جنگ پر بھیجتی تھیں تاریخ ان کے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ اگر ان لوگوں کی طرح ہوتیں تو ہمارا نام صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہوتا یہ بھی ایک قسم کی ایمان کی کمزوری ہے لاحول ولاقوۃ ہمارے ہاں کی عورتوں کی اب یہ ذہنیت ہوگئی ہے۔

حسن آرا نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ میں تو خود صبح سے ٹال رہی تھیں مگر اس وقت دل بھر آیا۔

عابد حسن۔ مجھے تو تمہاری آپا جان پر تعجب ہے خاصی بڑھیا ہوگئی ہیں مگر انہیں وہم بھی نہیں آتا۔

روشن آرا۔ اے تو کیا میں رو تھوڑی رہی ہوں۔ اپنے بچے پردیس سدھارتے ہیں تو دل کڑھتا ہی ہے۔

عابد حسن نے فرخ سے کہا۔ بیٹا رائے صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ان سے

چل کر مل آؤ۔

فرخ نے کھڑے ہوتے ہوئے اپنی ماں کے ہاتھ چوم کر کہا۔ امی جان آپ کے رونے سے میرے دل کو بہت تکلیف ہو رہی ہے اب آپ خاموش ہو جایئے۔

عابد حسن اور رضا علی باہر چلے گئے فرخ بھی رومال سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ان کے پیچھے گئے کسی کو آداب سلام نہیں کیا...... باہر کے برامدہ میں مرزا صاحب بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے فرخ کے بازو پر امام ضامن باندھتے ہوئے کہا۔

بسفر رفت مبارک باد

بسلامت روی و باز آئی۔

تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا وہی تمہارا معاون و مددگار ہے۔

جس جگہ جائے تو معین اللہ

گھر میں۔ بر میں، سدا خدا حافظ

پیٹھ جیسے دکھاتا ہے ہم کو

یونہی منہ بھی دکھا خدا حافظ۔

رائے صاحب کی کوٹھی سے فرخ سوار ہو گئے۔

اسٹیشن سے واپس آ کر عابد حسن سیدھے گھر میں گئے۔ مگر رضا علی کچھ جھنجھلائے ہوئے سے باہر چبوترہ پر ٹہلنے لگے وہ غم و غصہ کی حالت میں بار بار ہاتھ مل کر کہتے تھے۔ کاش اس گوشت کے لوتھڑے کو میں اپنے ہاتھ سے سمندر میں پھینک دیتا۔ یا س بڈھے کے سر پر دے مارتا۔ وہ بالشت بھر کا سنپولیا میرے ہی حق میں مار آستین ثابت ہوا۔ مجھے اب اس لڑکی کے ناک سے نفرت ہو گئی۔ میں اس کی شکل دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا، میں ابھی محسن کو خط لکھتا ہوں وہ اچھلو کی کو ہرگز، ہرگز یہاں لے کر نہ آئیں۔ پہلے مجھے ان کے ساتھ ہمدردی تھی، مگر اب میں خوش ہوں کہ حقیقی سکون و

چین انکو بھی میسر نہیں اور کاش ہمیشہ ان کے دل میں خلش رہے۔ میں بیس برس سے اپنے بلو کے کو دیکھنے کے لیے بیتاب تھا روزانہ اس کو خواب میں دیکھا کرتا تھا۔ ان نیند کے خوابوں سے میری امیدیں جاگ اٹھتی تھیں۔ افسوس یہ بیداری کا خواب میں نے دیکھا۔ ان نیند کے خوابوں سے میری امیدیں جاگ اٹھتی تھیں افسوس یہ بیداری کا خواب تھا۔ زندگی بھر کی تمنائیں سو گئیں دل مردہ ہو گیا۔ مجھے خبر نہیں تھی۔ یہاں گھر والوں نے میرے واسطے کانٹے بو رکھے تھے۔ مجھے ان پر سے گزرنا پڑے گا۔ لڑائی پر جان کوئی دل لگی ہے۔ مثل مشہور ہے آدمی کفن سر سے باندھ کر جاتا ہے اور پھر اس زمانہ کی لڑائی وہ بھی ایک ناتجربہ کار سیکنڈ لفٹینٹ کے لیے بم باری ہو یا گولہ باری ہر خطرہ میں جھونک دیا جاتا ہے۔ افسوس لڑکا ہاتھ سے گیا۔ ایسی ناعاقبت اندیش ماں کسی کی نہ ہو گی جان بوجھ کر لڑکے کی جان کی دشمن ہو گئی۔ مجھے اس وقت ہر شخص کی صورت سے نفرت ہو گئی۔ رضا علی ایک گھنٹہ ٹہلتے رہے اور سوچتے رہے۔

بتیسواں باب

اس وقت صبح کے ۹ بجے ہوں گے۔کوٹھی زرنگار میں غیر معمولی خاموشی اور سناٹا معلوم ہوتا ہے زرتاج بیگم اور ان کی لڑکیوں کے کمرے بند پڑے ہیں۔گول کمرہ میں محسن اخبار پڑھ رہے ہیں باہر برآمدہ میں دونوکر تاش کھیل رہے ہیں.....کوٹھی کے پھاٹک میں ایک ٹیکسی داخل ہوئی۔ایک نوکر نے گردن اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا۔صبح ہوئی اور لوگ آنے شروع ہوئے۔

دوسرے نے جواب دیا۔اس شہر میں ہمارے صاحب کی ٹکر کا کوئی بیرسٹر نہیں ہے۔پہلے نے کہا۔پانسو چھ سو روپیہ تو کما لیتے ہوں گے؟

دوسرے نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر کہا۔اے یار تو بڑا بیوقوف ہے پانسو تو ایک دن میں مل جاتے ہیں وہ تو ہمارے صاحب بہت سے موکلوں کو ٹال دیتے ہیں۔نہیں تو روپیہ کا مینہ برسنے لگے کیا سمجھا؟

پہلے نے کہا۔ہم سمجھ کر کیا کریں گے۔ہمیں کئی پانچ روپے روز بھی نہیں دیتا۔

ٹیکسی نہایت دھیمی رفتار سے آکر برتی میں ٹھیر گئی ایک نوکر جو باقاعدہ وردی میں تھا آگے بڑھا ٹیکسی میں آنے والے صاحب نے اپنے نام کا پرچہ اس کو دے دیا۔۔

موٹر کی آواز پر محسن کی نگاہیں خودبخود کمرہ کے دروازے کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

نوکر چلمن اٹھا کر کمرہ میں داخل ہوا۔اور پرچہ محسن کے ہاتھ میں دے کر جواب کے انتظار میں کھڑا رہا محسن نے پوچھا۔کیا یہ صاحب باہر کھڑے ہیں۔

نوکر نے کہا۔موٹر میں بیٹھے ہیں۔

محسن نے اخبار میز پر رکھتے ہوئے کہا۔انہیں موٹر سے اتروا ؤ۔اور ساتھ ہی خود بھی تیز تیز قدموں سے باہر نکل آئے۔۔۔آداب عرض کہتے ہوئے فرخ اپنے ماموں کی طرف بڑھے۔۔۔محسن نے آگے بڑھ کر بڑی خندہ پیشانی سے انہیں گلے لگایا اور کہا۔تم خوب آگئے ہے۔میں تو آج ہی دلی جانے والا تھا۔

خلاف توقع محسن کے محبت آمیز لہجہ نے فرخ کے دل پر خاص اثر کیا وہ حیرت سے ان کی شکل دیکھنے لگے۔ محسن نے ان کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ کمرہ میں لے جاتے ہوئے کہا۔ رضا کیوں نہیں آ گئے۔

فرخ کا دل ماموں کی ذرا سی شفقت سے بھرا آیا تھا انہوں نے دھیمی آواز میں کہا۔

میں تو آپ سے ملنے آیا ہوں۔

محسن۔ گھبرا کر۔ تم کہاں جا رہے ہو۔

فرخ۔ فی الحال تو بمبئی جا رہا ہوں وہاں سے شاید کہیں باہر بھیج دیا جاؤں۔

محسن۔ باہر کس سلسلہ میں؟

فرخ کو اس وقت بہت کوفت ہوئی۔ ان کو گھر والوں پر غصہ آیا۔ محسن ابھی تک لاعلم تھے۔ فرخ کو خاموش دیکھ کر انہوں نے دوبارہ پوچھا۔ کیا تمہیں کوئی ملازمت مل گئی ہے یا پڑھنے جا رہے ہو۔

فرخ نے دبی زبان سے کہا۔ فوج میں کمیشن مل گیا ہے۔

محسن نے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔ کمیشن، کیوں مل گیا؟ کیا تم نے کوشش کی تھی؟ یہ سوال ٹیڑھا تھا مگر فرخ پہلے سے اس کا جواب سوچے ہوئے تھے انہوں نے کہا، کوشش تو نہیں کی تھی میں شروع میں ملٹری اسکول میں تعلیم حاصل کر چکا ہوں اسی سلسلہ میں بلا لیا گیا۔

محسن۔ مگر تمہارا نام تو ایک سال کے بعد کٹوایا گیا تھا۔

فرخ۔ اس وقت ضرورت ہے کچھ خیال نہیں کیا جا رہا۔

محسن۔ (کچھ سوچ کر) ابھی تو ٹریننگ ہو گی؟

فرخ۔ ٹریننگ تو ہو گئی۔

محسن۔ کب؟

فرخ۔ چھ مہینہ سے میں ٹریننگ پر گیا ہوا تھا۔

محسن۔ (حیرت سے) کیا ابا جان کے انتقال کے بعد ہی تم چلے گئے تھے؟

فرخ۔ جی ہاں۔ ایک ہفتہ کے بعد چلا گیا تھا۔

محسن۔ لیکن مجھے تو کسی نے نہیں بتایا۔

فرخ۔ ان لوگوں نے غلطی کی۔

محسن۔ کیا۔ ابا جان کی زندگی میں تمہارے پاس اطلاع آ گئی تھی۔

فرخ۔ نانا ابا کی سوئم کی فاتحہ کے دوسرے دن حکم آیا تھا۔

محسن خاموش ہو کر فرخ کو دیکھنے لگے۔۔۔ افشاں سے نکاح کے بعد آج پہلی مرتبہ انہوں نے اس کو دیکھا۔ بلکہ اپنی عمر میں پہلی مرتبہ وہ اس کو توجہ اور غور سے دیکھ رہے تھے اس کا قد و قامت۔ اس کی شکل و صورت، اس کی سج دھج، اس کا لب ولہجہ غرض اس کی ہر چیز ان کو اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ اس میں کوئی خاص کشش ایسی محسوس کر رہے تھے جو ان کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔۔ انہوں نے اس کو اپنے پاس صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔۔ رضا کا کچھ حال بتاؤ کیسے ہیں۔

فرخ نے کہا۔ اچھے ہیں۔

محسن اس وقت بہت فکر مند تھے مگر فرخ سے اس سلسلہ میں زیادہ گفتگو کرنا نہیں چاہتے تھے انہوں نے پوچھا۔ رضا تو اب بڈھے ہو گئے ہوں گے۔

فرخ۔ ویسے تو بڈھے نہیں ہوئے مگر بال سفید ہو گئے ہیں۔

محسن نے مسکرا کر فرخ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ویسے تو بڈھے نہیں ہوئے کا کیا مطلب ہے۔

فرخ نے مسکرا کر کہا۔ اگر خضاب لگالیں تو بڈھے نہ معلوم ہوں۔

محسن۔ کیا پورے بال سفید ہو گئے۔

فرخ۔ بالکل بگلہ ہیں۔

محسن ۔(مسکرا کر)۔ بھائی صاحب نے ان کے آنے کا مفصل حال لکھا تھا تمہیں وہ خوب ریل میں مل گئے عجیب اتفاق ہوا۔

فرخ نے جی ہاں کہتے ہوئے کچھ سکوت کے بعد پوچھا۔ممانی جان کہاں ہے؟

محسن ۔انکے والد کا انتقال ہوگیا، وہیں گئی ہوئی ہیں۔

فرخ۔(تعجب سے) دلی میں تو کوئی اطلاع نہیں پہنچی۔

محسن ۔میں رات ہی کو وہاں سے واپس آیا ہوں۔اسی وجہ سے دلی بھی نہیں جا سکا خیال تھا خود ہی جا کر کہدوں گا۔

فرخ۔کیا بیمار ہوئے تھے؟

بیمار تو کچھ نہیں ہوئے تھے موٹر کا اکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔چوٹیں زیادہ آ ئیں تھیں مگر تھے طاقتور آدمی پندرہ روز رہے۔مجھے بھی وہاں رہنا پڑا ورنہ میں رضا کی آمد کے تار پر دوسرے ہی دن دلی جا رہا تھا۔

فرخ اپنے دل میں سوچنے لگے، یہاں آنا بیکاری ہی ہوا۔میرا خیال تاھ۔گوہرو جواہر کو باتوں میں ملا کر کسی نہ کسی طرح افشاں کو دیکھ لوں گا۔بڈھے کو بھی ایسے ہی موقعہ پر مرنا تھا۔ظاہر ہے افشاں بھی وہیں گئی ہو گی۔۔۔محسن نے نوکر کو بلا کر ناشتہ لانے کو کہا فرخ اسٹیشن سے چاء وغیرہ پی کر آئے تھے، مگر ماموں کے آگے کچھ بول نہیں سکے وہ شروع سے ان سے بے تکلف نہیں تھے۔۔۔محسن نے کہا۔تم غسل کر لو۔۔

فرخ۔وہ ویٹنگ روم میں نہالیا تھا۔

محسن ۔تمہارا سامان کہاں ہے؟

فرخ۔دبی زبان ۔اسٹیشن پر ہے۔

محسن اونچی آواز میں ۔کیوں؟ کیا ابھ چلے جاؤ گے۔

فرخ۔کچھ سوچ کر۔شام تک چلا جاؤں گا۔

محسن۔ کیا کل ہی بمبئی پہنچنا ہے۔

فرخ پھر سوچ میں پڑ گئے۔ محسن نے پوچھا۔ کیا سوچ رہے ہو؟

فرخ۔ کچھ نہیں، اپنے جانے کا سوچ رہا ہوں۔

محسن نے فرخ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ شاید کل پہنچنا کچھ ضروری نہیں ہے۔

فرخ نے آہستہ سے کہا۔ پہنچنا تو مجھے بیس تاریخ کو ہے۔

محسن۔ آج تو پندرہ ہے تم چار دن پہلے کیوں جا رہے ہو۔ کیا کوئی اور کام ہے؟

فرخ۔ کام تو کچھ نہیں ہے۔

محسن۔ بس تو ٹھیک ہے۔ تم چار دن یہاں رہو۔ خود بمبئی کو موٹر سے پہنچا دوں گا۔

فرخ خاموش ہو گئے۔ محسن کسی گہری سوچ میں پڑ گئے وہ بار بار فرخ کی طرف دیکھتے تھے اور خیالات میں غرق ہو جاتے تھے فرخ کبھی کبھی کنکھیوں سے ماموں کی طرف دیکھ لیتے تھے۔ نوکر نے آ کر کہا۔ ناشتہ تیار ہے۔

محسن نے کہا۔ یہیں لے آؤ۔

بیرا نے فرخ کے آگے میز رکھ کر ناشتہ لگا دیا۔ محسن نے اس سے کہا۔ تم جاؤ۔

فرخ نے چاء بنا کر پہلے محسن کو دی۔ انہوں نے پیالی لیتے ہوئے فرخ کی طرف دیکھ کر کہا۔ کیا تمہیں حسن آرا نے بھیجا ہے۔

فرخ۔ جی نہیں ان لوگوں کو میرے یہاں آنے کی خبر نہیں۔

محسن۔ دلی میں کتنے دن رہے؟

فرخ۔ کوئی تین ہفتے رہا۔

محسن۔ یہاں آ کر افشاں کو کیوں نہیں لے گئے۔

فرخ نے سوچا جب یہ خود ہی اس قسم کا سوال کر رہے ہیں تو کیوں نہ میں بھی صاف کہہ دوں، انہوں نے دبی زبان سے کہا۔ میں خود کیسے لے جاتا؟

محسن نے پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ہاں ٹھیک ہے۔ یہ ان لوگوں کو چاہیے تھا۔

اچھا، خیر تم اطمینان سے ناشتہ کرو میں ابھی آتا ہوں۔

محسن اٹھ کر سیدھے افشاں کے کمرہ میں آئے۔ وہ تنہا بیٹھی کوئی چیز بن رہی تھی۔ سفید ساٹن کی شلوار قمیض پہنے تھی اور سفید ہی دوپٹہ اوڑھے تھی۔ کانوں میں یاقوت کے بندے اور گلے میں جڑاؤ جگنی تھی۔ ہاتھوں میں چار چار سونے کی چوڑیاں پہنے تھی۔ یہ زیور وہ اپنی دادی کے ہاں بھی پہنے رہتی تھی۔ مگر ریشمی کپڑے یہاں آ کر پہننے لگی تھی کیونکہ محسن کی تاکید تھی۔ جیسے کپڑے گوہر و جواہر پہنتی ہیں ویسے ہی پہنا کرو شروع شروع اسے کچھ اوپری سے معلوم ہوئے۔ مگر کم برداری کی بچپن سے عادت تھی اپنی مرضی اور خوشی کا کبھی کوئی کام نہیں کیا...... محسن ذرا تیز تیز قدموں سے کمرہ میں داخل ہوئے اپنے باپ کو بے وقت آیا دیکھ کر وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی محسن کچھ دیر خاموش کھڑے لڑکی کو دیکھتے رہے پھر کرسی پر بیٹھتے ہوئے محبت آمیز لہجہ میں کہا۔ بیٹھ جاؤ بیٹی کیوں کھڑی ہو؟

آج پہلی دفعہ محسن نے بیٹی کہہ کر مخاطب کیا تھا اس کو تعجب ہوا۔ محسن نے کہا کیا دلی جانا چاہتی ہو۔؟

افشاں نے کہا۔ کیا آپ نہیں جائیں گے۔؟

محسن اس وقت لڑکی کا عندیہ لینے آئے تھے۔ فرخ کی طرف سے ان کو اطمینان ہو گیا تھا انھوں نے کہا۔ آج میرا ارادہ جانے کا تھا مگر کچھ ضروری کام نکل آیا ہے۔ مجھے فرصت نہیں تمہارا تنہائی میں دل گھبراتا ہوگا اگر جانا چاہو تو تار دے دوں فرخ آ کر لے جائیں۔

فرخ کے نام پر افشاں کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ محسن کچھ دیر خاموش بیٹھے اس کو غور سے دیکھتے رہے۔ وہ گردن جھکائے اپنی انگلی کی انگوٹھی کبھی اتارتی تھی کبھی پہنتی تھی۔ محسن نے کہا۔ فرخ کے ساتھ بچپن سے رہی ہو اور اب تو تمہارا نکاح اس سے ہو گیا ہے کسی کو اعتراض کرنے یا کچھ کہنے کا حق نہیں میں کچہری جا کر

تار دیے دیتا ہوں بولو؟ جانا چاہتی ہو؟

افشاں بدستور خاموش رہی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے تھے دل دھڑک رہا تھا۔ محسن نے پھر کہا۔ تار دے دوں؟

اس مرتبہ افشاں نے خیال کیا۔ کہیں میرے چپ رہنے سے ابا میاں ناراض نہ ہوں وہ دبی زبان سے بولی۔ دید یجئے۔

محسن کھڑے ہو گئے وہ اس وقت عجیب شش و پنج میں تھے۔ اپنے کمرہ میں آ کر ٹہلنے لگے وہ سوچ رہے تھے۔ لڑکے کا نکاح کر دیا تھا تو کیوں نہیں اس چھٹی میں حسن آرا لڑکی کو رخصت کر کے لے گئیں۔ یہ اس کے ساتھ ظلم کیا۔ وہ لڑائی پر جا رہا ہے اس کو اپنی بیوی سے بات چیت کرنے کا موقعہ بھی نہیں دیا میں اسی انتظار میں رہا کہ شاید لڑکی کو بلائیں مگر انہوں نے مجھے کچھی اشارۃً نہیں لکھا۔ اس کو فوج میں جانا بھی مجھ سے چھپایا گیا۔ میں خیال کرتا لڑکا خود نہیں چاہتا، مگر اس وقت اس کے یہاں آنے کا کیا مطلب ہے؟ وہ کیوں چار دن پہلے وہاں سے چلا آیا؟ میں کبھی یقین نہیں کر سکتا کہ وہ صرف مجھ سے ملنے آیا ہے میں اس کے ساتھ ظلم نہیں کر سکتا اس کی یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔ ابا جان نے انگوٹھی پہناتے وقت کہا تھا۔ جو داغ بیل میں نے ڈالی ہے اس عمارت کی تکمیل تمہارے ذمہ ہے۔ میرا فرض ہے میں ان کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ میں ایسی دوراندیشی کا قائل نہیں۔ لڑکی کی آئندہ زندگی خواہ کسی حال میں گذرے۔ میں کسی سے شکایت نہیں کروں گا۔ میری لڑکی ہے مجھے کسی صلاح مشورے کی ضرورت نہیں۔ وہ لوگ بھی بہت کچھ اپنی مرضی سے کر چکے ہیں۔ اس وقت میں اپنی رائے اور اپنی خوشی سے جو چاہوں گا کروں گا۔ محسن نے اپنی کلائی کی گھڑی دیکھی، ساڑھے دس بجے تھے۔ گیارہ بجے انہیں کسی ضروری مقدمہ میں جانا تھا۔ وہ کپڑے پہن کر فرخ کے پاس آئے۔

افشاں کی اس وقت یہ حالت تھی گویا گھڑوں پانی پڑ گیا ہو۔ اس نے اپنے باپ

سے کہنے کو تو کہہ دیا۔ مگر ان کے جانے کے بعد وہ کوچ کے بازو پر منہ اوندھا کر پڑ گئی وہ اپنے دل میں خیال کر رہی تھی۔ ابا میاں کیا کہتے ہوں گے؟ مجھے چاہیے تھا کہہ دیتی تار نہ دیجئے آپا نے اس کے قریب آ کر کہا۔ بی بی کیا آپ سو رہی ہیں؟

آپا نے کہا۔ اپنے کپڑوں کے بکس کی چابی دے دیجئے۔

افشاں نے کہا، کیوں۔

آپا نے کہا۔ صاحب نے بولا ہے آپ کا سفید دوپٹہ اتار کر رنگا ہوا اڑھا دیا جائے۔

افشاں نے تعجب سے کہا۔ کیوں کیا بات ہے۔

آپا نے کہا۔ میرے کو کچھ پتہ نہیں جلدی چابی دیجیے۔

افشاں نے کہا۔ جلدی کیا ہے میں خود نکال کر اوڑھ لوں گی۔

آپا نے کہا۔ نہیں بی بی صاحب نے حکم دیا ہے ان کے کچہری جانے سے پہلے دوپٹہ بدلوا دیا جائے۔

افشاں حیرت میں تھی۔ ابا میاں کو بھی سفید و رنگین کا خیال ہے دیکھنے میں تو ایسے نہیں معلوم ہوتے۔ اس نے کنجیاں آپا کو دے کر اپنے کپڑوں کو دیکھا سر سے پیر تک سفید تھے۔ آپا سرخ جارجٹ کی چندری ٹھپہ لگی نکال لائی۔۔ افشاں نے مسکرا کر کہا۔ ''چندا بائی تمہاری عقل جاتی رہی ہے یہ دوپٹہ گھر میں اوڑھنے کا تھوڑی ہے بغیر ٹکا لاؤ۔''

چندا بائی نے کہا۔ بی بی آپ کے بکس میں یہی چندری اوپر رکھی تھی میں سارے کپڑے کہاں نکالتی۔

کہا۔ ''اس وقت مجھے کچہری جانا ہے۔ ایک بجے آ کر تمہارے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔ شام کو تم اپنا سامان یہاں لے آنا۔ میں نے اپنے کپڑے نکلوا دیے ہیں۔ وردی اتار کر وہ پہن لو۔

اپنے باپ کی آواز سن کر افشاں کواڑ کے پیچھے چھپ گئی اسے اپنے سرخ ٹکے ہوئے دوپٹہ سے بہت شرم آ رہی تھی ج۔ محسن فرخ کو کمرہ کے دروازہ تک پہنچا کر واپس چلے گئے۔ اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ فرخ کچھ جھپتے ہوئے بھونچکا سے کھڑے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ افشاں حیران تھی کہ ابا میں کس سے باتیں کر رہے تھے اور کہاں چلے گئے۔ وہ دبے پاؤں کواڑ کے پیچھے سے نکلی سامنے ہی فرخ کھڑے تھے انکو دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گئی۔

آداب عرض کیا۔ مائیوں بیٹھی تھی؟ فرخ نے مسکرا کر کہا۔

افشاں کچھ بولی نہیں وہ خیال کر رہی تھی۔ شاید کہیں جا رہے ہیں ملنے آئے ہیں۔

فرخ نے آگے بڑھ کر مسکرا کر کہا۔ اوہو، باقاعدہ سرخ دوپٹہ اوڑھے سے کھڑی ہیں آپ نتھ اور پہن لی ہوتی۔۔ افشاں خاموش رہی فرخ کو وردی پہنے دیکھ کر اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ فرخ نے پوچھا۔ کیا سوچ رہی ہو۔؟

فرخ نے ہنس کر کہا۔ ہماری سسرال ہے دس دفعہ آئیں گے۔

افشاں نے پوچھا۔ کیا کہیں جا رہے ہوں۔؟

فرخ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ جائیں گے کہاں، اب تو یہیں رہیں گے گھر داماد بن کر۔'' افشاں کو ہنسی آ گئی اس نے منہ پھیر لیا۔ فرخ نے کہا۔ ماشاءاللہ تابھی تک وہی منو بلائی بنی ہوئی ہو۔ میں تو یہ سمجھ رہا تھا چھ مہینے میں بڑی موڈرن ہو گئی ہو گی۔ ہلو ڈارلنگ، کہہ کر میرا خیر مقدم کرو گی۔

افشاں نے منہ بنا کر کہا۔ جیسے اپنے آپ چھ مہینے میں بے تمیز ہو گئے۔

فرخ نے کہا۔ دیکھو سیدھی طرح یہاں کرسی پر ڈٹ کر میرے مقابل بیٹھی نہیں تو

ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لاؤں گا۔ ماموں جان نے پورا اختیار دے دیا ہے۔

افشاں خاموش کرسی پر بیٹھ گئی، فرخ نے کہا۔ خدا بڑے میاں کو کروٹ کروٹ بہشت نصیب کرے جب سے آیا ہوں ان کی مغفرت کی دعا کر رہا ہوں۔

افشاں۔ کون بڑے میاں۔

فرخ۔ وہ ممانی جان کے ابا آغا صاحب معلوم ہوتا ہے بڑے نیک آدمی تھے۔

افشاں۔ آدمی تو بہت اچھے تھے۔

فرخ۔ قسم خدا کی آج تک کسی کتے بلی کے مرنے پر بھی خوش نہیں ہوئی تھی۔ مگر ان بزرگوار کی موت سے دل باغ باغ ہے۔

افشاں ان بیچارے نے کیا بگاڑا تھا۔

فرخ۔ حقیقت میں تم گدھی ہو۔ یہ نہیں سمجھتیں کہ ممانی جانکی موجودگی میں مجھے یہ آسانیاں کہاں میسر آسکتی تھیں۔ ہزاروں روپیہ خرچ کرنے پڑتے۔

افشاں۔ روپیہ کیں خرچ کرنے پڑتے؟

فرخ مسکرا کر۔ چڑھاوے کا زیور بھاری بھاری فوڑے اور خدا تمہارا بھلا کرے کم کم بیس پچیس آدمیوں کی برات لے کر آتا اس وقت تم جیسی گدھی کو سرخ دوپٹہ میں دیکھنا نصیب ہوتا۔

افشاں نے جھینپ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ پھوپھا جان کے آنے سے تو گھر میں بڑی خوشیاں ہوئی ہوں گی۔

فرخ نے سنجیدہ صورت بنا کر کہا۔ ہاں سب ہی کچھ ہوا۔ مگر تمہارے حق میں ان کا آنا کچھ بہتر ثابت نہ ہوا۔

افشاں نے تعجب سے کہا۔ کیوں؟

فرخ نے کہا۔ اب کیا کہوں تمہیں رنج ہوگا۔

افشاں نے پریشان صورت بنا کر کہا۔ کیا بات ہوئی۔

فرخ نے کہا۔ اب جانے دو اس ذکر کو میں تمہیں رنجیدہ دیکھنا نہیں چاہتا۔ اس وقت تو ابا جان کی وجہ سے مجبور ہو گیا تھا مگر خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں مجھے تم سب سے زیادہ عزیز ہو۔

افشاں نے پوچھا۔ کیا قصہ ہے تم قسم کیوں کھا رہے ہو میرا دل گھبرانے لگا۔

فرخ نے دبی زبان سے کہا۔ کیا کہوں ابا جان نے زبردستی حمیدہ سے میری شادی کر دی۔

افشاں کا رنگ سفید ہو گیا وہ کچھ دیر تو خاموش فرخ کو دیکھتی رہی مگر ضبط نہیں کر سکی۔ کرسی کے بازو پر سر رکھ کر رونے لگی۔ فرخ نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے قہقہہ لگا کر کہا۔ قسم خدا کی ایسی بیوقوف لڑکی کوئی نہ ہوگی۔ اب مجھے اس کے دماغ کا علاج کروانا پڑے گا۔ ساری عمر میرے ساتھ رہی مگر مذاق کو نہیں سمجھتی۔

ایک بجے محسن کچہری سے آ گئے۔ کھانا انہوں نے افشاں اور فرخ کو اپنے ساتھ کھلایا۔ جھینپتے تو فرخ بھی گئے مگر افشاں کی بری حالت تھی۔ محسن نے فرخ سے رضا علی کے ریل میں ملنے کا حال تفصیل سے پوچھا علاوہ اس کے اور بھی دلی کے حالات پوچھتے رہے۔ فرخ کی کوشش افشاں کو ہنسانے کی تھی۔ انہوں نے سنجیدہ صورت بنا کر کہا ''مرزا صاحب بھی تو شادی کر رہے ہیں۔''

محسن نے تعجب سے کہا۔ چچا اکبر مرزا شادی کر رہے ہیں؟

فرخ نے کہا۔ جی ہاں

محسن نے مسکرا کر کہا۔ ان سے کون کرے گا۔

فرخ نے کہا۔ میں نے بنیادی خانم کو راضی کر دیا ہے۔

افشاں کو ہنسی آ گئی، محسن نے قہقہہ لگا کر کہا۔ تمہارے متعلق بہت کچھ سنا تھا۔ آج تصدیق ہو گئی۔

فرخ نے مسکرا کر کہا، حکیموں کی تجویز ہے کہ مرزا صاحب شادی کر لیں۔

محسن نے مسکرا کہا۔ ہاں یوں کہوں، حکیم شادی بہت کروایا کرتے ہیں۔

میز پر فرخ نے دو چار چٹکلے اور چھوڑے، شام کو محسن دونوں کو ساتھ لے کر بمبئی روانہ ہو گئے۔ ڈاکٹر کرمانی اور مسز کرمانی نے افشاں اور فرخ کو خوش رکھنے کی ہر امکانی کوشش کی۔ محسن نے جہیز کے نام سے دس ہزار کا چیک افشاں کو دیا۔ دس ہزار فرخ کو موٹر کے واسطے دیئے۔ مگر چار دن کا قلیل عرصہ آنکھ جھپکاتے گذر گیا۔

تینتیسواں باب

دل آج بھی سینہ میں دھڑکتا تو ہے لیکن

کشتی سی یہ آب ہے معلوم نہیں کیوں؟

صبح ہو چکی تھی سورج کی پہلی کرن دروازہ کے شیشوں سے چھن چھن کر افشاں کے اوپر پڑ رہی تھیں۔ وہ بڑی دیر سے جاگ رہی تھی۔ مگر اٹھنے کو دل نہیں چاہتا تھا فرخ غسل خانہ میں گنگنا رہے تھے۔ کشتی سی یہ آب۔ مولوم نہیں کیوں؟ وہ بار بار اس مصرعہ کو دہرا رہے تھے۔: افشاں کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پیروں کی جان سی نکلی ہوئی تھی۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر اٹھا نہیں جاتا تھا۔ چندا بائی نے دروازہ کے قریب آ کر کہا۔ میں ناشتہ کر لیجئے۔ صاحب بلا رہے ہیں۔

فرخ وردی پہن کر نکل آئے۔ افشاں گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ فرخ نے بناوٹی اور پھیکی مسکراہٹ سے کہا۔ کیا میرا گانا سن رہی تھیں؟

افشاں نے کوئی جواب نہیں دیا وہ خاموش فرخ کی صورت دیکھتی رہی۔ چندا بائی نے دوبارہ کہا میاں ڈاکٹر صاحب انتظار کر رہے ہیں۔

فرخ نے اپنا سوٹ کیس بند کرتے ہوئے کہا۔ ابھی آتا ہوں

افشاں کو معلوم تھا کہ فرخ اس وقت جا رہے ہیں اس کی زبان گویا کسی نے بند کر دی تھی۔ فرخ نے اس کے قریب آ کر کہا۔ آج تم اٹھتی کیوں نہیں چلو ناشتہ کر لو۔

افشاں نے منہ پھیر کر کہا۔ میں نہیں کروں گی۔

فرخ نے اس کا سر پکڑ کر اپنی طرف منہ پھیر کر ہنستے ہوئے کہا۔ کیا بھوک ہڑتال کرو گی۔

افشاں نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ ہنسنے کی کوشش کیوں کرتے ہو۔

فرخ بغیر کوئی جواب دیے ناشتہ کرنے چلے گئے۔ کوئی دس منٹ کے بعد آ کر اپنا سوٹ کیس باہر نکالا اور ہینڈ بیگ اٹھا کر پیٹھ موڑے کہا۔ خدا حافظ۔

افشاں گھبرا کر پلنگ سے نیچے اتر آئی۔فرخ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے انہوں نے گردن موڑ کر افشاں کی طرف دیکھا اور کمرہ سے باہر نکل گئے۔ افشاں دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا کر بیٹھ گئی۔دوسرے کمرہ کے دروازہ میں سے مسز کرمانی اس کو دیکھ رہی تھیں مگر وہ قصداً نہیں آئیں۔۔موٹر کے اسٹارٹ ہونے کی آواز پر افشاں پریشانی کی حالت میں برآمدہ میں نکل آئی۔فرخ موٹر میں بیٹھ چکے تھے افشاں کو دیکھ کر انہوں نے منہ پر رومال رکھ لیا وہ پیچھے کی سیٹ پر بیٹھے تھے۔محسن نے موٹر چلا دی۔فرخ نے منہ پر رومال ہٹا کر رخصتی نظروں سے افشاں کی طرف دیکھا وہ حیران و پریشان کھڑی تھی۔۔موٹر برساتی سے نکل کر سڑک پر پہنچ گئی۔فرخ نے پھر گردن نکال کر منہ موڑ کر دیکھا۔افشاں بت کی طرح کھڑی تھی۔انہوں نے ہاتھ کے اشارہ سے اندر جانے کو کہا اس کا دل بیٹھ گیا ہاتھ پیروں میں سنسنیاں آنے لگیں۔موٹر پھاٹک کے باہر نکل گئی۔چندا بائی اور مسز کرمانی پیچھے کھڑی تھیں۔ افشاں نے مسز کرمانی کے کندھے پر سر ٹیک دیا ان کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے۔چندا بائی افشاں کو سہارا دے کر کمرہ میں لائی وہ منہ اوندھا کر پلنگ پر پڑ گئی۔ اس وقت وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی۔مسز کرمانی خاموش کرسی پر بیٹھیں تھیں ان کے اوپر بھی بہت اثر تھا۔چندا بائی کواڑ کے پاس کھڑی ساڑی سے اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں۔کوئی دس منٹ تک سوائے افشاں کی سسکیوں کی آواز کے کمرہ میں سکوت رہا۔چندا بائی نے اس کے قریب جا کر کہا۔بی بی چھوٹے صاحب آپ کو ایک خط دے گئے ہیں۔

افشاں نے تکیے سے منہ اٹھا کر کہا۔لاؤ کہاں ہے خط۔

چندا بائی نے کہا۔انہوں نے اپنی جان کی قسم دے دی تھی کہ جب تک آپ ناشتہ نہ کر لیں خط نہ دیا جائے۔

مسز کرمانی نے چندا بائی سے کہا۔ناشتہ یہیں لے آؤ۔

افشاں کو اٹھا کر غسل خانہ میں منہ دھلوانے لے گئیں۔ اس وقت اس کا حلق خشک ہو رہا تھا کوئی چیز کھانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ مگر انہوں نے زبردستی ایک بسکٹ اور کیلا کھلوا کر چاء پلوائی۔ چندا بائی نے فرخ کا خط اس کے ہاتھ میں دیا دیا۔ مسز کرمانی نے یہاں بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا وہ اٹھ کر چلی گئیں۔ افشاں اپنے پلنگ پر آ کر بیٹھ گئی اس نے خط پڑھنا شروع کیا۔

بیتاب ہے بے خواب ہے معلوم نہیں کیوں۔ دل ماہی بے آب ہے معلوم نہیں کیوں معلوم تو سب کچھ ہے۔ صبح جا رہا ہوں، نیند نہیں آ رہی، دل گھبرا رہا ہے۔ تم سو رہی ہو۔ میں یہ خط لکھنے بیٹھ گیا۔ آج اپنی عمر میں پہلی مرتبہ تمہیں خط لکھ رہا ہوں۔ یہ ایک عجیب سی بات ہے مجھے تو تم سے زبانی باتیں کرنے کی عادت ہے جو منہ میں آیا کہہ دیا، زبان اپنی ہے قلم غیر ہے اپنے ملک کا بھی بنا ہوا نہیں وہ کیا دلی جذبات کاغذ پر اتار سکے گا۔ ڈرتا ہے۔ ہچکچاتا ہے جو کچھ لکھنا چاہتا ہے شرما کر رک جاتا ہے آگے چل کر بے تکلف ہو جائیگا سب سے پہلے تو مجھے تم سے یہ کہنا ہے کہ پریشان نہ ہونا، میں تمہاری عادت سے واقف ہوں ذرا سی بات پر رونے لگتی ہو۔ مہربانی کر کے رو رو کر اپنی آنکھیں خراب نہ کر لینا۔ مجھے چندھی آنکھیں پسند نہیں کالے رنگ پر تو عیب ڈھکا رہتا ہے۔ مگر تم جیسے سفید شلجم اگر چندھے ہوں تو گھن آتی ہے اس وقت تمہاری آنکھوں خراب نہ کر لینا۔ مجھے چندھی آنکھیں پسند نہیں کالے رنگ پر تو عجیب ڈھکا رہتا ہے۔ مگر تم جیسے سفید شلجم اگر چندھے ہوں تو گھن آتی ہے اس وقت تمہاری آنکھوں میں آنسو ہوں گے فوراً پونچھ ڈالو۔ میں ایک مہینہ کے اندر تمہارے پاس آؤں گا۔ گھبرانے کی بات نہیں، ماموں جان سے کہہ کر دلی چلی جاؤ۔ مگر جہاں رہو خوش رہو۔ اب دو چار نصیحتیں بھی کرنا چاہتا ہوں برا نہ مانو دو روٹیاں زیادہ کھا لینا میں چاہتا بھی یہی ہوں۔ مگر اپنے گھر جا کر ڈاکٹر صاحب کے ہاں خوراک بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اب ایک بات سنو پہلے تو تم امی جان کی بیٹی بنی ہوئی

تھیں اور میں تمہارا بھائی تھا۔ اب تم اس کی بہو ہو گئیں اور میں شوہر نامدار۔ کہیں ایسا نہ کرنا کہ بہو بن کر ان کو ستاؤ ان کے کہنے پر چلو۔ ذرا سی بات پر بگڑ کر ابا میاں کے ہاں جانے کی ان کو دھمکی دو ور میں ان کو بھی لکھوں گا کہ تمہارے ساتھ ساسوں کا سا برتاؤ نہ کریں۔ مل جل کر رہنا۔ میرے آنے کے بعد جتنا دل چاہے لڑ لینا۔ ابا جان کا میں ذمہ نہیں لیتا انہوں نے پھوپھا کے رشتہ سے تمہیں کبھی نہیں دیکھا وہ تو اصل نسل سسرے ہیں ان کا ادب لحاظ رکھنا۔ بس اب اور کیا لکھوں۔ دوبارہ تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ ہمیشہ اپنے آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کرنا میری خوشی یہی ہے۔ مسز کرمانی کی خدمت میں میری طرف سے ایک ٹانگ سے کھڑی ہو کر آداب عرض کرنا یہ حرکت ضرور کرنا۔

''خدا حافظ''

افشاں نے خط تکیے کے نیچے رکھتے ہوئے کہا۔ یہ اچھی زبردستی ہے کہ میں روؤں بھی نہیں گھبراؤں بھی نہیں۔ اب تو میرا ایک منٹ یہاں دل نہیں لگ رہا۔ اس وقت پھوپھی جان بہت یاد آ رہی ہیں دل چاہتا ہے ان کے گلے لگ کر خوب روؤں۔ خدا کرے ابا میاں مجھے دلی پہنچا دیں، میں خود کہہ کر جاؤں گی۔ افشاں بڑی دیر تک پلنگ پر پڑی رہی اس نے دوبارہ فرخ کا خط نکال کر پڑھا۔ ایک مہینہ تو کچھ زیادہ ہوتا۔ چھ مہینے میں بھی آنے کا یقین ہو تو میں اس قدر نہ گھبراؤں۔ میرا دل تو لڑائی پر جانے کا خیال کر کے بیٹھا جاتا ہے۔ وہ پھر رونے لگی، مگر فوراہی آنسو پونچھ کر فرخ کا خ ہاتھ میں لیے ہوئے کرسی پر جا بیٹھی اپنا اٹیچی کیس کھول کر قلم اور پیڈ نکالا فرخ کے خط کا جواب لکھنے بیٹھ گئی۔

ہر منزل حیات سے گم کر گیا مجھے
مڑ مڑ کے راہ میں وہ ترا دیکھنا مجھے

اس نے قلم روک کر شعر پڑھا۔ اور خود ہی شرمندہ ہو کر کاغذ کو پھاڑ پھینکا، یہ

میں نے کیا لکھ دیا۔ وہ پھر سوچنے لگی۔ میں نے ٹھیک تو لکھا تھا، میں اپنی حالت کس کو سناؤں فرخ کیوں موٹر میں سے مڑ مڑ ادھر دیکھ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے قلم کو میز پر رکھ کر وہ چھت کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔ مسز کرمانی نے دروازہ کے پاس آ کر کہا۔ میں آ سکتی ہوں؟

افشاں جلدی سے کھڑی ہوگئی۔ آیئے چچی جان۔

مسز کرمانی اس کے پاس بیٹھ گئیں بڑی دیر تک تسلی آمیز گفتگو کرتی رہین اس کے بکھرے ہوئے بالوں میں چندا بائی سے کنگھی کروا کر چوٹی گندھوائی۔۔۔ ایک گھنٹہ کے بعد محسن فرخ کو پہنچا کر آ گئے۔ وہ بہت متاثر تھے۔ ملاقاتی کمرہ میں بیٹھے رہے۔ دوپہر کا کھانا کھا کر وہ مع افشاں کے پونا روانہ ہو گئے۔ ڈاکٹر کرمانی نے بہت روکا مگر محسن کا خیال تھا افشاں کو جلدی دلی پہنچا دیا جائے۔ اس وجہ سے وہ نہیں ٹھیرے۔

گھر پہنچ کر پہلے انہوں نے کپڑے تبدیل کیے اس کے بعد میز پر رکھی ہوئی ڈاک کو سرسری طور سے دیکھنے لگے ایک خط کو انہوں نے الٹ پلٹ کر غور سے دیکھا اور کرسی پر بیٹھ کر لفافہ چاک کیا۔ یہ رضا علی کا خط تھا وہ تیز تیز نظروں سے پڑھنے لگے۔

محسن صاحب جب سے آیا تھا تم سے ملنے کے لیے بیتاب تھا۔ تمہاری لڑکی کو دیکھنے کا بے حد اشتیاق تھا۔ مگر اس وقت دنیا میری آنکھوں میں اندھیر ہے۔ فرخ کو گاڑی میں بٹھا کر آیا ہوں۔ وہ لڑائی پر جا رہا ہے۔ اس کی زندگی خطرہ میں ہے۔ میری زندگی بیکار ہے میں نہیں جانتا تھا کہ اٹھارہ انیس برس کے بعد تم مجھ سے انتقام لو گے۔ تم نے اپنی بہن کا بھی خیال نہیں کیا۔ افسوس مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی، خیر اب میں نے بھی یہ عہد کر لیا ہے کہ جب تک فرخ واپس نہیں آئے گا میں تمہاری لڑکی کی شکل نہیں دیکھوں گا۔

"رضا علی"

محسن کی تیوری پر بل آ گئے انہوں نے جھلا کر رضا علی کا خط میز پر پٹخ دیا۔ وہ کیا میری

لڑکی کی شکل نہیں دیکھیں گے؟ میں خود اس کی صورت کسی کو نہیں دکھاؤں گا۔ پورے خاندان سے قطع تعلق کرتا ہوں۔ اس کی زندگی برباد کردی۔ شکایت کا میرا موقع تھا الٹا مجھے الزام دیا جارہا ہے۔ لڑکی غریب نے کسی کا کیا بگاڑا ہے، وہ بے گناہ او رمعصوم ہے، محسن غصہ میں بھرے ہوئے برآمدہ میں نکل آئے کچھ دیر ٹہلتے رہے نوکر کئی مرتبہ کھانے کا کہہ چکا تھا وہ افشاں کو ساتھ لے کر کھانے کے کمرہ میں آئے اس کی صورت دیکھ کر اور زیادہ متاثر ہوئے۔۔ کھانے پر محسن اس سے تشفی آمیز باتیں کرتے رہے۔ فرخ کی طرف سے اطمینان دلایا۔ افشاں بالکل خاموش بیٹھی رہی اس نے باپ کے خیال سے بمشکل دو چار نوالے پانی کے گھونٹوں سے حلق کے نیچے اتارے محسن بھی جلدی میز پر سے کھڑے ہوئے۔ افشاں کے یہ بات کٹھن گذری یا بقول لوگوں کے تارے گن گن کر گذری اس نے اپنے دل میں پختہ ارادہ کرلیا تھا۔ کہ صبح ضرور اپنے باپ سے دلی جانے کو کہے گی اس کو یہاں کی ہر چیز کھانے کو دوڑ رہی تھی ۔ دوسرے بدن صبح ناشتہ پر محسن نے افشاں سے کہا۔ اگر یہاں تنہائی میں تمہارا دل زیادہ گھبرائے تو میں تمہیں مسز کرمانی کے پاس پہنچادوں۔

افشاں نے دبی زبان سے کہا۔ پھوپھی جان کے پاس پہنچا دیجیے۔

محسن نے کچھ رک کر کہا۔ کل تک تو میرا یہی خیال تھا اور اسی وجہ سے میں جلدی کرکے آیا تھا۔ فرخ نے بھی کہا تھا۔ مگر کل رضا علی کا خط آیا تھا۔ انہیں اپنے لڑکے کے جانے کا بہت رنج معلوم ہوتق اہے۔ ایسی حالت میں تمہارا وہاں جانا مناسب نہیں، میں نہیں چاہتا تمہیں کوئی بری نگاہ سے دیکھے، کچھ دن کے لیے حسن آرا کو بھول جاؤ۔ میں نے عہد کرلیا ہے جب تک فرخ واپس نہیں آئیں گے میں کسی سے نہیں ملوں گا۔۔ افشاں سمجھ گئی ضرور رضا علی نے اپنے خط میں کوئی سخت الفاظ لکھ دیے ہیں۔ وہ خاموش رہی محسن نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ تمہیں گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ فرخ کے لیے میں ہر امکانی کوشش کر رہا ہوں

ڈاکٹر صاحب آج کل فوجی اسپتال میں لگے ہوئے ہیں انہوں نے دوسرے افسران سے کہہ دیا ہے۔علاوہ اس کے میرے ملنے والے کئی انگریز ملٹری میں اعلیٰ عہدوں پر ہیں، میں نے ان سب کو لکھ دیا ہے، امید ہے فرخ محاذ پر نہیں بھیجے جائیں گے ممکن ہے ایران بھیج دیا جائے وہاں خطرہ نہیں ہے، افسوس اس بات کا ہے کہ چھ مہینے تک دلی والوں نے مجھ سے پوشیدہ رکھا ورنہ بڑی آسنی سے معاملہ رفع دفع ہو جاتا اور اب بھی کوئی تشویش کی بات نہیں ہے جلدی ہی واپس آ جائینگے۔

افشاں گردن جھکائے اپنے باپ کی گفتگو سن رہی تھی۔وہ ہمیشہ سے بھولی اور سیدھی تھی۔اس کے دل کو کافی اطمینان ہوگیا۔مگر رضا علی کے خط کی کریدنی سی لگ گئی۔محسن نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔فرخ کے یہاں آنے کی اطلاع دلی میں

چونتیسواں باب

رضا صاحب، تسلیم، تمہارا خط عین موقع پر مجھے مل گیا۔ ورنہ میں آج ہی لڑکی کو لے کر دلی روانہ ہونیوالا تھا۔ تمہاری تحریر سے ظاہر ہے کہ خط لکھتے وقت تم اپنے آپے میں نہیں تھے، کیا تم نہیں جانتے کہ میں بھی تمہاری فکرو پریشانی میں برابر کا شریک ہوں۔ اگر تمہاری آنکھوں میں دنیا اندھیر ہے تو میری نظروں میں بھی دنیا ویران ہے اگر فرخ کی زندگی خطرہ میں ہے تو میری لڑکی کی جان کا بھی اندیشہ ہے، خدانخواستہ فرخ واپس نہیں آیا تو مجھے اپنی لڑکی سے ہاتھ دھونا پڑیں گے، وہ بڑی غیرت منداور حساس طبیعت کی ہے۔ تمہیں کیا وہ کسی کو بھی اپنی شکل نہیں دکھائے گی۔ میری اور تمہاری تقدیر ایک ہی کاتب نے ایک ہی قلم سے لکھی تھی شاید وہی انتقام لینا چاہتا ہوگا، میری ہرگز یہ نیت نہیں تھی، دنیا میں وحشی سے وحشی انسان بھی اپنی اولاد سے انتقام نہیں لیتا۔ اب تو میری لڑکی کی زندگی فرخ سے وابستہ ہے۔ حسن آرا کا مجھے اسی قدر خیال ہے۔ جس قدر اپنا وہ اور ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ اگر کنارہ پر پہنچ گئی تو دونوں اتر جائیں گے۔ ورنہ دونوں ساتھ ہی غرق ہوں گے مجھے انتہائی افسوس ہے کہ انہوں چھ مہینے پہلے فرخ کے فوج میں بلائے جانے کا ذکر مجھ سے نہیں کیا۔ اور سب گھر والوں نے بھی چھپایا۔ بہر حال جو ہونا تھا ہو گیا۔ تمہارے خط سے معلوم ہوتا ہے۔ تم فرخ کے فوج میں جانے کا سبب میری لڑکی کو سمجھ رہے ہو، میں نے بھی فیصلہ کر لیا ہے کہ فرخ کو واپسی تک پورے خاندان سے قطع تعلق رکھوں گا۔ تم مطمئن رہو میری لڑکی کی جھلک بھی تمہیں نظر نہیں آئی گی۔ تاوقتیکہ خود اس کو دیکھنے کی آرزو نہ کرو۔

"محسن"

رضا علی نے محسن کا خط لفافہ میں رکھکر فرخ کا خط کھولا۔۔ ابا جان آداب عرض ایک پوسٹ کارڈ بمبئی پہنچتے ہی آپ کو لکھا تھا۔ دو تین روز فرصت نہیں ملی۔ میں بالکل

ٹھیک ہوں۔ امی جان کی طرف سے فکر ہے۔ وہ گھبرا رہی ہوں گی، میرے خیال میں آپ انہیں چھوٹے ماموں جان کے ہاں لے جائیے یا افشاں کو بلوا لیجئے ان کی طبیعت بہل جائیگی وہ بچپن سے ان کے پاس رہی ہے مجھ سے امی جان اسے چاہتی ہیں۔ مجھے بھی ان کی طرف سے اطمینان ہو جائے گا۔ میرے پاس کاز یادہ ہے شاید دوسرا خط دیر میں آپ کو ملے۔ بزرگوں کی خدمت میں آداب اور سب کو سلام

آپ کا فرخ۔

رضا علی کسی گہری سوچ میں پڑ گئے۔ وہ خط ہاتھ میں لیے حسن آرا کے پاس آئے۔ فرخ کے خط کا سب کو انتظار تھا۔ عابد حسن اور روشن آرا نے بھی خط پڑھا۔ حسن آرا نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ جب سے فرخ سدھارے ہیں میری آنکھیں ہر وقت افشاں کو ڈھونڈھتی ہیں۔

روشن آرا۔ میں تو پہلے ہی سوچ رہی تھی کہ اب لڑکی کو یہاں بلا لیا جائے وہ وہاں بقرار ہے۔ ہر خط میں گلشن کو لکھتی ہے پھوپھی جان بہت یاد آتی ہیں۔

حسن آرا۔ میں تو بلبلاتی رہی کہ فرخ کی چھٹیوں میں بچی کو لے آؤں۔ اگر آپ سب نے مخالفت کی۔

عابد حسن۔ یہ موقع اس کو لانے کا نہیں تھا تین ہفتے کے اندر اندر تو لڑکا چلا گیا۔ اگر اس کی چھٹی زیادہ ہوتی تو محسون سے کہنے کو منہ بھی ہوتا۔

روشن آرا۔ خیر۔ اب بلا لیا جائے گا۔ ساری عمر تو وہ یہیں رہی ہے۔

روشن آرا۔ کیوں؟

حسن آرا۔ چھوٹے بھائی سے آج تک کسی نے فرخ کے فوج میں نام لکھوانے کا ذکر نہیں کیا۔ اب یکا یک یہ خبر سن کر ان کو کس قدر رنج ہوگا۔ میں تو ان سے بہت شرمندہ ہوں۔ منہ دکھانے کی جگہ نہیں۔

رضا علی۔ ابھی تک خاموش بیٹھے تھے انہوں نے عابد حسن سے کہا۔ نکاح سے زیادہ یہ غلطی ہوئی کہ محسن کو لاعلم رکھا۔ جب ان کو فرخ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی تو چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔

روشن آرا۔ دلچسپی تو ان کو کسی سے بھی نہیں تھی۔ وہ تو جب اسے افشاں کو لے کر آئے تھے۔ پہلے جیسے محسن ہی نہیں رہے تھے۔ ماں باپ، بہن بھائی یہاں تک کہ اپنی لڑکی کو بھی نگاہ بھر کے کبھی نہیں دیکھا۔

حسن آرا۔ میں تو ان کو اپنے گھر میں بھی عام لوگوں کی طرح ہنستے بولتے یا بات چیت کرتے کبھی نہیں دیکھا اندر سے باہر تک سیاہ سفید کی مالک بھابی زرتاج ہی رہیں۔

وہ کسی معاملہ میں بھی دخل نہیں دیتے تھے۔

رضا علی۔ جب ان کے ہاں کا یہ رنگ تھا تو تم نے لڑکی کو ان کے ساتھ کیوں بھیج دیا۔

حسن آرا۔ اس مرتبہ تو وہ بالکل ہی بدلے ہوئے تھے۔ بغیر لڑکی کے ایک منٹ چین نہیں تھا۔ میرے ساتھ حد سے زیادہ ہمدردی تھی۔ چلتے چلتے ان کا اصرار تھا کہ میں ان کے ساتھ جاؤں۔ لڑکی کے متعلق کہہ رہے تھے کہ جس وقت دل چاہے بلا لینا۔

عابد حسن۔ حقیقت تو یہ ہے کہ محسن نے اس موقع پر اپنی سعادت مندی کا پورا ثبوت دیا۔

روشن آرا۔ وہ تو منگنی پر بھی کچھ نہ بولتے چچی جان کا خدا بھلا کرے انہوں نے دیا سلائی لگائی۔

حسن آرا۔ چچی جان بے چاری کا کیا قصور تھا ان کو تو ہمیشہ یہی عادت رہی ادھر سنی ادھر لگائی۔

روشن آرا۔ مگر اس موقع پر تو خاص طور سے چچی جان نے میں محسن سے کہا کہ فرخ کی مرضی نہیں ہے۔

رضا علی۔ فرخ کی مرضی کا حال چچی جان کو کیسے معلوم ہوا؟

عابد حسن۔ بھئی یہ تمام کاروائی نصیرہ بیگم کی طرف سے ہوئی تھی وہ نہیں چاہتی تھیں کہ فرخ کی شادی افشاں سے ہو۔

رضا علی۔ ہاں، انہیں لڑکی کی ماں کی طرف سے غلط فہمی تھی۔

عابد حسن۔ نہیں بھئی یہ تو سب کہنے کی باتیں ہیں حقیقت کچھ اور تھی۔

رضا علی۔ وہ حقیقت کیا تھی؟

روشن آرا نے اول سے آخر تک حالات رضا علی کو سنائے انہوں نے عابد حسن سے کہا۔ بھائی صاحب آپکو چاہیے تھا مجھے پہلے سے آگاہ کر دیتے۔

عابد حسن۔ دیکھو بھئی، ہم لوگوں نے سوچا بیس برس کے بعد تم آئے بہن بھائیوں میں پھوٹ ڈلوانے سے فائدہ جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔۔ خدا میں فرخ وک واپس لائے ان کی بیوقوفی اور عجلت نے معاملہ کو الجھا دیا۔

رضا علی نے کوئی جواب نہیں دیا۔۔ عابد حسن نے اپنی بیوی سے کہا۔ تم خود جا کر [illegible]

اختیار کرلی۔

عابد علی۔ (تعجب سے) دوسری صورت کیسی؟

رضا علی نے محسن کا خط ان کے ہاتھ میں دے دیا انہوں ے پڑھ کر گھبراہٹ کے لہجہ میں کہا۔ وہ کیا قصہ ہے۔؟

روشن آرا۔ کس کا خط ہے؟ مجھے بھی تو بتاؤ؟

عابد حسن۔ (دبی زبان سے) محسن کا ہے۔

حسن آرا۔ (پریشانی کے لہجہ میں) کیا لکھا ہے؟

عابد حسن نے رضا علی کی طرف دیکھ کر کہا۔ بھئی یہ معمہ میری سمجھ میں نہیں آیا تم نے ان کو کچھ لکھا تھا۔؟

روشن آرا بولیں تم مجھے خط تو دکھاؤ محسن نے کیا لکھا ہے۔ کہیں لڑکی کی شادی وادی تو نہیں کردی۔

عابد حسن۔ نہیں یہ قصہ دوسرا ہے۔

حسن آرا۔ کچھ بتائیے تو سہی کیا قصہ ہے۔

رضا علی۔ قصہ ہے کہ جس وقت میں فرخ کو گاڑی میں سوار کر آیا تھا۔ میرا دماغ خراب ہورہا تھا محسن کی لڑکی مجھے اپنی دشمن معلوم ہورہی تھی نہ اس سے نکاح ہوتا نہ لڑکا فوج میں جاتا میں نے اس وقت محسن کو لکھ دیا تھا کہ جب تک فرخ واپس نہیں آئے گا میں تمہاری لڑکی کی صورت نہیں دیکھوں گا۔

حسن آرا۔ گھبرا کر کہا۔ اے ہے یہ کیوں لکھ دیا۔ اب کیا ہوگا۔

رضا علیل۔ ہوگا کیا۔ وہ اپنی لڑکی کو یہاں نہیں بھیجیں گے۔

حسن آرا نے مایوسانہ لہجہ میں کہا۔ یا اللہ تو نے میرے دونوں بچے مجھ سے جدا کر دیے ہیں میں اب کیا کروں گی۔

رضا علی۔ تمہیں اپنا دل مضبوط کرنا چاہیے میں جو کچھ اپنے قلم سے لکھ چکا ہوں اس

کے خلاف نہیں ہو سکتا خواہ کچھ بھی ہو۔ تمہیں میرا ساتھ دینا پڑے گا۔

حسن آرا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

روشن آرا۔ مجھے تو محسن کا خط دکھاؤ وہ کیا لکھتے ہیں؟

عابد حسن نے خط ان کو دیتے ہوئے کہا۔ وہ سارے خاندان ہی سے قطع تعلق کرتے ہیں۔

روشن آرا نے خط پڑھ کر رضا علی سے پوچھا۔ یہ محسن نے انتقام کا کیا لکھا ہے۔

عابد حسن۔ ہاں یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

رضا علی۔ یہ آپ لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے۔

عابد حسن۔ معلوم ہوتا ہے تمہاری اور محسن کی کشیدگی پہلے سے چلی آ رہی ہے۔

رضا علی۔ ہاں اٹھارہ برس پیشتر میں نے محسن کو ایک معاملہ میں بڑا دھوکہ دیا تھا۔

عابد حسن۔ تم اس وقت طنزاً کہہ رہے ہو یا کچھ اصلیت ہے؟

رضا علی۔ طنزاً نہیں کہہ رہا حقیقت میں مجھ سے غلطی ہو گئی تھی، مگر میری نیت نیک تھی میں نے سوچا تھا مہینہ دو مہینے میں محسن کا غصہ جاتا رہے گا۔ اور میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں گا لیکن یہاں معاملہ نے دوسرا ہی رنگ اختیار کر لیا اور یہ حضرت شادی کر بیٹھے، میرا بنا بنایا قلعہ مسمار ہو گیا۔

عابد حسن نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ میاں پہیلیوں میں باتیں نہ کرو صاف صاف بتاؤ قصہ کیا ہے؟

رضا علی۔ محسن نے مجھے قسمیہ لکھ کر دی تھی کہ وہ والدین کو کالا بیگم ... خبر نہ پہنچ

عابد حسن۔ تمہارا خیال ہے ہم لوگ محسن سے کہہ دینگے؟

روشن آرا۔ تم جیسی چاہو قسم لے لو یہاں اس وقت کوئی ایسا نہیں ہے جو محسن تک خبر پہنچائے۔

رضا علی۔ راز میرے سینہ میں دفن ہو چکا ہے۔ اکھاڑنے کو دل نہیں چاہتا۔

عابد حسن۔ (مسکرا کر) ارے میاں اب تو یہی زمانہ ہے معلومات حاصل کرنے کے لیے ہزاروں برس بیشتر کی چیزیں انسان اکھاڑ رہے ہیں۔

رضا علی۔ آپ اس قدر بضد ہیں تو مجھے کہنا ہی پڑا۔ مگر دل نہیں چاہتا کہ عہد شکنی کروں محسن کی شادی کے متعلق تو میں نے اسی زمانہ میں چچی اماں کو تفصیل کیساتھ لکھ دیا تھا آپ لوگوں نے سنا ہوگا۔

روشن آرا۔ ہاں وہ سب قصہ تو معلوم ہے۔

رضا علی نے آگے کا تمام حال بیان کرنا شروع کیا۔ عابد حسن نے دوران گفتگو میں کہا۔ بھئی تم اتنی بڑی حرکت کیوں کر بیٹھے تھے اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو جاتی تو کیا ہوتا؟

رضا علی۔ اٹھارہ برس اپنی کوتاہ اندیشی پر پچھتاتا ہوں۔ مگر آپ جانتے ہیں اس زمانہ میں بھی فرخ کی طرح بغیر سمجھے بوجھے بڑے سے بڑا کام کر بیٹھتا تھا۔ میں نے بھی مناسب سمجھا کہ محسن کو سوتا چھوڑ کر جہاز سے اتر جاؤں چنانچہ پھر ایک خط لکھ کر غلام کو دیا اور کشتی میں بیٹھ کر واپس لوٹ گیا۔

عابد حسن۔ لڑکی کو محسن غریب کے پاس چھوڑ گئے۔

رضا علی نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ لڑکی کے ذریعے قدرت کو مجھ سے انتقام لینا منظور تاھ۔ اس وقت میرے دماغ میں یہی بات آئی کہ اس کی پرورش یہاں ہونی چاہیے۔ رضا علی کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے، عابد حسن نے کہا۔ آگے کا تو حال بتاؤ۔ وہاں تمہارے اوپر کیا گذری۔

رضا علی۔ میں تقریباً ایک مہینہ حبشی غلام کے ہاں پوشیدہ طور پر رہا۔ وہاں کے حالات ہر وقت مجھے معلوم ہوتے رہتے تھے۔ مگر محسن نے جو خط مجھے غلام کے ہاتھ بھیجا اس سے میرا دل پاش پاش ہو گیا۔ میں ان کی ہمدردی اور ان کی اولاد کی بہبودی کو مدنظر رکھتا تھا۔ میں چاہتا تھا کسی ترکیب سے بڈھے کی دولت ہاتھ آنی چاہیے۔ لیکن افسوس محسن نے میری اس کاروائی کا غلط مطلب نکالا وہ سمجھے میری اور نجم السحر کی پہلے سے شناسائی تھی اور ہم دونوں نے بڈھے کو محسن کے خلاف کیا۔

عابد حسن۔ اچھا محسن کو یہ غلط فہمہ ہوئی۔

رضا علی۔ ہاں وہ سمجھے مجھے نجم السحر سے عشق ہو گیا تھا اور وہ بھی مجھ سے محبت کرتی تھی انہوں نے صاف الفاظ میں مجھے لکھ دیا تھا۔

عابد حسن۔ آج یہ معمہ ہوا لڑکی سے بے رخی، فرخ سے کشیدگی بلا وجہ نہیں تھی اور شاید اس غصہ میں محسن نے دوسری شادی بھی اس قدر جلدی کر لی۔

روشن آرا۔ اچھا یہ تو بتاؤ اب وہاں کا کیا حال ہے۔

رضا علی۔ مجھے کچھ خبر نہیں میں تو پھر اٹلی چلا گیا تھا۔

عابد حسن۔ بھئی جب تم نے اس قدر اہم زمہ داری اپنے سر لے لی تھی تو آخر وقت تک اس کو نباہنا چاہیے تھا۔

رضا علی۔ میرے دل نے گوارا نہیں کیا کہ ادھر کا رخ کروں۔

عابد حسن۔ تمہارا اس قدر بے تعلق ہونا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آجکل لڑائی کی آگ ہر طرف پھیلی ہوئی ہے تمہیں مناسب تھا اپنے یہاں آنے کی اطلاع کر دیتے۔

رضا علی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ میں کیوں کسی کو مصیبت میں ڈالتا اپنا بچاؤ اور اپنی حفاظت ہر شخص کر لیتا ہے۔

عابد حسن کچھ معنی خیز مسکراہٹ سے اٹھ گئے۔

حسن آرا محسن کا خط ہاتھ میں لیے خاموش بیٹھی اپنے میاں کی باتیں سن رہی تھیں۔ان کے جانے کے بعد انہوں نے روشن آرا سے کہا۔آپا یہ کیا غضب ہو گیا اب میں اپنی بچی کی صورت بھی نہیں دیکھ سکتی۔

روشن آرا۔اے بی۔میں خود اس وقت سے اسی فکر میں ہوں بچی نگوڑی کا کیا قصور تھا جو انہوں نے لکھا بھیجا کہ اس کی شکل نہیں دیکھیں گے۔

حسن آرا۔کوئی میرے دل سے پوچھے۔اس کی شکل دیکھنے کو تڑپ رہی ہوں۔، جی چاہتا ہے پر لگا کر اڑ جاؤں مگر میرے اوپر اب ظلم ہے کہ اپنا دل مضبوط کروں۔

روشن آرا۔میں تو اس وقت رضا علی کی شکل دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی میرا بولنے کا موقع نہیں تھا۔

حسن آرا۔دولہا بھائی کی وجہ سے میں بھی کچھ نہیں بولی خون کا سا گھونٹ پی کر رہ گئی ساری عمر انہوں نے میرا کونسا ساتھ دیا جواب اس طرح کہتے ہیں، میرا دل چاہتا ہے۔آج ہی اپنی بچی کے پاس چلی جاؤں۔چھوٹے بھائی میرا ہاتھ پکڑ کر تھوڑی نکال دیں گے۔

روشن آرا۔نہیں بی تمہیں صبر سے کام لینا چاہیے۔بیس برس کے بعد وہ آئے ہیں ان کا بھی دل چاہتا ہو گا۔اپنے بچے کی بہار دیکھیں۔یہاں آئے ہی یہ غصہ پیش آ گیا۔رنج اور غصہ میں انسان کی عقل جاتی رہتی ہے۔

حسن آرا۔میرے لد میں بھی اب طاقت نہیں رہی انہیں تو صرف لڑکے ہی کا خیال ہے مگر میں نے جب سے چھوٹے بھائی کا خط پڑھا ہے میرے دل میں لڑکی کی طرف سے بھی وہم آ رہے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔وہ بھی اپنی بات کے پکے اور ضدی ہیں اس کو ہرگز یہاں نہیں بھیجیں گے۔

روشن آرا۔انکی ضد کا سن لیا اٹھارہ برس گذر گئے مگر انہوں نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔

حسن آرا۔ یہ کیا ان سے کم ہیں ساری عمر خون کے آنسو رلوائے۔

روشن آرا۔ ہاں بی، دونوں ایک ہتھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔

حسن آرا۔ میں تو اب اس فکر میں ہوں کہ اب ہوگا کیا؟

روشن آرا۔ میں خود محسن کے پاس جاؤں گی۔ احسن کو خط لکھتی ہوں۔ اپنی سی کوشش تو کی ہی جائے گی۔

حسن آرا۔ انہوں نے تو پورے خاندان سے قطع تعلق کرنے کو لکھا ہے۔

روشن آرا۔ ان کو لکھنے دو ہم کیا چھوڑ دیں گے۔

حسن آرا۔ ٹھنڈا سانس لیکر، آپ سب انکے ہاں جاسکتے ہیں ایک میں ہی اپنی بچی کی صورت کو ترسوں گی۔

روشن آرا۔ تم اس قدر مایوسی کی باتیں کیوں کرتی ہو۔ خدا نے چاہا فرخ خود ہی دو چار مہینے کے بعد چھٹی لے کر آئیں گے۔

حسن آرا۔ آپا آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہے میں کوئی بچہ ہوں میرا دل تو فرخ کے لیے اس خط سے بالکل ہی ٹوٹ گیا۔ اب خدا ہی اس کو لائے تو تو آئے گا۔

روشن آرا۔ تم تو خواہ مخواہ وہم کرتی ہو۔ اس نے اپنے خط میں ایسا کیا لکھا ہے۔

حسن آرا۔ وہ وہاں صاف الفاظ میں کچھ تھوڑی لکھ سکتا ہے۔ اشارۃً لکھ دیا کہ دوسرا خط دیر میں ملے گا۔ ظاہر ہے کہیں باہر بھیجے جا رہے ہیں۔ اسی وجہ سے میرا دل بہلانے کی انتظام کر دیا تھا۔ کہ افشاں کو بلالیں یا خود چلی جائیں اسے کیا خبر تھی کہ اب میں دونوں کی صورتوں کو ترپوں گی۔

روشن آرا۔ اب زیادہ اپنی طبیعت کو پریشان نہ کرو خدا پر بھروسہ رکھو۔

حسن آرا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اس وقت تو مجھے افشاں کا خیال آ رہا ہے۔ فرخ کے جانیکا سن کر اس کو کس قدر رنج ہوگا۔ وہاں سوائے باپ کے اور کوئی اپنا ہمدرد نہ ہوگا۔

روشن آرا بھی کسی کام سے کھڑی ہو گئیں

پچیسواں باب

اس کی نگاہیں سب سے پہلے فرخ کے چہرہ سے مانوس ہوئی تھیں۔ یا س کے کانوں نے سب سے پہلے فرخ کی آواز پہچانی تھی۔ اس کی زبان سے سب سے پہلے فرخ کا نام نکلا تھا۔ اور اس کے دل میں سب سے پہلے فرخ کی محبت پیدا ہوئی تھی۔ تین مہینے کی عمر سے لیکر سترہ برس کی عمر تک فرخ اس کی زندگی میں برابر کا شریک رہا۔ آج وہ فرخ کی شریک زندگی ہے۔ مگر اس سے ہزاروں میل دور۔ اس کی آنکھیں ہر وقت فرخ کو ڈھونڈھتی ہیں اس کے کانوں میں برابر فرخ کی آواز گونجتی ہے۔ اس کی زبان پر بار بار فرخ کا نام آتا ہے۔ اور اس کا دل مستقل فرخ کی یاد میں بیتاب و بیقرار ہے مگر وہ بےبس اور مجبور ہے۔ دونوں کے درمیان تپتے ہوئے صحرا اور خوفناک سمندر حائل ہیں۔

اس وقت افشاں تنہا اپنے کمرہ میں فرخ کا پوسٹ کارڈ ہاتھ میں لیے بیٹھی ہے اس پر صرف فرخ کے دستخط ہیں مضمون چھپا ہوا ہے۔ صرف دو سطریں خیریت کی جو عام طور پر فوجیوں کے گھر والوں کے اطمینان کے واسطے ہوتی ہیں، افشاں بڑی دیر تک مایوسی کے عالم میں خط کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اپنی قمیض کے اندر چھپی ہوئی سونے کی زنجیر گلے میں میں نکالی، ایک چھوٹے سے لاکٹ میں فرخ کی تصویر تھی۔ چہرہ مسکراہٹ اور آنکھوں سے شرارت ٹپک رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں وہ حسرت کیساتھ تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ اور رو رہی تھی، نہ کوئی اسے سمجھانے والا تھا نہ تسلی دینے والا وہ نا معلوم کب تک اس حال میں بیٹھی رہتی۔ مگر برابر کے کمرہ سے کسی کی باتوں کی آوازآئیں۔ اسنے جلدی سے اپنے گلے کی زنجیر قمیض کے اندر کرلی اور آنسو پونچھتی ہوئی دروازہ کیا پاس جاکر سننے لگی۔ اس کی پھوپھی روشن آرا اور ان کے میاں محسن سے باتیں کرتے ہوئے اس کے کمرہ میں آرہے تھے وہ گھبرا کر غسلخانہ میں چلی گئی پہلے اس نے آئینہ میں اپنی صورت دیکھ،

سوجی ہوئی آنکھوں میں سرمہ لگایا۔محسن نے اس کو پکارا۔ افشاں کہاں ہو آپا جان آئی ہیں۔

اس نے جلدی جلدی دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ رگڑ ڈالا۔پھر آئینہ دیکھا۔۔چہرہ پر سرخ دوڑ گئی تھی ۔۔۔وہ اپنا دوپٹہ سنبھالتی ہوئی کمرہ میں آئی۔ پھوپھا پھوپھی کو آداب کیا۔روشن آرا نے اس کی بلائیں لے کر گلے سے لگالیا۔ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے افشاں اپنے آنسو روکنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔محسن کے اوپر بھی اثر تھا۔

عابد حسن نے اپنی بیوی سے کہا۔یہ رونے کا کیا موقع ہے لڑکی سے ملنے آئی ہو یا اسے پریشان کرنے۔

روشن آرا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ خدنخواستہ پریشانی کی کیا بات ہے۔ ہمارے تو خوشی میں بھی آنسو نکل آتے ہیں۔

عابد حسن نے محسن سے کہا۔بھئی یہ تم نے کیا غضب کیا۔آغا صاحب کے انتقال کی خبر مجھے نہیں کی کم از کم زرتاج بیگم کو تعزیت کا تار یا خط ہی بھیج دیا جاتا وہ اپنے دل میں کیا خیال کرتی ہوں گی۔

محسن نے جواب دیا۔میں خود ہی دلی جانے والا تھا چند وجوہات کی بنا پر رکنا پڑا۔

روشن آرا نے افشاں سے کہا۔بیٹی تم نے بہت دن سے خط نہیں بھیجا۔

افشاں خاموش رہی۔۔۔۔روشن آرا کا سامان اسی کمرہ میں لا کر رکھا گیا۔۔۔

رات کے کھانے کے بعد عابد حسن اور روشن آرا نے افشاں کو اپنے ساتھ لے جانے کا خیال ظاہر کیا۔ان لوگوں نے یہ نہیں ں بتایا کہ رضا علی والے خط کی ان کو خبر ہے محسن نے جواب دیا۔کیا رضا نے آپ لوگوں سے کچھ نہیں کہا۔؟

عابد حسن۔کیا تم نے ان کو کچھ لکھا تھا۔

محسن۔آپ کو خبر ضرور ہے۔یہ میں مان نہیں سکتا۔رضا نے ضرور کہا ہوگا۔

روشن آرا۔ وہ تو خیر تم جانو رضا جانیں۔ مگر لڑکی تو تو میں اپنے ہاں لے جاؤں گی۔ رضا کا گھر تھوڑی ہے۔

محسن ۔معاف کیجئے گا آپا جان۔ اگر اس وقت ابا جان بھی زندہ ہوتے تو میں اس کو دلی نہ بھیجتا یہ میں طے کر چکا ہوں اور وہ خود بھی نہیں جائیگی دنیا میں کوئی شخص ایسا ذلیل نہیں ہوتا کہ دوسرے لوگ اس کی شکل سے نفرت کریں اور وہ اپنی صورت انہیں دکھائے۔ آپ یقین مانئے اور میرے اس وقت کے الفاظ لکھ لیجئے۔ اگر فرخ واپس نہیں آیا تو وہ بھی اپنی جان دے دے گی۔

روشن آرا۔ خدا نہ کرے ایسی باتیں کیوں کرتے ہو۔

محسن نے عابد حسن سے کہا۔ بھائی صاحب اجکل میرا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے میں جس وقت افشاں کے متعلق سوچتا ہوں۔ میری راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے۔

عابد حسن۔ اس میں کیا شک ہے۔

روشن آرا۔ سب سے زیادہ حسن آرا پریشان ہیں، جب سے تمہارا خط دیکھا ہے۔ وہ فرخ کو بھول گئیں ہر وقت لڑکی کی مالا جپتی ہیں۔

محسن ۔میں کہتا ہوں آپ لوگوں کی عقلیں کہاں چلی گئیں تھیں۔ فرخ کے فوج میں بلائے جانے کا ذکر مجھ سے کیوں نہیں کیا گیا۔ یہاں کئی فوجی افسران سے میری ملاقات ہے۔ میں ان لوگوں سے کہہ کر یہیں کسی کام پر تعینات کروا دیتا۔

عابد حسن ۔میاں صاف بات ہے کہ تمہاری بیوی کی گفتگو سے ہم لوگ کھٹک گئے تھے اور سب کو یہی ڈر تھا کہ فرخ کے فوج میں جانے کا سن کر کہیں تم معاملہ کو دوٹک نہ کر دو۔

محسن ۔ابا جان اس کو نکاح کر چکے تھے۔ میں دوٹوک کیسے کر دیتا۔

عابد حسن ۔بھئی تمہارے دل کا حال تو کسی کو معلوم نہیں تھا۔ لڑکی کی منگنی کے وقت جو کچھ تمہارا رنگ تھا وہ سب ہی جانتے تھے۔ علاوہ بریں تمہاری بیوی نے صاف

الفاظ میں مجھ سے کہہ دیا تھا کہ یہ نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔محسن کو فسخ کرانے کا پورا حق ہے۔

روشن آرا۔اب گذری ہوئی باتیں دوہرانے سے کیا فائدہ قسمت کا لکھا کوئی نہیں میٹ سکتا۔

محسن نے سگریٹ جلاتے ہوئے کہا۔اس کو قسمت کا لکھا نہیں کہا جائیگا۔یہ اپنی غلطی ہے زرتاج سے اس معاملہ میں گفتگو کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

روشن آرا۔بھائی تم خود اندازہ لگا سکتے ہو۔ابا جان کی اچانک موت اور رضا علی کے دشمنوں کی خبر سے ہماری کیا حالت ہوگی۔اس پر طرہ تمہاری بیماری کا تار ہمیں تو اپنی جان تک کا ہوش نہیں تھا نکاح، بیاہ سب کچھ بھول گئے تھے، زرتاج بیگم نے خود ہی جھگڑا کھڑا کیا۔

محسن۔جھگڑا کیسا۔آپ مجھے مفصل حالات سنائیے۔

عابد حسن نے زرتاج بیگم کی تمام گفتگو محسن کو سنا کر کہا۔یہی وجہ فرخ کے فوج میں نام لکھوانے کی ہئی۔بھئی لڑکے سے منہ در منہ بات چیت ہوگئی، ہم لوگ کیا کر سکتے تھے۔محسن خاموش رہے ہفرخ نے ان سے یہ سب نہیں کہا تھا۔افسوس آپ لوگوں نے مجھے بالکل بےخبر رکھا کا اسی وقت تمام واقعات سنا دیتے۔

روشن آرا۔بھائی ہمارا دل نہیں چاہا کہ تم میاں بیوی میں تفرقہ ڈلوائیں یہ صفت تو بی نصیرہ میں ہے۔

محسن۔ہاں، آپا نصیرہ یہاں بھی آئی تھیں۔

عابد حسن۔جی ہاں یہاں سے جانے کے بعد انہوں نے پورے خاندان میں یہ مشہور کیا کہ محسن بہت جلدی افشاں کی شادی شہریار سے کرنے والے ہیں۔ماموں جان مرحوم کو بھی اطلاع ہوگئی تھی اسی وجہ سے انہوں نے اپنی غیر حالت میں لڑکی کا نکاح کر دیا۔محسن کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا۔انہوں نے میز پر زور سے ہاتھ پاؤں

مار کر کہا۔ مجھے آپ لوگوں سے شکایت ہے۔ خصوصاً آپا جان سے ان کا فرض تھا۔ یہ تمام حالات سے مجھے آگاہ کرتیں میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کھڑے کھڑے زرتاج کو طلاق دے دیتا۔

روشن آرا نے گھبرا کر کہا۔ اے ہے محسن ایسے الفاظ زبان سے نہ نکالو، تمہارے غصہ ہی کے خیال سے تو ہم لوگ خاموش رہے۔

محسن نے دوبارہ میز پر ہاتھ مار کر کہا۔ آپ افشاں سے زیادہ زرتاج کا خیال ہوا۔ خدا کی قسم مجھے ان کی شکل سے نفرت ہو گئی۔ آپ لڑکی کی حالت نہیں دیکھ رہیں ۔

روشن آرا۔ (ٹھنڈا سانس لے کر) وہ تو سب کچھ دیکھ رہی ہوں اللہ اس کے حال پر رحم کرے۔

محسن نے جلدی جلدی سگریٹ کا دھواں منہ سے نکالتے ہوئے کہا۔ جب آپ لوگوں نے کو در رحم نہیں کیا تو اللہ کیا کریگا۔

روشن آرا۔ ایسی باتیں نہ کرو۔ اللہ میں بڑی قدرت ہے بڑغفور الرحیم ہے۔

محسن ۔ اپنے آپ معاملات کو بگاڑ دیا اب خدا کی قدرت اور رحم ک امید لگانے کی کیا ضرورت ہے۔

روشن آرا۔ میں پوچھتی ہوں لڑکی سے کس نے کہدیا کہ فرخ لڑائی پر گیا۔

محسن ۔ میں نے کہہ دیا۔ بلکہ رضا علی کا خط بھی دکھا دیا۔

روشن آرا ۔ یہ کیا غضب کیا۔

محسن ۔ غضب تو آپ نے کیا جب نکاح ہو گیا تھا تو فرخ کی موجودگی میں اسکو کیوں نہیں بلایا۔

روشن آرا۔ حسن آرا نے تو بہت چاہر مگر رضا علی اور تمہارے بھائی نے مخالفت کی۔

محسن۔(عابد حسن سے) اس میں کیا مصلحت تھی؟

عابد حسن۔بھئی لڑکا تین ہی ہفتے تو رہا۔کیا فائدہ تھا۔

محسن نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔فائدہ تو ہو بھی سکتا تھا مگر نقصان کچھ نہیں تھا آپ لوگوں کی دوراندیشی سے مجھے اختلاف ہے۔خیر جو کچھ ہونا تھا ہو گیا اب خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھئے۔عابد حسن خاموش کھڑے ہو گئے روشن آرا اٹھ کر افشاں کے کمرے میں آ گئیں۔

پھوپھی کے آ جانے سے افشاں کے خیالات ذرا ہٹ گئے تھے روشن آرا کو آئے ہوئے دو چار ہی دن گذرے تھے کہ زرتاج بھی آ گئیں وہ ان لوگوں کو یہاں دیکھ کر بہت حیران ہوئیں ان کا خیال یہ تھا کہ افشاں چلی گئی ہو گی۔محسن وہاں سے یہی کہہ کر لائے تھے روشن آرا نے زرتاج بیگم سے یہ بات بتائی کہ وہ آغا صاحب کے انتقال کی خبر سن کر آئی ہیں۔زرتاج بیگم سے یہ بات بتائی کہ وہ آغا صاحب کیا انتقال کی خبر سن کر آئی ہیں زرتاج بیگم کو یقین نہیں آیا وہ افشاں کو بھی بہت متفکر اور خاموش دیکھ رہی تھیں محسن کی کشیدگی بھی بڑھی ہوئی تھی فرخ کے لڑائی پر جانے کا حال ابھی انکو معلوم نہیں تھا نہ روشن آرا نے ذکر کیا نہ محسن نے کہا۔

وہ ہفتے کے بعد روشن آرا واپس چلی گئیں۔زرتاج بیگم حیران تھیں کہ افشاں ان کیساتھ بھی نہیں گئی۔لڑکی سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ۔دادا ابا کے انتقال کے بعد وہاں دل نہیں بھیجدیا۔

محسن۔اس کے یہاں رہنے میں تمہارا کیا ہرج ہے۔

زرتاج بیگم۔میرا کوئی ہرج نہیں۔اگر تم میرے پاس سے یہی کہہ کر لائے تھے کہ اس کو دلی لے جاؤ گے اب تم نے باجی جان کے ساتھ بھی نہیں بھیجا۔معلوم ہوتا ہے وہ بہت گھبرا رہی ہے۔

محسن۔کیا اس نے تم سے کہا ہے۔

زرتاج بیگم۔ اس نے تو نہیں کہا مگر میں اس کی حالت کا اندازہ لگا رہی ہوں۔

محسن۔ (لاپرواہی سے) لڑکیوں کو تم وہاں چھوڑ آئی ہو تنہا۔ گھبرا ئی ہوں گی۔

زرتاج بیگم۔ جواہر دو ایک دن میں آجائیں گی۔ گوہر کو مہر تاج اپنے ساتھ لیجائینگی۔

محسن۔ (تیوری چڑھا کر) یہ گوہر بار بار مہر تاج کے ہاں کیوں جاتی ہیں؟

زرتاج بیگم بار بر تو نہیں جاتیں پہلے ایک گھنٹہ تھیں یا اب جائیں گی۔

محسن۔ کوئی خاص کام ہے۔

زرتاج بیگم۔ ہاں، انہوں نے ایک نسبت بنائی ہے۔ مگر جب تک لڑکی کو پسند نہ ہو کیسے کر دیجائے۔

محسن۔ نسبت کیسی؟ کیا گوہر کی شادی کر رہی ہو؟

زرتاج بیگم۔ ابھی شادی کا کیا ذکر ہے۔ نہ میں نے لڑکے کو دیکھا نہ گوہر نے مہر تاج کو بہت پسند ہے۔

محسن۔ (تیوری پر بال ڈال کر) ہاں گوہر کا باپ تو ہے نہیں تمہاری اور اس کی پسن سے ہو جائے گا۔

زرتاج بیگم۔ تم عجیب قسم کی باتیں کرتے ہو پہلے میں تو دیکھ لوں اگر مناسب سمجھوں گی تو باقاعدہ گفتگو کیجائے گی۔

محسن۔ کس کا لڑکا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ کہاں تعلیم ہے؟

زرتاج بیگم۔ ابھی کچھ خبر نہیں۔ مہر تاج تو اس کی صورت پر لٹو ہو گئی ہیں۔ ان کی طبیعت میں اچھی لڑکیوں والی ادا ہے۔ مجھ سے کہہ رہی تھیں گھر داماد رکھ لینا۔

زرتاج بیگم نے بگڑ کر کہا۔ میری بات دوسری تھی اماں زندہ نہیں تھیں ابو جان کو تم پسند آ گئے اب ایسی غلطی نہیں ہو سکتی اٹھارہ برس مجھے کافی تجربہ ہو گیا ہے۔

محسن۔ تمہیں تو تجربہ ہو گیا ہے مگر لڑکیاں ابھی ناتجربہ کار ہیں۔

زرتاج بیگم۔ خیر، تمہیں کچھ مطلب نہیں۔

محسن۔ (غصہ کے لہجہ میں) مطلب کیسے نہیں۔ اگر میں افشاں کا نکاح فسخ کروا سکتا ہوں۔ تو تمہاری لڑکیوں کے لیے بھی وہی حق حاصل ہے۔

زرتاج بیگم۔ (کچھ سوچ کر) افشاں کے نکاح کا اس وقت کیا ذکر ہے۔

محسن۔ ہر منٹ اور ہر سیکنڈ میرے دماغ میں یہی ذکر و فکر ہے۔ تم نہیں جانتیں کہ میں رضا علی اور حسن آرا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ تم نے اپنی ضد اور بحث میں ایک بے زبان کی زندگی برباد کر دی۔ تمہیں بغیر میری مرضی معلوم کیے اس کے نکاح کے معاملہ میں گفتگو کرنے کا کیا حق تھا۔ کیا تم مجھے ایسا کمینہ اور نالائق سمجھتی تھیں کہ میں اپنے باپ کی آخری خواہش کے خلاف کوئی قدم اٹھاتا۔

محسن کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ زرتاج بیگم نے دھیمے لہجہ میں کہا تم خواہ مخواہ تیز کیوں ہونے لگے مجھے کچھ تو بتاؤ۔ تم رضا علی اور حسن آرا کو منہ دکھانے کے قابل کیوں نہیں رہے۔

محسن۔ (تیوری چڑھا کر) تمہیں خبر نہیں فرخ لڑائی پر گیا۔

زرتاج بیگم۔ (حیرت سے) کب گیا؟

محسن۔ ایک مہینہ ہوا۔

زرتاج بیگم۔ کیا باہر بھیج دیا گیا۔

محسن۔ ہاں۔

زرتاج بیگم۔ کس طرف؟

محسن۔ مڈل ایسٹ۔

زرتاج بیگم۔ یہ تو لڑکی کے حق میں بہت برا ہوا۔

محسن ۔اور اچھا کس کے حق میں ہوا۔

زرتاج بیگم ۔اچھا تو کسی کے حق میں بھی نہیں ہوا۔اس نے اپنی جان بھی خطرہ میں ڈالی ماں باپ کی زندگی بھی برباد کی، میں اس کو ایسا بیوقوف نہیں سمجھتی تھی۔

محسن ۔تم اس کو بیوقوف کہتی ہو۔یا خود بےوقوف ہو۔

زرتاج بیگم تم ذرا تمیز سے بات کرو۔ مجھے کیا خبر تھی تمام الزام میرا اوپر رکھ دیے جائیں گے۔

تم ہمیشہ فرخ کی صورت سے نفرت کرتے تھے۔اس کی منگنی کے موقعہ پر نہ تم نے اپنی ماں کے رنج کا خیال کیا نہ باپ کی ناراضی کا اپنی ضد پر اڑے رہے اب ایک دم گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیا۔ میں نے ایسی کمزور طبیعت کا انسان آج تک نہیں دیکھا خود اچھے بن گئے مجھے سب کی نظروں میں برا بنوایا۔

محسن ۔(لاپرواہی سے) ہاں یہ سب کچھ ٹھیک ہے میں مانتا ہوں کہ میں نے گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیا ہے۔مگر لڑکی کے نکاح کے بارے میں آپ کو میں نے مختار رہنا کر نہیں بھیجا تھا آپ کو فرخ سے دو بدو گفتگو کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

زرتاج بیگم۔ یہ سب قصہ آپا روشن آرا نے تم کو سنایا ہوگا۔

محسن ۔ہاں، مجھے ان لوگوں سے ابھی شکایت ہے انہوں نے اتنے عرصہ مجھ سے چھپائے رکھا۔اگر اسی وقت معلوم ہوتا تو سب کو مزا اچھا دیتا۔

زرتاج بیگم نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔کس کو مزا چکھاتے؟

محسن نے لاپرواہی سے کہا۔جو جو اس سازش میں شریک تھے۔

زرتاج بیگم۔سازش کیسی؟

محسن ۔فرخ کو لڑائی پر بھیجنے کی۔

زرتاج بیگم نے اس وقت محسن سے بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا انہوں نے دھیمے لہجہ میں کہا۔ میں نے تو لڑکی سمجھ کر جو کچھ اس کے حق میں بہتر سمجھا تھا کہہ دیا تھا میں فرخ کو ایسا متلون مزاج نہیں جانتی تھی۔

محسن ۔خیر اس ذکر کو چھوڑو۔تم سب کچھ جانتی تھیں۔

زرتاج بیگم۔ (کچھ سوچکر) مجھے تو اب لڑکی کی طرف سے تشویش پیدا ہوگئی۔ ایک مہینہ میں وہ بالکل زدہ ہوگئی۔اگر اس کی یہی حالت رہی تو خدانخواستہ کسی خطرناک بیماری میں مبتلا نہ ہوجائے۔

محسن ۔تمہیں پہلے خیال کرنا چاہیئے تھا۔اب تو مجبوری ہے۔

زرتاج بیگم۔مجبوری تو کچھ نہیں ہے۔ابھی تو وہ کنواری لڑکیوں کی طرح ہے ب، دوبول نکاح کی بیشک گناہگار ہے۔

محسن ۔(تیوری چڑھا کر) اس قسم کی باتوں سے تمہار مقصد کیا ہے؟

زرتاج بیگم۔میرا مقصد یہ ہے کہ اس وقت تمہیں بہن بہنوئی سے زیادہ اپنی لڑکی کی وابستگی کا خیال کرنا چاہیے۔

محسن ۔ہاں میری کوشش تو یہی ہے آگے جو قدرت کو منظور ہو۔

زرتاج بیگم۔ایک ہفتہ میں، میں شہر یار کے ہاں جانے والی ہوں لڑکی کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گی کچھ تو اس کے خیالات تبدل ہوں۔

محسن ۔معاف کیجئے، مجھے اس کے خیالات تبدیل کروانے کی ضرورت نہیں، میں تو چاہتا ہوں وہ اسی میں غرق ہوجائے۔

زرتاج بیگم۔خدا مبارک کرے، مجھے کوئی مطلب نہیں۔

محسن ۔اچھا مہربانی کر کے لڑکیوں کو یہاں بلاؤ اور تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں گھر کا انتظام لڑکی نہیں کرسکتی۔

زرتاج بیگم۔لڑکی انتظام نہیں کرسکتی تو تم خود کرو،میرا جانا ضروری ہے۔

محسن۔انتظام تو خیر میں اپنا مستقل کرسکتا ہوں۔مگر تمہیں جتائے دیتا ہوں میرے ساتھ ضد کرنے کا انجام اچھا نہیں ہے۔

زرتاج بیگم نے کھڑے ہوئے ہوئے کہا۔مجھے بھی تم نے کیا اپنے خاندان کی کوئی عورت سمجھا ہے۔

محسن نے کوئی جواب نہیں دیا۔اٹھ کر اپنے کمرہ میں چلے گئے۔

چھتیسواں باب

ڈاکٹر کرمانی حسب معمول ناشتہ سے فارغ ہو کر اسپتال جا رہے تھے۔۔۔آجکل وہ فوجی زخمیوں کی دیکھ بھال پر تعینات تھے۔جونہیں انکی موٹر کوٹھی کے پھاٹک سے نکل۔محسن کو موٹر آتی ہوئی نظر آئی۔۔۔ڈاکٹر صاحب نے موٹر روک لی۔محسن نے اونچی آواز میں کہا۔آداب عرض ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر صاحب نے بھی آداب عرض کہتے ہوئے پوچھا۔خیریت تو ہے سویرے سویرے کیسے آنا ہوا۔؟

محسن نے کار قریب لاتے ہوئے کہا۔ہاں سب خیریت ہے ویسے ہی آپ سے ملنے کو دل چاہا۔

ڈاکٹر صاحب۔کیا لڑکی کو بھی ساتھ لائے ہیں؟

محسن۔جی ہاں۔اسی وجہ سے آیا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب۔خریت تو ہے؟

محسن۔اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے تنہائی میں گھبراتی تھی میں نے سوچا یایہاں لے آؤں۔

ڈاکٹر صاحب۔ہاں،ہاں آپ نے اچھا کیا،چلیے وہ موٹر میں پریشان ہو رہی ہو گی۔

محسن۔آپ اسپتال جائیے میں لڑکی کو مسز کرمانی کے پاس لے جاتا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب۔چلیے میں بھی چلتا ہوں اسپتال تھوڑی دیر بعد چلا جاؤں گا۔ڈاکٹر صاحب نے اپنی موٹر پھاٹک کی طرف موڑ دی۔دونوں گاڑیاں برآمدہ کے سامنے آکر ٹھہریں۔افشاں اب برقعہ نہیں اوڑھتی تھی وہ اس وقت آسمانی رنگ کی سادی جارجٹ کی ساڑھی باندھے تھی۔وہ اب وہم کی وجہ کبھی سفید کپڑے نہیں پہنتی تھی پہلے تو اکثر ہاتھوں میں صرف سونے کی چوڑیاں پہنے رہتی تھی لیکن فرخ کے جانے

کے بعد سے وہ شیشے کی چوڑیاں بھی پہننے لگی تھی۔ کانوں کے بندے اور گلے کی جگنی بھی نہیں اتارتی تھی بلکہ ایک نئی بات اس نے یہ کی تھی کہ ناک میں کیل بھی پہن لی تھی۔ وہ آج کل بہت دبلی اور کمزور ہو رہی تھی اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ معصوم اور بھولا نظر آتا تھا اس کی صورت دیکھ کر خود بخود انسان کے دل میں اس کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوتی تھی۔ موٹر رکتے ہی محسن کی ایک نہایت حسین لڑکے پر پڑی جو برآمدہ میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں بھی موٹر کی آواز پر ایک دم پہلے محسن اور پھر افشاں پر پڑیں، وہ کچھ گھبرا سا گیا فوراً اخبار میز پر رکھ کر پہلو کے کمرہ میں چلا گیا اور دروازہ بند کر لیا۔ محسن نے افشاں کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ پہلے تو ڈاکٹر صاحب کے ہاں کوئی نہیں رہتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ آیئے آیئے محسن صاحب آپ موٹر ادھر لے آئے سامنے کی طرف کا کمرہ کھلا ہوا تھا۔ خیر کوئی بات نہیں میں دروازہ کھولے دیتا ہوں۔ لڑکی کو اتاریے۔

محسن یہ کہتے ہوئے افشاں کو گول کمرہ میں لے کر آئے، میں تو ہمیشہ افشاں کو مسز کرمانی ہی کی طرف اتارتا ہوں

ڈاکٹر صاحب نے بات ٹالتے ہوئے مسز کرمانی کو آواز دی۔ فوراً یہاں آؤ محسن صاحب آئے ہیں۔

مسز کرمانی نے آ کر افشاں کو گلے لگایا پیار کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے افسوس اور ہمدردی کی نگاہوں سے اس کو دیکھتے ہوئے محسن سے کہا۔ کیا آپ دہلی سے ہو آئے۔

محسن۔ ابھی تو نہیں گیا۔

ڈاکٹر۔ یہاں سے تو آپ جلدی کر کے گئے تھے کہ دوسرے ہی دن اس کو لے کر جاتا ہے

محسن ۔ ہاں ابھی جانا نہیں ہو سکا، مجھے کچھ ضروری کام بھی ہے ۔ لڑکی کی طبیعت بھی خراب تھی میں نے سوچا پہلے آپ کو دکھا دوں ۔

ڈاکٹر نے اپنی بیوی سے کہا ۔ افشاں کو لے جا کر اپنے کمرہ میں لٹاؤ اس کی طبیعت خراب ہے ۔

مسز کرمانی نے جواب دیا ۔ پہلے یہ لوگ ناشتہ تو کر لیں ۔

ڈاکٹر نے قہقہہ لگا کر کہا ۔ اگر تم نہ ہوتیں تو میں ان لوگوں کو دوپہر تک نہار منہ رکھتا ۔

محسن ۔ ہنسکر ۔ ہم لوگ نہار منہ تو نہیں ہیں چاء پی چکے ہیں، ہاں کچھ کھایا نہیں تھا ۔ آپ سے کوئی تکلف نہیں مانگ کر کھالیتے ۔

مسز کرمانی ناشتہ کے انتظام کے لیے اٹھیں افشاں بھی کھڑی ہو گئی ۔ ڈاکٹر نے کہا ۔ بیٹی تم ناشتہ کر کے جانا ۔

افشاں ۔ میں چچی جان کے کمرہ میں ناشتہ کر لوں گی ۔

ڈاکٹر ۔ اچھی بات ہے، جو تمہاری خوشی ۔

لڑکی کیجانے کے بعد ڈاکٹر محسن سے کہا ۔ واقعی لڑکی بہت کمزور معلوم ہوتی ہے ۔

محسن ۔ میں نہیں سمجھتا تھا فرخ کے جانے کا اس کے اوپر اس قدر اثر ہو گا ۔

ڈاکٹر ۔ اثر ہونا لازمی تھا ۔ ایسی صورت میں آپ کو چاہیئے تھا فوراً اس کو اپنی ہمشیرہ کے پاس پہنچا دیتے ۔

محسن ۔ ہاں یہ کچھ عجیب سی بات ہے ۔ میں خود حیران ہوں ۔

ڈاکٹر ۔ آپ کا مطلب میں نہیں سمجھا ۔

محسن ۔ کچھ ایسا ہی معاملہ آپڑا تھا ۔

ڈاکٹر ۔ خیریت تو ہے؟ معاملہ کیسا؟

محسن نے تمام کیفیت ڈاکٹر کو سنا کر کہا ۔ بتایئے ایسی صورت میں وہ وہاں کیسے جا سکتی ہے ۔

ڈاکٹر نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ دونوں کی ضد نے خاک میں ہم کو ملا دیا۔ کیا غضب کیا آپ لوگوں نے ادھر آپ کی بہن بیچاری پریشان ہوں گی۔ ادھر لڑکی غریب مشکل میں پڑ گئی۔

نوکر نے ناشتہ لاکر رکھا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ محسن صاحب آپ ناشتہ کیجیے۔

میں اب اسپتال جاتا ہوں، بارہ بجے تک واپس آؤں گا۔ اگر کہیں گھومنے پھرنے نہ جائیں تو میرے کمرہ میں آرام کریں۔

محسن۔ ڈاکٹر صاحب ایک بات تو بتائیے، آپ سیٹھ اسمٰعیل بڑودہ والے کو جانتے ہیں؟

ڈاکٹر۔ ہاں، ہاں خوب اچھی طرح پچھلے ہی مہینہ ان کی لڑکی کا علاج کیا تھا، آپ کو ان سے کچھ کام ہے؟

محسن۔ ہاں ذرا میں انکے ہاں جانا چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر۔ شام کو میرے ساتھ چلئے گا۔ کیا آپ کی ان سے ملاقات ہے؟

محسن۔ میں نے تو کبھی ان کی صورت نہیں دیکھی۔

ڈاکٹر۔ کوئی خاص کام ہے؟

محسن۔ سنا ہے ان کے ہاں کوئی لڑکا ٹھیرا ہوا ہے۔

ڈاکٹر نے متجسس نگاہوں سے محسن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ کو کیسے خبر ہوئی۔

محسن۔ خبر کا کیا ہے، بہت لوگ اس کو دیکھنے جا چکے ہیں مجھے بھی اشتیاق پیدا ہوا۔

ڈاکٹر۔ لوگ تو دیکھنے نہیں گئے لوگائیاں جاتی تھیں۔ مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا؟

محسن۔ ہاں سنا ہے، بے حد حسین ہے۔

ڈاکٹر (سنجیدگی سے) ہاں تھا تو خوبصورت مگر اب سیٹھ صاحب کے ہاں نہیں ہے۔

محسن ۔کہاں گیا۔؟

ڈاکٹر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ مجھے کیا خبر۔۔۔۔۔ اچھا محسن صاحب اب میں اسپتال جاتا ہوں۔ دوپہر کو ملاقات ہوگی۔

ڈاکٹر کیجانے کے بعد محسن سوچنے لگے۔ صبح جس لڑکے کو میں نے دیکھا تھا ضرور یہ وہی لڑکا ہے۔ ڈاکٹر نے اس طرف موٹر لے جانے پر بھی مجھے ٹوکا تھا۔ اس وقت میں نے پوچھا کہ وہ لڑکا کہاں ہے تو ڈاکٹر فوراً کھڑے ہوگئے ضرور کوئی راز ہے۔ خیر معلوم ہوجایگا مگر میں تو افشاں کو مستقل طور پر یہاں رکھنے کے لیے لایا تھا۔ ایسی صورت میں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ وہ اب پردہ بھی نہیں کرتی۔ اگر وہ لڑکا یہیں رہتا ہے تو افشاں بھی اس کے سامنے آئے گی مجھے تو اس وقت اس کا موٹر کی طرف دیکھنا بھی ناگوار گذرا حالانکہ اتفاقیہ اس کی نگاہیں اٹھس گئی تھیں۔ لڑکا درحقیقت خوبصورت ہے مہرتاج کو پسند آنا لازمی تھا میں نے تو صرف اس کی جھلک دیکھی تھی مگر اس کی صورت میں ایسی کشش ہے کہ دل چاہتا ہے دوبارہ دیکھوں۔ افشاں کی صورت میں بھی ایسی ہی کشش ہے، دو کششوں کے ایک ساتھ رہنے میں ٹکرانے کا اندیشہ ہے، میں اس کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا میری پوری ذمہ داری ہے وہ اب شادی شدہ ہے۔ اسی وجہ سے میں نے زرتاج کے پاس بھی نہیں چھوڑا خیالات کو بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی۔

محسن بڑی دیر تک خیالات میں غرق رہے۔

مسز کرمنی افشاں کو ناشتہ کے بعد اپنے سونے کے کمرہ میں لے آئیں۔ انہوں نے اصرار کر کے اس کو مسہری پر لٹا دیا۔ خود اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ وہ اب اردو صاف بولنے لگی تھیں لباس بھی ہندوستانی پہنتی تھیں۔ اس مرتبہ افشاں نے کوٹھی میں کچھ تبدیلیاں دیکھیں مثلاً مسز کرمانی کے سونے کے کمرہ میں ان کپڑوں کی الماری اور ڈریسنگ ٹیبل بھی لگی ہوئی تھی ان سے پوچھا۔ چچی جان آپ نے یہ سب

سامان اس کمرہ میں کیوں رکھ لیا ہے؟

مسز کرمانی نے جواب دیا۔ایک کمرہ میں مہمان ٹھیرے ہوئے ہیں۔

افشاں نے کہا۔آپ کے ہاں تو مہمانوں کے لیے باہر والا کمرہ تھا۔

مسز کرمانی نے کہا۔وہ کمرہ سڑک کی طرف ہے۔

افشاں نے کہا۔کیا کوئی خاص مہمان اندر کی طرف رہنے والے ٹھیرے ہیں۔

مسز کرمانی نے کہا۔ہاں انہوں نے وہ رخ پسند کیا ہے۔

افشاں نے پوچھا۔کیا کوئی زیادہ پردہ کرنے والے لوگ ہیں۔

مسز کرمانی نے بات بتاتے ہوئے کہا۔زیادہ پردہ کیا بس انہیں وہ ہی کمرہ پسند آیا۔

افشاں خاموش ہوگئی اس نے اور کوئی سوال نہیں کیا۔وہ سمجھ گئی یہ بتانا نہیں چاہتیں۔

دوپہر کو ڈاکٹر کرمانی نے اسپتال سے واپس آکر افشاں کو دیکھا اور محسن کو اطمینان دلایا کہ،کوئی فکر کی بات نہیں ہے لیکن ایک مشورہ آپ کو میرا ماننا پڑے گا۔لڑکی کو مستقل یہاں چھوڑ دیجیے۔

محسن۔میں تو خود اسی ارادہ سے لایا تھا۔لیکن۔

ڈاکٹر نے بات کاٹ کر کہا۔لایا تھا۔لیکن کے کیا معنی؟ کیا اب ارادہ بدل دیا؟

محسن۔آپ کے جانے کے بعد اسی فکر میں ہوں۔

ڈاکٹر۔فکر کیسی،کیا میرے جانے کے بعد کوئی خاص بات ہوئی؟

محسن۔آپ کیجانے کے بعد تو کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔صبح جس وقت آیا ہوں میں نے برآمدہ میں ایک لڑکے کو دیکھا تھا۔

ڈاکٹر۔لڑکے کو یا لڑکی کو؟

محسن۔کیا کوئی لڑکی بھی آپ کے ہاں ہے؟

ڈاکٹر۔صبح آپ نے جس کو برآمدہ میں بیٹھے دیکھا تھا وہ لڑکی ہی تو تھی۔

محسن۔اب مجھے اپنی آنکھوں کا علاج کروان پڑے گا۔

ڈاکٹر۔(مسکرا کر) کیا واقعی وہ آپ کو لڑکا معلوم ہوا تھا؟

محسن۔ڈاکٹر کیوں میری آنکھوں میں خاک جھونکتے ہو، اس کو کون لڑکی کہہ سکتا ہے۔

ڈاکٹر۔قہقہہ لگا کر۔محسن صاحب آپ نے تو ہمارا بنایا کھیل بگاڑ دیا خدا کے واسطے اس کو لڑکا نہ کہیے۔

محسن۔اگر آپ نے مصلحتاً اس کو لڑکی مشہور کیا ہے تو خیر مگر اس وقت تو وہ لڑکا ہی معلوم ہو رہا تھا کچھ مجھے بھی تو بتائیے کیا قصہ ہے؟

ڈاکٹر۔ارے صاحب میں تو بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں آپ ہی اس کو اپنے ساتھ لیجائیے۔

محسن۔آپ مجھے بتائیے تو سہی کونسی مشکل میں آپ پھنس گئے۔

ڈاکٹر نے اپنی کرسی محسن کے قریب کرتے ہوئے کہا۔یہ وہی لڑکا ہے جس کو دیکھنے کا آپکو اشتیاق تھا۔

محسن۔ہاں میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔کہ کہیں یہ وہی تو نہیں ہے،مگر یہ آپ کے ہاں کیسے آیا۔

ڈاکٹر۔آپ جانتے ہیں یہ کون ہے۔اٹلی کا بھاگا ہوا قیدی۔

محسن۔حیرت سے۔اٹلی کا بھاگا ہوا قیدی؟اس کو آپ نے کیوں رکھ چھوڑا ہے۔

یہ سیٹھ صاحب کیت ہاں کیسے آیا؟

ڈاکٹر۔سنا ہے ان کی لڑکی کہیں سے اپنے ساتھ لائی تھیں اور اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھیں۔

محسن۔سیٹھ صاحب کو خبر نہیں تھی کہ یہ کون ہے۔

ڈاکٹر۔ انکی صاحبزادی نے اپنی سہیلی کا بھائی بتایا تھا۔ آپ کیا پوچھتے ہیں سیٹھ صاحب کیہاں یہ حالت تھی ۔ گویا برسات کے موسم میں روشنی پر پتنگے گریں۔ لڑکیوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔

محسن ۔لڑکیوں کی بھی عجیب حالت ہوگئی ہے۔

ڈاکٹر۔قہقہہ لگا کر۔آپ لڑکیوں کو کہتے ہیں ۔ارے صاحب شادی شدہ عورتیں اپنے بچوں کو چھوڑ چھوڑ کر شوہروں سے طلاقیں لے لے کر فوجیوں کا دل خوش کرنے جارہی ہیں۔ یہ غنیمت ہے کہ میری بیوی لنگڑی ہے۔

محسن ۔مسکرا کر۔ یہ تو دوسرے قصے نکل آئے آپ مجھے یہ بتایئے یہ لڑکا آپ کے ہاں کیسے آیا؟

ڈاکٹر ۔سیٹھ صاحب کے ہاں سے میرے تعلقات ہیں ان کی بیوی نے برازدارانہ طریقہ سے مجھ سے ذکر کیا اور کہا اس کو کسی طریقہ سے یہاں سے نکلو دو۔ میں اس کو اپنے ہاں لے آیا۔

محسن ۔لے آنے میں کوئی ہرج نہیں ہے مگر اپنے ہاں کیوں رکھ چھوڑا ہے چلتا کیا ہوتا۔

ڈاکٹر ۔لایا تو اسی خیال سے تھا مگر اس کی کسی پر مجھ کو اور نورا کو رحم آ گیا، کمبختوں نے بالکل ہی بچے فوج میں بھر لئے ہیں۔اسی وجہ سے لاکھوں کی تعداد میں قیدی بن بن کر آرہے ہیں۔

محسن ۔آپ بھی عجیب آدمی ہیں یہ خیال نہیں کرتے کس قدر جرم کا کام ہے ۔اگر کسی کو خبر ہوگئی ہوتو؟

ڈاکٹر ۔ہنس کر۔ میں نے تو اس کو لڑکی بنا کر رکھا ہے۔

محسن ۔کوئی آنکھوں کا اندھا ہوگا۔ جو اس کو لڑکی سمجھے گا۔

ڈاکٹر ۔قہقہہ لگا کر۔وہ تو اتفاق تھا کہ ٭ آپ نے اس کو ڈریسنگ گاؤن میں دیکھ

لیا۔ اگر ساڑی میں دیکھتے تو کبھی لڑکا نہ کہتے۔

محسن۔ مگر آپ نے اس کو اس طرح برآمدہ میں بیٹھنے کی اجازت کیوں دے رکھی ہے۔

ڈاکٹر۔ اس طرف ہر شخص کو جانے کی ممانعت ہے ہم لوگوں نے نوکروں سے کہہ دیا ہے کہ پردہ نشیں مستورات ٹھیری ہوئی ہیں۔

محسن۔ اگر کوئی اتفاق سے ادھر آ جائے تو کیا ہو۔

ڈاکٹر ہنسکر۔ ہو کیا۔ یہ خیال کریں کہ کوئی لڑکا ہے، آپ کی طرح جرح تو کوئی نہ کرے۔

محسن۔ لیکن اس کو اپنے ہاں رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔

ڈاکٹر۔ ہاں یہ تو میں بھی جانتا ہوں مگر آپ یہ تو بتایئے آپکو اس لڑکے کی خبر کیسے ہوئی؟

محسن نے زرتاج بیگم سے جو کچھ سنا تھا وہ ڈاکٹر کو بتایا...... ڈاکٹر نے ہنسکر کہا۔

''اچھا آپ کی سالی صاحبہ بھی سیٹھ صاحب کے ہاں جا چکی ہیں۔

محسن۔ وہ خیریت ہوئی کہ لڑکیوں کو لے کر نہ پہنچیں۔

ڈاکٹر۔ اچھا۔ اس قصہ کو ختم کیجئے اب یہ بتایئے کہ لڑکی کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔

محسن۔ رائے کیسی۔

ڈاکٹر۔ آپ نے افشاں کی شادی کو راز میں رکھا ہے اور اب خدا کے فضل سے اس کو حمل ہے۔

محسن۔ گھبرا کر۔ اچھا یہ تو بڑی مشکل ہوئی

ڈاکٹر ہنسکر۔ مشکل، ارے صاحب بہت اچھا ہوا بڑی خوشی کی بات ہے۔

محسن۔ کچھ سوچکر۔ ہاں، اچھا تو ہوا مگر میں اس کو نو دس مہینے کہاں رکھونگا۔؟

ڈاکٹر۔ میرے ہاں رکھئے اور کہاں رکھیں گے؟

محسن۔ یہ خیال تو میرا پہلے بھی تھا، میں اس کو زرتاج بیگم کے پاس رکھنا نہیں چاہتا۔ مگر اب آپ کے ہاں وہ لڑکا جو ہے۔

ڈاکٹر۔ ہنسکر۔ محسن صاحب آپ بھی عجیب آدمی ہیں اس لڑکے کا کیا ہے کچھ دن کے واسطے میں نے رکھ لیا ہے ادھر ادھر کر دونگا ہیں تو کہہ رہا ہوں آپ لے جائیے۔

محسن۔ ہنسکر۔ میں لے جاؤں ابھی آپ نے سن نہیں لیا۔ سالی صاحب تو اس کی گرویدہ وہ پہلے ہو چکی ہیں۔

ڈاکٹر۔ خیر آپ فکر نہ کریں۔ اس کا میں کوئی نہ کوئی بندوبست کر دوں گا۔

محسن خاموش ہو گئے۔۔۔ دوپہر کے کھانے پر جنگ کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔

فرخ کی طرف سے محسن کو بہت پریشانی تھی وہ محاذ پر تھے بایک مہینہ سے خط بھی نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹر ان کو تسلی دیتے رہے۔۔ شام کو چند ابائی افشاں کا سامان لے کر آ گئی۔ زرتاج بیگم شہریار کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ محسن افشاں کی تنہائی کے خیال سے اس کو یہاں لے کر آئے تھے۔ مگر اس لڑکے کو دیکھ کر ان کو فکر ہو گئی۔ ڈاکٹر اور انکی بیوی نے ہر طرح کا اطمینان دلایا اور وعدہ کیا کہ اس لڑکے کو دوسری جگہ بھیجدیں گے۔ مگر محسن کو یقین نہیں آیا۔ وہ افشاں کو اپنے ساتھ واپس لے گئے اور ڈاکٹر سے کہہ گئے کہ جب اس لڑکے کا کوئی انتظام ہو جائے تو مجھے تو تار دے دینا۔

سینتیسواں باب

فرخ کو گئے ہوئے چھ مہینے سے زیادہ گزر گئے اس عرصہ میں وہ ایک مرتبہ قید بھی ہوئے تین مہینے تک گھر والوں کو ان کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ سب ان کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے۔ مگر ایک دم جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ اٹلی کے مورچہ پر ہندوستانی فوجیں آگے بڑھنی شروع ہوئیں۔ اپنے قیدیوں کو آزاد کرا لیا۔ فرخ بھی کیمپ میں واپس آ گئے ان کا خط بھی باقاعدہ آنے لگا۔ گھر والوں کو اطمینان ہوا۔

رضا علی فوجیوں کو اطالوی زبان سکھلانے کے واسطے معقول معاوضے پر ملازم ہو گئے تھے ان کو آجکل مصروفیت زیادہ تھی علاوہ بریں جب سے انہوں نے فرخ کے لڑائی پر جانے کے وجوہات سنے تھے وہ اپنی بہن سے کشیدہ رہتے تھے۔ نصیرہ بیگم نے سید صاحب کے ہاں آنا جانا کم کر دیا تھا۔ آج اتوار کا دن ہے انہوں نے رجا علی کو کھانے پر بلایا۔ دوران گفتگو میں نصیرہ بیگم نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ میاں بیس برس تو تم پردیس میں رہے اپنی زندگی میں ملنے کی امید ہی نہیں رہی تھی۔ یہاں آتے ہی تم اپنی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے دنوں تمہاری شکل کو ترستی ہوں اٹھوارے گذر جاتے ہیں مگر میرے ہاں نہیں آتے۔

رضا علی نے کہا۔ مجھے آجکل فرصت نہیں ہوتی کہیں آ جا نہیں سکتا۔

نصیرہ بیگم۔ ہاں بھائی یہ تو میں بھی جانتی ہوں میرا بہترا تمہارے اور حسن آرا کے لیے دل ٹوٹتا ہے میں خود ہی دو چار دن جا کر رہ آتی مگر میری طرف سے وہاں سب کو بدگمانی ہو گئی ہے اس سے جی شرمندہ سا رہتا ہے۔ میں تم سے ایمان سے کہتی ہوں میاں محسن کا رویہ فرخ کے ساتھ ایسا خراب تھا کہ میں گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ خدا اس کی عمر دراز کرے وہ جان کی سلامتی میں واپس آئے میرا جو رشتہ فرخ سے ہے وہ میاں محسن سے نہیں ہے مجھے اپنے بچے کی ذلت بری معلوم ہوتی ہے۔

رضا علی۔ خیر گزرنے دیجئے قصول کو چھوڑیے۔ اب تو اس کی واپسی کی دعا کیجئے۔

نصیرہ بیگم۔میاں یہ بھی تمہارے کہنے کیبات ہے خدا جانتا ہے ہر سانس میں یہی صدا نکلتی ہے خدا تمہاری اور حسن آرا کی ماںتا ٹھنڈی رکھے اور تم دونوں اپنے بچے کی بہاریں دیکھو۔ اللہ اس کے ایک دم میں ہزار و دم کرے۔ میں تم سچ کہتی ہوں حسن آرا کے لیے ہر وقت جی کڑھتا ہے۔ بھتیجی کو اپنی اولاد سے زیادہ چاہا تین مہینے کی کیڑے کو پال پوس کر جوان کیا نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات مگر قسمت کی بات ہے اس نے بھی طوطے کے سے دیدے بدل لئے۔

رضا علی۔دیدے کس نے بدل لئے۔

نصیرہ بیگم۔محسن کی لڑکی کو کہہ رہی ہوں۔فرخ کے جانے کے بعد بھی نہ آئی۔

رضا علی۔اس کا کیا قصور ہے ابھی یہاں سے کسی نے بلایا ہی نہیں۔اللہ تعالیٰ فرخ کو واپس لائے تو وہ یہاں آئے۔

نصیرہ بیگم۔اے بھائی کیا باتیں کرتے ہو۔اگر وہ آنا چاہتی اور اس کے دل میں پھوپھی کی محبت ہوتی تو وہ پہلے ہی آ گئی ہوتی فرخ کی واپسی پر کیا آئے گی۔

رضا علی۔فرخ کی واپسی پر کیوں نہیں آئے گی؟

نصیرہ بیگم۔اب تم سے کیاں کہوں میں نے تو کچھ اور ہی سنا ہے۔

رضا علی۔آپ نے کیا خبر سنی ہے؟

نصیرہ بیگم۔کیا بتاؤں مجھے پہلے ہی لوگوں نے بدنام کر رکھا ہے اب یہ قصہ سناؤں گی تو آپا روشن آرا میری چندیا پر ایک بال بھی ہیں چھوڑیں گی۔

رضا علی۔یہاں تو آپا روشن آرا نہیں ہیں جو کچھ واقعہ ہے آپ کو مجھے بتانا چاہیے اب تو میں یہاں موجود ہوں۔

نصیرہ بیگم۔مگر بھائی خود تحقیق کرلو خواہ مخواہ یہ نہ ہو کہ بہن کے ہاں گئے تھے۔انہوں نے یہ شگوفہ چھوڑا۔

رضا علی۔آپ مجھے بتایئے تو قصہ کیا ہے۔

نصیرہ بیگم۔میاں محسن نے افشاں کی شادی کر دی ہے۔
رضا علی۔متحیر ہوکر۔شادی کر دی ہے۔آپ کو کیسے خبر ہوئی؟
نصیرہ بیگم۔محسن کو بیوی نے لکھا ہے۔
رضا علی۔محسن تو ایسی نہیں کر سکتے یہ ان کی بیوی کی چال معلوم ہوتی ہے۔
نصیرہ بیگم۔بیوی بیچاری کو تو خبر بھی نہیں کی وہ تو اس لڑکے سے اپنی بیٹی کی نسبت طے کر رہی تھیں مگر میاں محسن نے پہلے تو افشاں کو ان کے پاس سے لے جا کر اپنے کسی دوست کے ہاں بمبئی رکھا پھر وہیں چپکے سے اس کی شادی کر دی۔
رضا علی نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ذرا مجھے محسن کی بیوی کا خط تو دکھایئے۔نصیرہ بیگم نے اپنے صندوقچہ میں سے زرتاج بیگم کا خط نکال کر رضا علی کے ہاتھ میں دے دیا خط پڑھ کر انہوں نے کہا یہ تعجب ہے لڑکی کیسے راضی ہوگئی۔
نصیرہ بیگم۔لڑکی کے راضی ہونے کیا کیا ہے۔بس پھوپھیوں نے اس کا نکاح کروا دیا تو وہ کچھ نہیں بولی۔وہاں باپ کے آگے کیا بولتی۔چچی اماں کو خدا بخشے انہوں نے اس کی پرورش ہی ایسی کی ہے۔
رضا علی۔نہیں آپا۔یہ بات میں کبھی نہیں مان سکتا دراصل اس کی مرضی ہی فرخ سے نہ ہوگی۔
نصیرہ بیگم۔مسکرا کر۔آپا روشن آرا کی زبردستی سے انگوٹھی پہنائی گئی تھی وہ تو منگنی کے موقعہ پر بھی بہت روئی جھینکی۔
رضا علی۔مجھے یقین نہیں آتا کہ محسن ایسی نامعقول حرکت کریں گے۔
نصیرہ بیگم۔محسن پہلے ہی کب چاہتے تھے کہ فرخ سے ہو۔
رضا علی۔مگر سنا ہے بعد میں تو راضی ہوگئے تھے۔
نصیرہ بیگم۔راضی کیا ہوگئے تھے انہیں مجبور ہونا پڑا تھا۔اپنے باپ کے خیال سے اس وقت نہیں بولے۔اب یہ سنہری موقعہ ہاتھ آیا انہوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔

رضا علی۔ میں محسن کو ایسا نہیں سمجھتا تھا کم از کم انہیں ایک سال تو فرخ کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔

نصیرہ بیگم۔ ارے بھائی وہ انتظار کیوں کرتے۔ میں تو کہتی ہوں انہوں نے اسی وجہ سے جلدی سے کر دیا کہ فرخ کے آنے کے بعد بھائی بہنیں زور دیں گے۔

رضا علی نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اس وقات بہت غصہ میں تھے انہوں نے زرتاج بیگم کیا خط جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ میں یہ لئے جاتا ہوں وہاں دکھانا ہے۔

نصیرہ بیگم۔ شوق سے لے جاؤ میں منع نہیں کرتی مگر میرا نام نہ ہو۔

رضا علی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ آپ کا نام کیوں ہونے لگا یہ خط موجود ہے۔

گھر میں آ کر رضا علی نے عابد حسن اور روشن آرا کو بلا کر زرتاج بیگم کا خط ان کے آگے ڈال دیا عابد حسن نے پوچھا۔ کیا فرخ کا خط ہے؟

رضا علی نے کہا۔ پڑھ کر دیکھئے کس کا ہے۔

عابد حسن نے خط پڑھ کر خاموشی سے اپنی بیوی کو دے دیا۔ روشن آرا اور حسن آرا سکتہ کے عالم میں رہ گئیں رضا علی نے غصہ کے لہجہ میں کہا۔ اب آپ لوگوں کی رائے ہے؟

رضا علی۔ کیا محسن کی بیوی اتنی بڑی بات غلط لکھ سکتی ہیں؟

عابد حسن۔ میری رائے میں تم خود جا کر تحقیق کرو۔

رضا علی۔ مجھے تو کوئی ضرورت نہیں ہے آپ ہی لوگوں کی موجودگی میں نکاح ہوا تھا آپ ہی تحقیق کریں میں تو اس فکر میں ہوں کہ اگر فرخ زندہ واپس آ گیا تو وہ کیا کرے گا۔ صرف نکاح فسخ کرانے کے لفظ پر تو اس نیا اپنی جان خطرہ میں ڈال دی وہ لڑکی کو زندگی نہیں چھوڑ سکتا۔

عابد حسن کو بھی رضا علی کی گفتگو پر غصہ آ گیا انہوں نے کہا۔ میں مجھے بھی ضرورت

نہیں ہے خدا کا شکر ہے میری کوئی لڑکی فرخ کے لیے نہیں بیٹھی تحقیق کریں یا نہ کریں۔ نصیرہ بیگم کریں جن کو شروع سے اس معاملہ میں دلچسپی ہے۔

رضا علی۔ وہ تو پہلے ہی کہہ رہی تھیں کہ الزام انہیں کے اوپر آئے گا حالانکہ محسن کی بیوی نے خود ان کو اطلاع دی ہے۔

روشن آرا۔ نہیں بھئی انکو کون الزام دیتا ہے مگر تحقیق تو کرنی چاہیے۔

عابد حسن۔ ہاں ہاں ضرور تحقیق کرو کون منع کرتا ہے۔

رضا علی۔ شاید آپ کو یقین نہیں۔

عابد حسن۔ میں محسن کو ایسا کم ظرف نہیں سمجھتا۔ ممکن ہے انہوں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا ہو۔

روشن آرا۔ میں ابھی محسن کو خط لکھ کر دریافت کرتی ہوں۔

رضا علی۔ وہ کیا آپ کو لکھ دیں گے؟

روشن آرا۔ لکھیں گے کیوں نہیں۔ یہ بات کوئی چھپنے والی ہے۔ اب نہیں دو چار مہینے کے بعد خدا فرخ کو خیر سے واپس لائے وہ کہاں تک چھپائیں گے۔

حسن آرا کی اس وقت یہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں بالکل خاموش پتھر کی طرح بیٹھی تھیں رضا علی ان سے کہا۔ تم کیوں اس قدر پریشان ہو جب اس لڑکی کو تمہاری محبت نہیں تو تمہیں رنج کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

حسن آرا۔ اگر حقیقت میں یہ بات صحیح ہے تو اس کا انجام کیا ہوگا فرخ کو کس قدر رنج ہوگا۔

عابد حسن۔ تم بے فکر رہو ہم لوگ غلطی پر تھے جس طرح افشاں نے خاموشی سے اپنی شادی کرالی اسی طرح فرخ بھی دوسری جگہ اپنی مرضی سے کرلے گا۔ دراصل چچی جان اور نصیرہ بیگم کا کہنا ٹھیک تھا۔

روشن آرا۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اگر افشاں کے اوپر زبردستی کی جاتی تو وہ کم از کم

ہم لوگوں کو تو لکھتی۔

حسن آرا۔ کیا خبر اس کو کس قید میں رکھا تھا وہ کیسے اطلاع کرتی۔

رضا علی۔ تم اب بھی اس لڑکی کی طرف سے خوش عقیدہ ہو۔

حسن آرا نے آہستہ سے کہا۔ چاہے کوئی جلتے توے پر بیٹھ جائے میں کبھی نہیں مانوں گی کہ اس کی مرضی سے شادی ہوئی ہوگی۔

روشن آرا۔ مجھے تعجب ہے کہ زرتاج بیگم نے براہ راست یہاں کیوں نہیں لکھا۔

رضا علی۔ خط تو انہیں کا ہے آپ نے کوئی جعلی خط نہیں بنالیا۔ اگر براہ راست انکا خط آتا جب بھی آپ لوگوں کو یقین نہیں آتا۔

روشن آرا۔ یہ کون کہتا ہے کہ جعلی خط ہے مگر مجھے تو زرتاج بیگم پر غصہ آرہا ہے۔ انہیں چاہیے تھا مجھے خط لکھتیں۔

رضا علی۔ اطلاع تب یہی ہوتی۔

روشن آرا۔ اطلاع تو یہی ہوتی مگر وہ خط لے کر محسن کے پاس جاتی، ان کو لعنت ملامت کرتی افشاں کی اچھی خبر لیتی میری آنکھوں میں تو وہی وقت پھر رہا ہے جب ابا جان نے نزع کی حالت میں اس کا نکاح کیا تھا وہ دادا دادی کی شفقت بھول گئی کیا دنیا میں ایسے ہی خون سفید ہو گئے ہیں۔ میں نے تو جس وقت سے یہ خط پڑھا ہے خدا جانتا ہے میرا خون کھول رہا ہے۔ ابا جان نیلو کا لڑکی دونوں کی مرضی معلوم کر کے نکاح کیا تھ۔ افشاں کیگلے پر کسی نے چھری نہیں رکھی تھی نہ یہاں کوئی ایسا جاہل اور خود غرض تھا کہ اس کے اوپر جبر کرتا۔

رضا علی۔ مسکرا کر۔ آپا جان آپ اس وقت فضول باتیں کر رہی ہیں۔ محسن اور افشاں سے کہنے کی اب کیا گنجائش ہے کئی مہینے اس کی شادی کو گذر گئے جو ہونا تھا وہ ہو چکا آئندہ کی فکر کیجئے۔ فرخ کی واپسی پر جو ہنگامہ ہوگا اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

حسن آرا۔ اب تک تو میں خدا کے بھروسہ پر بیٹھی رہی لیکن یہ خبر ایسی ہے کہ ابھی سے میرے پیٹ میں ہول اٹھنے شروع ہو گئے۔ اگر خدا نے وہاں سے بچے کو زندہ واپس بھیج دیا تو یہاں آ کر اس کی جان کی خیر نہیں۔

روشن آرا نے عابد حسن سے کہا۔ مجھے تمہارے اوپر غصہ آ رہا ہے نہ کوئی مشورہ دو نہ ڈھنگ کی بات بتاؤ۔ آخر ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہیے۔ میں خود محسن کے پاس جاؤں

عابد حسن۔ میں کیا مشورہ دوں اب تو کوئی گنجائش نہیں رہی۔ تمہارا دل چاہ رہا ہے تم شوق سے جاؤ میں منع نہیں کرتا۔ تم بہن ہو وہ بھائی ہیں اگر ہاتھ پکڑ کر نکال دیں گے تو تمہیں برا نہیں لگے گا۔ میں خود اس معاملہ میں دخل دینا نہیں چاہتا پہلے ہی بہت کچھ انعامات مل چکے ہیں اب خواہش نہیں۔

حسن آرا۔ بھائی جان کو سارا قصہ لکھیے جو کچھ وہ کہیں وہ کیا جائے۔

روشن آرا۔ نہیں میں تو پہلے محسن ہی سے دریافت کرتی ہوں میرا تو دل نہیں چاہتا کہ شہر در شہر یہ خبر پھیلائی جائے۔

حسن آرا خاموش ہو گئیں۔ روشن آرا نے اسی وقت محسن کو خط لکھا زرتاج بیگم کے خط کا حوالہ دے کر ان سے معاملہ کی اصلیت پچھوائی غصہ میں دو چار فقرے ان کو لعنت ملامت کے بھی لکھ دیئے۔ ایک ہفتہ کے بعد محسن کا خط ایسے مضمون کا آیا کہ سوا رضا علی کے تمام گھر والوں پر اوس پڑ گئی، حسن آرا کی روتے روتے بری حالت ہو گئی انہوں نے لکھا تھا۔ جو خبر آپ نے سنی ہے وہ صحیح ہے، میرے معاملہ میں کسی کو دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ یہاں آنے کی کوئی صاحب تکلیف نہ فرمائیں۔ فرخ کے آنے پر سب کو خود معلوم ہو جائیگا۔

احسن ممتاز کو بھیج دیا وہ بھی یہ خبر سنکر حیران رہ گئے بھائی کو بہت کچھ سخت سست لکھا سب نے فیصلہ کرلیا کہ تمام عمر محسن سے قطع تعلق رکھیں گے۔۔۔ نصیرہ بیگم کی گویا مراد بر آئی سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا۔ ابھی تک حمیدہ کی نسبت کہیں نہیں ٹھیری تھی، چپکے چپکے جہیز سلنا شروع ہو گیا۔ راتوں کو دروازے بند کرکے دوپٹے ٹانکنے لگیں۔ ایک ایک دو دو برتنوں میں قلعی بھی ہونے لگیں۔ جنگ کی وجہ سے ہر چیز ناپید تھی مگر نصیرہ بیگم نے کسی نہ کسی ترکیب سے شکر اور چاول منگوا رکھ لئے۔۔۔ حسن آرا کے پاس آمد و رفت باقاعدہ شروع کردی لڑکیاں بھی اتوار کے دن صبح سے آجاتی تھیں کہیں ان کے سر میں تیل دبا رہی ہیں کہیں دوپٹے رنگ کر چن رہی ہیں، کہیں ان کے کمرہ کی صفائی ہو رہی ہے۔ رضا علی کے واسطے ناشتہ پر قسم قسم کے پکوان تلتی تھیں۔ کیک بنا کر اپنے گھر سے لاتی تھیں بھانجیوں کے سلیقہ کی وہ خوب داد دیتے تھے۔ مگر ہر وقت فکرمند رہتے تھے۔ حسن آرا کو ایسا رنج ہوا تھا کہ وہ بالکل پلنگ سے لگ گئی تھیں، روشن آرا ہر وقت ان کو سمجھاتی رہتی تھیں۔

گلشن آرا کی نسبت ایک سال سے ٹھیری ہوئی تھی۔ عابد حسن نے نہایت سادگی اور خاموشی سے ان کی شادی کردی احسن ممتاز تک کو نہیں بلایا۔

اڑتیسواں باب

اس وقت رات کے نو بجے ہوں گے۔ محسن کچھ متفکر اور خاموش ڈاکٹر کرمانی کی کوٹھی کے احاطہ میں ٹہل رہے ہیں اور بار بار اپنی گھڑی دیکھتے جاتے ہیں وہ بغیر ارادہ کے ٹہلتے ٹہلتے سرونٹ کوارٹروں کی طرف چلے گئے۔ ایک کوارٹر کے قریب پہنچ کر وہ ٹھٹک گئے اور کچھ متحیر کھڑے ہو کر دیکھنے لگے۔ ایک طرف بہت خوبصورت پلنگ پوش پڑی تھی۔ مسہری بچھی تھی دوسری طرف کونے میں میز کرسی رکھی تھی ٹیبل لیمپ جل رہا تھا اس کی دودھیا روشنی میں ایسا ایک جاذب نظرہ چہرہ محسن کو دیکھا کہ ان کے قدم وہیں گڑ گئے۔۔۔۔ ایک حسین نوجوان کتاب کا مطالعہ میں مصروف تھا...... بارہ اندھیرا تھا۔ محسن محویت کے عالم میں کھڑے اس کی صورت دیکھتے رہے وہ اس وقت اپنی پریشانی بھول گئے۔ نوجوان نے کتاب کا ورق پلٹا اس کی انگلیوں کی حرکت سے لیمپ کی روشنی سے ٹکرائی ایک چمک بالکل قوس وقزح کی سی محسن کی آنکھوں پر پڑی۔ انہوں نے گھبرا کر اپنا منہ دوسری طرف کر لیا...... یہ کیا چیز تھی۔ محسن نے غور سے دیکھا۔ پانچ ہیروں کی انگوٹھی لیمپ کی روشنی میں نوجوان کی انگلی میں چمک رہی تھی۔۔۔۔ بغیر سوچے محسن غصہ سے آپے سے باہر ہو گئے۔ یہ انگوٹھی تو میں نے افشاں کو دی تھی اس کے پاس کہاں سے آئی؟ کیا افشاں نے اس کو دیدی؟ ڈاکٹر نے میرے ساتھ دھوکہ کیا۔ اس اٹلی کے قیدی کو سرونٹ کوارٹر میں چھپا کر رکھا اور مجھ سے کہہ دیا کہ وہ بھاگ گیا۔ میں نے لڑکی کی یہاں پہنچا دیا۔ مگر افشاں تو نہیں ہے۔ وہ انگوٹھی اس کی ماں کی نشانی کہہ کر میں نے اس کو دی تھی...... محسن سوچنے لگے...... ایک مرتبہ انہوں نے پھر نوجوان کی انگلی کی طرف دیکھا...... ایک دم انکے خیالات نے پلٹا کھایا...... اب میں سمجھ گیا۔ افشاں نے یہ انگوٹھی فرخ کو دے دی ہوگی۔ اور اس قیدی نے فرخ کو مارنے کے بعد اس کی انگلی سے اتار لی ہوگی ضرور یہی بات ہے۔ خیر جو کچھ بھی ہو اس قیدی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ڈاکٹر نے مار

آستین پالا ہے۔۔۔۔محسن تیز تیز قدموں سے برآمدہ میں آئے وہ سیدھے کمرہ میں گئے اپنا سوٹ کیس کھول کر چھوٹا پستول ہاتھ میں لے کر باہر نکلے۔۔۔۔۔دوسرے کمرہ سے ڈاکٹر ہنستے ہوئے نکلے۔محسن صاحب نواسہ مبارک ہو،محسن بغیر کوئی جواب دیے آگے بڑھ گئے۔ان کی چال خلاف معمول تیز اٹھی۔ڈاکٹر بھی اسی تیز رفتاری سے انکے پیچھے چلے۔محسن صاحب آپ کہاں جا رہے ہیں۔افشاں کے ہاں لڑکا ہوا ہے۔آیئے میں بچہ کو دیکھنے جا رہا ہوں۔

محسن کچھ نہیں بولے سرونٹ کوراٹروں کا رخ کیا۔ڈاکٹر نے دوڑ کر انکا بازو پکڑ لیا۔ارے یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے۔ڈاکٹر نے گھبرا کر کہا۔

محسن نے اپنے بازو کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔آپ نے مجھے دھوکہ دیا میر دشمن کو اپنے گھر میں چھپا رکھا۔

ڈاکٹر سمجھ کہ انہوں نے اس لڑکیکو دیکھ لیا ہے۔مگر وہ ان کا دشمن کیسے ہو گیا۔ضرور کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔انہوں نے محسن کیا ہاتھ سے پستول لینے کی کوشش کی اور کہا۔آپ کا دماغ صحیح ہے یا پھر کوئی دورہ پڑ گیا؟

محسن نے غصہ کے لہجہ میں کہا۔میں بغیر مارے اس کو نہیں چھوڑوں گا۔

ڈاکٹر۔اس غریب نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔

محسن۔جب آپ کو معاملہ کی اصلیت نہیں معلوم تو بیچ میں دخل کیوں دیتے ہیں۔

ڈاکٹر نے محسن کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔وہ معاملہ کیا ہے کچھ بتایئے تو سہی؟

محسن۔اس قیدی کے ہاتھ سے فرخ کی جان گئی۔

ڈاکٹر۔آپ سے کس نے کہا؟

محسن۔مجھے معلوم ہو گیا۔

ڈاکٹر۔کس طریقہ سے۔

محسن۔میں نے اس کی انگلی میں فرخ کی انگوٹھی دیکھی۔

ڈاکٹر۔(حیرت سے)فرخ کی انگوٹھی۔؟

محسن۔ہاں۔

ڈاکٹر نے کچھ سوچ کر کہا۔آپ بکواس کرتے ہیں۔اس قیدی کی یہاں موجودگی میں فرخ کا خط آیا ہے اس کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا۔

محسن کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ڈاکٹر نے ایک جھٹکے میں پستول ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔چلئے اندر ذرا سے شبہ میں ایک بیکس کی جان لینے چلے تھے حقیقت میں آپ کا دماغ خراب ہے۔

محسن نے ڈاکٹر کے ساتھ واپس لوٹتے ہوئے کہا۔میرا دماغ خراب نہیں ہے۔اس کی انگلی میں وہی انگوٹھی ہے جو میں نے افشاں کو دی تھی۔

ڈاکٹر۔ابھی تو آپ کہہ رہے تھے فرخ کی انگوٹھی ہے اب وہ افشاں کی ہوگئی؟

محسن۔میں نے تو افشاں ہی کو دی تھی۔شاید اس نے فرخ کو دے دی ہوگی۔

ڈاکٹر۔آپ بھی عجیب آدمی ہیں ذرا سے شبہ پر اس کو مارنے چلے تھے۔آپ بیرسٹر ہیں یا ڈکٹیٹر۔

محسن۔آپ ہی بتایئے اس کے پاس وہ انگوٹھی کہاں سے آئی یا تو افشاں نے خود اس کو دی ہے۔یا فرخ کے پاس سے اس نے لی ہے دونوں صورتوں میں وہ سزا کا مستحق ہے۔

ڈاکٹر۔کیا وہ انگوٹھی اس کی نہیں ہوسکتی۔

محسن۔ہرگز نہیں آپ مسز کرمانی سے کہیے وہ افشاں سے دریافت کریں کہ وہ انگوٹھی کہاں ہے۔

ڈاکٹر۔آپ کیسی بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں افشاں سے اس وقت کچھ نہیں پوچھا جا سکتا۔آپ کو کچھ خبر تو ہے نہیں۔بچہ کافی تندرست ہوا ہے مجھے تو یہ اندیشہ تھا

کہ ہسپتال نہ لے جانا پڑے لیڈی ڈاکٹر بھی گھبرا رہی تھی۔ آپ کی پریشانی کے خیال سے میں نے کچھ کہا نہیں تھا۔

محسن۔ میں تو آپ صورت دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ ہے اسی پریشانی میں سرونٹ کوارٹروں کی طرف نکل گیا تھا وہاں یہ چیز نظر آئی۔ اچھا آپ اس قیدی سے دریافت کیجئے۔ وہ انگوٹھی اس کے پاس کہاں سے آئی؟

ڈاکٹر۔ لاحول ولاقوۃ۔ محسن صاحب آپ کو لڑکی سے زیادہ اس وقت انگوٹھی کا خیال ہے دیکھا جائے گا میں معلوم کرلوں گا۔

محسن۔ یہ تمام رات جاگوں گا یا خود جا کر اس سے پوچھوں گا۔ مگر میں مصلحتاً اس کے پاس جانا نہیں چاہتا اگر اس نے کہہ دیا کہ افشاں نے وہ انگوٹھی اس کو دی ہے تو پھر اس کی خیر نہیں۔

ڈاکٹر۔ خیر تو صاحب خدا نے کردی ورنہ آپ تو اس کی جان لے چکے تھے۔

محسن۔ جان تو نہیں لیتا ہاں پستول دکھا کر اس سے حالات معلوم کرتا۔

ڈاکٹر۔ ایک بے بس اور بے کس کو پستول دکھانے دکھانے کی کیا ضرورت تھی آنکھیں ہی دکھانے میں وہ سب کچھ بتا دیتا۔

محسن۔ (غصہ کے لہجہ میں) میری سمجھ میں نہیں آتا آپ کو اس کے ساتھ اس قدر ہمدردی کیوں ہے۔

ڈاکٹر نیکھرے ہوتے ہوئے کہا۔ میں ذرا افشاں کو دیکھ آؤں پھر آپ کا اطمینان کئے دیتا ہوں۔

محسن برآمدہ میں ٹہلنے لگے اور سوچنے لگے۔ اس کے پاس انگوٹھی کہاں سے سکتی ہے۔ صرف دو انگوٹھیاں اس وضع کی بنی تھیں نجم السحر نے خاص طور پر اس کا ڈیزائن اپنے باپ کو دیا تھا، جو کہ ہیرے بیچ میں بڑا ادھر ادھر چھوٹے نوک سے نوک ملا کر ترچھے لگوائے تھے...... میں نے تو ابھی تک کسی کے پاس ایسی انگوٹھی نہیں دیکھی......

ایک میرے پاس تھی ایک اس کے پاس...... محسن ایک دبا ہوا سانس لیکر کرسی پر بیٹھ گئے...... ڈاکٹر نے کمرہ میں سے نکل کر فاتحانہ انداز میں کہا۔ لیجئے محسن صاحب یہ آپ کی انگوٹھی میں افشاں کی انگلی سے اتروالایا۔ وہی ہے یا نہیں؟

محسن نے انگوٹھی لیتے ہوئے رنجیدہ لہجہ میں کہا۔ ہاں ہے تو وہی۔

ڈاکٹر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ میں دیکھ رہا ہوں آپ کو اپنی بیٹی ہونے کا بہت افسوس ہوا۔

محسن۔ یہ بات نہیں ہے۔

ڈاکٹر۔ پھر کیا بات ہے۔

محسن۔ ذرا اس قیدی کو یہاں بلوایئے۔

ڈاکٹر۔ خدا پناہ میں رکھے بیرسٹروں کے دماغ سے، یعنی آپ چاہتے ہیں کسی صورت سے اس پر الزام لگایا جائے۔

محسن۔ (دھیمے لہجہ میں) میں اس پر کوئی الزام نہیں لگا رہا۔ کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر۔ مجھے بھی معلوم ہو گیا پوچھنا چاہتے ہو۔

محسن۔ میں آپکے سامنے پوچھوں گا۔ ذرا بلا دیجئے۔

ڈاکٹر نے کھڑے ہوتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ یہ انگوٹھی کا راز میری سمجھ میں نہیں آیا۔ نوجوان قیدی کو ایک مجرم کی حیثیت سے ڈاکٹر محسن کے سامنے لا کر کھڑ کر دیا۔ لیجئے آپ کا ملزم حاضر ہے۔

محسن کے قلب کی حرکت تیز ہو گئی۔ انہوں نے کچھ بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ کمرہ میں لے چلئے یہاں کوئی نوکر وغیرہ نہ آجائے۔

ڈاکٹر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ پہلے دن تو آپ کو یہ اس لباس میں لڑکا معلوم ہوا تھا۔ آج کمرہ مین اندر کیوں ملنا چاہتے ہیں۔

محسن نے کوئی جواب نہیں دیا۔

نوجوان خوفزدہ نظروں سے محسن کو دیکھ رہا تھا۔اس کے گھونگروالے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر اسکو بستر سے اٹھا کر لے آئے تھے......محسن نے اس کو اپنے قریب کرسی پر بٹھاتے ہوئے ڈاکٹر سے کہا۔ ان دونوں انگوٹھیوں کو ملا کر دیکھئے۔

ڈاکٹر نے سنجیدگی سے کہا۔ میں برابر اس چیز پر غور کر رہا ہوں دونوں یکساں ہیں اپ کا شبہ درست تھا۔

محسن نے پوچھا یہ کون سی زبان بولتا ہے۔

ڈاکٹر نے کہا۔ میں تو ہمیشہ انگریزی میں بات کرتا ہوں۔

محسن نے لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا۔تم کس شہر کے رہنے والے ہو۔

نوجوان نے کہا۔فلسطین کے۔

محسن کے قلب کی حرکت پھر تیز ہوئی۔چہرہ سرخی مائل ہوگیا......ڈاکٹر کو بھی تعجب ہوا۔محسن نے اپنی طبیعت پر قابو حاصل کر کے پوچھا۔تمہارے والدین زندہ ہیں۔

نوجوان نے کہا۔نہیں۔

ڈاکٹر نے محسن سے کہا۔آپ کو اس کی ہسٹری معلوم کرنیکی کیا ضرورت ہے۔

محسن نے کہا۔آپ ذرا خاموش رہیے۔

محسن نے نوجوان سے پوچھا۔یہ انگوٹھی تمہارے پس کہاں سے آئی؟

نوجوان نے کہا۔میری والدہ کی ہے۔

محسن نے ایک لمبا سانس لے کر پوچھا۔تمہاری والدہ کا نام کیا تھا؟

نوجوان نے کہا۔نجم السحر۔

محسن گھبرا کر کھڑے ہوگئے۔ڈاکٹر۔یہ میرا لڑکا ہے۔

ڈاکٹر نے اونچی آواز میں کہا۔آپ کا لڑکا؟

محسن نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ہاں میرا لڑکا افشاں کا بھائی۔

ڈاکٹر نے حیرت سے کہا۔افشاں کا بھائی؟آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

محسن نے خوشی کے لہجہ میں کہا۔میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔افشاں کا حقیقی بھائی ہے۔آپ اس کی صورت نہیں دیکھتے۔

محسن خوشی اور بدحواسی کے عالم میں ڈاکٹر سے لپٹ گئے۔میں آپ کا احسن کبھی نہیں بھول سکتا۔آپ نے اس کو چھپا کر گھر میں رکھا ورنہ تمام عمر روتا میری عقل پر پردہ پڑ گیا تھا۔اس کی صورت دیکھ کر بھی نہیں سمجھ سکا۔

ڈاکٹر نے محسن کو کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔محسن صاحب مجھے کچھ بتایئے تو آخر ماجرا کیا ہے افشاں کے متعلق تو آپ نے ہمیشہ یہی کہا کہ وہ اپنی ماں کی اکلوتی بچی ہے۔

محسن نے ڈاکٹر کی بات کا جواب نہیں دیا نوجوان سے پوچھا۔تمہیں اپنے باپ کا نام معلوم ہے؟

نوجوان محسن کی حالت دیکھ کر حیران ہو رہا تھا اس نے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔میرے باپ کا نام محسن ممتاز تھا۔

محسن نے فرط محبت سے نوجوان کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔میں ہی تمہارا باپ محسن ممتاز ہوں۔

محسن کبھی نہیں روئے تھے مگر اسوقت ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہہ رہا تھا...... ڈاکٹر ہکا بکا ان کو دیکھ رہے تھے۔کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا۔محسن

ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔ محسن صاحب باران رحمت کی طرح برسنا چاہیے عذاب الٰی کی صورت اختیار نہ کیجئے مجھے وحشت ہونے لگی۔

محسن نے اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔ میں آپکا شکریہ کس طرح ادا کروں؟

ڈاکٹر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ میرا یا غیبی طاقت کا، باوجود انتہائی کوشش کے اس بچہ کو میں نہیں ہٹا سکا، مگر آپ مجھے کچھ بتائیے تو سہی یہ قصہ کیا ہے۔

محسن۔ قصہ یہ ہے کہ افشاں اور یہ دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے لڑکی میرے ساتھ آ گئی اور لڑکا اپنی ماں کے پاس رہا۔

ڈاکٹر۔ آپ لڑکی کو کیوں لے آئے۔

محسن۔ میں تو دونوں کو لا رہا تھا۔ مگر رضا علیل لڑکے کو واپس لے گئے۔

ڈاکٹر۔ کیوں۔

محسن۔ افشاں کے نانا کی دولت کے لالچ میں۔

ڈاکٹر۔ بچوں کی ماں کہاں تھیں

محسن۔ ہسپتال میں تھیں بڈھے نے مجھ سے کہہ دیا کہ ان کا انتقال ہو گیا اپنے بچوں کو لے کر فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔

ڈاکٹر۔ کیا انتقال ہونے کے یہ معنی ہیں کہ انسان کا جسم بھی روح کیساتھ غائب ہو جاتا ہے۔

محسن۔ نہیں ڈاکٹر۔ وہ بڈھا بڑا خبیث تھا اس نے کہہ دیا کہ نہ تم کو نجم السحر کے جنازہ میں شریک ہونے دوں گا نہ اس کی شکل دکھاؤں گا اس نے میرے ساتھ بہت سخت کلامی کی۔ مجھے بھی غصہ آ گیا فوراً چلا آیا۔

ڈاکٹر۔ مسکرا کر۔ تعجب ہے آپ نے کوئی کاروائی نہیں کی۔

محسن۔ میں تو غصہ میں مفتی اعظم کے پاس چلا تھا۔ مگر رضا علی نے مجھے روک دیا کہ نیا ملک ہے اجنبی لوگ ہیں چھوڑو خواہ مخواہ جھگڑا ہو جائے گا بڈھے کے رسوخ

بہت ہیں۔

ڈاکٹر۔: اچھا خیر آپ اپنے غصہ میں وہاں سے چل دیے مگر یہ تو بتائیے افشاں کی والدہ کا درحقیقت انتقال ہو گیا تھا۔

محسن۔ نہیں وہ زندہ تھیں مجھے تو بعد میں معلوم ہوا کہ بڈھے نے ان سے یہ کہا کہ وہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

ڈاکٹر۔ پھر آپ واپس کیوں نہیں چلے گئے۔

محسن۔ اس قصہ کو اس وقت ختم کیجئے۔ کبھی اطمینان سے واقعات سناؤں گا۔

نوجوان خاموش بیٹھا محسن کی باتیں سن رہا تھا۔ انہوں نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ تمہارا نام کیا ہے۔

نوجوان نے کہا۔ اصل نام تو میرا انور پاشا ہے۔ لیکن جوزف کہلاتا تھا۔

محسن نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔ جوزف نام ڈیوڑک نے رکھا ہو گا۔

ڈاکٹر۔ انور پاشا کس نے رکھا تھا؟

محسن۔ اس کی پیدائش سے پہلے ہی میں نے یہ نام تجویز کیا تھا۔

ڈاکٹر۔ مفصل کیفیت تو میں بعد میں سن لوں گا لیکن افشاں کی والدہ کا تو کچھ بتا دیجیے کیا وہ اب بھی زندہ ہیں۔؟

محسن۔ (ٹھنڈا سانس لے کر) اس بیچاری کے انتقال کو شاید ڈیڑھ سال ہی ہوا ہو گا۔ رضا علی نے ہندوستان پہنچ کر پہلا خط مجھے لکھا تھا۔ اس میں اس کے انتقال کی اطلاع بھی دی تھی۔ وہ یہاں آنے سے قبل ان دونوں ماں بیٹوں کو لینے فلسطین گئے تھے اور مجھے لکھا تھا کہ اپنے ساتھ لے کر آؤں گا۔ آپ کو یاد ہو گا۔ مالٹا جہاز کے ڈوبنے کی خبر میری کیا حالت ہوئی تھی۔

ڈاکٹر۔ حیرت سے۔ اچھا اس جہاز سے ان لوگوں کے آنے کی بھی خبر تھی۔

محسن۔ ہاں۔ لیکن رضا علی فلسطین پہنچے تو وہ مر چکی تھی لڑکے کو اپنے ساتھ لیکر اٹلی

آ گئے مگر انہوں نے مجھ کو اس خط میں لکھا تھا کہ انور پاشا کو امریکہ کے جہاز میں جگہ مل گئی ہے۔ یہ معلوم کر کے میں مطمئن تھا کہ جنگ ختم ہونے دو وہ یہاں آ جائے گا جو ان لڑکا ہے کوئی بچہ تو نہیں، مجھے کیا خبر تھی کہ یہ اٹلی کے قیدیوں میں نکلے گا۔

نوجوان یہ باتیں سنکر خود ہی بولا۔ اٹلی کی گورنمنٹ نے مجھے جہاز سے یہ کہہ کر اتار کیا کہ یہ امریکن نہیں ہے اور جبراً فوج میں بھرتی کر لیا۔

محسن۔ کیا علی وہاں نہیں تھے۔

نوجوان۔ علی لاپتہ ہو گئے تھے۔ معلوم نہین زندہ ہیں یا مارے گئے۔

محسن نے آہستہ سے کہا۔ زندہ ہیں وہ اپنے گھر آ گئے۔

لڑکے نے خوش ہو کر پوچھا۔ کہاں ہیں؟

محسن نے جواب دیا۔ دلی میں

نوجوان نے ذرا دبی زبان سے پوچھا۔ وہ آپ کے بھائی ہیں

محسن نے نوجوان کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ہاں۔

نوجوان نے کہا۔ علی کہتے تھے دلی میں میرے دادا دادی اور بہن بھی ہیں۔

محسن۔ دادا دادی کا تو انتقال ہو گیا بہن تمہاری یہیں ہے۔

نوجوان میں اس سے مل سکتا ہوں؟

محسن۔ صبح ملنا۔ اس وقت وہ بیمار ہے۔

لڑکے نے کچھ سوچ کر کہا۔ وہ جو خوبصورت لڑکی پہلی مرتبہ آپ کیساتھ یہاں آئی تھی کیا وہی میری بہن ہے؟

محسن نے مسکرا کر کہا۔ ہاں

لڑکے نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ وہ بالکل میری ماں کی شکل ہے۔

محسن کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ محسن۔ صاحب چل کر کھانا کھا لیجئے دس بج چکے ہیں پھر افشاں کے بچہ کو دکھاؤں

ہو بہو فرخ ہے محسن اور ڈاکٹر کھڑے ہو گئے نوجوان نے بھی اس وقت انہیں لوگوں کے ساتھ کھانا کھایا محسن نے اس کو اپنے ہی کمرہ میں سلوایا وہ بڑی دیر تک گذشتہ واقعات نوجوان سے پوچھتے رہے۔

انتالیسواں باب

زمانہ کو گزرتے دیر نہیں لگتی۔عیش و مسرت کا زمانہ آنکھ بند کر کے گزرتا ہے۔تو تکلیف مصیبت کا وقت بھی خدا کاٹ ہی دیتا ہے۔فرخ کو گئے تقریبا ایک سال ہو گیا۔اس لمبی مدت کو کوئی حسن آرا کے دل سے پوچھے جس نے سارا سارا دن فاقہ سے بسر کیا اور پوری رات جا نماز پر بیٹھ کر گزاری،خدکی عنایت سے آج وہ دن بھی آن پہنچا کہ بے خبری میں فرخ کی واپسی کی اطلاع آئی......حسن آرا نے اسی وقت شکرانہ کے نفل پڑھے روشن ارا نے مٹھائی منگوا کر نیاز دلوائی۔کنبہ میں مبارک سلامت ہونے لگیں۔ڈولیوں پر ڈولیاں آنے لگیں۔ایک سال کیبعد گھر میں پھر چہل اور رونق نظر انے لگی......آج کل حسن ممتاز اور شاہد وغیرہ بھی آئے ہوئے تھے ہر شخص اس اطلاع سے بے حد خوش تھا مگر ساتھ ہی ایک قسم کی فکرو پریشانی سب کی صورتوں سے ظاہر ہوتی تھی......احسن ممتاز اور عابد حسن الگ آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔روشن آرا شوکت آرا الگ کھسر پھسر کرتی رہتی تھیں۔لڑکیوں کیپیٹ میں الگ چوہے دوڑ رہے تھے۔بنیادی خانم کسی نہ کسی کام کے بہانہ اپنے کان کھول کر کنسوئیاں لیتی پھرتی تھیں۔حسن آرا سہمی ہوئی ایک ایک کا منہ دیکھتی رہتی تھیں۔

باہر کے کمرہ میں عابد حسن اور احسن ممتاز باتیں کر رہے ہیں......عابد حسن نے احسن ممتاز سے کہا۔محسن کی حماقت پر مجھے بے حد غصہ آ رہا ہے۔فرخ آ کر کیا کہے گا۔

احسن ممتاز۔کیا فرخ کو اطلاع ہو گئی ہے۔

عابد حسن۔ہاں۔نصیرہ بیگم نے لکھ دیا تھا۔

احسن ممتاز۔(تعجب سے)نصیرہ بیگم نے یہ خبر وہاں تک پہنچا دی۔؟

عابد حسن۔تعجب کی کیا بات ہے۔میرا تو خیال ہے کہ افشاں کی شادی کروانے میں بھی انہیں کا ہاتھ ہے۔

احسن ممتاز۔ ہوسکتا ہے، لیکن مجھے محسن سے یہ توقع ہرگز نہیں تھی انہوں نے انتہائی نالائقی کا ثبوت دیا۔

عابد حسن۔ اس میں کیا شک ہے، مگر بھئی میں تو کہتا ہوں خدا ان عورتوں سے پناہ میں رکھے جس کے پیچھے پڑ جائیں اس کی جڑیں کھود کر رکھ دیں۔

احسن ممتاز۔ مجھے تو اب یہ فکر پیدا ہوگئی کہ فرخ آ کر کیا کہے گا۔؟

عابد حسن۔ نہیں وہ اپنے باپ کو لکھ چکا ہے کہ مجھے کچھ ملال نہیں۔

احسن ممتاز۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اس کو ضرور غصہ اور رنج ہوگا ایسا نہ ہو وہ بمبئی سے سیدھا محسن کے پاس پہنچے۔

عابد حسن۔ اگر اس کے بمبئی پہنچنے کی صحیح تاریخ معلوم ہوتی تو یہاں سے کوئی چلا جاتا۔

احسن ممتاز۔ صحیح اطلاع تو فوجی دے ہی نہیں سکتے مگر احتیاطاً کسی کو چلا جانا چاہیے۔ دوسرے کمرہ میں روشن آرا اور شوکت آرا وغیرہ ابھی اسی موضوع پر باتیں کر رہی ہیں۔

شوکت آرا نے روشن آرا سے کہا۔ آپا جان ایمان کی بات تو یہ ہے فرخ کے آنے کی جتنی خوشی ہے اتنا ہی جی دھڑکوں میں ہے۔ اللہ خیر کرے۔

روشن آرا۔ اے بی میری تو راتوں کی نیند اڑ گئی ہے۔ پیٹ میں ہول اٹھتے ہیں دیکھئے یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

شوکت آرا۔ یہ بھی حسن آرا کی قسمت ہے اللہ اللہ کر کے یہ دن نصیب ہوا۔

جس قدر بھی خوشی کی جاتی کم تھی، مگر دیکھتی ہوں وہ بیچاری ایک ایک کا منہ تکتی پھرتی ہیں۔

روشن آرا۔ مجھے تو رہ رہ کر محسن پر غصہ آ رہا ہے ایک سال بھی لڑکے کی واپسی کا انتظار نہیں کیا۔

شوکت آرا۔ یکساں کیسا انہوں نے تو چھ مہینے بھی انتظار نہیں کیا اس کے جاتے ہی شادی کر دی۔

نزہت بولیں۔ مجھے تو سب سے زیادہ افشاں پر غصہ آتا ہے۔ایسی نا سمجھ اور ار بچہ تو تھی نہیں کہ زبردستی چچا جان نے نکاح کر دیا۔۔ سچ کہتی ہوں مجھے تو اب تک یقین نہیں آتا خدا کرے جھوٹ ہو میں تو ہر وقت یہی دعائیں مانگ رہی ہوں حالانکہ میں روزے کی بہت پکی ہوں۔مگر میں نے لگاتار روزے مانے ہیں۔

گلشن نے ٹھٹہ لگا کر کہا۔دس نہ بیس لگاتار روزے جب ہی اللہ میاں نے قبول نہیں کیے۔

نزہت۔یہ تم نے کیسے کہدیا کہ قبول نہیں کیے۔

گلشن۔میں خود بمبئی جا کر سب کچھ دیکھ آئی۔

نزہت۔جھوٹی کہیں کی۔

گلشن۔ایمان سے۔

نزہت۔سچ کہو؟

گلشن۔سچ کہتی ہوں شادی کے بعد سب سے پہلا کام یہی کیا تھا۔

نزہت۔کیا میں کیساتھ گئی تھیں۔

گلشن۔اور کس کے ساتھ جاتی۔

نزہت مسکرا کر۔اے بی تمہارے میاں تو ہاتھ باندھے غلام معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے نفرت ہے ایسے مردوں سے تو سچ کوئی ایسا بیوی کا مرید ہو جائے۔گلشن نے اپنی ماں اور ممانی کی طرف دیکھکر آہستہ سے ”سچ کہتی وہ بالکل کاٹ کا الو ہے میں بھی بعض وقت اس کے بدھ پن سے جلتی ہوں۔

نزہت نے منہ بنا کر۔تمہاری شادی بے جوڑ ہوئی۔خاصے محمود بھائی راضی ہو گئے تھے تم نے بعد میں ضد کی۔

گلشن۔ کیوں نہ کرتی کیا میں کسی سے کم تھی۔

زہت۔ اچھا چھوڑو اس قصہ کو یہ بتاؤ تم نیکیا دیکھا۔ افشاں کس طرح تم سے ملی۔

گلشن۔ میں تو ہوٹل میں ٹھہری تھی۔ بمشکل ڈاکٹر کرمانی کی کوٹھی ملی۔

زہت۔ ڈاکٹر کرمانی کون۔

گلشن۔ شاید وہی افشاں کے سسر ہیں۔ میں نے تو دیکھا نہیں۔ ہاں لنگڑی ساس نے پہلے میری ٹانگ لی۔

زہت۔ اے ہے افشاں نگوڑی کو ساس لنگڑی ملی۔ بیٹھی بیٹھی حکم چلایا کرتی ہوگی۔

گلشن۔ اے بوا وہ لنگڑی تو آفت کا پرکالہ ہے۔ گلہری کی طرح بانس پر پھدکتی پھرتی ہے۔

زہت ہنسکر شاید دو چار بانس تمہارے رسید کیے ہوں گے۔

گلشن۔ نہیں بی، ہے تو بڑی مہذب اور ہنس مکھ، میری خاطر تواضع کی فوراً چاء منگوائی، مگر میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہری۔ وہاں جاکر مجھے فرخ کا خیال آ گیا چلتے وقت اس نے کیسی حسرت ویاس سے افشاں کی تصویر دیکھی تھی تم تو اس موقعہ پر نہیں تھیں۔ سارا دن دیوانوں کی طرح افشاں کمرہ کے ہیرے پھیرے کرتا رہا۔ سچ کہتی ہوں مجھے تو جس وقت وہ سماں یاد آتا ہے آنسو نکل آتے ہیں، میں تو کبھی ادھر کا رخ بھی نہ کرتی، مگر معاملہ کی تحقیق کرنے گئی۔

زہت اے کچھ تو بتاؤ۔ افشاں کس طرح ملی۔ شادی کیوں کرلی؟

گلشن۔ وہ تو بالکل بدل گئی۔ نہ مجھے دیکھ کر خوش ہوئی۔ میرے اچانک پہنچنے پر کچھ کہا۔ میں نے ہی زبردستی گلے لگایا اور وہ کچھ سہمی ہوئی کھڑی رہی، ساڑی میں لپٹی لپٹائی گویا اپنے آپ کو چھپانا چاہتی ہو اصل میں اس کے پیٹ میں بچہ تھا۔

زہت۔ سچ کہو؟

گلشن۔ اللہ کی قسم خاصا بڑا سا پیٹ تھا۔ اسی لیے تو میں نے پھر اس کی شادی کے

متعلق نہیں پوچھا۔

زہت۔تم نے غلطی کی پوچھنا تو چاہیے تھا۔

گلشن۔وہ لنگڑو پن جو ہمزاد کی طرح ساتھ تھی۔

زہت۔ارے اس چڑیل کا کیا تھا وہ کون ہوتی تھی، تم نے صاف پوچھا ہوتا۔

گلشن۔یہ تو میں نے کہہ دیا کہ آنے دو فرخ کو سب کو مزا چکھائے گا۔

زہت۔کیا بولی؟

گلشن۔بولتی کیا مسکرا کر چپ ہوگئی۔

زہت۔کچھ تو پوچھا ہوتا۔چچا جان نے اس کی مرضی سے شادی کی یا زبردستی۔

گلشن۔اس کی حالت دیکھ کر پوچھنے گچھنے کو دل نہیں چاہا۔لنگڑی ساس تو بہت روک رہی تھیں کہ ڈاکٹر صاحب کے آنے کے بعد جانا مگر مجھے پانچ منٹ ٹھہرنا بھی دوبھر ہوگیا۔نئی جگہ غیر لوگ، وہ تو غنیمت ہوا کہ ان کے ہاں اس وقت کوئی مرد نہیں تھا۔

زہت۔یہ کہو تم ڈر گئیں۔کیا میں ساتھ نہیں تھے۔

گلشن۔نہیں بی۔میں نے مناسب نہیں سمجھا اپنے خاندانی حالات نئے لوگوں پر ظاہر کروں۔میں تو بمبئی سیر کا بہانہ کر کے گئی تھی۔اگر واسع میرے ساتھ ہوتے تو میں خوب دونوں ساس بہوؤں کو جھاڑتی۔

زہت۔ہنستے ہنستے لوٹ گئیں۔توبہ ہے کیسا قل آعوزیوں کا سا نام ہے یہ نام تو مولویوں اور عالموں کے اوپر جچتے ہیں۔ڈاڑھی منڈے عبدالواسع اور عبدالقادر نہیں اچھے لگتے۔بدل دو گلشن تم تو اپنے میاں کا نام،

گلشن نے آنکھیں مٹکا کر چپکے سے کہا۔بدل بھی دیا۔

زہت نے بھی آہستہ سے کہا۔کیا رکھا۔

گلشن طارق۔

نزہت۔اے ہے بیچارے مولوی عبدالواسع صاحب کو جاءنماز پر سے اٹھا کر ایک دم جنرل طارق بنا دیا کونسا قلعہ فتح کیا تھا؟

گلشن نے ہنس کر اپنے سینہ پر ہاتھ مار کہا۔میں کسی پہاڑ اور قلعہ سے کم ہوں۔

شوکت آرا نے کہا۔اے گلشن یہ کیا کھسر پھسر کرنے لگیں پورا حال نہیں سنایا۔

گلشن۔ممانی جان میں تو اسی وقت واپس چلی گئی ،مشکل سے دس منٹ بھی وہاں ٹھہری۔

نزہت۔افشاں کیسے کپڑے پہنے تھی۔یہاں والو کو کسی کو نہیں پوچھا۔

گلشن۔کپڑے تو خوب اچھے تھے ناک میں ہیرے کی کیل پہنے تھی۔ایک انگوٹھی تو اس کی انگلی میں ایسی پیاری تھی کہ میں کیا کہوں ۔۔۔۔۔ مگر کچھ رنجیدہ سی تھی۔یہاں والو کو نام بنام پوچھا۔خالہ جان کے نام پر ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے مگر مجھے اس کے ساتھ خاک ہمدردی نہیں ہوئی۔

نزہت کچھ کہنے والی تھیں کہ رضا علی ،عابد حسن ،احسن ممتاز آ گئے ،حسن آرا بھی خاموش ان لوگوں کے ساتھ آئیں...... رضا علی نے بیٹھتے ہی عابد حسن اور احسن ممتاز سے کہا۔آپ لوگ حسن آرا کو سمجھایئے پچھلے واقعات بھول جائیں۔میں چاہتا ہوں فرخ کے آنے سے پہلے اسکی نسبت طے کرلی جائے اور اس کے آتے ہی نکاح ہو جائے ورنہ آپ جانتے ہیں خواہ مخواہ ایک مورچہ تیار ہو جائے گا۔

روشن آرا۔ہاں ہاں شوق سے کرو۔خدا تمہیں اپنے بچہ کی بہاریں دیکھنی نصیب کرے حسن آرا کے لئے اس سے بڑھ اور کونسا خوشی کا موقعہ ہو سکتا ہے۔

رضا علی۔آج تمام دن میری ان کی یہی بحث رہی مگر یہ راضی نہیں ہوتیں۔

حسن آرا۔میرا راضی ہونا اور نہ ہونا کیا میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ فرخ کے آنے کے بعد یہ سلسلہ شروع ہو۔

روشن آرا۔ہاں یہ تو ٹھیک ہے لڑکے کو آجانے دو ایسی جلدی کیا ہے۔

رضا علی۔نہیں میں فرخ کو اتنی مہلت دینا نہیں چاہتا۔ میں نے تو یہ فیصلہ کر لیا ہے، کہ اس کے آنے کے دوسرے دن خاموشی سے نکاح کر دیا جائے بعد میں دعوت ولیمہ ہو جائے گی۔کیوں احسن بھائی؟

احسن ممتاز نے تھوڑے وقفہ سے کہا۔ہاں ٹھیک ہے مگر یہ تو معلوم ہو کہ شادی کہاں کر رہے ہو؟

رضا علی۔فرخ کا پچھلا خط آنے کے بعد میں نے آپا سے ذکر کیا تھا وہ راضی ہیں۔

روشن آرا۔(شکایت آمیز لہجہ میں) اچھا ہمیں خبر بھی نہ کی چپکے ہی چپکے نسبت بھی ٹھہرا لی کیا ہم فرخ کے دشمن ہیں۔ہم نے تو اس کے پیچھے اپنے سگے بھائی سے قطع تعلق کر لیا۔

رضا علی۔ارے آپا جان آپ تو ناراض ہو گئیں۔نسبت تو آپ ہی لوگ ٹھہرائیں گے۔میں تو صرف آپا کا عندیہ لینے کی غرض سے ذکر کیا تھا۔

روشن آرا۔ان کا عندیہ لینا کیا۔وہاں تو وہی مثل ہے ''بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا'' انہوں نے فرخ کی شادی اپنی لڑکی سے ہونے کے واسطے کیا کچھ جتن نہیں کیئے کونسا مزار ہے جہاں ناک نہ رگڑی ہو، کون سے پیر فقیر ایسے ہیں جن کے آگے گود نہ پھیلائی ہو، یہاں تک کہ جوگیوں اور سادھوؤں کو بھی نہ چھوڑا خدا کی شان ہے کہ ان کی مراد پوری ہو اور حسن آرا جو ساری ساری رات اپنے خدا کے آگے سجدہ میں پڑی رہی اس کو ناکامیابی ہو۔

رضا علی۔(بگڑ کر) یہ اپنی اپنی قسمت کوئی مٹی میں ہاتھ ڈالتا ہے تو سونا بن جاتی ہے کوئی سونے کو ہاتھ لگاتا ہے تو مٹی ہو جاتا ہے۔مگر آپ کو اس قسم کے کلمات زبان سے نہیں نکالنے چاہئیں کیا خدا نے حسن آرا کی مراد پوری نہیں کی فرخ کا اس دکھتی

آگ میں سے بچ کر نکل آنا ایک معجزہ نہیں ہے کسے امید تھی کہ بمبئی سے اس کا خط آئے گا۔

احسن ممتاز۔ بھئی فضول جھگڑوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ حسن آرا اور آپا جان کو چاہیے پچھلے تمام واقعات بھول جائیں۔

عابد حسن خاموش بیٹھے حقہ پی رہے تھے ان کی آنکھوں میں وہ سماں تھا۔ جس وقت سید صاحب نے افشاں کا نکاح فرخ سے کیا تھا۔ احسن ممتاز کے آخری فقرہ پر انہوں نے کہا۔ بھئی خونخراش واقعہ ہماری نظروں کے سامنے گزر چکا ہے۔ اس کو ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ یہ بات دوسری ہے کہ موجودہ حالات کے زیر اثر ہم پچھلے واقعات بھلا دینے اور ان کو نظر انداز کرنے کی کوشش کریں مگر حقیقت تو یہ ہے کہ بقول شخصے دل پر پتھر رکھنا پڑے گا۔ میں اس وقت دنیا کی حالت پر غور کر رہا تھا ماموں جان مرحوم کی موت کا نقشہ آنکھوں میں پھر رہا تھا یہی کمرہ تھا، اسی جگہ بیٹھ کر فرخ کا نکاح ہوا تھا۔ انکی حالت نزع میں اپنی فتح و کامیابی پر ایک قسم کا سکون اور اطمینان حاصل ہو گیا تھا۔ باوجود سانس اکھڑے ہوئے ہونے کے ان کو ایک لمبا سانس آیا تھا۔ یہ خبر نہیں تھی کہ آج ان کی روح کو مخالفین کی شطرنجی چالوں سے پیدل مات کھانی پڑے گی...... عابد حسن کی اس گفتگو کا کسی نے جواب نہ دیا...... احسن ممتاز نے تھوڑے سکوت کے بعد کہا۔ بھائی صاحب دنیا کا یہی دستور ہے باغ کوئی لگاتا ہے میوہ کوئی کھاتا ہے۔ کسی کو فتح ہوتی ہے کسی کو شکست، اپنے اپنے مفاد کی ہر شخص کوشش کرتا ہے ابا جان کا جو مقصد تھا وہ اس کو پورا کر گئے۔ اب یہ اتفاقات ہیں کہ فرخ لڑائی پر چلا گیا۔ محسن نے ناامید ہو کر یا کسی اور وجہ سے لڑکی کی شادی کر دی۔ بہر حال ہم لوگوں کو اس وقت کسی قسم کا اعتراض کرنے کا نہ کوئی موقع نہ حق۔

عابد حسن۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر میں چاہتا تھا اس معاملہ پر ہم لوگ ایک مرتبہ محسن سے گفتگو کر لیں پھر کچھ ہو۔

رضا علی۔ اب محسن سے گفتگو کرنے سے کیا حاصل ہوگا ان کو جو کچھ کرنا تھا کر چکے۔ مجھے تو اس لڑکی پر غصہ آتا ہے بہت خراب کیریکٹر کی معلوم ہوتی ہے۔

روشن آرا۔ دیکھو بھائی۔ محسن کو جو تمہارا دل چاہے کہو، ہم خود شرمندہ ہیں۔ مگر لڑکی کے متعلق کچھ نہ کہنا وہ بالکل معصوم اور بے گناہ ہے۔

رضا علی۔ معاف کیجئے گا سارا قصور لڑکی کا ہے۔ بغیر اس کی مرضی کے محسن کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

عابد حسن۔ تم نہیں جانتے اس کی تربیت کچھ اس قسم کی ہوئی ہے کہ وہ اپنے باپ کے سامنے کچھ نہیں بول سکتی۔ علاوہ بریں اگر کوئی زبردستی کرنے پر آئے تو ایک بھولی لڑکی کیا کر سکتی ہے۔ بڑی بڑی مرکھنی گاؤں پر چھری پھیر دی جاتی ہے۔ اور پھر ایسی صورت میں جبکہ وہ نہ وہاں اس کا کوئی معان تھا نہ مددگار۔

رضا علی۔ بہر حال فرخ سے اس کی شادی کسی صورت سے نہیں ہو سکتی آپ لوگ فضول گذشتہ واقعات یاد کر کے اپنے دماغوں کو بوجھل کر رہے ہیں۔

احسن ممتاز۔ ہاں ٹھیک ہے جو معاملہ درپیش ہے اسکے متعلق گفتگو کرنی چاہیے۔

عابد حسن۔ مگر اس قدر عجلت کیا ہے۔ فرخ کی رائے بھی تو معلوم ہونی چاہیے آیا وہ نصیرہ بیگم کی لڑکی کو پسند کرے گا یا نہیں۔

رضا علی۔ نصیرہ بیگم کی لڑکی کو پسند نہیں کریگا تو کون ایک معمولی لفٹیننٹ کو بیٹی دے دے گا۔ زیادہ سے زیادہ کیپٹن ہو جائیں گے۔

عابد حسن۔ پھر اور کیا چاہیے؟ کیپٹن ہونا کوئی معمولی بات ہے اس زمانہ میں تو لوگ فوجی وردی ہی کی قدر کرتے ہیں، خصوصاً لڑکیاں ان کا بس چلے تو معمولی سپاہی کا ہاتھ پکڑ لیں۔

رضا علی۔ مسکرا کر۔ دیکھئے جنگ کے بعد برساتی کیڑوں کی طرح کیپٹن اور میجر نظر آئیں گے۔

عابد حسن۔ ارے میاں خدا بھلا کرے اس لڑائی کا ہمارے میٹرک پاس بچوں کو کیپٹن اور میجر تو کر دیا ورنہ ان غریبوں کا کیا حشر ہوتا۔

روشن آرا۔ رضا علی سے۔ کیا سچ مچ تم نے نصیرہ بیگم کو پیغام دے دیا؟

رضا علی۔ ہاں میں نے کل ان سے کہا تھا اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ حسن آرا وغیرہ خود آ کر لڑکی کو انگوٹھی پہنائینگی۔

روشن آرا۔ واہ بھائی واہ تم کو چاہیے تھا صرف حسن آرا کا کہتے یہ وغیرہ کا لفظ کیوں کہا۔ میں تو عہد کر چکی ہوں اب کسی کی بات میں دخل نہیں دوں گی۔

رضا علی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ جانے دیجئے کوئی دخل نہ دے میں تنہا لڑکے کو لے جا کر نکاح پڑھوا دوں گا۔ میں نے اپ لوگوں کی اس وقت کی گفتگو سے اندازہ لگا لیا ہے کہ میرے اور فرخ کے ساتھ کسی کو ہمدردی نہیں۔

احسن ممتاز نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ نہیں بھئی تمہارا خیال غلط ہے ہم سب تمہارے ساتھ ہیں

عابد حسن بھی آہستہ سے بولے۔ ہمدردی تو تمہاے فرخ ہی کے ساتھ ہے مگر جو بات پہلے کہہ دی ہے وہی اب بھی کہیں گے اس قدر جلدی نہ کرو۔

چالیسواں باب

اے حسن آرا بیگم مبارک ہو، میاں فرخ آ گئے۔ الٰہی تیرا ہزار شکر تو نے یہ دن دکھایا۔ بنیادی خانم دروازہ میں سے گلا پھاڑ پھاڑ کر کہہ رہی تھی گھر میں سب لوگ صبح کا ناشتہ کر رہے تھے شاہد ننگے پاؤں دوڑے۔ مغلانی بوا کیا کہہ رہی ہو؟ کہاں ہیں فرخ؟

بنیادی خانم نے ہانپتے ہوئے کہا۔ اے میاں اپنے دیدوں کی قسم رحیم اللہ کو چاء دینے گئی تھی خدا رکھے میاں فرخ تانگہ سے اتر رہے تھے۔ حسن آرا بیگم کہاں ہیں سونے کے کنگن پہنوں گی۔؛

گھر والے ناشتہ چھوڑ کر دروازہ کی طرف دوڑے مگر فرخ کی آنکھوں پر پٹی بندھی دیکھ کر ہر شخص کے دل پر ایک دھچکا لگا۔ رضا علی کے قدم خود بخود رک گئے عابد حسن کا منہ کھلا رہ گیا۔ احسن ممتاز ششدر تھے۔ روشن آرا نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ حسن آرا کلیجہ تھام کر بیٹھ گئیں۔ گلشن نے گھبرا کر کہا۔ اے ہے یہ فرخ کی آں۔

چپ کہہ کر روشن آرا نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا فقرہ پورا نہ ہونے دیا......شاہد نے فرخ کے قریب جا کر کہا۔ ارے فرخ تم بغیر اطلاع کے آ گئے چلو اندر۔

کیسے چلوں؟ آنکھیں تو ہیں ہی نہیں۔ فرخ نے مسکرا کر کہا۔

شاہد نے خاموشی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ چلو۔

فرخ نے پوچھا۔ ابا جان وغیرہ کہاں ہیں کسی کی آواز نہیں؟

عابد حسن نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے فرخ کو سینہ سے لگا کر کہا۔

آ گیا میرا بہادر بیٹا۔

فرخ نے ہاتھ بڑھا کر ٹٹولتے ہوئے کہا۔ امی جان کہاں ہیں؟

روشن آرا کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی سب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

فرخ نے مسکرا کر کہا۔ امی جان خدا کا شکر ادا کیجئے کہ دونوں گئیں اگر ایک رہ جاتی تو

صبح اٹھ کر شکل بھی نہیں دیکھتا۔

رضا علی دور کھڑے ہوئے غم و غصہ سے اپنے دونوں ہاتھ مل رہے تھے اور کہہ رہے، کاش محسن اپنے لڑکے کو اس حال میں دیکھیں۔

روشن آرا نے اپنا دال مضبوط کر کے کہا۔ حسن آرا کچھ دیوانی ہوئی ہو۔ خدا کا شکر ادا کرو بچہ جان کی سلامتی میں واپس آ گیا۔ علاج معالجہ ہو گا آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی۔

احسن ممتاز نے بھی بہن کی تائید کی۔ ہاں، ہاں یہ تو عارضی چیز ہے کسی گیس کے اثر سے آنکھوں کی خرابی ہو گئی جاتی رہے گی۔

عابد حسن بولے۔ تم لوگ عجیب بیوقوف ہو اندر چلو میں تو چاء پیتے پیتے بھاگا۔ آؤ بھئی آؤ۔

رضا علی کا ہاتھ پکڑ کر عابد حسن کمرہ میں لائے۔

فرخ کی آمد کی اطلاع سب سے پہلے نصیرہ بیگم کو پہنچی انہوں نے پہلے ہی سے گوٹے کے ہار تانبے کے کونڈے خرید رکھے تھے کالے ماش اور ٹکے بھی منگوا لئے تھے وقت پر ملنا مشکل ہوتا ہے۔ ایک گھنٹہ بھی فرخ کو آئے نہیں گزرا تھا کہ وہ مع رشیدہ کے آن پہنچیں، پیچھے مزدورنیاں مٹھائی کے کونڈے جھم جھمائے خوان پوش پڑے ہوئے لائیں فرخ غسل خانہ میں تھے۔ نصیرہ بیگم نے سب کو مبارک باد دیتے ہوئے پوچھا۔ میرا فرخ کہاں ہے۔

روشن آرا نے کہا۔ منہ دھو رہے ہیں۔

نصیرہ بیگم خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔ انہوں نے جلدی سے ایک سینی کا خوان پوش ہٹا کر سب سے بڑا گوٹے کا ہار رضا علی کو پہنایا دوسرا حسن آرا کو باقی سب کو پھولوں کے کنٹھے پہنائے...... روشن آرا نے کہا۔ ایسی کیا جلدی ہے فرخ کو تو آ جانے دو پہلے ان کو پہنانا۔

نصیرہ بیگم نے ہنسکر کہا۔فرخ بھی آجائیں گے۔پہلے میں اپنے بھائی بھاوج اور تم لوگوں کوتو پہنادوں اللہ نے اپنی رحمت سے یہ دن دکھایا اس کی قدرت کے قربان جاؤں بھلا کسے امید تھی کہ بچہ جان کی سلامتی میں واپس آئے گا۔میں نے تو اجمیر شریف جا کر خواجہ کے دربار میں منت مانی تھی میں انشاءاللہ اسی مہینہ میں اپنے بچہ کو لے کر جاؤں گی۔

فرخ بھی اسی وقت نزہت کا ہاتھ پکڑے ہوئے آئے......نصیرہ بیگم نے گھبرا کر پوچھا۔اے ہے بیٹا یہ پٹی کیسی بندھی ہے کیا آنکھیں آئی ہیں۔

فرخ نے مسکرا کر کہا۔آئیں تو نہیں گئی ہیں۔

نصیرہ بیگم نے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔سچ بتاؤ کیا ہوا میرے تو ہوش وحواس جاتے رہے۔

فرخ نے سنجیدگی سے کہا۔کیا بتاؤں میری آنکھیں جاتی رہیں۔

نصیرہ بیگم سناٹے میں آگئیں کاٹو تو بدن میں لہو نہیں انہوں نے بے دلی سے فرخ کو گلے میں ہار پہناتے ہوئے کہا۔کیسے گئیں کچھ تو بتاؤ تو۔

فرخ نے کہا۔بس چلی گئیں لڑائی پر جانا کوئی معمولی بات ہے جان بچ گئی آنکھیں چلی گئیں۔پھوپھی اماں وتی بم پڑا تھا وہ تو خیریت ہوگئی سر نہ اڑ گیا۔

نصیرہ بیگم نے رضا علی سے کہا۔مجھے پہلے سے نہیں بتایا تھا کہ فرخ کی آنکھیں جاتی رہیں

رضا علی نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔مجھے تو خبر نہیں تھی میں آپ کو کیا بتاتا۔

فرخ نے سنجیدگی سے کہا۔جس وقت سے آیا ہوں میری آنکھوں کے متعلق ہر شخص سوالات کر رہا ہے۔کسی کی زبان سے یہ نہیں نکلا کہ خدا کا شکر ہے زندہ آگیا۔آنکھیں تو میرے واسطے کارآمد تھیں۔آپ لوگوں کو ان سے کیا فائدہ تھا جب مجھے ملال نہیں تو آپ سب کیوں افسوس کر رہے ہیں۔امی جان اور ابا جان کہاں ہیں

میں اس سے پوچھنا چاہتا ہوں کیا اس وقت میرے مرنے کی خبر کے ساتھ میری آنکھیں ایک ڈبیہ میں بند ہو کر آتیں تو آپ لوگ خوش ہوتے؟

حسن آرا نے فرخ کو گلے لگا کر کہا۔ بیٹا تم ایسی باتیں نہ کرو۔ میں تو کہتی تھی کہ بلا سے اپاہج ہو کر آجائے میں اس کی آواز سن لوں۔

فرخ نے کہا۔ ابا جان آپ کا کیا خیال ہے؟

رضا علی نے کہا۔ میرا خیال کیا۔ مجھے تو تمہاری زندگی بیکار ہونے کا رنج ہے۔

فرخ نے ہنسکر کہا۔ ابا جان زندگی کیوں بیکار ہونے لگی۔ سہارے کے واسطے ایک لکڑی کی ضروت ہوتی ہے۔ میں تو بہت جلدی ٹٹول کر چلنے کی مشق کر لوں گا۔ بچپن میں حافظ ایوب صاحب کی نقل خوب کرتا تھا پوچھئے گلشن سے اندھا بھینا بن کر ان کی کیسی مرمت کرتا تھا۔ خدا کا شکر ہے میدان جنگ میں آنکھیں گئی ہیں پنشن ملے گی، مزے سے پلنگ پر بیٹھے شاعری کریں گے۔ آپ کو یہ خبر نہیں میں کیپٹن ہو گیا ہوں۔

رضا علی کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے انہوں نے دھیمی آواز میں کہا۔ ہاں پہلے ہی تمہارے کندھے پر نظر پڑی تھی۔

عابد حسن نے فرخ کو پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔ شاباش بیٹا تم صحیح معنوں میں بہادر اور غازی ہو۔

سب نے فرخ کی ہمت و استقلال کی تعریف کی۔ مگر نصیرہ بیگم تو تو گویا سانپ سونگھ گیا ان کی صورت سے فکر و پریشانی ٹپک رہی تھی وہ بار بار پہلو بدل رہی تھیں اور اپنے بھائی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ رضا علی نے ان سے طے کر لیا تھا کہ فرخ کے آنے کے دوسرے ہی دن حمیدہ کا نکاح کر دیں گے۔ انہوں نے چپکے چپکے سب تیاریاں کر لی تھیں حمیدہ کو باقاعدہ مائیوں تو نہیں بٹھایا تھا مگر کوٹھڑی بند کر کے روز صبح و شام ابٹنا ملا جاتا تھا سوا سیر روے کی پنیڈیاں بھی لڑکی کی کھلانے کے واسطے بنالی گئی

تھیں جوڑوں کی تہیں لگا کر بکسوں میں بند کر دیے گئے تھے۔ برتن قلعی کروا کر بڑے صندوق میں رکھ دیے تھے۔ رشیدہ چپکے سے فرخ کی شیروانی حسن آرا کے ہاں سے اڑا لائی تھیں۔ دولہا کا جوڑا ابھی تیار تھا۔ نصیرہ بیگم جانتی تھیں۔ کہ حسن آرا کے ہاں سے کچھ نہیں آئے گا۔ انہوں نے احتیاطاً ایک سرخ جوڑا بھی لڑکی کو بارات والے دن پہنانے کے لیے سی لیا تھا۔ اس وقت رضا علی اپنی بہن کا رنگ دیکھ کر سمجھ گئے کہ ان کے دل میں کیا کیا خیالات آ رہے ہیں۔ انہوں نے علیحدہ لے جا کر کہا۔ آپا یہ تو بڑا غضب ہو گیا اب آپ کی کیا رائے ہے۔؟

نصیرہ بیگم نے بے رخی سے کہا۔ مجھے لڑکیاں ایسی دوبھر بھی نہیں ہیں۔

رضا علی نے کہا۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

نصیرہ بیگم۔ بھائی تمہیں خود ہی خیال کرنا چاہیے جیسی میری لڑکی ویسی تمہاری۔ اگر ایسا موقعہ پیش آتا تو کیا تم اپنی لڑکی کا کر دیتے۔

رضا علی۔ (غصہ کے لہجہ میں) بیشک اگر زبان دے دیتا تو کر دیتا۔

نصیرہ بیگم ارے بھائی یہ کہنے کی باتیں ہیں آنکھوں دیکھے کوئی مکھی نہیں کھاتا۔

رضا علی۔ (بگڑ کر) بڑے افسوس کی بات ہے مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی۔

نصیرہ بیگم۔ تم خود سوچو میں بے زبان کی زندگی کیسے برباد کر دوں۔ میاں محسن نے بڑی عقل مندی کی پہلے ہی لڑکی کی شادی کر دی۔

اپنی بہن کا یہ جملہ سن کر رضا علی کے دل پر تیر کی طرح لگا انہوں نے بمشکل اپنی طبیعت پر قابو حاصل کر کے کہا۔ اس وقت محسن کی لڑکی کا کیا ذکر تھا انہوں نے تو خیر جو کچھ کیا ہو گا اگر آپ [illegible]

ساری عمر میری جان کو نہ روئے گی۔ نانا بابا۔ چاہے وہ مجھ سے ملیں یا نہ ملیں، جیسے بیس برس تک بھائی کو صبر کیا تھا ویسے اور کر لوں گی مگر اپنی بچی کو اندھے کی لاٹھی نہیں بنا سکتی۔

نصیرہ بیگم اپنے دل کو مطمئن کر کے پھر واپس آ کر دنیا سازی کی باتیں کرنے لگیں ۔ رضا علی انکی طرف سے کھنچے کھنچے معلوم ہو رہے تھے۔ روشن آرا سمجھ گئیں کہ ضرور کوئی بات بدمزگی کی ہو گئی ہے تھوڑی دیر کے بعد نصیرہ بیگم پھر آنے کا کہہ کر چلی گئیں...... فرخ دوسرے کمرہ میں جا کر سو گئے تھے...... دوپہر کے کھانے پر انہوں نے اپنی آنکھوں کی پٹی کھول کر کہا۔ ابا جان مبارک ہو، امی جان آپ خوش ہو جائیں میں اندھا نہیں ہوا۔

حسن آرا وہیں بیٹھے بیٹھے سجدہ میں گر گئیں۔ عابد حسن نے زبردست قہقہہ لگا کر کہا۔ واہ میاں واہ خوب سوانگ بھرا۔

رضا علی نے کھسیانی مسکراہٹ سے کہا۔ اس کی کیا ضرورت تھی۔

روشن آرا نے فرخ کی بلائیں لے کر گلے لگاتے ہوئے کہا۔ بیٹا ایسا مذاق اچھا نہیں اتنی دیر میں ہمارا تو خون خشک ہو گیا۔

احسن ممتاز بولے۔ بڑے بیوقوف ہو یہ خیال نہیں کیا کہ ہم لوگوں پر اس کا کیا اثر ہو گا۔

گلشن نے دو تین گھونسے فرخ کی پیٹھ پر لگا کر کہا۔ اندھا کہیں کا سارے گھر کو پریشان کر دیا۔ جا جا تیرا ہے آنکھوں میں [illegible]

شوکت آرا۔ مگر یہ انکو سوجھی کیا تھی۔ ایسا مذاق کس کام کا۔

فرخ۔ ہنسکر۔ سب اپنی اپنی بولیاں بول چکے یا اور کوئی باقی ہے۔

گلشن فرحت کچھ نہیں بولیں اور مغلانی بوا خاموش بیٹھی ہیں

فرحت۔ مسکرا کر۔ میں تو فرخ بھائی کی شکل دیکھ کر اس قدر خوش ہوئی تھی کہ آنکھوں کا خیال ہی نہیں آیا۔

بنیادی خانم نے اپنی آنکھوں کا پانی پونچھتے ہوئے کہا۔ اے میاں میری تو آنکھیں جا چکی ہیں مجھیں اس کی بہت قدر ہے۔ میں تو اپنے دل میں چپکے چپکے یہی کہہ رہی تھی الہی آنکھیں رہیں تو زندگی رہے نہیں تو موت بہتر ہے۔

فرخ نے ہنسکر کہا۔ اچھا مغلانی بوا تم میری موت کی دعا مانگ رہی تھیں۔

اے میاں تمہارے دشمنوں کی موت کی دعا مانگوں کیسی باتیں کرتے ہو بنیادی خانم نے سر سے پیر تک فرخ کی بلائیں لے کر کہا۔

روشن آرا۔ اے بی تمہاری تو بالکل ہی عقل ماری گئی بغیر سوچے سمجھے جو منہ میں آیا کہہ دیا۔

عابد حسن۔ (فرخ سے) مگر بیٹا یہ حرکت کیا تھی تمہارے دماغ میں یہ خیال کیوں آیا؟

فرخ۔ ہنسکر خالو ابا۔ میں نے خیال کیا کہیں اچانک میرے پہنچنے سے امی جان شادی مرگ نہ ہو جائیں۔ علاوہ اس کے میں آزما رہا تھا کہ زندگی زیادہ پیاری ہے یا آنکھیں۔

رضا علی۔ مسکرا کر۔ خیر یہ تو تمہاری بیوقوفی ہے جس کو تمہاری زندگی پیاری ہے اس کو تمہاری آنکھیں اور تمہاری ہر چیز پیاری ہے۔ مگر تمہارے اس مذاق سے مجھے اس وقت کافی سبق مل گیا حقیقت میں برے وقت کا کوئی شریک نہیں۔

فرخ۔ (تعجب سے) کیا بات ہوئی؟

رضا علی۔ بات کچھ نہیں ہوئی۔ انسان کو ہر قدم پر ایک نیا تجربہ ہوتا ہے۔

عابد حسن۔ یہ تو ٹھیک ہے، مگر تمہیں اس موقعہ پر کیا نیا تجربہ ہوا۔

رضا علی۔ آپا نے انکار کر دیا۔

فرخ۔ کون آپا۔ کیسا انکار۔

فرخ کے سوال کا کسی نے جواب نہیں دیا۔ احسن ممتاز نے کہا۔ انکا انکار کرنا ایک حد تک ٹھیک بھی ہے۔

رضا علی۔ ٹھیک تو ہے میں خود ہی ایسی صورت میں انکو مجبور نہیں کرتا۔ مگر کچھ تو ضبط و صبر سے کام لیتیں۔ عجیب دنیا کا رنگ ہے۔

احسن ممتاز۔ ہاں انکو اس قدر جلدی جواب نہیں دینا چاہیے تھا، خیر کوئی بات نہیں ہے اب جا کر انکو اطمینان دلا دینا چاہیے۔

رضا علی۔ احسن بھائی آپ میری طبیعت سے واقف ہوتے ہوئے بھی اس قسم کی بات کہتے ہیں اب تو میں تمام زندگی ان کے دروازہ پر قدم نہیں رکھونگا۔

فرخ۔ (تعجب سے) مجھے کوئی نہیں بتا رہا یہ معاملہ کیا ہے؟ اور یہ میں جانتا ہوں کہ میرے ہی متعلق ہے۔

رضا علی۔ ہاں تمہارے متعلق ہے میں نے آپا کی چھوٹی لڑکی حمیدہ سے تمہاری شادی ٹھہرائی تھی اور یہ طے کیا تھا کہ کل شام کو نکاح ہو جائے گا۔ مگر تمہاری آنکھوں کی وجہ سے وہ انکار کر گئیں۔

فرخ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مسکرا کر اپنی ماں کی طرف دیکھنے لگے۔ حسن آرا نے حیرت سے پوچھا۔ کیا آپا نصیرہ جواب دے گئیں ذرا تو صبر کیا ہوتا کوئی زبردستی تھوڑی کر لیتا۔

فرخ۔ امی جان مجھے تو آجانے دیا ہوتا۔ آپ نے پہلے سے یہ ڈھونگ کیوں رچایا۔ ایک طرف سے تو یکسوئی ہو جاتی۔

رضا علی۔ وہ کس طرف سے؟

فرخ۔ چھوٹے ماموں جانکی طرف سے۔

رضا علی۔ ان کی طرف یکسوئی ہو چکی۔ لڑکی کی شادی کر دی اس کے ہاں بچہ بھی ہو گیا۔

فرخ۔ ہو جانے دیجئے۔ میں نے تو طلاق نہیں دی۔

رضا علی۔ اب دے دو۔

فرخ۔ طلاق تو میں اس کو اپنی زندگی میں نہیں دوں گا۔

رضا علی۔ کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔

فرخ۔ بغیر طلاق کے دوسرا نکاح کیسے ہو گیا۔

رضا علی۔ عجیب بیوقوفی کی باتیں کر رہے ہو۔ ان کی لڑکی نے پہلے نکاح کو فسخ کر دیا ہو گا۔

فرخ۔ اس کے فسخ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں تو طلاق دیکر نہیں گیا تھا رضا علی نے ہنسکر عابد حسن سے کہا۔ آپ سمجھائیے یہ بیوقوفی کی باتیں کر رہیں ہیں۔

عابد حسن، میں خود سوچ میں پڑ گیا۔ محسن نے کیسے شادی کر دی۔

شاہد۔ میں تو ہمیشہ اس چیز پر غور کرتا ہوں کہ چھوٹے ماموں جان کو افشاں کے نکاح کا کیا حق جبکہ اس کا پہلے ہو چکا تھا۔

رضا علی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ یہ تو وہی قصہ ہو گیا کہ ٹھگوں نے آپس میں مشورہ کر کے غریب برہمن کے بکرے کو کتا بنا دیا تھا۔

شاہد نے ہنسکر کہا۔ بس تو ہم لوگ بھی ٹھگوں کی طرح چار پانچ مل کر چھوٹے ماموں جان کے پاس چلیں اور ایک دم دھاوا بول کر گھر میں گھس جائیں فرخ بچہ کو گود میں اٹھا لیں خالو جان افشاں کا ہاتھ پکڑ کر موٹر میں بٹھا لیں۔ ابا جان چھوٹے ماموں جان سے چکنی چپڑی باتیں کریں خالہ جان رونے لگیں اما جان پچھلی باتیں

دوہرائیں میں اور گلشن دوسرے لوگوں سے نپٹ لیں گے۔

فرخ۔ میں تو خود یہی سوچ کر آیا ہوں۔ شاہد بھائی سارا پروگرام بنالیا ہے، مرد عورتیں سب چلیں گے۔

روشن آرا نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ اوبی بیٹا فوج کمینوں کی طرح اب وہاں جا کر فضیحتا مچاؤ گے۔

فرخ۔ اور کیا آپ سمجھتی ہیں ایک شریف آدمی اپنی بیوی کو خاموشی سے دوسرے کے حوالے کر دے گا۔

شاہد۔ نہیں جی چار سو بیس والا کام ہو گا۔

حسن آرا نے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔ مجھے تو پہلے ہی یہ ڈر تھا اب دیکھ کیا حشر برپا ہو گا۔

امی جان آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں میں کوئی لڑائی جھگڑا کرنے نہیں جاؤں گا باقاعدہ آپ سبکو ساتھ لے کر اپنی امانت لینے جاؤں گا، مردوں میں بڑے ماموں جان، خالو ابا، شاہد بھائی اور ابا جان ہوں گے۔ عورتوں میں ممانی جان، خالہ اماں گلشن، نزہت اور آپ اگر مناسب سمجھیں تو پھوپھی اماں کو بھی ساتھ لے لیں۔

شاہد ہنسکر۔ ہاں ضرور پارٹی تگڑی ہونی چاہیے۔

گلشن۔ مزا تو خوب آئے گا۔

روشن آرا۔ اے بی خدا نہ کرے یہ بھی کوئی مذاق کی بات ہے۔

فرخ نے سنجیدگی سے کہا۔ خالہ اماں میں مذاق نہیں کر رہا، جانت تو ہے ہی۔ بس پرسوں روانگی ہے۔

روشن آرا نے اپنے میاں سے کہا۔ اے تم چپکے بیٹھے سن رہے ہو یہ فرخ کیا کہہ رہے ہیں۔

عابد حسن۔ فرخ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ چلنا چاہیے۔

رضا علی۔ ہنسکر۔ بھائی صاحب آپ سب سے بڑے ہیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں بعض وقت بالکل بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔ وہاں کیوں جانا چاہیے۔

عابد حسن۔ محسن سے اپنی امانت لینے۔

روشن آرا۔ یہ تو وہی مثل ہوئی۔ سرکنڈے کی گاڑی دو مینڈک جوتے جائیں راجہ ماری پودنی ہم بیر بسانے جائیں۔

عابد حسن۔ یہ کہانی تم نے اچھے موقعہ پر کہ انشاء اللہ اپنی پودنی کو لے کر ہی آئیں گے۔

روشن آرا۔ اے بس رہنے بھی دو تمہاری وہی مثل ہے۔ ناؤ کس نے ڈبوئی خواجہ خضر نے تمہیں تو چاہیے تھا لوگوں کو سمجھاتے بجھاتے اور بار دو پر دیا سلائی لگانے بیٹھے گئے۔

رضا علی نے احسن ممتاز سے کہا۔ آپ کیوں خاموش بیٹھے ہیں۔

احسن ممتاز۔ میں محسن کی غلطی پر افسوس کر رہا ہوں۔ اور کیا بول سکتا ہوں۔

روشن آرا۔ محسن تو ایک غلطی کر چکے اب یہ دوسری غلطی کیوں ہو رہی ہے۔ دھنے جلاہوں کی طرح وہاں لڑنے جائیں گے۔

فرخ۔ خالہ اماں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔ میں لڑنے کے ارادہ سے نہیں جاؤنگا۔ صرف افشاں سے بات کرنے جا رہا ہوں اس نے کیوں دوسرے شخص سے شادی کر لی۔

رضا علی۔ کیا فائدہ ہوگا اول تو وہ تم سے بات ہی نہیں کریگی۔ اور خیر فرض کر لیا وہ [illegible]

فرخ۔ جی نہیں میں آپکو ضرور لے کر جاؤنگا، بہت دن باپ کے سایہ سے محروم رہا۔

عابد حسن۔ ہنسکر بیشک رضا علی کو جانا چاہیے۔

رضا علیل۔ بھائی عابد کیا آپ نے دھوپ میں بال سفید کیے ہیں۔

عابد حسن۔ ہنسکر۔ دھوپ میں تو نہیں کیے مگر نزلہ سے بیس ہی برس کی عمر میں دو چار بال سفید نظر آنے لگے تھے۔

احسن ممتاز۔ اب اس ذکر کو چھوڑو۔۔ ہاں میاں فرخ تم کتنے دن کی رخصت پر آئے ہو۔

فرخ۔ فی الحال تو ایک مہینہ کی چھٹی ملی ہے مگر امید ہے آئندہ یہیں کسی بورڈ پا لگا دیا جاؤنگا۔ میرے لئے بڑی زوردار کوشش ہو رہی ہے۔

احسن ممتاز۔ کون کوشش کر رہا ہے۔

فرخ۔ کئی افسران میرے اوپر بہت مہربان ہو گئے ہیں

روشن آرا۔ خدا کرے اب لڑائی ہی ختم ہو جائے۔

عابد حسن نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا ذرا میں مرزا صاحب کو تو اطلاع کر دوں۔

فرخ نے پوچھا۔ رائے صاحب کو ابھی خبر نہیں ہوئی۔

رضا علی نے کہا۔ وہ آج کل بنارس گئے ہوئے ہیں۔

فرخ نے گلشن سے پوچھا۔ چچی جان کا تو انتقال ہو گیا ہوگا۔

گلشن نے ہنسکر کہا۔ اے خدا نہ کرے ان کا انتقال کیوں ہوتا۔ وہ قیامت کے بورئے سمیٹیں گی۔ شام تک دیکھنا ڈولی انگنائی میں موجو ہوگی۔

فرخ نے ہنسکر کہا۔ ابھی تک ہوش وحواس باقی ہیں؟

گلشن نے مسکرا کر کہا۔ تم ہوش وحواش کو کہتے ہو۔ وہاں بھوک اور پیاس کھٹاس اور مٹھاس ہر چیز کی خبر ہے۔ دسترخوان پر چٹنی نہ ہو تو ان کا پیٹ نہیں بھرتا کھانے کے

بعد منہ میٹھا نہ کریں تو نیت سیر نہیں ہوتی۔

روشن آرا۔ نے ڈانٹا۔ گلشن کیا ہو گیا ہے چپ رہو۔

نزہت نے کھڑے ہوئے ہوئے فرخ کو دوسرے کمرہ میں آنے کا اشارہ کیا شاہد وغیرہ بھی کھڑے ہو گئے۔

اکتالیسواں باب

''میں آ سکتا ہوں''

اے یہ تو محسن کی آواز ہے۔ روشن آرا نے فرطِ مسرت سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ بڑی بہن کی مادرانہ محبت تمام پچھلے واقعات پر غالب آ گئی۔ وہ بھول گئیں کہ محسن کی طرف سے ان کے دل میں کچھ کدورت یا ملال بھی تھا۔

ارے خالہ اماں مجھے کہیں چھپا دیجئے۔ فرخ نے پلنگ کے نیچے گھستے ہوئے کہا۔

کمرہ میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ رضا علی محسن سے چھپ کر باہر نکلنا چاہتے تھے مگر سب سے پہلے انہیں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ بیس برس پیشتر کے دھندلے نقوش آنکھیں چار ہوتے ہی ابھر آئے۔ کچھ خون کا جوش، کچھ بچپن اور کچھ جوانی کی دوستی نے مل جل کر رضا علی کے قدم پکڑ لیے وہ ٹھٹک کر محسن کی شکل دیکھنے لگے۔

فرخ۔ نے بعافیت واپس آنے پر تمہیں مبارکباد دینے آیا ہوں۔ محسن نے نہایت خندہ پیشانی سے رضا علی سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی کہ اس کی آرزوں کو برباد کر کے مبارکبار دینے آ و گے ۔رضا علی نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔

محسن نے مسکرا کر ان کی پیٹھ تھپکتے ہوئےکہا۔ ذرا صبر کرو سب کی شکایتوں کا فرداً فرداً جواب دوں گا میں بھی بھرا ہوا ہوں۔

روشن آرا نے محسن کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ اندر آ ؤ۔

حسن آرا کہاں ہیں محسن نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

بھائی کی آواز سنتے ہی حسن آرا کی آنکھوں سے لڑیاں بہنی شروع ہو گئی تھیں۔ بڑی مشکل سے وہ اپنی طبیعت پر قابو پا کر آگے بڑھیں...... بہن کی حالت دیکھ کر محسن کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔۔۔ حسن آرا ضبط نہیں کر سکیں ان کی ہچکی بندھ گئی۔ فرخ گھبرا کر پلنگ کے نیچے سے نکل آئے۔ محسن نے مسکرا کر کہا۔ دشمن کو

نشانہ بنانیکے لیے جگہ اچھی تجویز کی تھی۔

رضا علی نیطنزیہ لہجہ میں کہا۔ایسا کمظرف نہیں ہے وہ میرا لڑکا ہے۔

محسن نے مسکرا کر فرخ کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔میں جانتا ہوں تمہارا لڑکا ہے۔

عابد حسن نے ہنسکر کہا۔ہم لوگ تو تمہارے پاس جانے والے تھے اچھا ہوا تم خود ہی آگئے۔

محسن نے کہا۔آپ لوگوں کو زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی ملزم خود ہی حاضر ہو گیا۔

احسن ممتاز نے بھائی سے گلے ملتے ہوئےکہا۔فرخ کے انے کی تمہیں کیسے خبر ہوئی۔

محسن۔جی ہاں یہ بھی ایک عجیب سی بات ہے کہ فرخ کے جانے کو تو ان لوگوں نے مجھ سے چھپایا مگر آنے کی اطلاع سب سے پہلے مجھ سے ہی کو ہوئی۔

رضا علی۔بیکار ہوئی۔نہ تمہیں فرخ کیجانے سے کوئی نقصان ہوا نہ آنے سے کوئی فائدہ۔

محسن مسکرا کر۔اس میں کیا شک ہے، بیٹا تمہارہی کہلائے گا۔

رضا علی۔وہ تو تمہارا ہو چکا تھا۔تم نے خود ہی اس کو ٹھکرا دیا۔

محسن۔غلط کہتے ہو۔تم نے لڑکی کو ٹھکرایا۔اس نے کیا قصور کیا تھا جو تم اس کی صورت دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

رضا علی۔اگر میں نے غم وغصہ میں یہ الفاظ لکھدیئے تھے تو اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ لڑکی کی شادی دوسری جگہ کر دو کم از کم اپنی بہن کا تو خیال کیا ہوتا۔محسن نے کوئی جواب نہیں دیا شاہد سے کہا دیکھو میاں باہر برآمدہ میں جو لوگ بیٹھے ہیں انہیں جا کر کمرہ میں بٹھاؤ۔

روشن آرا پریشان ہوئیں کہ ضرور افشاں اور اسکے میاں کو لے کر آئے ہیں عابد

حسن کے دل میں بھی یہی خیال آیا۔ دونوں میاں بیوی گھبرا کر باہر آ گئے۔ سب سے پہلے روشن آرا کی نظر ایک نوجوان حسین لڑکے پر پڑی۔ انہیں پکا یقین ہو گیا کہ یہی افشاں کا میاں ہے۔ انہوں نے عابد حسن کو دھکا دے کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ارے غضب ہو جائے گا خدا کے واسطے باہر ہی کے کمرہ میں بٹھاؤ۔ محسن نے تو اندھیرا کر دیا ہے یہ نہیں جانتے یہاں خون خرابے ہو جائیں گے۔ شاباش ہے افشاں کے دیدہ کو میرے تو حواس جاتے رہے۔

عابد حسن نے شاہد سے چپکے سے کہا۔ ان دونوں کو میرے کمرے میں بٹھا دو۔ برآمدہ میں اندھیرا تھا۔ عابد حسن نے خود کمرہ کھول کر شاہد سے کہا۔ یہاں لا کر بٹھا دو۔

محسن نے اندر کے کمرہ میں سے فرخ کو بھیجا۔ شاہد سے کہوں یہاں لے آئیں۔

روشن آرا نے فرخ کو آتا دیکھ کر اندر کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ تم یہاں کیوں آ رہے ہو اندر جاؤ۔

عابد حسن نے فرخ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر اندر لاتے ہوئے کہا۔ یہاں آؤ بیٹا۔ کیا بات ہے آپ لوگ اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہیں فرخ نے پوچھا۔ بس اندر چلو میں کہہ جو رہا ہوں۔ عابد حسن نے گھبراہٹ کے لہجہ میں کہا۔ ارے آپ مجھے پکڑے ہوئے کیوں ہیں۔ فرخ نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ محسن خود بھی ان لوگوں کے پاس آ گئے...... روشن آرا نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اندر لاتے ہوئے کہا۔ یہ تم نے کیا غضب کیا۔ افشاں اور اس کے میاں کو اس موقعہ پر کیوں لے آئے جانتے نہیں فرخ کیا کرے گا۔

محسن کے زبردست قہقہہ سے ساری گیلری گونج گئی...... جو لوگ اندر کمرہ میں تھے وہ بھی نکل آئے...... عابد حسن اور فرخ کی کھینچا تانی دیکھ کر محسن نے ایک اور

قہقہہ لگایا۔ واہ بھائی صاحب واہ میں تو آپا جان ہی پر ہنس رہا تھا مگر آپ کی حالت قابل دید ہے۔

عابد حسن کو محسن کے ہنسنے پر بہت غصہ آیا انہوں نے فرخ کا ہاتھ چھوڑ کر احسن ممتاز کو باہر لے جاتے ہوئے کہا۔ ہم تو دو دن سے ہر ہر قدم پر پھونک رہے ہیں۔ ہر طرح سے لڑکے کو بہلانے پھسلانے کی کوشش کر رہے ہے، مگر ان کی ڈھٹائی دیکھو لڑکی کو مع اس ے شوہر کے لے آئے، میں تو صاحب اس گھر میں ٹھیر نہیں سکتا۔ اماں جان کے ہاں جاتا ہوں۔ تم جانو اور یہاں کی ہنگامہ آرئی جانے۔

محسن نے باہر جاتے ہوئے عابد حسن سے کہا۔ جی نہیں بغیر آپ کے یہاں کی ہنگامہ آرائی میں کوئی لطف نہیں آئے گا۔ یہ ڈرامہ شروع آپ ہی لوگوں نے کیا تھا اب آخری سین دیکھنے سے کیوں گھبرا رہے ہیں۔

عابد حسن نے گھبرا کر کہا۔ بہت خوب کیا آپنے مجھے تماشائی سمجھا ہے۔

محسن نے مسکرا کر کہا۔ جی نہیں اس ڈارمہ کے خاص اداکار۔

عابد حسن نے احسن ممتاز سے کہا۔ تم دیکھ رہے ہو ان کو اس وقت دل لگی سوجھی ہے۔

احسن ممتاز نے عابد حسن کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ بھائی عابد آپ پریشان نہ ہوں میں ان دونوں کو باہر ہی روکتا ہوں

محسن نے نوجوان کو اندلاتے ہوئے روشن آرا کی طرف بڑھا کر کہا۔ لیجئے آپا جان یہ آپ کا بھتیجا ہے افشاں کا بھائی۔

عابد حسن کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

یہ کہاں سے آگیا۔ احسن ممتاز نے حیرت سے پوچھا۔

روشن آرا نے خوشی سے لڑکے کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ شاباش ہے، محسن تمہارے جگرے کو اس چاند کے ٹکڑے کو کس دل سے چھوڑے رکھا۔

محسن نے مسکرا کر رضا علی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔بیس برس تک ان حضرت کی جان کو روتا رہا ہوں۔

رضا علی خاموش کھڑے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے انہیں حیرت تھی کہ انور پاشا محسن کے پاس کہاں سے آ گیا اس کو تو ان کا پتہ بھی معلوم نہیں تھا۔محسن کی بات کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا۔میں تمام عمر تمہاری جان کو روؤں گا۔

محسن نے رضا علی کی طرف دیکھ کر کہا۔خدا کا فضل ہے کہ تمہارا لڑکا بھی آ گیا تم بھی ہٹے کٹے پہنچ گئے اور کیا چاہتے ہو؟

رضا علی نے کہا ہم نہیں جانتے کیا چاہتا ہوں؟

محسن نے لاپرواہی سے کہا، میں نہیں جانتا تمہاری کیا خواہش ہے۔

عابد حسن بالکل خاموش تھے۔شوکت آرا نے سب کو کمرہ میں بٹھایا۔فرخ برآمدہ میں کھڑے رہے نزہت اور گلشن باہر کھڑی رہیں۔کچھ دیر کے واسطے سب افشاں کو بھول گئے ہر شخص اس نئے مہمان کو حیرت اور تعجب سے دیکھ رہا تھا۔محسن نے کہا۔میں ذرا افشاں کے پاس جاتا ہوں وہ گھبرا رہی ہوگی۔

روشن آرا نے تعجب سے پوچھا۔کیا افشاں بھی آئی ہے

محسن نے ذرا غصہ کے لہجے میں کہا۔آپ لوگ اس کو بھول گئے مگر وہ کبھی نہیں بھول سکتی۔

روشن آرا نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔تم کیا کہہ رہے ہو؟ ہم لوگ اس کو بھول سکتے ہیں۔کیا ناخنوں سے گوشت جدا ہوتا ہے۔یہ کہو کہ تم نے خود اس کو ہم سے چھڑایا۔

محسن نے کہا۔میں تو خود اس کو لے کر یہاں آ رہا تھا۔رضا علی کا خط پہنچ گیا یہ اس کی صورت دیکھنا نہیں چاہتے تھے میں مجبور ہو گیا۔

احسن ممتاز نے کہا۔اگر رضا علی نے غصہ اور پریشانی کی حالت میں یہ الفاظ لکھ بھی دیئے تھے تو تمہیں یہ نہیں چاہیے تھا کہ لڑکی کی شادی کر دیتے۔

محسن نے مسکرا کر کہا۔ معاف کیجئے گا۔ یہاں میری عدم موجودگی میں لڑکی کا نکاح فرخ سے کر دیا۔ بعد میں مجھے اطلاع ہوئی، مگر میں نے کوئی اعتراض یا مخالفت نہیں کی۔ اگر میں نے بغیر آپ لوگوں کی اجازت کے ایک کام کر دیا تو کیا گناہ کیا۔

روشن آرا نے کہا۔ یہ کون کہتا ہے کہ تم نے گناہ کیا، تمہاری لڑکی تھی تمہیں اختیار تھا، مگر اتنا ضرور کہوں گی کہ ابا جان کی روح کو تم نے صدمہ پہنچایا اور سارے خاندان میں ہماری ذلت ہوئی۔

محسن نے کہا۔ خاندان کی تو نہ کبھی میں نے پرواہ کی نہ اب کرتا ہوں۔ ہاں ابا جان کی روح کو میں نے صدمہ نہیں پہنچایا۔ یہ لوگوں کا خیال خام ہے۔

عابد حسن نے کمرہ میں ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ فرخ تو ہم لوگوں کو مجبور کر رہا تھا کہ تمہارے پاس جا کر جواب طلب کریں۔

محسن نے کہا۔ بلایئے فرخ کو میں خود ہی سب کو جواب دینے آیا ہوں۔

احسن ممتاز نے کہا۔ جو کچھ حماقت تم کر چکے ہو وہ کیا کم ہے جواب فرخ کے منہ لگنے کا ارادہ ہے۔

محسن نے ہنسکر کہا۔ کیا آپ کو بھی بھائی عابد کی طرح کسی ہنگامہ آرائی کا اندیشہ ہے۔

احسن ممتاز نے کہا۔ بے شک مجھے فرخ کی طرف سے ڈر ہے کہیں وہ کوئی گستاخی نہ کر بیٹھے۔

حسن آرا ابھی تک خاموش بیٹھی تھیں۔ انہوں نے محسن کے قریب آ کر آہستہ سے پوچھا۔ کیا واقعی آپ افشاں کو لائے ہیں؟

محسن نیکہا۔ ہاں وہ تم سے ملنے کے لئے بقرار تھی میں اس کے اوپر ظلم نہیں کر سکتا تھا۔

حسن آرا نے آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے کہا۔ آپ کہاں چھوڑ کر آئے

ہیں۔

محسن نے کہا۔ رائے صاحب کے ہاں اتار دیا ہے اگر دیکھنا چاہو تو وہاں جا کر دیکھ آؤ۔

رضا علی نے کہا۔ یہیں کیوں نہیں بلا لیتے۔

محسن نے کہا۔ جب تک تم خود جا کر نہیں لاؤ گے وہ یہاں نہیں آئیگی۔

رضا علی نے کہا۔ اگر تم اس کو پہلی حالت میں لاتے تو میں اپنی گود میں اٹھا کر لاتا قدموں کے نیچے اپنی آنکھیں بچھاتا۔ مگر اب اپنے لڑکے کے جذبات کو اپنے پاؤں کے نیچے نہیں روند سکتا۔

فرخ برآمدہ میں کھڑے کھڑے کود رہے تھے ارے ابا جان سے کہو جا کر لے آئیں لڑکے کے جذبات کو کچل ڈالیں روند ڈالیں۔ مسل ڈالیں۔ اس گدھی کے دیکھنے کو لڑکے کا بہت دل چاہ رہا ہے۔

گلشن نے فرخ کو پیٹھ پر دو تین گھونسے مارتے ہوئے کہا۔ چپ بے حیا، شرم تو نہیں آتی۔

فرخ نے گلشن کے سر پر تھپڑ مار کر کہا۔ تم کیا جانو۔

دیکھا تھا کبھی خواب سا معلوم نہیں کیا

اب تک اثر خواب سا معلوم نہیں کیا

نزہت نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ لو بیوی فوج میں رہ کر تو یہ بالکل ہی بیباک ہو گئے پہلے کبھی شعر و شاعری نہیں کرتے تھے۔

گلشن بولیں۔ اے بی شکل پر بھولپن بھی تو نہیں رہا۔ کیسا خرانٹ ہو گیا ہے۔ یہ فوجی سب گنوں پورے ہوتے ہیں۔

نزہت نے ہنسکر کہا۔ پانچوں عیب شرعی کیوں نہیں کہتیں۔

فرخ نے گلشن کو کمرہ میں دھکیلتے ہوئے کہا۔ ذرا ابا جان سے جا کر کہہ دو اسے لے

آئیں۔

گلشن نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے نزہت سے کہا۔ دیکھتی ہو میں ابھی ماموں جان کے اوپر جا پڑتی یہ تو آپے سے باہر ہوا جا رہا ہے۔

محسن نے فرخ کو آواز دی۔ گلشن اور نزہت بھی ان کے ساتھ کمرہ میں آ گئیں۔

محسن نے ہنس کر فرخ سے کہا۔ افشاں رائے صاحب کہاں بیٹھی ہے اگر اس کو بلوانا چاہو تو اپنے باپ کی منت سماجت خوشامد کرو۔

سب کی نگاہیں فرخ کے چہرہ میں پڑیں۔ فرخ نے کچھ جھینپ کر کہا چلئے ابا جان لے آئیے۔

رضا علی نے فرخ کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا یہ قصہ کیا ہے۔

حسن آرا بولیں۔ سب چلے جاؤ جو کچھ قصہ ہو گا معلوم ہو جائے گا۔

رضا علی نے محسن کی طرف دیکھ کر کہا۔ میں دیکھ رہا ہوں تمہیں اپنے لڑکے سے ملنے کی خوشی میں دوسروں کے احساسات اور جزبات کا مطلق خیال نہیں رہا۔

محسن نے کہا۔ مگر تمہاری حالت اس کے برعکس ہے، لڑکا بھی آ گیا دوسرے کام بھی مرضی کے مطابق ہو گئے لیکن آپ ہے کہ اینٹھے جا رہے ہیں۔

فرخ نے پھر کہا۔ اٹھئے ابا جان۔

عابد حسن بھی بولے۔ میاں چلے جاؤ تمہارا کے ہرج ہے۔

رضا علی نے بگڑ کر کہا۔ آپ بھی عجیب باتیں کرتے ہیں، مجھ سے کیا تعلق۔

فرخ نے ایک دم کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ کسی کے جانے کی ضرورت نہیں میں خود لاتا ہوں۔

عابد حسن، روشن آرا، احسن ممتاز فرخ کے ساتھ کھڑے ہو گئے...... محسن لاپروائی سے سگریٹ پینے لگے...... کمرہ میں تھوڑی دیر بالکل سکوت رہا۔ حسن آرا حیران و

پریشان دروازہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

سب سے پہلے فرخ سنجیدگی سے کمرہ میں داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے افشاں سی تارے ٹکی دھانی رنگ کی ساڑی میں اپنے معصومانہ انداز میں نیچی نگاہ کیے آئی۔ محسن خود اٹھ کر چندا بائی سے افشاں کے بچہ کو لے آئے...... باوجود انتہائی غصہ اور نفرت کے رضا علی کی نظریں خود بخود افشاں کیطرف اٹھ گئیں۔ یہ میرے ابا جان ہیں۔ فرخ نے رضا علی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

افشاں نے جھک کر آداب کیا۔ رضا علی نے بھی مجبوری کے عالم میں اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیا۔ محسن نے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا۔

رضا علی نے تیوری چڑھا کر کہا۔ ہنسنے کی کوئی بات نہیں ہے۔

محسن نے کھڑے ہوتے ہوئے ان کے کندھے زور سے ہلا کر کہا۔ تم بھی کیا یاد کرو گے۔ میں ابھی دو لفظوں میں اتنی لمبی داستان ختم کیے دیتا ہوں۔ لو یہ تمہارا پوتا ہے۔ فرخ کا لڑکا۔

محسن نے بچہ کو رضا علی کی گود میں ڈال دیا...... ایک ساتھ سب کی زباں سے نکلا۔ وہ کہاں سے آیا۔

محسن نے کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ یہ فرخ سے پوچھ لو۔

عابد حسن کے قہقہوں سے کمرہ گونج گیا۔

------------اختتام------------

چھتیواں باب

ڈاکٹر کرمانی حسب معمول ناشتہ سے فارغ ہو کر اسپتال جا رہے تھے۔۔۔آجکل وہ فوجی زخمیوں کی دیکھ بھال پر تعینات تھے۔جونہیں انکی موٹر کوٹھی کے پھاٹک سے نکل۔محسن کو موٹر آتی ہوئی نظر آئی۔۔۔ڈاکٹر صاحب نے موٹر روک لی۔محسن نے اونچی آواز میں کہا۔آداب عرض ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر صاحب نے بھی آداب عرض کہتے ہوئے پوچھا۔خیریت تو ہے سویرے سویرے کیسے آنا ہوا۔؟

محسن نے کار قریب لاتے ہوئے کہا۔ہاں سب خیریت ہے ویسے ہی آپ سے ملنے کو دل چاہا۔

ڈاکٹر صاحب۔کیا لڑکی کو بھی ساتھ لائے ہیں؟

محسن۔جی ہاں۔اسی وجہ سے آیا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب۔خریت تو ہے؟

محسن۔اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے تنہائی میں گھبراتی تھی میں نے سوچا یا یہاں لے آؤں۔

ڈاکٹر صاحب۔ہاں،ہاں آپ نے اچھا کیا،چلئے وہ موٹر میں پریشان ہو رہی ہو گی۔

محسن۔آپ اسپتال جایئے میں لڑکی کو مسز کرمانی کے پاس لے جاتا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب۔چلئے میں بھی چلتا ہوں اسپتال تھوڑی دیر بعد چلا جاؤں گا۔ڈاکٹر صاحب نے اپنی موٹر پھاٹک کی طرف موڑ دی۔دونوں گاڑیاں برآمدہ کے سامنے آکر ٹھیریں۔افشاں اب برقعہ نہیں اوڑھتی تھی وہ اس وقت آسمانی رنگ کی سادی جارجٹ کی ساڑھی باندھے تھی۔وہ اب وہم کی وجہ کبھی سفید کپڑے نہیں پہنتی تھی پہلے تو اکثر ہاتھوں میں صرف سونے کی چوڑیاں پہنے رہتی تھی لیکن فرخ کے جانے

کے بعد سے وہ شیشے کی چوڑیاں بھی پہننے لگی تھی۔کانوں کے بندیاور گلے کی جگنی بھی نہیں اتا رتی تھی بلک ہا یک نئی بات اس نے یہ کی تھی کہ ناک میں کیل بھی پہن لی تھی۔وہ آج کل بہت دبلی اور کمزور ہو رہی تھی اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ معصوم اور بھولانظر آتا تھا اس کی صورت دیکھ کر خود بخود انسان کے دل میں اس کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوتی تھی۔موٹر رکتے ہی محسن کی ایک نہایت حسین لڑکے پر پڑی جو برآمدہ میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔اس کی نگاہیں بھی موٹر کی آواز پر ایک دم پہلے محسن اور پھر افشاں پر پڑیں،وہ کچھ گھبرا سا گیا فوراً اخبار میز پر رکھ کر پہلو کے کمرہ میں چلا گیا اور دروازہ بند کرلیا۔محسن نے افشاں کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔پہلے تو ڈاکٹر صاحب کے ہاں کوئی نہیں رہتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔آیئے آیئے محسن صاحب آپ موٹر ادھر لے آئے سامنے کی طرف کا کمرہ کھلا ہوا تھا۔خیر کوئی بات نہیں میں دروازہ کھولے دیتا ہوں۔لڑکی کو اتاریئے۔

محسن یہ کہتے ہوئے افشاں کو گول کمرہ میں لے کر آئے،میں تو ہمیشہ افشاں کو مسز کرمانی ہی کی طرف اتارتا ہوں

ڈاکٹر صاحب نے بات ٹالتے ہوئے مسز کرمانی کو آواز دی۔فوراً یہاں آؤ محسن صاحب آئے ہیں۔

مسز کرمانی نے آکر افشاں کو گلے لگایا پیار کیا۔ڈاکٹر صاحب نے افسوس اور ہمدردی کی نگاہوں سے اس کو دیکھتے ہوئے محسن سے کہا۔کیا آپ دہلی سے ہو آئے۔

محسن۔ابھی تو نہیں گیا۔

ڈاکٹر۔یہاں سے تو آپ جلدی کر کے گئے تھے کہ دوسرے ہی دن اس کو لے کر جاتا ہے

محسن۔ہاں ابھی جانا نہیں ہو سکا، مجھے کچھ ضروری کام بھی ہے۔لڑکی کی طبیعت بھی خراب تھی میں نے سوچا پہلے آپ کو دکھا دوں۔

ڈاکٹر نے اپنی بیوی سے کہا۔افشاں کو لے جا کر اپنے کمرہ میں لٹاؤ اس کی طبیعت خراب ہے۔

مسز کرمانی نے جواب دیا۔پہلے یہ لوگ ناشتہ تو کر لیں۔

ڈاکٹر نے قہقہہ لگا کر کہا۔اگر تم نہ ہوتیں تو میں ان لوگوں کو دوپہر تک نہار منہ رکھتا۔

محسن۔ہنسکر۔ہم لوگ نہار منہ تو نہیں ہیں چاء پی چکے ہیں، ہاں کچھ کھایا نہیں تھا۔ آپ سے کوئی تکلف نہیں مانگ کر کھا لیتے۔

مسز کرمانی ناشتہ کے انتظام کے لیے اٹھیں افشاں بھی کھڑی ہو گئی۔ڈاکٹر نے کہا۔بیٹی تم ناشتہ کر کے جانا۔

افشاں۔میں چچی جان کے کمرہ میں ناشتہ کرلوں گی۔

ڈاکٹر۔اچھی بات ہے، جو تمہاری خوشی۔

لڑکی کیجانے کے بعد ڈاکٹر محسن سے کہا۔واقعی لڑکی بہت کمزور معلوم ہوتی ہے۔

محسن۔میں نہیں سمجھتا تھا فرخ کے جانے کا اس کے اوپر اس قدر اثر ہو گا۔

ڈاکٹر۔اثر ہونا لازمی تھا۔ایسی صورت میں آپ کو چاہیے تھا فوراً اس کو اپنی ہمشیرہ کے پاس پہنچا دیتے۔

محسن۔ہاں یہ کچھ عجیب سی بات ہے۔میں خود حیران ہوں۔

ڈاکٹر۔آپ کا مطلب میں نہیں سمجھا۔

محسن۔کچھ ایسا ہی معاملہ آ پڑا تھا۔

ڈاکٹر۔خیریت تو ہے؟ معاملہ کیسا؟

محسن نے تمام کیفیت ڈاکٹر کو سنا کر کہا۔بتایئے ایسی صورت میں وہ وہاں کیسے جا سکتی ہے۔

ڈاکٹر نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ دونوں کی ضد نے خاک میں ہم کو ملا دیا۔ کیا غضب کیا آپ لوگوں نے ادھر آپ کی بہن بیچاری پریشان ہوں گی۔ ادھر لڑکی غریب مشکل میں پڑ گئی۔

نوکر نے ناشتہ لا کر رکھا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ محسن صاحب آپ ناشتہ کیجیے۔ میں اب اسپتال جاتا ہوں، بارہ بجے تک واپس آؤں گا۔ اگر کہیں گھومنے پھرنے نہ جائیں تو میرے کمرہ میں آرام کریں۔

محسن۔ ڈاکٹر صاحب ایک بات تو بتایئے، آپ سیٹھ اسمٰعیل بڑ دوہ والے کو جانتے ہیں؟

ڈاکٹر۔ ہاں، ہاں خوب اچھی طرح پچھلے ہی مہینہ ان کی لڑکی کا علاج کیا تھا، آپ کو ان سے کچھ کام ہے؟

محسن۔ ہاں ذرا میں انکے ہاں جانا چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر۔ شام کو میرے ساتھ چلئے گا۔ کیا آپ کی ان سے ملاقات ہے؟

محسن۔ میں نے تو کبھی ان کی صورت نہیں دیکھی۔

ڈاکٹر۔ کوئی خاص کام ہے؟

محسن۔ سنا ہے ان کے ہاں کوئی لڑکا ٹھیرا ہوا ہے۔

ڈاکٹر نے متجسس نگاہوں سے محسن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ کو کیسے خبر ہوئی۔

محسن۔ خبر کا کیا ہے، بہت لوگ اس کو دیکھنے جا چکے ہیں مجھے بھی اشتیاق پیدا ہوا۔

ڈاکٹر۔ لوگ تو دیکھنے نہیں گئے لوگائیاں جاتی تھیں۔ مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا؟

محسن۔ ہاں سنا ہے، بے حد حسین ہے۔

ڈاکٹر (سنجیدگی سے) ہاں تھا تو خوبصورت مگر اب سیٹھ صاحب کے ہاں نہیں ہے۔

محسن۔ کہاں گیا۔؟

ڈاکٹر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ مجھے کیا خبر۔۔۔۔۔ اچھا محسن صاحب اب میں اسپتال جاتا ہوں۔ دوپہر کو ملاقات ہوگی۔

ڈاکٹر کیجانے کے بعد محسن سوچنے لگے۔ صبح جس لڑکے کو میں نے دیکھا تھا ضرور یہ وہی لڑکا ہے۔ ڈاکٹر نے اس طرف موٹر لے جانے پر بھی مجھے ٹوکا تھا۔ اس وقت میں نے پوچھا کہ وہ لڑکا کہاں ہے تو ڈاکٹر فوراً کھڑے ہوگئے ضرور کوئی راز ہے۔ خیر معلوم ہو جائیگا مگر میں تو افشاں کو مستقل طور پر یہاں رکھنے کے لیے لایا تھا۔ ایسی صورت میں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ وہ اب پردہ بھی نہیں کرتی۔ اگر وہ لڑکا یہیں رہتا ہے تو افشاں بھی اس کے سامنے آئے گی مجھے تو اس وقت اس کا موٹر کی طرف دیکھنا بھی ناگوار گذرا حالانکہ اتفاقیہ اس کی نگاہیں اُٹھ گئی تھیں۔ لڑکا درحقیقت خوبصورت ہے مہر تاج کو پسند آنا لازمی تھا میں نے تو صرف اس کی جھلک دیکھی تھی مگر اس کی صورت میں ایسی کشش ہے کہ دل چاہتا ہے دوبارہ دیکھوں۔ افشاں کی صورت میں بھی ایسی ہی کشش ہے، دو کششوں کے ایک ساتھ رہنے میں ٹکرانے کا اندیشہ ہے، میں اس کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا میری پوری ذمہ داری ہے وہ اب شادی شدہ ہے۔ اسی وجہ سے میں نے زرتاج کے پاس بھی نہیں چھوڑا خیالات کو بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی۔

محسن بڑی دیر تک خیالات میں غرق رہے۔

مسز کرمنی افشاں کو ناشتہ کے بعد اپنے سونے کے کمرہ میں لے آئیں۔ انہوں نے اصرار کرکے اس کو مسہری پر لٹا دیا۔ خود اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ وہ اب اردو صاف بولنے لگی تھیں لباس بھی ہندوستانی پہنتی تھیں۔ اس مرتبہ افشاں نے کوٹھی میں کچھ تبدیلیاں دیکھیں مثلاً مسز کرمانی کے سونے کے کمرہ میں ان کپڑوں کی الماری اور ڈریسنگ ٹیبل بھی لگی ہوئی تھی ان سے پوچھا۔ چچی جان آپ نے یہ سب

سامان اس کمرہ میں کیوں رکھ لیا ہے؟

مسز کرمانی نے جواب دیا۔ایک کمرہ میں مہمان ٹھہرے ہوئے ہیں۔

افشاں نے کہا۔آپ کے ہاں تو مہمانوں کے لیے باہر والا کمرہ تھا۔

مسز کرمانی نے کہا۔وہ کمرہ سڑک کی طرف ہے۔

افشاں نے کہا۔کیا کوئی خاص مہمان اندر کی طرف رہنے والے ٹھیرے ہیں۔

مسز کرمانی نے کہا۔ہاں انہوں نے وہ رخ پسند کیا ہے۔

افشاں نے پوچھا۔کیا کوئی زیادہ پردہ کرنے والے لوگ ہیں۔

مسز کرمانی نے بات بتاتے ہوئے کہا۔زیادہ پردہ کیا بس انہیں وہ ہی کمرہ پسند آیا۔

افشاں خاموش ہوگئی اس نے اور کوئی سوال نہیں کیا۔وہ سمجھ گئی یہ بتانا نہیں چاہتیں۔

دوپہر کو ڈاکٹر کرمانی نے اسپتال سے واپس آکر افشاں کو دیکھا اور محسن کو اطمینان دلایا کہ،کوئی فکر کی بات نہیں ہے لیکن ایک مشورہ آپ کو میرا ماننا پڑے گا۔لڑکی کو مستقل یہاں چھوڑ دیجیے۔

محسن۔میں تو خود اسی ارادہ سے لایا تھا۔لیکن۔

ڈاکٹر نے بات کاٹ کر کہا۔لایا تھا۔لیکن کے کیا معنی؟ کیا اب ارادہ بدل دیا؟

محسن۔آپ کے جانے کے بعد اسی فکر میں ہوں۔

ڈاکٹر۔فکر کیسی،کیا میرے جانے کے بعد کوئی خاص بات ہوئی؟

محسن۔آپ کیجانے کے بعد تو کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔صبح جس وقت آیا ہوں میں نے برآمدہ میں ایک لڑکے کو دیکھا تھا۔

ڈاکٹر۔لڑکے کو یا لڑکی کو؟

محسن۔کیا کوئی لڑکی بھی آپ کے ہاں ہے؟

ڈاکٹر۔صبح آپ نے جس کو برآمدہ میں بیٹھے دیکھا تھا وہ لڑکی ہی تو تھی۔

محسن۔اب مجھے اپنی آنکھوں کا علاج کروانا پڑے گا۔

ڈاکٹر۔(مسکرا کر) کیا واقعی وہ آپ کو لڑکا معلوم ہوا تھا؟

محسن۔ڈاکٹر کیوں میری آنکھوں میں خاک جھونکتے ہو، اس کو کون لڑکی کہہ سکتا ہے۔

ڈاکٹر۔قہقہہ لگا کر۔محسن صاحب آپ نے تو ہمارا بنایا کھیل بگاڑ دیا خدا کے واسطے اس کو لڑکا نہ کہیے۔

محسن۔اگر آپ نے مصلحتاً اس کو لڑکی مشہور کیا ہے تو خیر مگر اس وقت تو وہ لڑکا ہی معلوم ہو رہا تھا کچھ مجھے بھی تو بتائیے کیا قصہ ہے؟

ڈاکٹر۔ارے صاحب میں تو بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں آپ ہی اس کو اپنے ساتھ لیجائیے۔

محسن۔آپ مجھے بتائیے تو سہی کونسی مشکل میں آپ پھنس گئے۔

ڈاکٹر نے اپنی کرسی محسن کے قریب کرتے ہوئے کہا۔یہ وہی لڑکا ہے جس کو دیکھنے کا آپکو اشتیاق تھا۔

محسن۔ہاں میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔کہ کہیں یہ وہی تو نہیں ہے، مگر یہ آپ کے ہاں کیسے آیا۔

ڈاکٹر۔آپ جانتے ہیں یہ کون ہے۔اٹلی کا بھاگا ہوا قیدی۔

محسن۔حیرت سے۔اٹلی کا بھاگا ہوا قیدی؟اس کو آپ نے کیوں رکھ چھوڑا ہے۔ یہ سیٹھ صاحب کے یہاں کیسے آیا؟

ڈاکٹر۔سنا ہے ان کی لڑکی کہیں سے اپنے ساتھ لائی تھیں اور اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھیں۔

محسن۔سیٹھ صاحب کو خبر نہیں تھی کہ یہ کون ہے۔

ڈاکٹر۔انکی صاحبزادی نے اپنی سہیلی کا بھائی بتایا تھا۔آپ کیا پوچھتے ہیں سیٹھ صاحب کیہاں یہ حالت تھی۔گویا برسات کے موسم میں روشنی پر پتنگے گریں۔ لڑکیوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔

محسن۔لڑکیوں کی بھی عجیب حالت ہوگئی ہے۔

ڈاکٹر۔قہقہہ لگا کر۔آپ لڑکیوں کو کہتے ہیں۔ارے صاحب شادی شدہ عورتیں اپنے بچوں کو چھوڑ چھوڑ کر شوہروں سے طلاقیں لے لے کر فوجیوں کا دل خوش کرنے جا رہی ہیں۔یہ غنیمت ہے کہ میری بیوی لنگڑی ہے۔

محسن۔مسکرا کر۔یہ تو دوسرے قصے نکل آئے آپ مجھے یہ بتائیے یہ لڑکا آپ کے ہاں کیسے آیا؟

ڈاکٹر۔سیٹھ صاحب کے ہاں سے میرے تعلقات ہیں ان کی بیوی نے برازدارانہ طریقہ سے مجھ سے ذکر کیا اور کہا اس کو کسی طریقہ سے یہاں سے نکلو دو۔میں اس کو اپنے ہاں لے آیا۔

محسن۔لے آنے میں کوئی ہرج نہیں ہے مگر اپنے ہاں کیوں رکھ چھوڑا ہے چلتا کیا ہوتا۔

ڈاکٹر۔لایا تو اسی خیال سے تھا مگر اس کی کسی پر مجھ کو اور نورا کو رحم آ گیا، کمبختوں نے بالکل ہی بچے فوج میں بھر لئے ہیں۔اسی وجہ سے لاکھوں کی تعداد میں قیدی بن بن کر آ رہے ہیں۔

محسن۔آپ بھی عجیب آدمی ہیں یہ خیال نہیں کرتے کس قدر جرم کا کام ہے۔اگر کسی کو خبر ہوگئی ہو تو؟

ڈاکٹر۔ہنسکر۔میں نے تو اس کو لڑکی بنا کر رکھا ہے۔

محسن۔کوئی آنکھوں کا اندھا ہوگا۔جو اس کو لڑکی سمجھے گا۔

ڈاکٹر۔قہقہہ لگا کر۔وہ تو اتفاق تھا کہ آپ نے اس کو ڈریسنگ گاؤن میں دیکھ

لیا۔ اگر ساڑی میں دیکھتے تو کبھی لڑکا نہ کہتے۔

محسن۔ مگر آپ نے اس کو اس طرح برآمدہ میں بیٹھنے کی اجازت کیوں دے رکھی ہے۔

ڈاکٹر۔ اس طرف ہر شخص کو جانے کی ممانعت ہے ہم لوگوں نے نوکروں سے کہہ دیا ہے کہ پردہ نشیں مستورات ٹھیری ہوئی ہیں۔

محسن۔ اگر کوئی اتفاق سے ادھر آجائے تو کیا ہو۔

ڈاکٹر ہنسکر۔ ہو کیا۔ یہ خیال کریں کہ کوئی لڑکا ہے، آپ کی طرح جرح تو کوئی نہ کرے۔

محسن۔ لیکن اس کو اپنے ہاں رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔

ڈاکٹر۔ ہاں یہ تو میں بھی جانتا ہوں مگر آپ یہ تو بتایئے آپکو اس لڑکے کی خبر کیسے ہوئی؟

محسن نے زرتاج بیگم سے جو کچھ سنا تھا وہ ڈاکٹر کو بتایا...... ڈاکٹر نے ہنسکر کہا۔

''اچھا آپ کی سالی صاحبہ بھی سیٹھ صاحب کے ہاں جا چکی ہیں۔

محسن۔ وہ خیریت ہوئی کہ لڑکیوں کو لے کر نہ پہنچیں۔

ڈاکٹر۔ اچھا۔ اس قصہ کو ختم کیجئے اب یہ بتایئے کہ لڑکی کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔

محسن۔ رائے کیسی۔

ڈاکٹر۔ آپ نے افشاں کی شادی کو راز میں رکھا ہے اور اب خدا کے فضل سے اس کو حمل ہے۔

محسن۔ گھبرا کر۔ اچھا یہ تو بڑی مشکل ہوئی

ڈاکٹر ہنسکر۔ مشکل، ارے صاحب بہت اچھا ہوا بڑی خوشی کی بات ہے۔

محسن۔ کچھ سوچکر۔ ہاں، اچھا تو ہوا مگر میں اس کو نو دس مہینے کہاں رکھونگا۔؟

ڈاکٹر۔ میرے ہاں رکھئے اور کہاں رکھیں گے؟

محسن۔ یہ خیال تو میرا پہلے بھی تھا، میں اس کو زرتاج بیگم کے پاس رکھنا نہیں چاہتا۔ مگر اب آپ کے ہاں وہ لڑکا جو ہے۔

ڈاکٹر۔ ہنسکر۔ محسن صاحب آپ بھی عجیب آدمی ہیں اس لڑکے کا کیا ہے کچھ دن کے واسطے میں نے رکھ لیا ہے ادھر ادھر کر دونگا ہیں تو کہہ رہا ہوں آپ لے جائیے۔

محسن۔ ہنسکر۔ میں لے جاؤں ابھی آپ نے سن نہیں لیا۔ سالی صاحب تو اس کی گرویدہ وہ پہلے ہو چکی ہیں۔

ڈاکٹر۔ خیر آپ فکر نہ کریں۔ اس کا میں کوئی نہ کوئی بندوبست کر دوں گا۔

محسن خاموش ہو گئے۔۔۔ دوپہر کے کھانے پر جنگ کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔

فرخ کی طرف سے محسن کو بہت پریشانی تھی وہ محاذ پر تھے بایک مہینہ سے خط بھی نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹر ان کو تسلی دیتے رہے۔۔ شام کو چند ابائی افشاں کا سامان لے کر آ گئی۔ زرتاج بیگم شہریار کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ محسن افشاں کی تنہائی کے خیال سے اس کو یہاں لے کر آئے تھے۔ مگر اس لڑکے کو دیکھ کر ان کو فکر ہو گئی۔ ڈاکٹر اور انکی بیوی نے ہر طرح کا اطمینان دلایا اور وعدہ کیا کہ اس لڑکے کو دوسری جگہ بھیجدیں گے۔ مگر محسن کو یقین نہیں آیا۔ وہ افشاں کو اپنے ساتھ واپس لے گئے اور ڈاکٹر سے کہہ گئے کہ جب اس لڑکے کا کوئی انتظام ہو جائے تو مجھے تو تار دے دینا۔

سینتیسواں باب

فرخ کو گئے ہوئے چھ مہینے سے زیادہ گزر گئے اس عرصہ میں وہ ایک مرتبہ قید بھی ہوئے تین مہینے تک گھر والوں کو ان کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ سب ان کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے۔ مگر ایک دم جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ اٹلی کے مورچہ پر ہندوستانی فوجیں آگے بڑھنی شروع ہوئیں۔ اپنے قیدیوں کو آزاد کرالیا۔ فرخ بھی کیمپ میں واپس آ گئے ان کا خط بھی باقاعدہ آ نے لگا۔ گھر والوں کو اطمینان ہوا۔

رضا علی فوجیوں کو اطالوی زبان سکھلانے کے واسطے معقول معاوضے پر ملازم ہو گئے تھے ان کو آجکل مصروفیت زیادہ تھی علاوہ بریں جب سے انہوں نے فرخ کے لڑائی پر جانے کے وجوہات سنے تھے وہ اپنی بہن سے کشیدہ رہتے تھے۔ نصیرہ بیگم نے سید صاحب کے ہاں آنا جانا کم کر دیا تھا۔ آج اتوار کا دن ہے انہوں نے رضا علی کو کھانے پر بلایا۔ دوران گفتگو میں نصیرہ بیگم نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ میاں بیس برس تو تم پردیس میں رہے اپنی زندگی میں ملنے کی امید ہی نہیں رہی تھی۔ یہاں آتے ہی تم اپنی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے دنوں تمہاری شکل کو ترستی ہوں اٹھوارے گذر جاتے ہیں مگر میرے ہاں نہیں آتے۔

رضا علی نے کہا۔ مجھے آجکل فرصت نہیں ہوتی کہیں آجا نہیں سکتا۔

نصیرہ بیگم۔ ہاں بھائی یہ تو میں بھی جانتی ہوں میرا بھتراتمہارے اور حسن آرا کے لیے دل ٹوٹتا ہے میں خود ہی دو چار دن جا کر رہ آتی مگر میری طرف سے وہاں سب کو بدگمانی ہوگئی ہے اس سے جی شرمندہ سا رہتا ہے۔ میں تم سے ایمان سے کہتی ہوں میاں محسن کا رویہ فرخ کے ساتھ ایسا خراب تھا کہ میں گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ خدا اس کی عمر دراز کرے وہ جان کی سلامتی میں واپس آئے میرا جو رشتہ فرخ سے ہے وہ میاں محسن سے نہیں ہے مجھے اپنے بچے کی ذلت بری معلوم ہوتی ہے۔

رضا علی۔ خیر گزرنے دیجئے قصول کو چھوڑیے۔ اب تو اس کی واپسی کی دعا کیجئے۔

نصیرہ بیگم۔ میاں یہ بھی تمہارے کہنے کی بات ہے خدا جانتا ہے ہر سانس میں یہی صدا نکلتی ہے خدا تمہاری اور حسن آرا کی مامتا ٹھنڈی رکھے اور تم دونوں اپنے بچے کی بہاریں دیکھو۔ اللہ اس کے ایک دم میں ہزار و دم کرے۔ میں تم سچ کہتی ہوں حسن آرا کے لیے ہر وقت جی کڑھتا ہے۔ بھتیجی کو اپنی اولاد سے زیادہ چاہا تین مہینے کی کیڑے کو پال پوس کر جوان کیا نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات مگر قسمت کی بات ہے اس نے بھی طوطے کے سے دیدے بدل لئے۔

رضا علی۔ دیدے کس نے بدل لئے۔

نصیرہ بیگم۔ محسن کی لڑکی کو کہہ رہی ہوں۔ فرخ کے جانے کے بعد بھی نہ آئی۔

رضا علی۔ اس کا کیا قصور ہے ابھی یہاں سے کسی نے بلایا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرخ کو واپس لائے تو وہ یہاں آئے۔

نصیرہ بیگم۔ اے بھائی کیا باتیں کرتے ہو۔ اگر وہ آنا چاہتی اور اس کے دل میں پھوپھی کی محبت ہوتی تو وہ پہلے ہی آ گئی ہوتی فرخ کی واپسی پر کیا آئے گی۔

رضا علی۔ فرخ کی واپسی پر کیوں نہیں آئے گی؟

نصیرہ بیگم۔ اب تم سے کیا کہوں میں نے تو کچھ اور ہی سنا ہے۔

رضا علی۔ آپ نے کیا خبر سنی ہے؟

نصیرہ بیگم۔ کیا بتاؤں مجھے پہلے ہی لوگوں نے بدنام کر رکھا ہے اب یہ قصہ سناؤں گی تو آپا روشن آرا میری چندیا پر ایک بال بھی نہیں چھوڑیں گی۔

رضا علی۔ یہاں تو آپا روشن آرا نہیں ہیں جو کچھ واقعہ ہے آپ کو مجھے بتانا چاہیے اب تو میں یہاں موجود ہوں۔

نصیرہ بیگم۔ مگر بھائی خود تحقیق کر لو خواہ مخواہ یہ نہ ہو کہ بہن کے ہاں گئے تھے۔ انہوں نے یہ شگوفہ چھوڑا۔

رضا علی۔ آپ مجھے بتائیے تو قصہ کیا ہے۔

نصیرہ بیگم۔ میاں محسن نے افشاں کی شادی کر دی ہے۔

رضا علی۔ متحیر ہو کر۔ شادی کر دی ہے۔ آپ کو کیسے خبر ہوئی؟

نصیرہ بیگم۔ محسن کو بیوی نے لکھا ہے۔

رضا علی۔ محسن تو ایسی نہیں کر سکتے یہ ان کی بیوی کی چال معلوم ہوتی ہے۔

نصیرہ بیگم۔ بیوی بیچاری کو تو خبر بھی نہیں کی وہ تو اس لڑکے سے اپنی بیٹی کی نسبت طے کر رہی تھیں مگر میاں محسن نے پہلے تو افشاں کو ان کے پاس سے لے جا کر اپنے کسی دوست کے ہاں بمبئی رکھا پھر وہیں چپکے سے اس کی شادی کر دی۔

رضا علی نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ ذرا مجھے محسن کی بیوی کا خط تو دکھائیے۔ نصیرہ بیگم نے اپنے صندوقچہ میں سے زرتاج بیگم کا خط نکال کر رضا علی کے ہاتھ میں دے دیا خط پڑھ کر انہوں نے کہا یہ تعجب ہے لڑکی کیسے راضی ہو گئی۔

نصیرہ بیگم۔ لڑکی کے راضی ہونے کیا کیا ہے۔ بس پھوپھیوں نے اس کا نکاح کروا دیا تو وہ کچھ نہیں بولی۔ وہاں باپ کے آگے کیا بولتی۔ چچی اماں کو خدا بخشے انہوں نے اس کی پرورش ہی ایسی کی ہے۔

رضا علی۔ نہیں آپا۔ یہ بات میں کبھی نہیں مان سکتا دراصل اس کی مرضی ہی فرخ سے نہ ہوگی۔

نصیرہ بیگم۔ مسکرا کر۔ آپا روشن آرا کی زبردستی سے انگوٹھی پہنائی گئی تھی وہ تو منگنی کے موقعہ پر بھی بہت روئی جھینکی۔

رضا علی۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ محسن ایسی نامعقول حرکت کریں گے۔

نصیرہ بیگم۔ محسن پہلے ہی کب چاہتے تھے کہ فرخ سے ہو۔

رضا علی۔ مگر سنا ہے بعد میں تو راضی ہو گئے تھے۔

نصیرہ بیگم۔ راضی کیا ہو گئے تھے انہیں مجبور ہونا پڑا تھا۔ اپنے باپ کے خیال سے اس وقت نہیں بولے۔ اب یہ سنہری موقعہ ہاتھ آیا انہوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔

رضا علی۔ میں محسن کو ایسا نہیں سمجھتا تھا کم از کم انہیں ایک سال تو فرخ کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔

نصیرہ بیگم۔ ارے بھائی وہ انتظار کیوں کرتے۔ میں تو کہتی ہوں انہوں نے اسی وجہ سے جلدی سے کر دیا کہ فرخ کے آنے کے بعد بھائی بہنیں زور دیں گے۔

رضا علی نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اس وقات بہت غصہ میں تھے انہوں نے زرتاج بیگم کیا خط جیب میں رکھتے ہوئےکہا۔ میں یہ لئے جاتا ہوں وہاں دکھانا ہے۔

نصیرہ بیگم۔ شوق سے لے جاؤ میں منع نہیں کرتی مگر میرا نام نہ ہو۔

رضا علی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ آپ کا نام کیوں ہونے لگا یہ خط موجود ہے۔

گھر میں آ کر رضا علی نے عابد حسن اور روشن آرا کو بلا کر زرتاج بیگم کا خط ان کے آگے ڈال دیا عابد حسن نے پوچھا۔ کیا فرخ کا خط ہے؟

رضا علی نے کہا۔ پڑھ کر دیکھئے کس کا ہے۔

عابد حسن نے خط پڑھ کر خاموشی سے اپنی بیوی کو دے دیا۔ روشن آرا اور حسن آرا سکتہ کے عالم میں رہ گئیں رضا علی نے غصہ کے لہجہ میں کہا۔ اب آپ لوگوں کی رائے ہے؟

رضا علی۔ کیا محسن کی بیوی اتنی بڑی بات غلط لکھ سکتی ہیں؟

عابد حسن۔ میری رائے میں تم خود جا کر تحقیق کرو۔

رضا علی۔ مجھے تو کوئی ضرورت نہیں ہے آپ ہی لوگوں کی موجودگی میں نکاح ہوا تھا آپ ہی تحقیق کریں میں تو اس فکر میں ہوں کہ اگر فرخ زندہ واپس آ گیا تو وہ کیا کرے گا۔ صرف نکاح فسخ کرانے کے لفظ پر تو اس نیا پنی جان خطرہ میں ڈال دی وہ لڑکی کو زندگی نہیں چھوڑ سکتا۔

عابد حسن کو بھی رضا علی کی گفتگو پر غصہ آ گیا انہوں نے کہا۔ میں مجھے بھی ضرورت

نہیں ہے خدا کا شکر ہے میری کوئی لڑکی فرخ کے لیے نہیں بیٹھی تحقیق کریں یا نہ کریں۔ نصیرہ بیگم کریں جن کو شروع سے اس معاملہ میں دلچسپی ہے۔

رضا علی۔ وہ تو پہلے ہی کہہ رہی تھیں کہ الزام انہیں کے اوپر آئے گا حالانکہ محسن کی بیوی نے خود ان کو اطلاع دی ہے۔

روشن آرا۔ نہیں بھئی انکو کون الزام دیتا ہے مگر تحقیق تو کرنی چاہیے۔

عابد حسن۔ ہاں ہاں ضرور تحقیق کرو کون منع کرتا ہے۔

رضا علی۔ شاید آپ کو یقین نہیں۔

عابد حسن۔ میں محسن کو ایسا کم ظرف نہیں سمجھتا۔ ممکن ہے انہوں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا ہو۔

روشن آرا۔ میں ابھی محسن کو خط لکھ کر دریافت کرتی ہوں۔

رضا علی۔ وہ کیا آپ کو لکھ دیں گے؟

روشن آرا۔ لکھیں گے کیوں نہیں۔ یہ بات کوئی چھپنے والی ہے۔ اب نہیں دو چار مہینے کے بعد خدا فرخ کو خیر سے واپس لائے وہ کہاں تک چھپائیں گے۔

حسن آرا کی اس وقت یہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں بالکل خاموش پتھر کی طرح بیٹھی تھیں رضا علی ان سے کہا۔ تم کیوں اس قدر پریشان ہو جب اس لڑکی کو تمہاری محبت نہیں تو تمہیں رنج کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

حسن آرا۔ اگر حقیقت میں یہ بات صحیح ہے تو اس کا انجام کیا ہوگا فرخ کو کس قدر رنج ہوگا۔

عابد حسن۔ تم بے فکر رہو ہم لوگ غلطی پر تھے جس طرح افشاں نے خاموشی سے اپنی شادی کرالی اسی طرح فرخ بھی دوسری جگہ اپنی مرضی سے کرلے گا۔ دراصل چچی جان اور نصیرہ بیگم کا کہنا ٹھیک تھا۔

روشن آرا۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اگر افشاں کے اوپر زبردستی کی جاتی تو وہ کم از کم

ہم لوگوں کو تو لکھتی۔

حسن آرا۔ کیا خبر اس کو کس قید میں رکھا تھا وہ کیسے اطلاع کرتی۔

رضا علی۔ تم اب بھی اس لڑکی کی طرف سے خوش عقیدہ ہو۔

حسن آرا نے آہستہ سے کہا۔ چاہے کوئی جلتے توے پر بیٹھ جائے میں کبھی نہیں مانوں گی کہ اس کی مرضی سے شادی ہوئی ہوگی۔

روشن آرا۔ مجھے تعجب ہے کہ زرتاج بیگم نے براہ راست یہاں کیوں نہیں لکھا۔

رضا علی۔ خط تو انہیں کا ہے آپا نے کوئی جعلی خط نہیں بنا لیا۔ اگر براہ راست انکا خط آتا جب بھی آپ لوگوں کو یقین نہیں آتا۔

روشن آرا۔ یہ کون کہتا ہے کہ جعلی خط ہے مگر مجھے تو زرتاج بیگم پر غصہ آ رہا ہے۔ انہیں چاہیے تھا مجھے خط لکھتیں۔

رضا علی۔ اطلاع تب بھی یہی ہوتی۔

روشن آرا۔ اطلاع تو یہی ہوتی مگر وہ خط لے کر محسن کے پاس جاتی، ان کو لعنت ملامت کرتی افشاں کی اچھی خبر لیتی میری آنکھوں میں تو وہی وقت پھر رہا ہے جب ابا جان نے نزع کی حالت میں اس کا نکاح کیا تھا وہ دادا دادی کی شفقت بھول گئی کیا دنیا میں ایسے ہی خون سفید ہو گئے ہیں۔ میں نے تو جس وقت سے یہ خط پڑھا ہے خدا جانتا ہے میرا خون کھول رہا ہے۔ ابا جان نے لڑکا لڑکی دونوں کی مرضی معلوم کر کے نکاح کیا تھا۔ افشاں کے گلے پر کسی نے چھری نہیں رکھی تھی نہ یہاں کوئی ایسا جاہل اور خود غرض تھا کہ اس کے اوپر جبر کرتا۔

رضا علی۔ مسکرا کر۔ آپا جان آپ اس وقت فضول باتیں کر رہی ہیں۔ محسن اور افشاں سے کہنے کی اب کیا گنجائش ہے کئی مہینے اس کی شادی کو گذر گئے جو ہونا تھا وہ ہو چکا آئندہ کی فکر کیجئے۔ فرخ کی واپسی پر جو ہنگامہ ہوگا اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

حسن آرا۔ اب تک تو میں خدا کے بھروسہ پر بیٹھی رہی لیکن یہ خبر ایسی ہے کہ ابھی سے میرے پیٹ میں ہول اٹھنے شروع ہو گئے۔ اگر خدا نے وہاں سے بچے کو زندہ واپس بھیج دیا تو یہاں آ کر اس کی جان کی خیر نہیں۔

روشن آرا نے عابد حسن سے کہا۔ مجھے تمہارے اوپر غصہ آ رہا ہے نہ کوئی مشورہ دو نہ ڈھنگ کی بات بتاؤ۔ آخر ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہیے۔ میں خود محسن کے پاس جاؤں

عابد حسن۔ میں کیا مشورہ دوں اب تو کوئی گنجائش نہیں رہی۔ تمہارا دل چاہ رہا ہے تم شوق سے جاؤ میں منع نہیں کرتا۔ تم بہن ہو وہ بھائی ہیں اگر ہاتھ پکڑ کر نکال دیں گے تو تمہیں برا نہیں لگے گا۔ میں خود اس معاملہ میں دخل دینا نہیں چاہتا پہلے ہی بہت کچھ انعامات مل چکے ہیں اب خواہش نہیں۔

حسن۔ آرا۔ بھائی جان کو سارا قصہ لکھئے جو کچھ وہ کہیں وہ کیا جائے۔

روشن آرا نہیں میں تو پہلے محسن ہی سے دریافت کرتی ہوں میرا تو دل نہیں چاہتا کہ شہر در شہر یہ خبر پھیلائی جائے۔

حسن آرا خاموش ہو گئیں۔ روشن آرا نے اسی وقت محسن کو خط لکھا زر تاج بیگم کے خط کا حوالہ دے کر ان سے معاملہ کی اصلیت پچھوائی غصہ میں دو چار فقرے ان کو لعنت ملامت کے بھی لکھ دیئے۔ ایک ہفتہ کے بعد محسن کا خط ایسے مضمون کا آیا کہ سوا رضا علی کے تمام گھر والوں پر اوس پڑ گئی، حسن آرا کی روتے روتے بری حالت ہو گئی انہوں نے لکھا تھا۔ جو خبر آپ نے سنی ہے وہ صحیح ہے، میرے معاملہ میں کسی کو دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ یہاں آنے کی کوئی صاحب تکلیف نہ فرمائیں۔ فرخ کے آنے پر سب کو خود معلوم ہو جائیگا۔

احسن ممتاز کو بھیجدیا وہ بھی یہ خبر سنکر حیران رہ گئے بھائی کو بہت کچھ سخت سست لکھا سب نے فیصلہ کرلیا کہ تمام عمر محسن سے قطع تعلق رکھیں گے۔۔۔نصیرہ بیگم کی گویا مراد بر آئی سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا۔ابھی تک حمیدہ کی نسبت کہیں نہیں ٹھیری تھی، چپکے چپکے جہیز سلنا شروع ہو گیا۔راتوں کو دروازے بند کرکے دوپٹے ٹانکنے لگیں۔ایک ایک دو دو برتنوں میں قلعی بھی ہونے لگیں۔جنگ کی وجہ سے ہر چیز ناپید تھی مگر نصیرہ بیگم نے کسی نہ کسی ترکیب سے شکر اور چاول منگوا رکھ لئے۔۔۔حسن آرا کے پاس آمد و رفت باقاعدہ شروع کردی لڑکیاں بھی اتوار کے دن صبح سے آجاتی تھیں کہیں ان کے سر میں تیل دبا رہی ہیں کہیں دوپٹے رنگ کر چن رہی ہیں، کہیں ان کے کمرہ کی صفائی ہو رہی ہے۔رضا علی کے واسطے ناشتہ پر قسم قسم کے پکوان تلتی تھیں۔کیک بنا کر اپنے گھر سے لاتی تھیں بھانجیوں کے سلیقہ کی وہ خوب داد دیتے تھے۔مگر ہر وقت فکرمند رہتے تھے۔حسن آرا کو ایسا رنج ہوا تھا کہ وہ بالکل پلنگ سے لگ گئی تھیں، روشن آرا ہر وقت ان کو سمجھاتی رہتی تھیں۔

گلشن آرا کی نسبت ایک سال سے ٹھیری ہوئی تھی۔عابد حسن نے نہایت سادگی اور خاموشی سے ان کی شادی کردی احسن ممتاز تک کو نہیں بلایا۔

اڑتیسواں باب

اس وقت رات کے نو بجے ہوں گے۔ محسن کچھ متفکر اور خاموش ڈاکٹر کرمانی کی کوٹھی کے احاطہ میں ٹہل رہے ہیں اور بار بار اپنی گھڑی دیکھتے جاتے ہیں وہ بغیر ارادہ کے ٹہلتے ٹہلتے سرونٹ کوارٹروں کی طرف چلے گئے۔ ایک کوارٹر کے قریب پہنچ کر وہ ٹھٹک گئے اور کچھ متحیر کھڑے ہو کر دیکھنے لگے۔ ایک طرف بہت خوبصورت پلنگ پوش پڑی تھی۔ مسہری بچھی تھی دوسری طرف کونے میں میز کرسی رکھی تھی ٹیبل لیمپ جل رہا تھا اس کی دودھیا روشنی میں ایسا ایک جاذب نظرہ چہرہ محسن کو دیکھا کہ ان کے قدم وہیں گڑ گئے۔۔۔۔ ایک حسین نوجوان کتاب کا مطالعہ میں مصروف تھا...... بارہ اندھیرا تھا۔ محسن محویت کے عالم میں کھڑے اس کی صورت دیکھتے رہے وہ اس وقت اپنی پریشانی بھول گئے۔ نوجوان نے کتاب کا ورق پلٹا اس کی انگلیوں کی حرکت سے لیمپ کی روشنی سے ٹکرائی ایک چمک بالکل قوس وقزح کی سی محسن کی آنکھوں پر پڑی۔ انہوں نے گھبرا کر اپنا منہ دوسری طرف کر لیا...... یہ کیا چیز تھی۔ محسن نے غور سے دیکھا۔ پانچ ہیروں کی انگوٹھی لیمپ کی روشنی میں نوجوان کی انگلی میں چمک رہی تھی۔۔۔ بغیر سوچے محسن غصہ سے آپے سے باہر ہو گئے۔ یہ انگوٹھی تو میں نے افشاں کو دی تھی اس کے پاس کہاں سے آئی؟ کیا افشاں نے اس کو دیدی؟ ڈاکٹر نے میرے ساتھ دھوکہ کیا۔ اس اٹلی کے قیدی کو سرونٹ کوارٹر میں چھپا کر رکھا اور مجھ سے کہہ دیا کہ وہ بھاگ گیا۔ میں نے لڑکی کی یہاں پہنچا دیا۔ مگر افشاں تو نہیں ہے۔ وہ انگوٹھی اس کی ماں کی نشانی کہہ کر میں نے اس کو دی تھی...... محسن سوچنے لگے...... ایک مرتبہ انہوں نے پھر نوجوان کی انگلی کی طرف دیکھا...... ایک دم انکے خیالات نے پلٹا کھایا...... اب میں سمجھ گیا۔ افشاں نے یہ انگوٹھی فرخ کو دے دی ہوگی۔ اور اس قیدی نے فرخ کو مارنے کے بعد اس کی انگلی سے اتار لی ہوگی ضرور یہی بات ہے۔ خیر جو کچھ بھی ہو اس قیدی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ڈاکٹر نے مار

آستین پالا ہے۔۔۔۔محسن تیز تیز قدموں سے برآمدہ میں آئے وہ سیدھے کمرہ میں گئے اپنا سوٹ کیس کھول کر چھوٹا پستول ہاتھ میں لے کر باہر نکلے۔۔۔۔۔دوسرے کمرہ سے ڈاکٹر ہنستے ہوئے نکلے۔محسن صاحب نواسہ مبارک ہو،محسن بغیر کوئی جواب دیے آگے بڑھ گئے۔ان کی چال خلاف معمول تیز اٹھی۔ڈاکٹر بھی اسی تیز رفتاری سے انکے پیچھے چلے۔محسن صاحب آپ کہاں جارہے ہیں۔افشاں کے ہاں لڑکا ہوا ہے۔آیئے میں بچہ کو دیکھنے جارہا ہوں۔

محسن کچھ نہیں بولے سرونٹ کوارٹروں کا رخ کیا۔ڈاکٹر نے دوڑ کر انکا بازو پکڑ لیا۔ارے یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے۔ڈاکٹر نے گھبرا کر کہا۔

محسن نے اپنے بازو کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔آپ نے مجھے دھوکہ دیا میرے دشمن کو اپنے گھر میں چھپا رکھا۔

ڈاکٹر سمجھ کہ انہوں نے اس لڑکیکو دیکھ لیا ہے۔مگر وہ ان کا دشمن کیسے ہوگیا۔ضرور کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔انہوں نے محسن کیا ہاتھ سے پستول لینے کی کوشش کی اور کہا۔آپ کا دماغ صحیح ہے یا پھر کوئی دورہ پڑ گیا؟

محسن نے غصہ کے لہجہ میں کہا۔میں بغیر مارے اس کو نہیں چھوڑوں گا۔

ڈاکٹر۔اس غریب نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔

محسن۔جب آپ کو معاملہ کی اصلیت نہیں معلوم تو بیچ میں دخل کیوں دیتے ہیں۔

ڈاکٹر نے محسن کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔وہ معاملہ کیا ہے کچھ بتایئے تو سہی؟

محسن۔اس قیدی کے ہاتھ سے فرخ کی جان گئی۔

ڈاکٹر۔آپ سے کس نے کہا؟

محسن۔مجھے معلوم ہوگیا۔

ڈاکٹر۔کس طریقہ سے۔

محسن۔میں نے اس کی انگلی میں فرخ کی انگوٹھی دیکھی۔

ڈاکٹر۔(حیرت سے)فرخ کی انگوٹھی۔؟

محسن۔ہاں۔

ڈاکٹر نے کچھ سوچ کر کہا۔آپ بکواس کرتے ہیں۔اس قیدی کی یہاں موجودگی میں فرخ کا خط آیا ہے اس کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا۔

محسن کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ڈاکٹر نے ایک جھٹکے میں پستول ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔چلئے اندر ذرا سے شبہ میں ایک بیکس کی جان لینے چلے تھے حقیقت میں آپ کا دماغ خراب ہے۔

محسن نے ڈاکٹر کے ساتھ واپس لوٹتے ہوئے کہا۔میرا دماغ خراب نہیں ہے۔اس کی انگلی میں وہی انگوٹھی ہے جو میں نے افشاں کو دی تھی۔

ڈاکٹر۔ابھی تو آپ کہہ رہے تھے فرخ کی انگوٹھی ہے اب وہ افشاں کی ہو گئی؟

محسن۔میں نے تو افشاں ہی کو دی تھی۔شاید اس نے فرخ کو دے دی ہو گی۔

ڈاکٹر۔آپ بھی عجیب آدمی ہیں ذرا سے شبہ پر اس کو مارنے چلے تھے۔آپ بیرسٹر ہیں یا ڈکٹیٹر۔

محسن۔آپ ہی بتایئے اس کے پاس وہ انگوٹھی کہاں سے آئی یا تو افشاں نے خود اس کو دی ہے۔یا فرخ کے پاس سے اس نے لی ہے دونوں صورتوں میں وہ سزا کا مستحق ہے۔

ڈاکٹر۔کیا وہ انگوٹھی اس کی نہیں ہو سکتی۔

محسن۔ہرگز نہیں آپ مسز کرمانی سے کہیے وہ افشاں سے دریافت کریں کہ وہ انگوٹھی کہاں ہے۔

ڈاکٹر۔آپ کیسی بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں افشاں سے اس وقت کچھ نہیں پوچھا جا سکتا۔آپ کو کچھ خبر تو ہے نہیں۔بچہ کافی تندرست ہوا ہے مجھے تو یہ اندیشہ تھا

کہ ہسپتال نہ لے جانا پڑے لیڈی ڈاکٹر بھی گھبرا رہی تھی۔ آپ کی پریشانی کے خیال سے میں نے کچھ کہا نہیں تھا۔

محسن۔ میں تو آپ صورت دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ ہے اسی پریشانی میں سرونٹ کوارٹروں کی طرف نکل گیا تھا وہاں یہ چیز نظر آئی۔ اچھا آپ اس قیدی سے دریافت کیجئے۔ وہ انگوٹھی اس کے پاس کہاں سے آئی؟

ڈاکٹر۔ لاحول ولاقوۃ۔ محسن صاحب آپ کو لڑکی سے زیادہ اس وقت انگوٹھی کا خیال ہے دیکھا جائے گا مجھ معلوم کرلوں گا۔

محسن۔ یہ تمام رات جاگوں گا یا خود جا کر اس سے پوچھوں گا۔ مگر میں مصلحتاً اس کے پاس جانا نہیں چاہتا اگر اس نے کہہ دیا کہ افشاں نے وہ انگوٹھی اس کو دی ہے تو پھر اس کی خیر نہیں۔

ڈاکٹر۔ خیر تو صاحب خدا نے کر دی ورنہ آپ تو اس کی جان لے چکے تھے۔

محسن۔ جان تو نہیں لیتا ہاں پستول دکھا کر اس سے حالات معلوم کرتا۔

ڈاکٹر۔ ایک بے بس اور بے کس کو پستول دکھانے دکھانے کی کیا ضرورت تھی آنکھیں ہی دکھانے میں وہ سب کچھ بتا دیتا۔

محسن۔ (غصہ کے لہجہ میں) میری سمجھ میں نہیں آتا آپ کو اس کے ساتھ اس قدر ہمدردی کیوں ہے۔

ڈاکٹر نیکھرے ہوتے ہوئے کہا۔ میں ذرا افشاں کو دیکھ آؤں پھر آپ کا اطمینان کئے دیتا ہوں۔

محسن برآمدہ میں ٹہلنے لگے اور سوچنے لگے۔ اس کے پاس انگوٹھی کہاں سے سکتی ہے۔ صرف دو انگوٹھیاں اس وضع کی بنی تھیں نجم السحر نے خاص طور پر اس کا ڈیزائن اپنے باپ کو دیا تھا، جو کہ ہیرے بیچ میں بڑا اِدھر اُدھر چھوٹے نوک سے نوک ملا کر ترچھے لگوائے تھے...... میں نے تو ابھی تک کسی کے پاس ایسی انگوٹھی نہیں دیکھی......

ایک میرے پاس تھی ایک اس کے پاس...... محسن ایک دبا ہوا سانس لیکر کرسی پر بیٹھ گئے...... ڈاکٹر نے کمرہ میں سے نکل کر فاتحانہ انداز میں کہا۔ لیجئے محسن صاحب یہ آپ کی انگوٹھی میں افشاں کی انگلی سے اتروالایا۔ وہی ہے یا نہیں؟

محسن نے انگوٹھی لیتے ہوئے رنجیدہ لہجہ میں کہا۔ ہاں ہے تو وہی۔

ڈاکٹر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ میں دیکھ رہا ہوں آپ کو اپنی بیٹی ہونے کا بہت افسوس ہوا۔

محسن۔ یہ بات نہیں ہے۔

ڈاکٹر۔ پھر کیا بات ہے۔

محسن۔ ذرا اس قیدی کو یہاں بلوایئے۔

ڈاکٹر۔ خدا پناہ میں رکھے بیرسٹروں کے دماغ سے، یعنی آپ چاہتے ہیں کسی صورت سے اس پر الزام لگایا جائے۔

محسن۔ (دھیمے لہجہ میں) میں اس پر کوئی الزام نہیں لگا رہا۔ کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر۔ مجھے بھی معلوم ہو گیا پوچھنا چاہتے ہو۔

محسن۔ میں آپکے سامنے پوچھوں گا۔ ذرا بلا دیجیئے۔

ڈاکٹر نے کھڑے ہوتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ یہ انگوٹھی کا راز میری سمجھ میں نہیں آیا۔ نوجوان قیدی کو ایک مجرم کی حیثیت سے ڈاکٹر محسن کے سامنے لا کر کھڑ کر دیا۔ لیجئے آپ کا ملزم حاضر ہے۔

محسن کے قلب کی حرکت تیز ہو گئی۔ انہوں نے کچھ بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

کمرہ میں لے چلئے یہاں کوئی نوکر وغیرہ نہ آجائے۔

ڈاکٹر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ پہلے دن تو آپ کو یہ اس لباس میں لڑکا معلوم ہوا تھا۔ آج کمرہ مین اندر کیوں ملنا چاہتے ہیں۔

محسن نے کوئی جواب نہیں دیا۔

نوجوان خوفزدہ نظروں سے محسن کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے گھونگروالے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر اسکو بستر سے اٹھا کر لے آئے تھے...... محسن نے اس کو اپنے قریب کرسی پر بٹھاتے ہوئے ڈاکٹر سے کہا۔ ان دونوں انگوٹھیوں کو ملا کر دیکھئے۔

ڈاکٹر نے سنجیدگی سے کہا۔ میں برابر اس چیز پر غور کر رہا ہوں دونوں یکساں ہیں آپ کا شبہ درست تھا۔

محسن نے پوچھا یہ کون سی زبان بولتا ہے۔

ڈاکٹر نے کہا۔ میں تو ہمیشہ انگریزی میں بات کرتا ہوں۔

محسن نے لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا۔ تم کس شہر کے رہنے والے ہو۔

نوجوان نے کہا۔ فلسطین کے۔

محسن کے قلب کی حرکت پھر تیز ہوئی۔ چہرہ سرخی مائل ہو گیا...... ڈاکٹر کو بھی تعجب ہوا۔ محسن نے اپنی طبیعت پر قابو حاصل کر کے پوچھا۔ تمہارے والدین زندہ ہیں۔

نوجوان نے کہا۔ نہیں۔

ڈاکٹر نے محسن سے کہا۔ آپ کو اس کی ہسٹری معلوم کرنیکی کیا ضرورت ہے۔

محسن نے کہا۔ آپ ذرا خاموش رہیے۔

محسن نے نوجوان سے پوچھا۔ یہ انگوٹھی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟

نوجوان نے کہا۔ میری والدہ کی ہے۔

محسن نے ایک لمبا سانس لے کر پوچھا۔ تمہاری والدہ کا نام کیا تھا؟

نوجوان نے کہا۔ نجم السحر۔

محسن گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ ڈاکٹر۔ یہ میرا لڑکا ہے۔

ڈاکٹر نے اونچی آواز میں کہا۔ آپ کا لڑکا؟

محسن نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ہاں میرا لڑکا افشاں کا بھائی۔

ڈاکٹر نے حیرت سے کہا۔افشاں کا بھائی؟ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

محسن نے خوشی کے لہجہ میں کہا۔میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔افشاں کا حقیقی بھائی ہے۔آپ اس کی صورت نہیں دیکھتے۔

محسن خوشی اور بدحواسی کے عالم میں ڈاکٹر سے لپٹ گئے۔میں آپ کا احسن کبھی نہیں بھول سکتا۔آپ نے اس کو چھپا کر گھر میں رکھا ورنہ تمام عمر روتا میری عقل پر پردہ پڑ گیا تھا۔اس کی صورت دیکھ کر بھی نہیں سمجھ سکا۔

ڈاکٹر نے محسن کو کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔محسن صاحب مجھے کچھ بتایئے تو آخر ماجرا کیا ہے افشاں کے متعلق تو آپ نے ہمیشہ یہی کہا کہ وہ اپنی ماں کی اکلوتی بچی ہے۔

محسن نے ڈاکٹر کی بات کا جواب نہیں دیا نوجوان سے پوچھا۔تمہیں اپنے باپ کا نام معلوم ہے؟

نوجوان محسن کی حالت دیکھ کر حیران ہو رہا تھا اس نے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔میرے باپ کا نام محسن ممتاز تھا۔

محسن نے فرط محبت سے نوجوان کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔میں ہی تمہارا باپ محسن ممتاز ہوں۔

محسن کبھی نہیں روئے تھے مگر اسوقت ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہہ رہا تھا...... ڈاکٹر ہکا بکا ان کو دیکھ رہے تھے۔کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا۔محسن

ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔ محسن صاحب باران رحمت کی طرح برسنا چاہیے عذاب الٰی کی صورت اختیار نہ کیجیے مجھے وحشت ہونے لگی۔

محسن نے اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔ میں آپکا شکریہ کس طرح ادا کروں؟

ڈاکٹر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ میرا یا غیبی طاقت کا، باوجود انتہائی کوشش کے اس بچہ کو میں نہیں ہٹا سکا، مگر آپ مجھے کچھ بتایئے تو سہی یہ قصہ کیا ہے۔

محسن۔ قصہ یہ ہے کہ افشاں اور یہ دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے لڑکی میرے ساتھ آ گئی اور لڑکا اپنی ماں کے پاس رہا۔

ڈاکٹر۔ آپ لڑکی کو کیوں لے آئے۔

محسن۔ میں تو دونوں کو لا رہا تھا۔ مگر رضا علی لڑکے کو واپس لے گئے۔

ڈاکٹر۔ کیوں۔

محسن۔ افشاں کے نانا کی دولت کے لالچ میں۔

ڈاکٹر۔ بچوں کی ماں کہاں تھیں

محسن۔ ہسپتال میں تھیں بڈھے نے مجھ سے کہہ دیا کہ ان کا انتقال ہو گیا اپنے بچوں کو لے کر فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔

ڈاکٹر۔ کیا انتقال ہونے کے یہ معنی ہیں کہ انسان کا جسم بھی روح کیساتھ غائب ہو جاتا ہے۔

محسن۔ نہیں ڈاکٹر۔ وہ بڈھا بڑا خبیث تھا اس نے کہہ دیا کہ نہ تم کو نجم السحر کے جنازہ میں شریک ہونے دوں گا نہ اس کی شکل دکھاؤں گا اس نے میرے ساتھ بہت سخت کلامی کی۔ مجھے بھی غصہ آ گیا فوراً چلا آیا۔

ڈاکٹر۔ مسکرا کر۔ تعجب ہے آپ نے کوئی کاروائی نہیں کی۔

محسن۔ میں تو غصہ میں مفتی اعظم کے پاس چلا تھا۔ مگر رضا علی نے مجھے روک دیا کہ نیا ملک ہے اجنبی لوگ ہیں چھوڑو خواہ مخواہ جھگڑا ہو جائے گا بڈھے کے رسوخ

بہت ہیں۔

ڈاکٹر۔ اچھا خیر آپ اپنے غصہ میں وہاں سے چل دیے مگر یہ تو بتائیے افشاں کی والدہ کا درحقیقت انتقال ہو گیا تھا۔

محسن۔ نہیں وہ زندہ تھیں مجھے تو بعد میں معلوم ہوا کہ بڈھے نے ان سے یہ کہا کہ وہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

ڈاکٹر۔ پھر آپ واپس کیوں نہیں چلے گئے۔

محسن۔ اس قصہ کو اس وقت ختم کیجیے۔ کبھی اطمینان سے واقعات سناؤں گا۔

نوجوان خاموش بیٹھا محسن کی باتیں سن رہا تھا۔ انہوں نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ تمہارا نام کیا ہے۔

نوجوان نے کہا۔ اصل نام تو میرا انور پاشا ہے۔ لیکن جوزف کہلاتا تھا۔

محسن نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔ جوزف نام ڈیوڑک نے رکھا ہوگا۔

ڈاکٹر۔ انور پاشا کس نے رکھا تھا؟

محسن۔ اس کی پیدائش سے پہلے ہی میں نے یہ نام تجویز کیا تھا۔

ڈاکٹر۔ مفصل کیفیت تو میں بعد میں سن لوں گا لیکن افشاں کی والدہ کا تو کچھ بتا دیجیے کیا وہ اب بھی زندہ ہیں۔؟

محسن۔ (ٹھنڈا سانس لے کر) اس بیچاری کے انتقال کو شاید ڈیڑھ سال ہی ہوا ہو گا۔ رضا علی نے ہندوستان پہنچ کر پہلا خط مجھے لکھا تھا۔ اس میں اس کے انتقال کی اطلاع بھی دی تھی۔ وہ یہاں آنے سے قبل ان دونوں ماں بیٹوں کو لینے فلسطین گئے تھے اور مجھے لکھا تھا کہ اپنے ساتھ لے کر آؤں گا۔ آپ کو یاد ہوگا۔ مالٹا جہاز کے ڈوبنے کی خبر میری کیا حالت ہوئی تھی۔

ڈاکٹر۔ حیرت سے۔ اچھا اس جہاز سے ان لوگوں کے آنے کی بھی خبر تھی۔

محسن۔ ہاں۔ لیکن رضا علی فلسطین پہنچے تو وہ مر چکی تھی لڑکے کو اپنے ساتھ لیکر اٹلی

آ گئے مگر انہوں نے مجھ کو اس خط میں لکھا تھا کہ انور پاشا کو امریکہ کے جہاز میں جگہ مل گئی ہے۔ یہ معلوم کر کے میں مطمئن تھا کہ جنگ ختم ہونے دو وہ یہاں آ جائے گا جو ان لڑکا ہے کوئی بچہ تو نہیں، مجھے کیا خبر تھی کہ یہ اٹلی کے قیدیوں میں نکلے گا۔

نوجوان یہ باتیں سنکر خود ہی بولا۔ اٹلی کی گورنمنٹ نے مجھے جہاز سے یہ کہہ کر اتار کیا کہ یہ امریکن نہیں ہے اور جبراً فوج میں بھرتی کر لیا۔

محسن۔ کیا علی وہاں نہیں تھے۔

نوجوان۔ علی لاپتہ ہو گئے تھے۔ معلوم نہین زندہ ہیں یا مارے گئے۔

محسن نے آہستہ سے کہا۔ زندہ ہیں وہ اپنے گھر آ گئے۔

لڑکے نے خوش ہو کر پوچھا۔ کہاں ہیں؟

محسن نے جواب دیا۔ دلی میں

نوجوان نے ذرا دبی زبان سے پوچھا۔ وہ آپ کے بھائی ہیں

محسن نے نوجوان کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ہاں۔

نوجوان نے کہا۔ علی کہتے تھے دلی میں میرے دادا دادی اور بہن بھی ہیں۔

محسن۔ دادا دادی کا تو انتقال ہو گیا بہن تمہاری یہیں ہے۔

نوجوان میں اس سے مل سکتا ہوں؟

محسن۔ صبح ملنا۔ اس وقت وہ بیمار ہے۔

لڑکے نے کچھ سوچ کر کہا۔ وہ جو خوبصورت لڑکی پہلی مرتبہ آپ کیساتھ یہاں آئی تھی کیا وہی میری بہن ہے؟

محسن نے مسکرا کر کہا۔ ہاں

لڑکے نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ وہ بالکل میری ماں کی شکل ہے۔

محسن کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ محسن۔ صاحب چل کر کھانا کھا لیجئے دس بج چکے ہیں پھر افشاں کے بچہ کو دکھاؤں

ہو بہو فرخ ہے محسن اور ڈاکٹر کھڑے ہو گئے نوجوان نے بھی اس وقت انہیں لوگوں کے ساتھ کھانا کھایا محسن نے اس کو اپنے ہی کمرہ میں سلوایا وہ بڑی دیر تک گذشتہ واقعات نوجوان سے پوچھتے رہے۔

انتالیسواں باب

زمانہ کو گزرتے دیر نہیں لگتی۔عیش و مسرت کا زمانہ آنکھ بند کر کے گزرتا ہے۔تو تکلیف مصیبت کا وقت بھی خدا کاٹ ہی دیتا ہے۔فرخ کو گئے تقریباً ایک سال ہو گیا۔اس لمبی مدت کو کوئی حسن آرا کے دل سے پوچھے جس نے سارا سارا دن فاقہ سے بسر کیا اور پوری رات جا نماز پر بیٹھ کر گزاری،خدا کی عنایت سے آج وہ دن بھی آن پہنچا کہ بے خبری میں فرخ کی واپسی کی اطلاع آئی......حسن آرا نے اسی وقت شکرانہ کے نفل پڑھے روشن ارا نے مٹھائی منگوا کر نیاز دلوائی۔کنبہ میں مبارک سلامت ہونے لگیں۔ڈولیوں پر ڈولیاں آنے لگیں۔ایک سال کیبعد گھر میں پھر چہل اور رونق نظر انے لگی......آج کل حسن ممتاز اور شاہد وغیرہ بھی آئے ہوئے تھے ہر شخص اس اطلاع سے بے حد خوش تھا مگر ساتھ ہی ایک قسم کی فکرو پریشانی سب کی صورتوں سے ظاہر ہوتی تھی......احسن ممتاز اور عابد حسن الگ آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔روشن آرا شوکت آرا الگ کھسر پھسر کرتی رہتی تھیں۔لڑکیوں کیپیٹ میں الگ چوہے دوڑ رہے تھے۔بنیادی خانم کسی نہ کسی کام کے بہانہ اپنے کان کھول کر کنسوئیاں لیتی پھرتی تھیں۔حسن آرا سہمی ہوئی ایک ایک کا منہ دیکھتی رہتی تھیں۔

باہر کے کمرہ میں عابد حسن اور احسن ممتاز باتیں کر رہے ہیں......عابد حسن نے احسن ممتاز سے کہا۔محسن کی حماقت پر مجھے بے حد غصہ آرہا ہے۔فرخ آکر کیا کہے گا۔

احسن ممتاز۔کیا فرخ کو اطلاع ہو گئی ہے۔

عابد حسن۔ہاں۔نصیرہ بیگم نے لکھ دیا تھا۔

احسن ممتاز۔(تعجب سے)نصیرہ بیگم نے یہ خبر وہاں تک پہنچا دی۔؟

عابد حسن۔تعجب کی کیا بات ہے۔میرا تو خیال ہے کہ افشاں کی شادی کروانے میں بھی انہیں کا ہاتھ ہے۔

احسن ممتاز۔ ہوسکتا ہے، لیکن مجھے محسن سے یہ توقع ہرگز نہیں تھی انہوں نے انتہائی نالائقی کا ثبوت دیا۔

عابد حسن۔ اس میں کیا شک ہے، مگر بھئی میں تو کہتا ہوں خدا ان عورتوں سے پناہ میں رکھے جس کے پیچھے پڑ جائیں اس کی جڑیں کھود کر رکھ دیں۔

احسن ممتاز۔ مجھے تو اب یہ فکر پیدا ہوگئی کہ فرخ آ کر کیا کہے گا۔؟

عابد حسن۔ نہیں وہ اپنے باپ کو لکھ چکا ہے کہ مجھے کچھ ملال نہیں۔

احسن ممتاز۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اس کو ضرور غصہ اور رنج ہوگا ایسا نہ ہو وہ بمبئی سے سیدھا محسن کے پاس پہنچے۔

عابد حسن۔ اگر اس کے بمبئی پہنچنے کی صحیح تاریخ معلوم ہوتی تو یہاں سے کوئی چلا جاتا۔

احسن ممتاز۔ صحیح اطلاع تو فوجی دے ہی نہیں سکتے مگر احتیاطاً کسی کو چلا جانا چاہیے۔ دوسرے کمرہ میں روشن آرا اور شوکت آرا وغیرہ ابھی اسی موضوع پر باتیں کررہی ہیں۔

شوکت آرا نے روشن آرا سے کہا۔ آپا جان ایمان کی بات تو یہ ہے فرخ کے آنے کی جتنی خوشی ہے اتنا ہی جی دھڑکوں میں ہے۔ اللہ خیر کرے۔

روشن آرا۔ اے بی میری تو راتوں کی نیند اڑ گئی ہے۔ پیٹ میں ہول اٹھتے ہیں دیکھیے یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

شوکت آرا۔ یہ بھی حسن آرا کی قسمت ہے اللہ اللہ کر کے یہ دن نصیب ہوا۔

جس قدر بھی خوشی کی جاتی کم تھی، مگر دیکھتی ہوں وہ بیچاری ایک ایک کا منہ تکتی پھرتی ہیں۔

روشن آرا۔ مجھے تو رہ رہ کر محسن پر غصہ آرہا ہے ایک سال بھی لڑکے کی واپسی کا انتظار نہیں کیا۔

شوکت آرا۔ یکساں کیسا انہوں نے تو چھ مہینے بھی انتظار نہیں کیا اس کے جاتے ہی شادی کر دی۔

نزہت بولیں۔ مجھے تو سب سے زیادہ افشاں پر غصہ آتا ہے۔ ایسی ناسمجھ ارار بچہ تو تھی نہیں کہ زبردستی چچا جان نے نکاح کر دیا۔۔ سچ کہتی ہوں مجھے تو اب تک یقین نہیں آتا خدا کرے جھوٹ ہو میں تو ہر وقت یہی دعائیں مانگ رہی ہوں حالانکہ میں روزے کی بہت پکی ہوں۔ مگر میں نے لگاتار روزے مانے ہیں۔

گلشن نے ٹھٹھہ لگا کر کہا۔ دس نہ بیس لگاتار روزے جب ہی اللہ میاں نے قبول نہیں کیے۔

نزہت۔ یہ تم نے کیسے کہدیا کہ قبول نہیں کیے۔

گلشن۔ میں خود بمبئی جا کر سب کچھ دیکھ آئی۔

نزہت۔ جھوٹی کہیں کی۔

گلشن۔ ایمان سے۔

نزہت۔ سچ کہو؟

گلشن۔ سچ کہتی ہوں شادی کے بعد سب سے پہلا کام یہی کیا تھا۔

نزہت۔ کیا میں کیساتھ گئی تھیں۔

گلشن۔ اور کس کے ساتھ جاتی۔

نزہت مسکرا کر۔ اے بی تمہارے میاں تو ہاتھ باندھے غلام معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے نفرت ہے ایسے مردوں سے تو چ کوئی ایسا بیوی کا مرید ہو جائے۔ گلشن نے اپنی ماں اور ممانی کی طرف دیکھکر آہستہ سے "سچ کہتی وہ بالکل کاٹ کا الو ہے میں بھی بعض وقت اس کے بدھ پن سے جلتی ہوں۔

نزہت نے منہ بنا کر۔ تمہاری شادی بے جوڑ ہوئی۔ خاصے محمود بھائی راضی ہو گئے تھے تم نے بعد میں ضد کی۔

گلشن۔ کیوں نہ کرتی کیا میں کسی سے کم تھی۔

زہت۔ اچھا چھوڑو اس قصہ کو یہ بتاؤ تم نیکیا دیکھا۔ افشاں کس طرح تم سے ملی۔

گلشن۔ میں تو ہوٹل میں ٹھہری تھی۔ بمشکل ڈاکٹر کرمانی کی کوٹھی ملی۔

زہت۔ ڈاکٹر کرمانی کون۔

گلشن۔ شاید وہی افشاں کے سسر ہیں۔ میں نے تو دیکھا نہیں۔ ہاں لنگڑی ساس نے پہلے میری ٹانگ لی۔

زہت۔ اے ہے افشاں نگوڑی کو ساس لنگڑی ملی۔ بیٹھی بیٹھی حکم چلایا کرتی ہوگی۔

گلشن۔ اے بوا وہ لنگڑی تو آفت کا پرکالہ ہے۔ گلہری کی طرح بانس پر پھدکتی پھرتی ہے۔

زہت ہنسکر شاید دو چار بانس تمہارے رسید کیے ہوں گے۔

گلشن۔ نہیں بی، ہے تو بڑی مہذب اور ہنس مکھ، میری خاطر تواضع کی فوراً چاء منگوائی، مگر میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہری۔ وہاں جاکر مجھے فرخ کا خیال آ گیا چلتے وقت اس نے کیسی حسرت ویاس سے افشاں کی تصویر دیکھی تھی تم تو اس موقعہ پر نہیں تھیں۔ سارا دن دیوانوں کی طرح افشاں کمرہ کے ہیرے پھیرے کرتا رہا۔ سچ کہتی ہوں مجھے تو جس وقت وہ سماں یاد آتا ہے آنسو نکل آتے ہیں، میں تو کبھی ادھر کا رخ بھی نہ کرتی، مگر معاملہ کی تحقیق کرنے گئی۔

زہت اے کچھ تو بتاؤ۔ افشاں کس طرح ملی۔ شادی کیوں کرلی؟

گلشن۔ وہ تو بالکل بدل گئی۔ نہ مجھے دیکھ کر خوش ہوئی۔ میرے اچانک پہنچنے پر کچھ کہا۔ میں نے ہی زبردستی گلے لگایا اور وہ کچھ سہمی ہوئی کھڑی رہی، ساڑی میں لپٹی لپٹائی گویا اپنے آپ کو چھپانا چاہتی ہو اصل میں اس کے پیٹ میں بچہ تھا۔

زہت۔ سچ کہو؟

گلشن۔ اللہ کی قسم خاصا بڑا سا پیٹ تھا۔ اسی لیے تو میں نے پھر اس کی شادی کے

متعلق نہیں پوچھا۔

زہت۔تم نے غلطی کی پوچھنا تو چاہیے تھا۔

گلشن۔وہ لنگڑو پن جو ہمزاد کی طرح ساتھ تھی۔

زہت۔ارے اس چڑیل کا کیا تھا وہ کون ہوتی تھی،تم نے صاف پوچھا ہوتا۔

گلشن۔یہ تو میں نے کہہ دیا کہ آنے دو فرخ کو سب کو مزا چکھائے گا۔

زہت۔کیا بولی؟

گلشن۔بولتی کیا مسکرا کر چپ ہو گئی۔

زہت۔کچھ تو پوچھا ہوتا۔چچا جان نے اس کی مرضی سے شادی کی یا زبردستی۔

گلشن۔اس کی حالت دیکھ کر پوچھنے گچھنے کو دل نہیں چاہا۔لنگڑی ساس تو بہت روک رہی تھیں کہ ڈاکٹر صاحب کے آنے کے بعد جانا مگر مجھے پانچ منٹ ٹھہرنا بھی دوبھر ہو گیا۔نئی جگہ غیر لوگ،وہ تو غنیمت ہوا کہ ان کے ہاں اس وقت کوئی مرد نہیں تھا۔

زہت۔یہ کہو تم ڈر گئیں۔کیا میں ساتھ نہیں تھے۔

گلشن۔نہیں بی۔میں نے مناسب نہیں سمجھا اپنے خاندانی حالات نئے لوگوں پر ظاہر کروں۔میں تو بمبئی سیر کا بہانہ کر کے گئی تھی۔اگر واسع میرے ساتھ ہوتے تو میں خوب دونوں ساس بہوؤں کو جھاڑتی۔

زہت۔ہنستے ہنستے لوٹ گئیں۔توبہ ہے کیسا قل آعوذیوں کا سا نام ہے یہ نام تو مولویوں اور عالموں کے اوپر جچتے ہیں۔ڈاڑھی منڈے عبدالواسع اور عبدالقادر نہیں اچھے لگتے۔بدل دو گلشن تم تو اپنے میاں کا نام،

گلشن نے آنکھیں مٹکا کر چپکے سے کہا۔بدل بھی دیا۔

زہت نے بھی آہستہ سے کہا۔کیا رکھا۔

گلشن طارق۔

نزہت۔اے ہے بیچارے مولوی عبدالواسع صاحب کو جاءنماز پر سے اٹھا کر ایک دم جنرل طارق بنا دیا کونسا قلعہ فتح کیا تھا؟

گلشن نے ہنس کر اپنے سینہ پر ہاتھ مار کہا۔میں کسی پہاڑ اور قلعہ سے کم ہوں۔

شوکت آرا نے کہا۔اے گلشن یہ کیا کھسر پھسر کرنے لگیں پورا حال نہیں سنایا۔

گلشن۔ممانی جان میں تو اسی وقت واپس چلی گئی،مشکل سے دس منٹ بھی وہاں ٹھہری۔

نزہت۔افشاں کیسے کپڑے پہنے تھی۔یہاں والوکو کسی کو نہیں پوچھا۔

گلشن۔کپڑے تو خوب اچھے تھے ناک میں ہیرے کی کیل پہنے تھی۔ایک انگوٹھی تو اس کی انگلی میں ایسی پیاری تھی کہ میں کیا کہوں۔۔۔۔مگر کچھ رنجیدہ سی تھی۔یہاں والو کو نام بنام پوچھا۔خالہ جان کے نام پر ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے مگر مجھے اس کے ساتھ خاک ہمدردی نہیں ہوئی۔

نزہت کچھ کہنے والی تھیں کہ رضا علی،عابد حسن،احسن ممتاز آ گئے،حسن آرا بھی خاموش ان لوگوں کے ساتھ آئیں......رضا علی نے بیٹھتے ہی عابد حسن اور احسن ممتاز سے کہا۔آپ لوگ حسن آرا کو سمجھایئے پچھلے واقعات بھول جائیں۔میں چاہتا ہوں فرخ کے آنے سے پہلے اسکی نسبت طے کر لی جائے اور اس کے آتے ہی نکاح ہو جائے ورنہ آپ جانتے ہیں خواہ مخواہ ایک مورچہ تیار ہو جائے گا۔

روشن آرا۔ہاں ہاں شوق سے کرو۔خدا تمہیں اپنے بچہ کی بہاریں دیکھنی نصیب کرے حسن آرا کے لئے اس سے بڑھ اور کونسا خوشی کا موقعہ ہو سکتا ہے۔

رضا علی۔آج تمام دن میری ان کی یہی بحث رہی مگر یہ راضی نہیں ہوتیں۔

حسن آرا۔میرا راضی ہونا اور نہ ہونا کیا میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ فرخ کے آنے کے بعد یہ سلسلہ شروع ہو۔

روشن آرا۔ہاں یہ تو ٹھیک ہے لڑکے کو آجانے دو ایسی جلدی کیا ہے۔

رضا علی۔نہیں میں فرخ کو اتنی مہلت دینا نہیں چاہتا۔ میں نے تو یہ فیصلہ کرلیا ہے، کہ اس کے آنے کے دوسرے دن خاموشی سے نکاح کر دیا جائے بعد میں دعوت ولیمہ ہو جائے گی۔کیوں احسن بھائی؟

احسن ممتاز نے تھوڑے وقفہ سے کہا۔ہاں ٹھیک ہے مگر یہ تو معلوم ہو کہ شادی کہاں کررہے ہو؟

رضا علی۔فرخ کا پچھلا خط آنے کے بعد میں نے آپا سے ذکر کیا تھا وہ راضی ہیں۔

روشن آرا۔(شکایت آمیز لہجہ میں) اچھا ہمیں خبر بھی نہ کی چپکے ہی چپکے نسبت بھی ٹھہرالی کیا ہم فرخ کے دشمن ہیں۔ہم نے تو اس کے پیچھے اپنے سگے بھائی سے قطع تعلق کرلیا۔

رضا علی۔ارے آپا جان آپ تو ناراض ہوگئیں۔نسبت تو آپ ہی لوگ ٹھہرائیں گے۔میں تو صرف آپا کا عندیہ لینے کی غرض سے ذکر کیا تھا۔

روشن آرا۔ان کا عندیہ لینا کیا۔وہاں تو وہی مثل ہے ’’بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا‘‘ انہوں نے فرخ کی شادی اپنی لڑکی سے ہونے کے واسطے کیا کچھ جتن نہیں کیے کونسا مزار ہے جہاں ناک نہ رگڑی ہو،کون سے پیر فقیر ایسے ہیں جن کے آگے گودنہ پھیلائی ہو، یہاں تک کہ جوگیوں اور سادھوؤں کو بھی نہ چھوڑا خدا کی شان ہے کہ ان کی مراد پوری ہو اور حسن آرا جو ساری ساری رات اپنے خدا کے آگے سجدہ میں پڑی رہی اس کو ناکامیابی ہو۔

رضا علی۔(بگڑ کر) یہ اپنی اپنی قسمت کوئی مٹی میں ہاتھ ڈالتا ہے تو سونا بن جاتی ہے کوئی سونے کو ہاتھ لگاتا ہے تو مٹی ہو جاتا ہے۔مگر آپ کو اس قسم کے کلمات زبان سے نہیں نکالنے چاہئیں کیا خدا نے حسن آرا کی مراد پوری نہیں کی فرخ کا اس وقتی

آگ میں سے بچ کر نکل آنا ایک معجزہ نہیں ہے کسے امید تھی کہ بمبئی سے اس کا خط آئے گا۔

احسن ممتاز۔ بھئی فضول جھگڑوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ حسن آرا اور آپا جان کو چاہیے پچھلے تمام واقعات بھول جائیں۔

عابد حسن خاموش بیٹھے حقہ پی رہے تھے ان کی آنکھوں میں وہ سماں تھا۔ جس وقت سید صاحب نے افشاں کا نکاح فرخ سے کیا تھا۔ احسن ممتاز کے آخری فقرہ پر انہوں نے کہا۔ بھئی خودلخراش واقعہ ہماری نظروں کیسامنے گزر چکا ہے۔ اس کو ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ یہ بات دوسری ہے کہ موجودہ حالات کے زیر اثر ہم پچھلے واقعات بھلا دینے اور ان کونظر انداز کرنے کی کوشش کریں مگر حقیقت تو یہ ہے کہ بقول شخصے دل پر پتھر رکھنا پڑے گا۔ میں اس وقت دنیا کی حالت پر غور کر رہا تھا ماموں جان مرحوم کی موت کا نقشہ آنکھوں میں پھر رہا تھا یہی کمرہ تھا، اسی جگہ بیٹھ کر فرخ کا نکاح ہوا تھا۔ انکی حالت نزع میں اپنی فتح وکامیابی پر ایک قسم کا سکون اور اطمینان حاصل ہوگیا تھا۔ باوجود سانس اکھڑے ہوئے ہونے کے ان کو ایک لمبا سانس آیا تھا۔ یہ خبر نہیں تھی کہ آج ان کی روح کو مخالفین کی شطرنجی چالوں سے پیدلی مات کھانی پڑے گی...... عابد حسن کی اس گفتگو کا کسی نے جواب نہ دیا...... احسن ممتاز نے تھوڑے سکوت کے بعد کہا۔ بھائی صاحب دنیا کا یہی دستور ہے باغ کوئی لگاتا ہے میوہ کوئی کھاتا ہے۔ کسی کو فتح ہوتی ہے کسی کو شکست، اپنے اپنےمفاد کی ہر شخص کو ششش کرتا ہے ابا جان کا جو مقصد تھا وہ اس کو پورا کر گئے۔ اب یہ اتفاقات ہیں کہ فرخ لڑائی پر چلا گیا۔ محسن نے ناامید ہو کر یا کسی اور وجہ سے لڑکی کی شادی کر دی۔ بہر حال ہم لوگوں کو اس وقت کسی قسم کا اعتراض کرنے کا نہ کوئی موقع نہ حق۔

عابد حسن۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر میں چاہتا تھا اس معاملہ پر ہم لوگ ایک مرتبہ محسن سے گفتگو کر لیں پھر کچھ ہو۔

رضا علی۔ اب محسن سے گفتگو کرنے سے کیا حاصل ہو گا ان کو جو کچھ کرنا تھا کر چکے۔ مجھے تو اس لڑکی پر غصہ آتا ہے بہت خراب کیریکٹر کی معلوم ہوتی ہے۔

روشن آرا۔ دیکھو بھائی۔ محسن کو جو تمہارا دل چاہے کہو، ہم خود شرمندہ ہیں۔ مگر لڑکی کے متعلق کچھ نہ کہنا وہ بالکل معصوم اور بے گناہ ہے۔

رضا علی۔ معاف کیجئے گا سارا قصور لڑکی کا ہے۔ بغیر اس کی مرضی کے محسن کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

عابد حسن۔ تم نہیں جانتے اس کی تربیت کچھ اس قسم کی ہوئی ہے کہ وہ اپنے باپ کے سامنے کچھ نہیں بول سکتی۔ علاوہ بریں اگر کوئی زبردستی کرنے پر آئے تو ایک بھولی لڑکی کیا کر سکتی ہے۔ بڑی بڑی مرکھنی گاؤں پر چھری پھیر دی جاتی ہے۔ اور پھر ایسی صورت میں جبکہ وہ نہ وہاں اس کا کوئی معاون تھا نہ مددگار۔

رضا علی۔ بہر حال فرخ سے اس کی شادی کسی صورت سے نہیں ہو سکتی آپ لوگ فضول گذشتہ واقعات یاد کر کے اپنے دماغوں کو بوجھل کر رہے ہیں۔

احسن ممتاز۔ ہاں ٹھیک ہے جو معاملہ درپیش ہے اسکے متعلق گفتگو کرنی چاہیے۔

عابد حسن۔ مگر اس قدر عجلت کیا ہے۔ فرخ کی رائے بھی تو معلوم ہونی چاہیے آیا وہ نصیرہ بیگم کی لڑکی کو پسند کرے گا یا نہیں۔

رضا علی۔ نصیرہ بیگم کی لڑکی کو پسند نہیں کریگا تو کون ایک معمولی لفٹیننٹ کو بیٹی دے دے گا۔ زیادہ سے زیادہ کیپٹن ہو جائیں گے۔

عابد حسن۔ پھر اور کیا چاہیے؟ کیپٹن ہونا کوئی معمولی بات ہے اس زمانہ میں تو لوگ فوجی وردی ہی کی قدر کرتے ہیں، خصوصاً لڑکیاں ان کا بس چلے تو معمولی سپاہی کا ہاتھ پکڑ لیں۔

رضا علی۔ مسکرا کر۔ دیکھئے جنگ کے بعد برساتی کیڑوں کی طرح کیپٹن اور میجر نظر آئیں گے۔

عابد حسن۔ ارے میاں خدا بھلا کرے اس لڑائی کا ہمارے میٹرک پاس بچوں کو کیپٹن اور میجر تو کر دیا ورنہ ان غریبوں کا کیا حشر ہوتا۔

روشن آرا۔ رضا علی سے۔ کیا سچ مچ تم نے نصیرہ بیگم کو پیغام دے دیا؟

رضا علی۔ ہاں میں نے کل ان سے کہا تھا اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ حسن آرا وغیرہ خود آ کر لڑکی کو انگوٹھی پہنائینگی۔

روشن آرا۔ واہ بھائی واہ تم کو چاہیے تھا صرف حسن آرا کا کہتے یہ وغیرہ کا لفظ کیوں کہا۔ میں تو عہد کر چکی ہوں اب کسی کی بات میں دخل نہیں دوں گی۔

رضا علی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ جانے دیجئے کوئی دخل نہ دے میں تنہا لڑکے کو لے جا کر نکاح پڑھوا دوں گا۔ میں نے اپ لوگوں کی اس وقت کی گفتگو سے اندازہ لگا لیا ہے کہ میرے اور فرخ کے ساتھ کسی کو ہمدردی نہیں۔

احسن ممتاز نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ نہیں بھئی تمہارا خیال غلط ہے ہم سب تمہارے ساتھ ہیں

عابد حسن بھی آہستہ سے بولے۔ ہمدردی تو تمہارے فرخ ہی کے ساتھ ہے مگر جو بات پہلے کہہ دی ہے وہی اب بھی کہیں گے اس قدر جلدی نہ کرو۔

چالیسواں باب

اے حسن آرا بیگم مبارک ہو، میاں فرخ آ گئے۔ الٰہی تیرا ہزار شکر تو نے یہ دن دکھایا۔ بنیادی خانم دروازہ میں سے گلا پھاڑ پھاڑ کر کہہ رہی تھی گھر میں سب لوگ صبح کا ناشتہ کر رہے تھے شاہد ننگے پاؤں دوڑے۔ مغلانی بوا کیا کہہ رہی ہو؟ کہاں ہیں فرخ؟

بنیادی خانم نے ہانپتے ہوئے کہا۔ اے میاں اپنے دیدوں کی قسم رحیم اللہ کو چاء دینے گئی تھی خدا رکھے میاں فرخ تانگہ سے اتر رہے تھے۔ حسن آرا بیگم کہاں ہیں سونے کے کنگن پہنوں گی۔

گھر والے ناشتہ چھوڑ کر دروازہ کی طرف دوڑے مگر فرخ کی آنکھوں پر پٹی بندھی دیکھ کر ہر شخص کے دل پر ایک دھچکا لگا۔ رضا علی کے قدم خود بخود رک گئے عابد حسن کا منہ کھلا رہ گیا۔ احسن ممتاز ششدر تھے۔ روشن آرا نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ حسن آرا کا کلیجہ تھام کر بیٹھ گئیں۔ گلشن نے گھبرا کر کہا۔ اے ہے یہ فرخ کی آں۔

چپ کہہ کر روشن آرا نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا فقرہ پورا نہ ہونے دیا...... شاہد نے فرخ کے قریب جا کر کہا۔ ارے فرخ تم بغیر اطلاع کے آ گئے چلو اندر۔

کیسے چلوں؟ آنکھیں تو ہیں ہی نہیں۔ فرخ نے مسکرا کر کہا۔

شاہد نے خاموشی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ چلو۔

فرخ نے پوچھا۔ ابا جان وغیرہ کہاں ہیں کسی کی آواز نہیں؟

عابد حسن نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے فرخ کو سینہ سے لگا کر کہا۔

آ گیا میرا بہادر بیٹا۔

فرخ نے ہاتھ بڑھا کر ٹٹولتے ہوئے کہا۔ امی جان کہاں ہیں؟

روشن آرا کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی سب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

فرخ نے مسکرا کر کہا۔ امی جان خدا کا شکر ادا کیجئے کہ دونوں گئیں اگر ایک رہ جاتی تو

صبح اٹھ کر شکل بھی نہیں دیکھتا۔

رضا علی دور کھڑے ہوئے غم و غصہ سے اپنے دونوں ہاتھ مل رہے تھے اور کہہ رہے، کاش محسن اپنے لڑکے کو اس حال میں دیکھیں۔

روشن آرا نے اپنا دال مضبوط کر کے کہا۔حسن آرا کچھ دیوانی ہوئی ہو۔خدا کا شکر ادا کرو بچہ جان کی سلامتی میں واپس آ گیا۔علاج معالجہ ہو گا آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی۔

احسن ممتاز نے بھی بہن کی تائید کی۔ہاں، ہاں یہ تو عارضی چیز ہے کسی گیس کے اثر سے آنکھوں کی خرابی ہو گئی جاتی رہے گی۔

عابد حسن بولے۔تم لوگ عجیب بیوقوف ہو اندر چلو میں تو چاء پیتے پیتے بھاگا۔ آؤ بھئی آؤ۔

رضا علی کا ہاتھ پکڑ کر عابد حسن کمرہ میں لائے۔

فرخ کی آمد کی اطلاع سب سے پہلے نصیرہ بیگم کو پہنچی انہوں نے پہلے ہی سے گوٹے کے ہار تانے کے کونڈے خرید رکھے تھے کالے ماش اور ٹکے بھی منگوا لئے تھے وقت پر ملنا مشکل ہوتا ہے۔ایک گھنٹہ بھی فرخ کو آئے نہیں گزرا تھا کہ وہ مع رشیدہ کے آن پہنچیں، پیچھے مزدورنیاں مٹھائی کے کونڈے جھم جھمائے خوان پوش پڑے ہوئے لائیں فرخ غسل خانہ میں تھے۔نصیرہ بیگم نے سب کو مبارک باد دیتے ہوئے پوچھا۔میرا فرخ کہاں ہے۔

روشن آرا نے کہا۔منہ دھو رہے ہیں۔

نصیرہ بیگم خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔انہوں نے جلدی سے ایک سینی کا خوان پوش ہٹا کر سب سے بڑا گوٹے کا ہار رضا علی کو پہنایا دوسرا حسن آرا کو باقی سب کو پھولوں کے کنٹھے پہنائے...... روشن آرا نے کہا۔ایسی کیا جلدی ہے فرخ کو تو آ جانے دو پہلے ان کو پہنانا۔

نصیرہ بیگم نے ہنسکر کہا۔فرخ بھی آجائیں گے۔پہلے میں اپنے بھائی بھاوج اور تم لوگوں کو تو پہنادوں اللہ نے اپنی رحمت سے یہ دن دکھایا اس کی قدرت کے قربان جاؤں بھلا کسے امید تھی کہ بچہ جان کی سلامتی میں واپس آئے گا۔میں نے تو اجمیر شریف جا کر خواجہ کے دربار میں منت مانی تھی میں انشاء اللہ اسی مہینہ میں اپنے بچہ کو لے کر جاؤں گی۔

فرخ بھی اسی وقت نزہت کا ہاتھ پکڑے ہوئے آئے......نصیرہ بیگم نے گھبرا کر پوچھا۔اے ہے بیٹا یہ پٹی کیسی بندھی ہے کیا آنکھیں آئی ہیں۔

فرخ نے مسکرا کر کہا۔آئیں تو نہیں گئی ہیں۔

نصیرہ بیگم نے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔سچ بتاؤ کیا ہوا میرے تو ہوش و حواس جاتے رہے۔

فرخ نے سنجیدگی سے کہا۔کیا بتاؤں میری آنکھیں جاتی رہیں۔

نصیرہ بیگم سناٹے میں آگئیں کاٹو تو بدن میں لہو نہیں انہوں نے بے دلی سے فرخ کو گلے میں ہار پہناتے ہوئے کہا۔کیسے گئیں کچھ تو بتاؤ تو۔

فرخ نے کہا۔بس چلی گئیں لڑائی پر جانا کوئی معمولی بات ہے جان بچ گئی آنکھیں چلی گئیں۔پھوپھی اماں دتی بم پڑا تھا وہ تو خیریت ہوگئی سر نہ اڑ گیا۔

نصیرہ بیگم نے رضا علی سے کہا۔مجھے پہلے سے نہیں بتایا تھا کہ فرخ کی آنکھیں جاتی رہیں

رضا علی نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔مجھے تو خبر نہیں تھی میں آپ کو کیا بتاتا۔

فرخ نے سنجیدگی سے کہا۔جس وقت سے آیا ہوں میری آنکھوں کے متعلق ہر شخص سوالات کر رہا ہے۔کسی کی زبان سے یہ نہیں نکال کہ خدا کا شکر ہے زندہ آگیا۔آنکھیں تو میرے واسطے کارآمد تھیں۔آپ لوگوں کو ان سے کیا فائدہ تھا جب مجھے ملال نہیں تو آپ سب کیوں افسوس کر رہے ہیں۔امی جان اور ابا جان کہاں ہیں

میں اس سے پوچھنا چاہتا ہوں کیا اس وقت میرے مرنے کی خبر کے ساتھ میری آنکھیں ایک ڈبیہ میں بند ہو کر آتیں تو آپ لوگ خوش ہوتے؟

حسن آرا نے فرخ کو گلے لگا کر کہا۔ بیٹا تم ایسی باتیں نہ کرو۔ میں تو کہتی تھی کہ بلا سے اپاہج ہو کر آجائے میں اس کی آواز سن لوں۔

فرخ نے کہا۔ ابا جان آپ کا کیا خیال ہے؟

رضا علی نے کہا۔ میرا خیال کیا۔ مجھے تو تمہاری زندگی بیکار ہونے کا رنج ہے۔

فرخ نے ہنسکر کہا۔ ابا جان زندگی کیوں بیکار ہونے لگی۔ سہارے کے واسطے ایک لکڑی کی ضروت ہوتی ہے۔ میں تو بہت جلدی ٹٹول کر چلنے کی مشق کرلوں گا۔ بچپن میں حافظ ایوب صاحب کی نقل خوب کرتا تھا پوچھئے گلشن سے اندھا بھینا بن کر ان کی کیسی مرمت کرتا تھا۔ خدا کا شکر ہے میدان جنگ میں آنکھیں گئی ہیں پنشن ملے گی، مزے سے پلنگ پر بیٹھے شاعری کریں گے۔ آپ کو یہ خبر نہیں میں کیپٹن ہو گیا ہوں۔

رضا علی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے انہوں نے دھیمی آواز میں کہا۔ ہاں پہلے ہی تمہارے کندھے پر نظر پڑی تھی۔

عابد حسن نے فرخ کو پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔ شاباش بیٹا تم صحیح معنوں میں بہادر اور غازی ہو۔

سب نے فرخ کی ہمت واستقلال کی تعریف کی۔ مگر نصیرہ بیگم تو تو گویا سانپ سونگھ گیا ان کی صورت سے فکر و پریشانی ٹپک رہی تھی وہ بار بار پہلو بدل رہی تھیں اور اپنے بھائی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ رضا علی نے ان سے طے کرلیا تھا کہ فرخ کے آنے کے دوسرے ہی دن حمیدہ کا نکاح کردیں گے۔ انہوں نے چپکے چپکے سب تیاریاں کرلی تھیں حمیدہ کو باقاعدہ مائیوں تو نہیں بٹھایا تھا مگر کوٹھری بند کرکے روز صبح و شام ابٹنا ملا جاتا تھا سوا سیر روے کی پنیڈیاں بھی لڑکی کی کھلانے کے واسطے بنالی گئی

تھیں جوڑوں کی تہیں لگا کر بکسوں میں بند کر دیے گئے تھے۔ برتن قلعی کروا کر بڑے صندوق میں رکھ دیے تھے۔ رشیدہ چپکے سے فرخ کی شیروانی حسن آرا کے ہاں سے اڑا لائی تھیں۔ دولہا کا جوڑا ابھی تیار تھا۔ نصیرہ بیگم جانتی تھیں۔ کہ حسن آرا کے ہاں سے کچھ نہیں آئے گا۔ انہوں نے احتیاطاً ایک سرخ جوڑا بھی لڑکی کو بارات والے دن پہنانے کے لیے سی لیا تھا۔ اس وقت رضا علی اپنی بہن کا رنگ دیکھ کر سمجھ گئے کہ ان کے دل میں کیا کیا خیالات آ رہے ہیں۔ انہوں نے علیحدہ لے جا کر کہا۔ آپا یہ تو بڑا غضب ہو گیا اب آپ کی کیا رائے ہے۔؟

نصیرہ بیگم نے بے رخی سے کہا۔ مجھے لڑکیاں ایسی دوبھر بھی نہیں ہیں۔

رضا علی نے کہا۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

نصیرہ بیگم۔ بھائی تمہیں خود ہی خیال کرنا چاہیے جیسی میری لڑکی ویسی تمہاری۔ اگر ایسا موقعہ پیش آتا تو کیا تم اپنی لڑکی کا کر دیتے۔

رضا علی۔ (غصہ کے لہجہ میں) بیشک اگر زبان دے دیتا تو کر دیتا۔

نصیرہ بیگم ارے بھائی یہ کہنے کی باتیں ہیں آنکھوں دیکھے کوئی مکھی نہیں کھاتا۔

رضا علی۔ (بگڑ کر) بڑے افسوس کی بات ہے مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی۔

نصیرہ بیگم۔ تم خود سوچو میں بے زبان کی زندگی کیسے برباد کر دوں۔ میاں محسن نے بڑی عقل مندی کی پہلے ہی لڑکی کی شادی کر دی۔

اپنی بہن کا یہ جملہ سن کر رضا علی کے دل پر تیر کی طرح لگا انہوں نے بمشکل اپنی طبیعت پر قابو حاصل کر کے کہا۔ اس وقت محسن کی لڑکی کا کیا ذکر تھا انہوں نے تو خیر جو کچھ کیا وہ کیا مگر آپ [illegible]

ساری عمر میری جان کو نہ روئے گی۔ نانا بابا۔ چاہے وہ مجھ سے ملیں یا نہ ملیں، جیسے بیس برس تک بھائی کو صبر کیا تھا ویسے اور کرلوں گی مگر اپنی بچی کو اندھے کی لاٹھی نہیں بنا سکتی۔

نصیرہ بیگم اپنے دل کو مطمئن کر کے پھر واپس آ کر دنیا سازی کی باتیں کرنے لگیں۔ رضا علی ا نکیلےطرف سے کھنچے کھنچے معلوم ہو رہے تھے۔ روشن آرا سمجھ گئیں کہ ضرور کوئی بات بدمزگی کی ہوگئی ہے تھوڑی دیر کے بعد نصیرہ بیگم پھر آنے کا کہہ کر چلی گئیں...... فرخ دوسرے کمرہ میں جا کر سو گئے تھے...... دوپہر کے کھانے پر انہوں نے اپنی آنکھوں کی پٹی کھول کر کہا۔ ابا جان مبارک ہو، امی جان آپ خوش ہو جائیں میں اندھا نہیں ہوا۔

حسن آرا وہیں بیٹھے بیٹھے سجدہ میں گر گئیں۔ عابد حسن نے زبردست قہقہہ لگا کر کہا۔ واہ میاں واہ خوب سوانگ بھر۔

رضا علی نے کھسیانی مسکراہٹ سے کہا۔ اس کی کیا ضرورت تھی۔

روشن آرا نے فرخ کی بلائیں لے کر گلے لگاتے ہوئے کہا۔ بیٹا ایسا مذاق اچھا نہیں اتنی دیر میں ہمارا تو خون خشک ہوگیا۔

احسن ممتاز بولے۔ بڑے بیوقوف ہو یہ خیال نہیں کیا کہ ہم لوگوں پر اس کا کیا اثر ہوگا۔

گلشن نے دو تین گھونسے فرخ کی پیٹھ پر لگا کر کہا۔ اندھا کہیں کا سارے گھر کو پریشان کر دیا جاتا ہے آنکھوں میں مرچیں بھر دوں

شوکت آرا۔ مگر یہ انکو سوجھی کیا تھی۔ ایسا مذاق کس کام کا۔

فرخ۔ ہنسکر۔ سب اپنی اپنی بولیاں بول چکے یا اور کوئی باقی ہے۔

گلشن فرحت کچھ نہیں بولیں اور مغلانی بوا خاموش بیٹھی ہیں

فرحت۔ مسکرا کر۔ میں تو فرخ بھائی کی شکل دیکھ کر اس قدر خوش ہوئی تھی کہ آنکھوں کا خیال ہی نہیں آیا۔

بنیادی خانم نے اپنی آنکھوں کا پانی پونچھتے ہوئے کہا۔ اے میاں میری تو آنکھیں جا چکی ہیں مجھیں اس کی بہت قدر ہے۔ میں تو اپنے دل میں چپکے چپکے یہی کہہ رہی تھی الہی آنکھیں رہیں تو زندگی رہے نہیں تو موت بہتر ہے۔

فرخ نے ہنسکر کہا۔ اچھا مغلانی بوا تم میری موت کی دعا مانگ رہی تھیں۔

اے میاں تمہارے دشمنوں کی موت کی دعا مانگوں کیسی باتیں کرتے ہو بنیادی خانم نے سر سے پیر تک فرخ کی بلائیں لے کر کہا۔

روشن آرا۔ اے بی تمہاری تو بالکل ہی عقل ماری گئی بغیر سوچے سمجھے جو منہ میں آیا کہہ دیا۔

عابد حسن۔ (فرخ سے) مگر بیٹا یہ حرکت کیا تھی تمہارے دماغ میں یہ خیال کیوں آیا؟

فرخ۔ ہنسکر خالو ابا۔ میں نے خیال کیا کہیں اچانک میرے پہنچنے سے امی جان شادی مرگ نہ ہو جائیں۔ علاوہ اس کے میں آزما رہا تھا کہ زندگی زیادہ پیاری ہے یا آنکھیں۔

رضا علی۔ مسکرا کر۔ خیر یہ تو تمہاری بیوقوفی ہے جس کو تمہاری زندگی پیاری ہے اس کو تمہاری آنکھیں اور تمہاری ہر چیز پیاری ہے۔ مگر تمہارے اس مذاق سے مجھے اس وقت کافی سبق مل گیا حقیقت میں برے وقت کا کوئی شریک نہیں۔

فرخ۔ (تعجب سے) کیا بات ہوئی؟

رضا علی۔ بات کچھ نہیں ہوئی۔ انسان کو ہر قدم پر ایک نیا تجربہ ہوتا ہے۔

عابد حسن۔ یہ تو ٹھیک ہے، مگر تمہیں اس موقعہ پر کیا نیا تجربہ ہوا۔

رضا علی۔ آپا نے انکار کر دیا۔

فرخ۔ کون آپا۔ کیسا انکار۔

فرخ کے سوال کا کسی نے جواب نہیں دیا۔ احسن ممتاز نے کہا۔ انکا انکار کرنا ایک حد تک ٹھیک بھی ہے۔

رضا علی۔ ٹھیک تو ہے میں خود ہی ایسی صورت میں انکو مجبور نہیں کرتا۔ مگر کچھ تو ضبط و صبر سے کام لیتیں۔ عجیب دنیا کا رنگ ہے۔

احسن ممتاز۔ ہاں انکو اس قدر جلدی جواب نہیں دینا چاہیے تھا، خیر کوئی بات نہیں ہے اب جا کر انکو اطمینان والا دینا چاہیے۔

رضا علی۔ احسن بھائی آپ میری طبیعت سے واقف ہوتے ہوئے بھی اس قسم کی بات کہتے ہیں اب تو میں تمام زندگی ان کے دروازہ پر قدم نہیں رکھونگا۔

فرخ۔ (تعجب سے) مجھے کوئی نہیں بتا رہا یہ معاملہ کیا ہے؟ اور یہ میں جانتا ہوں کہ میرے ہی متعلق ہے۔

رضا علی۔ ہاں تمہارے متعلق ہے میں نے آپا کی چھوٹی لڑکی حمیدہ سے تمہاری شادی ٹھہرائی تھی اور یہ طے کیا تھا کہ کل شام کو نکاح ہو جائے گا۔ مگر تمہاری آنکھوں کی وجہ سے وہ انکار کر گئیں۔

فرخ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مسکرا کر اپنی ماں کی طرف دیکھنے لگے۔ حسن آرا نے حیرت سے پوچھا۔ کیا آپا نصیرہ جواب دے گئیں ذرا تو صبر کیا ہوتا کوئی زبردستی تھوڑی کر لیتا۔

فرخ۔ امی جان مجھے تو آجانے دیا ہوتا۔ آپ نے پہلے سے یہ ڈھونگ کیوں رچایا۔ ایک طرف سے تو تکسوئی ہو جاتی۔

رضا علی۔وہ کس طرف سے؟

فرخ۔چھوٹے ماموں جانکی طرف سے۔

رضا علی۔ان کی طرف یکسوئی ہو چکی۔لڑکی کی شادی کردی اس کے ہاں بچہ بھی ہو گیا۔

فرخ۔ہو جانے دیجیے۔میں نے تو طلاق نہیں دی۔

رضا علی۔اب دے دو۔

فرخ۔طلاق تو میں اس کو اپنی زندگی میں نہیں دوں گا۔

رضا علی۔کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔

فرخ۔بغیر طلاق کے دوسرا نکاح کیسے ہو گیا۔

رضا علی۔عجیب بیوقوفی کیباتیں کر رہے ہو۔ان کی لڑکی نے پہلے نکاح کو فسخ کر دیا ہوگا۔

فرخ۔اس کے فسخ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔میں تو طلاق دیکر نہیں گیا تھا رضا علی نے ہنسکر عابد حسن سے کہا۔آپ سمجھائیے یہ بیوقوفی کی باتیں کر رہیں ہیں۔

عابد حسن، میں خود سوچ میں پڑ گیا۔محسن نے کیسے شادی کر دی۔

شاہد۔میں تو ہمیشہ اس چیز پر غور کرتا ہوں کہ چھوٹے ماموں جان کو افشاں کے نکاح کا کیا حق جبکہ اس کا پہلے ہو چکا تھا۔

رضا علی نے قہقہہ لگا کر کہا۔یہ تو وہی قصہ ہو گیا کہ ٹھگوں نے آپس میں مشورہ کر کے غریب برہمن کے بکرے کو کتا بنا دیا تھا۔

شاہد نے ہنسکر کہا۔بس تو ہم لوگ بھی ٹھگوں کی طرح چار پانچ مل کر چھوٹے ماموں جان کے پاس چلیں اور ایک دم دھاوا بول کر گھر میں گھس جائیں فرخ بچہ کو گود میں اٹھالیں خالو جان افشاں کا ہاتھ پکڑ کر موٹر میں بٹھالیں۔ابا جان چھوٹے ماموں جان سے چکنی چپڑی باتیں کریں خالہ جان رونے لگیں اما جان پچھلی باتیں

دوہرائیں میں اور گلشن دوسرے لوگوں سے نپٹ لیں گے۔

فرخ۔ میں تو خود یہی سوچ کر آیا ہوں۔ شاہد بھائی سارا پروگرام بنالیا ہے، مرد عورتیں سب چلیں گے۔

روشن آرا نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ اوبی بیٹا فوج کمینوں کی طرح اب وہاں جا کر فضیحتا مچاؤ گے۔

فرخ۔ اور کیا آپ سمجھتی ہیں ایک شریف آدمی اپنی بیوی کو خاموشی سے دوسرے کے حوالے کردے گا۔

شاہد۔ نہیں جی چار سو بیس والا کام ہوگا۔

حسن آرا نے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔ مجھے تو پہلے ہی یہ ڈر تھا اب دیکھ کیا حشر برپا ہوگا۔

امی جان آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں میں کوئی لڑائی جھگڑا کرنے نہیں جاؤں گا باقاعدہ آپ سبکو ساتھ لے کر اپنی امانت لینے جاؤں گا، مردوں میں بڑے ماموں جان، خالو ابا، شاہد بھائی اور ابا جان ہوں گے۔ عورتوں میں ممانی جان، خالہ اماں گلشن، نزہت اور آپ اگر مناسب سمجھیں تو پھوپھی اماں کو بھی ساتھ لے لیں۔

شاہد ہنسکر۔ ہاں ضرور پارٹی تگڑی ہونی چاہیے۔

گلشن۔ مزا تو خوب آئے گا۔

روشن آرا۔ اے بی خدا نہ کرے یہ بھی کوئی مذاق کی بات ہے۔

فرخ نے سنجیدگی سے کہا۔ خالہ اماں میں مذاق نہیں کر رہا، جانت تو ہے ہی۔ بس پرسوں روانگی ہے۔

روشن آرا نے اپنے میاں سے کہا۔ اے تم چپکے بیٹھے سن رہے ہو یہ فرخ کیا کہہ رہے ہیں۔

عابد حسن۔ فرخ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ چلنا چاہیے۔

رضا علی۔ ہنسکر۔ بھائی صاحب آپ سب سے بڑے ہیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں بعض وقت بالکل بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔ وہاں کیوں جانا چاہیے۔

عابد حسن۔ محسن سے اپنی امانت لینے۔

روشن آرا۔ یہ تو وہی مثل ہوئی۔ سرکنڈے کی گاڑی دو مینڈک جوتے جائیں راجہ ماری پودنی ہم بیر بسانے جائیں۔

عابد حسن۔ یہ کہانی تم نے اچھے موقعہ پر کہ انشاءاللہ اپنی پودنی کو لے کر ہی آئیں گے۔

روشن آرا۔ اے بس رہنے بھی دو تمہاری وہی مثل ہے۔ ناؤ کس نے ڈبوئی خواجہ خضر نے تمہیں تو چاہیے تھا لوگوں کو سمجھاتے بجھاتے اور بار دو پر دیا سلائی لگانے بیٹھے گئے۔

رضا علی نے احسن ممتاز سے کہا۔ آپ کیوں خاموش بیٹھے ہیں۔

احسن ممتاز۔ میں محسن کی غلطی پر افسوس کر رہا ہوں۔ اور کیا بول سکتا ہوں۔

روشن آرا۔ محسن تو ایک غلطی کر چکے اب یہ دوسری غلطی کیوں ہو رہی ہے۔ دھنے جلاہوں کی طرح وہاں لڑنے جائیں گے۔

فرخ۔ خالہ اماں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔ میں لڑنے کے ارادہ سے نہیں جاؤنگا۔ صرف افشاں سے بات کرنے جا رہا ہوں اس نے کیوں دوسرے شخص سے شادی کر لی۔

رضا علی۔ کیا فائدہ ہوگا اول تو وہ تم سے بات ہی نہیں کریگی۔ اور خیر فرض کر لیا وہ

مل بھی گئی [illegible]

فرخ۔ جی نہیں میں آپکو ضرور لے کر جاؤنگا، بہت دن باپ کے سایہ سے محروم رہا۔

عابد حسن۔ ہنسکر بیشک رضا علی کو جانا چاہیے۔

رضا علیل۔ بھائی عابد کیا آپ نے دھوپ میں بال سفید کیے ہیں۔

عابد حسن۔ ہنسکر۔ دھوپ میں تو نہیں کیے مگر نزلہ سے بیس ہی برس کی عمر میں دو چار بال سفید نظر آنے لگے تھے۔

احسن ممتاز۔ اب اس ذکر کو چھوڑو۔۔ ہاں میاں فرخ تم کتنے دن کی رخصت پر آئے ہو۔

فرخ۔ فی الحال تو ایک مہینہ کی چھٹی ملی ہے مگر امید ہے آئندہ یہیں کسی بورڈ پا لگا دیا جاؤنگا۔ میرے لئے بڑی زوردار کوشش ہو رہی ہے۔

احسن ممتاز۔ کون کوشش کر رہا ہے۔

فرخ۔ کئی افسران میرے اوپر بہت مہربان ہو گئے ہیں

روشن آرا۔ خدا کرے اب لڑائی ہی ختم ہو جائے۔

عابد حسن نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا ذرا میں مرزا صاحب کو تو اطلاع کر دوں۔

فرخ نے پوچھا۔ رائے صاحب کو ابھی خبر نہیں ہوئی۔

رضا علی نے کہا۔ وہ آج کل بنارس گئے ہوئے ہیں۔

فرخ نے گلشن سے پوچھا۔ چچی جان کا تو انتقال ہو گیا ہوگا۔

گلشن نے ہنسکر کہا۔ اے خدا نہ کرے ان کا انتقال کیوں ہوتا۔ وہ قیامت کے بورئے سمیٹیں گی۔ شام تک دیکھنا ڈولی انگنائی میں موجو ہوگی۔

فرخ نے ہنسکر کہا۔ ابھی تک ہوش و حواس باقی ہیں؟

گلشن نے مسکرا کر کہا۔ تم ہوش و حواش کو کہتے ہو۔ وہاں بھوک اور پیاس کھٹاس اور مٹھاس ہر چیز کی خبر ہے۔ دسترخوان پر چٹنی نہ ہو تو ان کا پیٹ نہیں بھرتا کھانے کے

بعد منہ میٹھا نہ کریں تو نیت سیر نہیں ہوتی۔

روشن آرا۔ نے ڈانٹا۔ گلشن کیا ہو گیا ہے چپ رہو۔

نزہت نے کھڑے ہوئے ہوئے فرخ کو دوسے کمرہ میں آنے کا اشارہ کیا شاہد وغیرہ بھی کھڑے ہو گئے۔

اکتالیسواں باب

"میں آ سکتا ہوں"

ارے یہ تو محسن کی آواز ہے۔ روشن آرا نے فرطِ مسرت سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ بڑی بہن کی مادرانہ محبت تمام پچھلے واقعات پر غالب آ گئی۔ وہ بھول گئیں کہ محسن کی طرف سے ان کے دل میں کچھ کدورت یا ملال بھی تھا۔

ارے خالہ اماں مجھے کہیں چھپا دیجئے۔ فرخ نے پلنگ کے نیچے گھستے ہوئے کہا۔

کمرہ میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ رضا علی محسن سے چھپ کر باہر نکلنا چاہتے تھے مگر سب سے پہلے انہیں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ بیس برس پیشتر کے دھندلے نقوش آنکھیں چار ہوتے ہی ابھر آئے۔ کچھ خون کا جوش، کچھ بچپن اور کچھ جوانی کی دوستی نے مل جل کر رضا علی کے قدم پکڑ لیے وہ ٹھٹک کر محسن کی شکل دیکھنے لگے۔

فرخ۔ نے بعافیت واپس آنے پر تمہیں مبارکباد دینے آیا ہوں۔ محسن نے نہایت خندہ پیشانی سے رضا علی سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی کہ اس کی آرزوں کو برباد کر کے مبارکباد دینے آ و گے ۔رضا علی نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔

محسن نے مسکرا کر ان کی پیٹھ تھپکتے ہوئےکہا۔ ذرا صبر کرو سب کی شکایتوں کا فرداً فرداً جواب دوں گا میں بھی بھرا ہوا ہوں۔

روشن آرا نے محسن کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ اندر آؤ۔

حسن آرا کہاں ہیں محسن نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

بھائی کی آواز سنتے ہی حسن آرا کی آنکھوں سے لڑیاں بہنی شروع ہو گئی تھیں۔ بڑی مشکل سے وہ اپنی طبیعت پر قابو پا کر آگے بڑھیں...... بہن کی حالت دیکھ کر محسن کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔۔۔ حسن آرا ضبط نہیں کر سکیں ان کی ہچکی بندھ گئی۔ فرخ گھبرا کر پلنگ کے نیچے سے نکل آئے۔ محسن نے مسکرا کر کہا۔ دشمن کو

نشانہ بنانیکے لیے جگہ اچھی تجویز کی تھی۔

رضا علی نے طنزیہ لہجہ میں کہا۔ ایسا کمظرف نہیں ہے وہ میرا لڑکا ہے۔

محسن نے مسکرا کر فرخ کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ میں جانتا ہوں تمہارا لڑکا ہے۔

عابد حسن نے ہنسکر کہا۔ ہم لوگ تو تمہارے پاس جانے والے تھے اچھا ہوا تم خود ہی آ گئے۔

محسن نے کہا۔ آپ لوگوں کو زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی ملزم خود ہی حاضر ہو گیا۔

احسن ممتاز نے بھائی سے گلے ملتے ہوئے کہا۔ فرخ کے انے کی تمہیں کیسے خبر ہوئی۔

محسن ۔جی ہاں یہ بھی ایک عجیب سی بات ہے کہ فرخ کے جانے کو تو ان لوگوں نے مجھ سے چھپایا مگر آنے کی اطلاع سب سے پہلے مجھ سے ہی کو ہوئی۔

رضا علی ۔ بیکار ہوئی۔ نہ تمہیں فرخ کیجانے سے کوئی نقصان ہوا نہ آنے سے کوئی فائدہ۔

محسن ۔مسکرا کر۔ اس میں کیا شک ہے، بیٹا تمہارا ہی کہلائے گا۔

رضا علی ۔۔ وہ تو تمہارا ہو چکا تھا۔ تم نے خود ہی اس کو ٹھکرا دیا۔

محسن ۔غلط کہتے ہو۔تم نے لڑکی کو ٹھکرایا۔ اس نے کیا قصور کیا تھا جو تم اس کی صورت دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

رضا علی ۔ اگر میں نے غم و غصہ میں یہ الفاظ لکھدیئے تھے تو اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ لڑکی کی شادی دوسری جگہ کردو کم از کم اپنی بہن کا تو خیال کیا ہوتا۔ محسن نے کوئی جواب نہیں دیا شاہد سے کہا دیکھو میاں باہر با آمدہ میں جو لوگ بیٹھے ہیں انہیں جا کر کمرہ میں بٹھاؤ۔

روشن آرا پریشان ہوئیں کہ ضرور افشاں اور اسکے میاں کو لے کر آئے ہیں عابد

حسن کے دل میں بھی یہی خیال آیا۔ دونوں میاں بیوی گھبرا کر باہر آ گئے۔ سب سے پہلے روشن آرا کی نظر ایک نوجوان حسین لڑکے پر پڑی۔ انہیں پکا یقین ہو گیا کہ یہی افشاں کا میاں ہے۔ انہوں نے عابد حسن کو دھکا دے کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ارے غضب ہو جائے گا خدا کے واسطے باہر ہی کے کمرہ میں بٹھاؤ۔ محسن نے تو اندھیرا کر دیا ہے یہ نہیں جانتے یہاں خون خرابے ہو جائیں گے۔ شاباش ہے افشاں کے دیدہ کو میرے تو حواس جاتے رہے۔

عابد حسن نے شاہد سے چپکے سے کہا۔ ان دونوں کو میرے کمرے میں بٹھا دو۔ برآمدہ میں اندھیرا تھا۔ عابد حسن نے خود کمرہ کھول کر شاہد سے کہا۔ یہاں لا کر بٹھا دو۔

محسن نے اندر کے کمرہ میں سے فرخ کو بھیجا۔ شاہد سے کہوں یہاں لے آئیں۔ روشن آرا نے فرخ کو آتا دیکھ کر اندر کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ تم یہاں کیوں آ رہے ہو اندر جاؤ۔

عابد حسن نے فرخ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر اندر لاتے ہوئے کہا۔ یہاں آؤ بیٹا۔ کیا بات ہے آپ لوگ اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہیں فرخ نے پوچھا۔ بس اندر چلو میں کہہ جو رہا ہوں۔ عابد حسن نے گھبراہٹ کے لہجہ میں کہا۔ ارے آپ مجھے پکڑے ہوئے کیوں ہیں۔ فرخ نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ محسن خود بھی ان لوگوں کے پاس آ گئے...... روشن آرا نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اندر لاتے ہوئے کہا۔ یہ تم نے کیا غضب کیا اب افشاں اور اس کے میں کو اس موقعہ پر کیوں لے آئے جانتے نہیں فرخ کیا کرے گا۔

محسن کے زبردست قہقہہ سے ساری گیلری گونج گئی...... جو لوگ اندر کمرہ میں تھے وہ بھی نکل آئے...... عابد حسن اور فرخ کی کھینچا تانی دیکھ کر محسن نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ واہ بھائی صاحب واہ میں تو آپا جان ہی پر ہنس رہا تھا مگر آپ کی حالت

قابل دید ہے۔

عابد حسن کو محسن کے ہنسنے پر بہت غصہ آیا انہوں نے فرخ کا ہاتھ چھوڑ کر احسن ممتاز کو باہر لے جاتے ہوئے کہا۔ ہم تو دو دن سے ہر ہر قدم پر پھونک رہے ہیں۔ ہر طرح سے لڑکے کو بہلانے پھسلانے کی کوشش کر رہے ہے، مگر ان کی ڈھٹائی دیکھو لڑکی کو مع اس کے شوہر کے لے آئے، میں تو صاحب اس گھر میں ٹھیر نہیں سکتا۔ اماں جان کے ہاں جاتا ہوں۔ تم جانو اور یہاں کی ہنگامہ آرائی جانے۔

محسن نے باہر جاتے ہوئے عابد حسن سے کہا۔ جی نہیں بغیر آپ کے یہاں کی ہنگامہ آرائی میں کوئی لطف نہیں آئے گا۔ یہ ڈرامہ شروع آپ ہی لوگوں نے کیا تھا اب آخری سین دیکھنے سے کیوں گھبرا رہے ہیں۔

عابد حسن نے گھبرا کر کہا۔ بہت خوب کیا آپنے مجھے تماشائی سمجھا ہے۔

محسن نے مسکرا کر کہا۔ جی نہیں اس ڈارمہ کے خاص ادا کار۔

عابد حسن نے احسن ممتاز سے کہا۔ تم دیکھ رہے ہو ان کو اس وقت دل لگی سوجھی ہے۔

احسن ممتاز نے عابد حسن کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ بھائیعابد آپ پریشان نہ ہوں میں ان دونوں کو باہر ہی روکتا ہوں

محسن نے نوجوان کو اندر لاتے ہوئے روشن آرا کی طرف بڑھا کر کہا۔ لیجئے آپا جان یہ آپ کا بھتیجا ہے افشاں کا بھائی۔

عابد حسن کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

یہ کہاں سے آ گیا۔ احسن ممتاز نے حیرت سے پوچھا۔

روشن آرا نے خوشی سے لڑکے کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ شاباش ہے، محسن تمہارے جگرے کو اس چاند کے ٹکڑے کو کس دل سے چھوڑے رکھا۔

محسن نے مسکر کر رضا علی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ بیس برس تک ان حضرت

کی جان کو روتا رہا ہوں۔

رضا علی خاموش کھڑے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے انہیں حیرت تھی کہ انور پاشا محسن کے پاس کہاں سے آ گیا اس کو تو ان کا پتہ بھی معلوم نہیں تھا۔ محسن کی بات کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا۔ میں تمام عمر تمہاری جان کو روؤں گا۔

محسن نے رضا علی کی طرف دیکھ کر کہا۔ خدا کا فضل ہے کہ تمہارا لڑکا بھی آ گیا تم بھی ہٹے کٹے پہنچ گئے اور کیا چاہتے ہو؟

رضا علی نے کہا ہم نہیں جانتے کیا چاہتا ہوں؟

محسن نے لاپرواہی سے کہا، میں نہیں جانتا تمہاری کیا خواہش ہے۔

عابد حسن بالکل خاموش تھے۔ شوکت آرا نے سب کو کمرہ میں بٹھایا۔ فرخ برآمدہ میں کھڑے رہے نزہت اور گلشن باہر کھڑی رہیں۔ کچھ دیر کے واسطے سب افشاں کو بھول گئے ہر شخص اس نئے مہمان کو حیرت اور تعجب سے دیکھ رہا تھا۔ محسن نے کہا۔ میں ذرا افشاں کے پاس جاتا ہوں وہ گھبرا رہی ہوگی۔

روشن آرا نے تعجب سے پوچھا۔ کیا افشاں بھی آئی ہے

محسن نے ذرا غصہ کے لہجے میں کہا۔ آپ لوگ اس کو بھول گئے مگر وہ کبھی نہیں بھول سکتی۔

روشن آرا نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ تم کیا کہہ رہے ہو؟ ہم لوگ اس کو بھول سکتے ہیں۔ کیا ناخنوں سے گوشت جدا ہوتا ہے۔ یہ کہو کہ تم نے خود اس کو ہم سے چھڑایا۔

محسن نے کہا۔ میں تو خود اس کو لے کر یہاں آ رہا تھا۔ رضا علی کا خط پہنچ گیا یہ اس کی صورت دیکھنا نہیں چاہتے تھے میں مجبور ہو گیا۔

احسن ممتاز نے کہا۔ اگر رضا علی نے غصہ اور پریشانی کی حالت میں یہ الفاظ لکھ بھی دیئے تھے تو تمہیں یہ نہیں چاہیے تھا کہ لڑکی کی شادی کر دیتے۔

محسن نے مسکرا کر کہا۔ معاف کیجئے گا۔ یہاں میری عدم موجودگی میں لڑکی کا نکاح

فرخ سے کر دیا۔ بعد میں مجھے اطلاع ہوئی، مگر میں نے کوئی اعتراض یا مخالفت نہیں کی۔ اگر میں نے بغیر آپ لوگوں کی اجازت کے ایک کام کر دیا تو کیا گناہ کیا۔

روشن آرا نے کہا۔ یہ کون کہتا ہے کہ تم نے گناہ کیا، تمہاری لڑکی تھی تمہیں اختیار تھا، مگر اتنا ضرور کہوں گی کہ ابا جان کی روح کو تم نے صدمہ پہنچایا اور سارے خاندان میں ہماری ذلت ہوئی۔

محسن نے کہا۔ خاندان کی تو نہ کبھی میں نے پرواہ کی نہ اب کرتا ہوں۔ ہاں ابا جان کی روح کو میں نے صدمہ نہیں پہنچایا۔ یہ لوگوں کا خیال خام ہے۔

عابد حسن نے کمرہ میں ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ فرخ تو ہم لوگوں کو مجبور کر رہا تھا کہ تمہارے پاس جا کر جواب طلب کریں۔

محسن نے کہا۔ بلایئے فرخ کو میں خود ہی سب کو جواب دینے آیا ہوں۔

احسن ممتاز نے کہا۔ جو کچھ حماقت تم کر چکے ہو وہ کافی کم ہے جواب فرخ کے منہ لگنے کا ارادہ ہے۔

محسن نے ہنسکر کہا۔ کیا آپ کو بھی بھائی عابد کی طرح کسی ہنگامہ آرائی کا اندیشہ ہے۔

احسن ممتاز نے کہا۔ بے شک مجھے فرخ کی طرف سے ڈر ہے کہیں وہ کوئی گستاخی نہ کر بیٹھے۔

حسن آرا ابھی تک خاموش بیٹھی تھیں۔ انہوں نے محسن کے قریب آ کر آہستہ سے پوچھا۔ کیا واقعی آپ افشاں کو لائے ہیں؟

محسن نیکہا۔ ہاں وہ تم سے ملنے کے لئے بقرار تھی میں اس کے اوپر ظلم نہیں کر سکتا تھا۔

حسن آرا نے آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے کہا۔ آپ کہاں چھوڑ کر آئے ہیں۔

محسن نے کہا۔ رائے صاحب کے ہاں اتار دیا ہے اگر دیکھنا چاہو تو وہاں جا کر دیکھ آؤ۔

رضا علی نے کہا۔ یہیں کیوں نہیں بلا لیتے۔

محسن نے کہا۔ جب تک تم خود جا کر نہیں لاؤ گے وہ یہاں نہیں آئیگی۔

رضا علی نے کہا۔ اگر تم اس کو پہلی حالت میں لاتے تو میں اپنی گود میں اٹھا کر لاتا قدموں کے نیچے اپنی آنکھیں بچھاتا۔ مگر اب اپنے لڑکے کے جذبات کو اپنے پاؤں کے نیچے نہیں روند سکتا۔

فرخ برآمدہ میں کھڑے کھڑے کود رہے تھے ارے ابا جان سے کہو جا کر لے آئیں لڑکے کے جذبات کو کچل ڈالیں روند ڈالیں۔ مسل ڈالیں۔ اس گدھی کے دیکھنے کو لڑکے کا بہت دل چاہ رہا ہے۔

گلشن نے فرخ کو پیٹھ پر دو تین گھونسے مارتے ہوئے کہا۔ چپ بے حیا، شرم تو نہیں آتی۔

فرخ نے گلشن کے سر پر تھپڑ مار کر کہا۔ تم کیا جانو۔

دیکھا تھا کبھی خواب سا معلوم نہیں کیا

اب تک اثر خواب سا معلوم نہیں کیا

نزہت نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ لو بیوی فوج میں رہ کر تو یہ بالکل ہی بیباک ہو گئے پہلے کبھی شعر و شاعری نہیں کرتے تھے۔

گلشن بولیں۔ اے بی شکل پر بھولپن بھی تو نہیں رہا۔ کیسا خرانٹ ہو گیا ہے۔ یہ فوجی سب گنوں پورے ہوتے ہیں۔

نزہت نے ہنسکر کہا۔ پانچوں عیب شرعی کیوں نہیں کہتیں۔

فرخ نے گلشن کو کمرہ میں دھکیلتے ہوئے کہا۔ ذرا ابا جان سے جا کر کہہ دو اسے لے آئیں۔

گلشن نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے زنہت سے کہا۔ دیکھتی ہو میں ابھی ماموں جان کے اوپر جا پڑتی یہ تو آپے سے باہر ہوا جا رہا ہے۔

محسن نے فرخ کو آواز دی۔ گلشن اور زنہت بھی ان کیساتھ کمرہ میں آ گئیں۔

محسن نے ہنس کر فرخ سے کہا۔ افشاں رائے صاحب کہاں بیٹھی ہے اگر اس کو بلوانا چاہو تو اپنے باپ کی منت سماجت خوشامد کرو۔

سب کی نگاہیں فرخ کے چہرہ میں پڑیں۔ فرخ نے کچھ جھینپ کر کہا چلئے ابا جان لے آیئے۔

رضا علی نے فرخ کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا یہ قصہ کیا ہے۔

حسن آرا بولیں۔ سب چلے جاؤ جو کچھ قصہ ہوگا معلوم ہو جائے گا۔

رضا علی نے محسن کی طرف دیکھ کر کہا۔ میں دیکھ رہا ہوں تمہیں اپنے لڑکے سے ملنے کی خوشی میں دوسروں کے احساسات اور جزبات کا مطلق خیال نہیں رہا۔

محسن نے کہا۔ مگر تمہاری حالت اس کے برعکس ہے، لڑکا بھی آ گیا دوسرے کام بھی مرضی کے مطابق ہو گئے لیکن آپ ہے کہ انیٹھے جا رہے ہیں۔

فرخ نے پھر کہا۔ اٹھئے ابا جان۔

عابد حسن بھی بولے۔ میاں چلے جاؤ تمہارا کے ہرج ہے۔

رضا علی نے بگڑ کر کہا۔ آپ بھی عجیب باتیں کرتے ہیں، مجھ سے کیا تعلق۔

فرخ نے ایک دم کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ کسی کے جانے کی ضرورت نہیں میں خود لاتا ہوں۔

عابد حسن، روشن آرا، احسن ممتاز فرخ کے ساتھ کھڑے ہو گئے...... محسن لاپروائی سے سگریٹ پینے لگے...... کمرہ میں تھوڑی دیر بالکل سکوت رہا۔ حسن آرا حیران و پریشان دروازہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

سب سے پہلے فرخ سنجیدگی سے کمرہ میں داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے افشاں سن تارے کی دھانی رنگ کی ساڑی میں اپنے معصومانہ انداز میں نیچی نگاہ کئے آئی۔ محسن خود اٹھ کر چند ابائی سے افشاں کے بچہ کو لے آئے...... باوجود انتہائی غصہ اور نفرت کے رضا علی کی نظریں خود بخود افشاں کیطرف اٹھ گئیں۔ یہ میرے ابا جان ہیں۔ فرخ نے رضا علی کی طرف اشارہ کر کیکہا۔

افشاں نے جھک کر آداب کیا۔ رضا علی نے بھی مجبوری کے عالم میں اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیا۔ محسن نے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا۔

رضا علی نے تیوری چڑھا کر کہا۔ ہنسنے کی کوئی بات نہیں ہے۔

محسن نے کھڑے ہوتے ہوئے ان کے کندھے زور سے ہلا کر کہا۔ تم بھی کیا یاد کروگے۔ میں ابھی دو لفظوں میں اتنی لمبی داستان ختم کئے دیتا ہوں۔ لو یہ تمہارا پوتا ہے۔ فرخ کا لڑکا۔

محسن نے بچہ کو رضا علی کی گود میں ڈال دیا...... ایک ساتھ سب کی زبان سے نکلا۔ وہ کہاں سے آیا۔

محسن نے کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ یہ فرخ سے پوچھ لو۔

عابد حسن کے قہقہوں سے کمرہ گونج گیا۔

.... اختتام ....